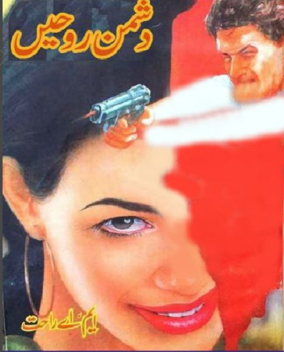
دشمن روحیں
ایم اے راحت

ڈر ڈائجسٹ میں ایک سال چلنے والا خوفناک سلسلہ

دشمن روحیں

مکمل ناول

ایم اے راحت

دشمن روحیں

ایم اے راحت

قسط نمبر: 1

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زور قلم سے لکھی شاہکار کہانی

زمینداروں کی زندگی میں اگر دشمنیاں، مقدمے بازی اور دیگر سازشیں نہ ہوں تو زمینداری یا جاگیرداری مکمل نہیں ہوتی۔ ان کی جاگیروں میں اگر ظلم وستم، قتل وغارتگری، عیاشی، یا پھر نیک دلی انسانی ہمدردی نہ ہو تو پھر زمیندار کیسا۔ ملکھانوں کے اس خاندان میں کسی فرشتہ صفت انسان کی تو کوئی کہانی نہیں تھی۔ ہاں دادا حضور کی رنگین مزاجی کے قصے دبی زبانوں سے ضرور دوہرائے جاتے تھے۔ رنگین مزاجی اگر دھنک رنگی تک ہی محدود ہو تو قابل قبول ہوتی ہے لیکن اگر وہ سرخ رنگ میں رنگ جائے تو اس کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں۔

اور مامون خان ملکھانی کے بارے میں کہنے والے بہت کچھ کہتے تھے۔ یہ میرے دادا کا نام ہے۔ جس طرح حسن وعشق کی داستانیں سینہ بہ سینہ چلی ہیں اسی طرح ظلم وستم کی کہانیاں بھی صدیوں نہیں بھلائی جاتیں۔ اور پھر جناب اس میں تو گیت ہی حسن وعشق کے گائے جاتے تھے۔ لڑکیاں بالیاں ساون کی پھواروں کے سائے میں، جھولوں کی پینگیں لئے ہوئے۔

اس عشق دے بحر طوفان اندر
جیڑا پسیا اس دی جان لٹ گئی
ہیر ٹرفدی مری پنجاب اندر
جان سسی دی وچ مکران لٹ گئی
صاحباں شوق دے نال تیار ہو کے
ہوئی مرزے دے نال روان لٹ گئی
جی اے راویاں مہیوال نوں آکھدا اے
کی ہویا جے تیری دکان لٹ گئی

گاتی تھیں۔

سوہنی کے گجرات کے مشرقی حصے میں یہ علاقہ ''گجر گھاٹ'' کہلاتا تھا۔ اسی گجر گھاٹ میں ہماری شاداب زمینیں پھیلی ہوئی تھیں کھیت، باغات، سونا اگلتے ہوئے، میں بھی انہیں ملکھانوں میں سے ایک ہوں جن میں سے ایک ملکھان کی کہانی اب تک دوہرائی جاتی ہے اور یہ کہانی صرف ایک گزری داستان تک محدود رہتی تو کوئی حرج نہیں تھا لیکن کچھ بدنصیبیاں خصوصاً میرے حصے میں آ گئی تھیں جن کی وجہ سے میں بے گناہ ہوتے ہوئے بھی بدترین گناہ گار بن گیا تھا۔ حالانکہ اور بھی خاندان تھا میرے والد، چچا اور دوسرے مامون خان کے حوالے سے ان لوگوں سے بھی غیر مخلصوں کی ایک بڑی تعداد تھی لیکن مجھ پر یہ خصوصی عتاب اس لئے نازل تھا کہ میں اپنے دادا کا ہم شکل تھا۔

ان کی ہو بہو کاپی، گھر میں تو میری حیثیت چہیتوں کی تھی لیکن گجر گھاٹ کے گلیوں کوچوں بازاروں میں مجھے اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ چناب کنارے اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی حسینائیں مجھے دیکھ کر منہ بناتیں اور اپنے گھروں کو چل دیتیں۔

حالانکہ انہوں نے میرے دادا کی تصویر بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ لیکن دادا کی شکل اس طرح ان کے ذہنوں میں بیٹھادی گئی تھی کہ انہوں نے مجھے ہی مامون خان سمجھ لیا تھا۔ طویل عرصہ تک تو مجھے اس کہانی کا پتہ ہی نہیں چل سکا تھا۔ گھر والے، یا میری دادی، جو مجھ سے والہانہ عشق کرتی تھیں ان کے بارے میں نہیں بتا سکتی تھیں ظاہر ہے دادا اس خاندان کی قابل قدر ہستی تھے۔ دادی کا پیار اس لئے بھی شدت رکھتا تھا کہ میں ان کے محبوب شوہر کا ہم شکل تھا۔ سنا گیا تھا کہ دادا حضور تو شوقین مزاج تھے بہت سی حسیناؤں کے دل کی دھڑکن، یا بہت سی حسینائیں ان کے دل کی دھڑکن تھیں۔ لیکن دادی جان انہیں ان کی تمام بری عادتوں کے باوجود بری طرح چاہتی تھیں۔ ان کی زبان پر ایک ہی بات تھی۔

''مامون۔ یہ سب سے بری بات کی تم نے، خود چلے گئے، مجھے اکیلا چھوڑ دیا، اب مجھے پاس بلالو۔''

ظاہر ہے، منوں مٹی کے نیچے سوئے ہوئے دادا جان ان کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتے تھے۔

کسی داستان کے آغاز سے پہلے اس کے متعلق دوسرے عوامل کا تعارف ضروری ہوتا ہے تاکہ قاری پوری داستان کے ماحول سے روشناس ہوجائے۔ میں زیادہ سے زیادہ اپنے بارے میں بتادینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ آپ کو کہیں تشنگی کا احساس نہ رہے۔

جب تک ہوش نہیں تھا مجھے کچھ معلوم نہیں تھا لیکن حویلی کے تہہ خانے میں جسے تہہ خانہ کہنا کافی نہیں ہے ہاں اسے نوادر خانہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں ملکھانوں کی تاریخ محفوظ ہے۔ ان کے لباس ہتھیار، ان کی روغنی تصویریں، قدیم برتن اور دوسری چیزیں اسی میں دادا جان کی روغنی تصویر بھی تھی جو نہ جانے کس نے بنائی تھی لیکن یہ سچ ہے کہ وہ میرے مستقبل کی عکاس تھی۔

ہماری حویلی وسیع ترین تھی۔ ساتھ ہی اسے جدید ترین بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ میرے والد شیر شاہ سوری سے بہت متاثر تھے جنہیں تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ والد صاحب نے اس شوق کو گھر میں پورا کیا تھا اور حویلی کی وسعت سے فائدہ اٹھا کر اس کے دو حصے کر لئے تھے۔ ایک حصے کو انہوں نے جدید ضرورتوں سے آراستہ کر لیا تھا لیکن دوسرے حصے کو قدیم حالت میں رہنے دیا تھا۔ وہ حصہ بھوت خانہ ہی بنا ہوا تھا۔ اور اس طرف واقعی بھوت زیادہ تھے خصوصاً اس لئے کہ اس سے ملحق کھلے حصے میں ہندو آبادی کا شمشان گھاٹ تھا۔ مامون خان ملکھان نے ازراہ کرم نہیں بلکہ ہندو گجراتنوں کے قریب رہنے کے لئے اس شمشان گھاٹ کو قائم رہنے دیا تھا اور اس میں کسی قدر کامیابی بھی حاصل کر لی تھی کیونکہ ہندو آبادی کا مکھیا ہیرالعل ان کا دوست بن گیا تھا۔ لیکن مامون خان نے اس ہیرالعل کے سینے پر چھرا گھونپا تھا، گنگا سری اس کی اکلوتی بیٹی تھی جو بہت خوب صورت تھی بے حد دلکشی کی مالک، مامون خان نے اسے دیکھ لیا ان کی بدفطرت نے دوستی کا خیال بھی نہ کیا اور گنگا سری جو مامون خان کو چاچا جی، چاچا جی کہنے لگی تھی اس کی ہوس کا شکار ہوگئی بات کھل گئی تو گنگا سری نے دھتورا کھا کر خودکشی کر لی۔

ہیرالعل کا بیٹی کے غم میں دماغی توازن خراب ہوگیا۔ ہندو مامون خان کے خلاف ہوگئے لیکن مامون خان طاقتور تھا کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ البتہ بہت سے لوگوں نے کتنی ہی بار شمشان گھاٹ میں یا پرانی حویلی میں گنگا سری کو گھومتے پھرتے دیکھا۔

اور اس کے بعد یہ خاندان مصیبتوں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ایک انوکھی روایت سامنے آئی، شروع میں تو کسی نے اس پر غور نہیں کیا لیکن بعد میں تیرہ تاریخ اس خاندان کے لئے ایک عذاب بن گیا۔ اس تاریخ کو رات پونے بارہ بجے پرانی حویلی آباد ہوجاتی تھی وہاں

روشنیاں دیکھی جاتی تھیں اور پھر بارہ بجے کے بعد رقص وموسیقی کی محفل جاری ہو جاتی تھی۔

پہلی بار اس محفل کو دیکھ کر رات کا چوکیدار دلدار خان وہاں چلا گیا۔ دوسری صبح دلدار خان کی لاش وہاں سے ملی۔ اس کے جسم کا سارا گوشت نوچ لیا گیا تھا صرف چہرہ چھوڑ دیا گیا تھا جس سے اس کی پہچان ہوئی کسی کو یہ خیال نہیں آیا کہ دلدار خان کی موت کس پراسرار طریقے سے ہوئی ہے لیکن دوسرے مہینے پھر وہی محفل جمی اور حویلی کے دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا اور دوسری صبح حویلی کا ایک ملازم فقیرالدین کی لاش بھی اس عالم میں ملی، تیسرے اور چوتھے مہینے کی تیرہ تاریخ کو بھی وہاں سے لاشیں برآمد ہوئیں۔ اور ہر طرف خوف وہراس کے بادل چھا گئے، حویلی والوں کی جانیں نکل گئیں اب تیرہ تاریخ کی حقیقت بھی ان پر واضح ہو گئی تھی۔

تیرہ نومبر کی ہی ایک صبح ماموں خان جب سو کر اٹھا تو اس کے جسم کا گوشت جگہ جگہ سے غائب تھا۔ ماموں خان کی حالت بہت بری ہو گئی وہ خود نہیں بتا سکا کہ ایسا کیسے ہوا جبکہ رات کو اسے کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی تھی اور اس کے بدن کی یہ حالت ہو گئی پھر بچے ہوئے گوشت کی حالت بگڑتی گئی ماموں خان کو لاہور کے ایک بڑے اسپتال میں داخل کیا گیا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

چھ ماہ تک ماموں خان دن رات تڑپتا رہا۔ اس کے زخم گل گئے، ہڈیوں تک میں سوراخ ہو گئے اور ان سے ہر وقت راکھ سی خارج ہونے لگی۔ اس قدر ہولناک بدبو اس کے بدن سے اٹھتی تھی کہ ڈاکٹر بھی کترانے لگے کوئی اسپتال اسے قبول نہیں کرتا تھا چنانچہ اہل خاندان اسے گھر لے آئے۔ یہاں بھی وہ شدید نفرتوں کا شکار تھا، بس دادی اماں تھیں جو دادا جان کے سارے کام کرتی تھیں اور لوگ ان پر آفریں کرتے تھے۔ اس عالم میں ماموں خان کا انتقال ہوا۔ یہ انتقال بھی تیرہ تاریخ کو ہی ہوا تھا۔

ان کے بدبودار وجود کی تدفین بھی ایک بڑا مسئلہ بنی۔ کئی افراد بیمار ہو گئے انہیں غسل بھی نہیں دیا جاسکا۔ اور یونہی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا گیا۔

سب سے خاص بات یہ تھی کہ اس رات شمشان گھاٹ اور پرانی حویلی میں چراغاں ہوا تھا، پوری رات ڈھول بجے تھے اور گھنگھروؤں کی جھنکار گونجتی رہی تھی حویلی کا ہر فرد کونوں کھدروں میں دبکا رہا تھا۔ نئی حویلی میں ہمارا پورا خاندان بھرا ہوا تھا، بہت سے افراد تھے جن کی وجہ سے خوب چہل پہل رہتی تھی لیکن تیرہ نومبر سے سب خوف زدہ رہتے تھے۔

دادا جان کی موت کے بعد بھی پرانی حویلی کا جشن جاری رہا۔ دوسری مکین تیرہ تاریخ کبھی نہیں بھولے تھے یہاں تک کہ ایک بار تیرہ نومبر کو زبردست آندھی اور بارش کا طوفان آیا۔ طویل عرصہ کے بعد اتنا شدید طوفان آیا تھا، گھر کے لوگ بھلا تیرہ نومبر کو کیسے بھول سکتے تھے، لیکن اس طوفان کے پیش نگاہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ شاید آج رقص وموسیقی کی محفل نہ جمے۔ لیکن جناب کیا۔

بدروحوں کے لئے یہ طوفان کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ رقص وموسیقی کی یہ محفل مافوق الفطرت اور سمجھ میں نہ آنے والی روشنی میں جاری رہی اور گھر والے خوف زدہ ہوتے رہے۔ کتنی ہی بار حویلی کے مکینوں نے اسے چھوڑنے کے بارے میں سوچا لیکن صدیوں کی جاگیر کو چھوڑنے کا تصور ہی مضحکہ خیز تھا۔ سب کے کاروبار جمے ہوئے تھے مشاغل بھی نہیں بدلے جاسکتے تھے۔

خیر۔ تو میں نے بتایا ہے کہ میری شکل دادا جان سے ملتی تھی اور اس بات کو خصوصی اہمیت حاصل تھی گھر میں اور بھی بچے تھے لیکن مجھے زیادہ اہمیت دی جاتی تھی ایک بار عظمت خان مجھے لے کر قریب کے گاؤں چار گڑھی گئے وہاں انہیں پھلوں کے ایک آڑھتی سے ملنا تھا یہ شخص بھی بڑا صاحب حیثیت تھا اور دنیا کے بیشتر ممالک میں پھل ایکسپورٹ کرتا تھا۔ عظمت خان، یعنی میرے والد محترم نے مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ میری عمر اس وقت سات سال کے قریب تھی آڑھتی نیاز علی نے مجھے بہت پیار کیا اور بولا۔

''بہت پیارا بچہ ہے، اس کی تعلیم شروع کردی؟''
''ہاں۔ پرائمری پڑھ رہا ہے۔'' عظمت خان نے بتایا۔
''اچھی بات ہے اسے خوب پڑھانا تعلیم انسان کو عقل دیتی ہے۔ ماشاء اللہ تمہارا شاندار کاروبار بہت اچھے طریقے سے سنبھالے گا۔'' نیاز علی نے میرے بارے میں اور بھی اچھی باتیں کیں، ہم لوگ نیاز علی کے گھر کے احاطے میں پڑی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ اچانک نیاز علی کے گھر کے صدر دروازے سے ایک بزرگ باہر نکلے، سبز رنگ کا تہد باندھے ہوئے تھے سبز ہی ڈھیلا ڈھالا کرتہ پہنے ہوئے تھے لمبی سفید داڑھی تھی دور ہی سے اندازہ ہورہا تھا کہ چہرہ پر جلال ہے۔
''یہ کون بزرگ ہیں نیاز علی، پہلی بار دیکھا ہے؟'' والد صاحب نے ان بزرگ کو دیکھا جو آہستہ قدموں سے اسی طرف آرہے تھے۔
''مرشد محبوب الٰہی ہیں۔ خواجہ نظام الدین اولیاء سے بیعت ہیں، بہت ہی بابرکت شخصیت ہیں۔ سفر میں ہی رہتے ہیں کبھی کہیں تو کبھی کہیں۔ ہم پر خصوصی کرم فرمائی ہے آجاتے ہیں دوچار دن رہتے ہیں پھر چلے جاتے ہیں۔ لیکن ان کی برکت سے ہمیں بہت کچھ ملا ہے۔'' نیاز علی نے عقیدت سے کہا۔
اس دوران بزرگ ہمارے پاس پہنچ گئے تھے۔ مجھے اس وقت اچھے برے کی کوئی تمیز نہیں تھی لیکن نہ جانے کیوں میری عجیب سی کیفیت ہوئی۔ والد صاحب اور نیاز علی ان کے اقدام میں کھڑے ہوگئے تھے۔ سلام دعا ہوئی۔ نیاز علی نے کہا۔
''تشریف رکھئے مرشد۔ یہ عظمت خان ملکھانی ہیں۔ بہت بڑے زمیندار ہیں ان کے باغوں کے پھل دنیا کے بہت سے ملکوں میں جاتے ہیں۔ خاص طور پر عرب ممالک میں ان کے باغوں کے پھلوں کی بہت مانگ ہے۔ ہمارے درمیان بھائیوں جیسے تعلقات ہیں۔''
''اللہ برکت دے۔ بیٹھیں آپ لوگ۔'' بزرگ نے خود بھی بیٹھتے ہوئے کہا۔ بزرگ نے مجھے دیکھا اور چونک پڑے۔ پھر بولے۔ ''یہ..... یہ.....؟''
''عظمت خان کا بیٹا اشرف خان ہے۔'' نیاز علی نے میرے بارے میں بتایا۔
''مالک زندگی دے کچھ، الجھنیں نظر آئی ہیں کچھ مشکلیں۔''
والد صاحب کے چہرے پر عقیدت نظر آنے لگی۔ انہوں نے فوراً کہا۔ ''محترم میری آپ سے پہلی ملاقات ہوئی ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ آپ سے اس کی بات کروں۔''
''بتاؤ۔ کیا بات ہے؟'' محبوب الٰہی صاحب نے کہا۔
''ہم طویل عرصہ سے ایک کرب میں مبتلا ہیں۔ اللہ پاک نے سب کچھ دیا ہے لیکن بے سکونی ہے، کچھ اس طرح ہوا ہے کہ پورا گھر خوف ودہشت میں مبتلا ہے۔''
''بتاؤ۔ بزرگ نے کہا۔'' اور والد صاحب نے الجھی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا اسی وقت بزرگ بول اٹھے۔
''نہیں۔ بے تکان بتاؤ جس کے سامنے تم یہ بتانے سے الجھ رہے ہو میں نے صرف اس کی صحت دیکھ کر تم سے بات کی ہے۔''
''جی۔'' والد صاحب نے کہا۔ پھر انہوں نے حویلی کے بارے میں دادا صاحب کے بارے میں پوری تفصیل بتادی۔ نیاز علی کے چہرے پر بھی حیرت اور تاسف کے آثار تھے۔ اس نے کہا۔
''ملکھانی جی کی حویلی کے بارے میں سنا تو تھا لیکن کبھی تفصیل نہیں معلوم ہوئی تھی۔''
''نیاز علی ایک برتن میں پانی منگواؤ۔''
''ابھی مرشد۔'' نیاز علی نے کہا اور کسی امان کو آواز دی۔ امان اللہ ایک ملازم تھا جو دوڑا چلا آیا تھا۔
''ایک بڑے پیالے میں پانی لے آ۔''
''جی مالک۔'' امان یا امان اللہ نے کہا۔ مطلوبہ

پانی آ گیا تو محبوب الٰہی نے آنکھیں بند کرلیں اور کچھ پڑھنے لگے پھر تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں اور بولے۔

''بڑی مشکلوں میں گھرے ہوئے ہو عظمت خان، مالک دو جہاں تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے گھر میں روزہ نماز ہوتی ہے۔''

''جی مرشد۔ نماز بھی پڑھی جاتی ہے تلاوت کلام پاک بھی ہوتا ہے۔''

''یہ سلسلہ جاری رکھنا ہے اصل میں تمہارا بیٹا تمہارے والد کا ہم شکل ہے اور یہی اس کے لئے مشکل کی بات ہے کچھ گرہیں کھلی ہیں کچھ بندھی ہوئی ہیں جو اپنے وقت پر کھلیں گی۔ لیکن دشمن روحیں آزاد ہیں وہ اپنے داؤ مارتی رہیں گی۔''

''اگر میں حویلی چھوڑ دوں تو؟''

''نہیں۔ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ تعاقب کریں گے۔''

''کون؟'' والد صاحب نے بے اختیار پوچھا۔ ''لیکن بزرگ نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میں یہ بات سن رہا تھا اور کافی حد تک سمجھ رہا تھا اور میرے دماغ میں بہت سی باتیں آرہی تھیں۔

کچھ دیر خاموشی رہی، پھر بزرگ نے کہا۔

''ہوتا ہے۔ ایسا ہوتا ہے کسی کی سزا کسی کو ملتی ہے لیکن کلام الٰہی بہت سی مشکلوں کو ٹال دیتا ہے۔ وہ کسی ایک کے نہیں سب کے درپے ہیں۔''

''جی۔'' والد صاحب نے جھرجھری سی لے کر کہا۔

''اور ایک ایک کر کے سب پرواز کریں گے۔ اللہ کرم کرے۔''

''کوئی ہماری مدد نہیں کرے گا۔ مرشد۔'' والد صاحب کا لہجہ سخت ہوگیا اور بزرگ پھر چونک پڑے پھر مسکرا دیئے۔

''تمہارا یہ لہجہ تمہاری مدد کرے گا۔ تمہاری پامردی بلاؤں کو خوف زدہ کرے گی۔ اس سے تمہیں مدد ملے گی۔''

''میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں اس شمشان گھاٹ کو کوڑا گھر بنا کر رکھ دوں گا، پرانی حویلی کو آگ لگوا دوں گا، دیکھ لوں گا ان گندی آتماؤں کو۔'' والد صاحب غصے سے بولے۔

''میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' بزرگ نے کہا۔ پھر آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھنے لگے۔ ابھی وہ پڑھنے میں مصروف تھے کہ اچانک پانی کے پیالے سے دھواں اٹھنے لگا۔ پھر ایک ہولناک چیخ ابھری اور اچانک پیالے سے ایک شعلہ بلند ہوگیا۔ پانی پیٹرول کی طرح جل اٹھا۔

ہم سب گھبرا گئے۔ بزرگ نے آنکھیں کھول دیں اور خاموشی سے پیالے کی طرف دیکھنے لگے۔ پیالہ خشک ہوگیا اب اس میں پانی کا نام ونشان نہیں تھا۔ بزرگ نے گردن ہلائی پھر بولے۔

''کسی وقت ہم تمہاری حویلی آئیں گے۔''

''ابھی چلیں حضور، یہ میری خوش نصیبی ہوگی۔'' والد صاحب بولے۔

''نہیں۔ ہر کام کے لئے وقت ہوتا ہے۔'' یہ کہہ کر محبوب الٰہی اپنی جگہ سے اٹھے۔ میرے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر مزید کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئے۔

نیاز علی عجیب سی نظروں سے والد صاحب کو دیکھ رہے تھے۔ بزرگ نظروں سے اوجھل ہوگئے تو والد صاحب نے کہا۔ ''چلو آج تم بھی ہم سے واقف ہوگئے۔'' نیاز علی۔

''نہیں بھائی۔ مجھے خود سے الگ مت سمجھو۔ میں تمہیں اور تمہارے خاندان کو جانتا ہوں۔ تمہاری شرافت کی قسمیں کھا سکتا ہوں۔ بڑے ملکھان جی کی رنگین مزاجی کے بارے میں پہلے سن رکھا تھا میں نے مگر وہ خاندان میں اگر کوئی ایک ایسا نکل آئے تو پورے خاندان کو ملوث نہیں کیا جاسکتا۔ میں مرشد سے درخواست کروں گا کہ تمہارے لئے کچھ کریں۔''

ہمیں جو کام تھا اس کی تکمیل کر کے ہم واپس

چلے پڑے۔ راستے میں والد صاحب کو میرا خیال آیا تو انہوں نے بڑے پیار سے مجھے آواز دی۔

''اشرف۔''

''جی بابا۔''

''چپ کیوں ہو؟''

''نہیں بابا۔''

''تم نے پوری باتیں سنیں۔''

''جی نہیں۔''

''ڈر رہے ہو؟''

''نہیں بابا۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ بلکہ مجھے تو پوری کہانی سن کر بہت مزہ آیا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''نہیں بیٹے یہ مزے کی بات نہیں ہے۔''

''میں نے بھی شمشان گھاٹ کے علاقے میں ناچ گانا دیکھا ہے۔ بابا جان، کیا وہ روحیں ناچتی ہیں۔''

''تم اس بارے میں نہ سوچو۔''

''نہیں بابا جان۔'' میں ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں ان روحوں کے ناچ گانے کو قریب سے دیکھوں گا۔

''کیا فضول باتیں کررہے ہو۔ مجھ سے غلطی ہوگئی کہ میں تمہیں ساتھ لے آیا۔ آئندہ میں تمہیں کہیں نہیں لے جاؤں گا اور ایک بات یاد رکھنا۔''

''جی بابا۔''

''خبردار ۔ جو تم کبھی پرانی حویلی یا شمشان گھاٹ گئے۔''

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ بابا جان سے میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ لیکن جو باتیں میں نے سنی تھیں وہ مجھے بہت دلچسپ لگی تھیں۔ روحوں کے بارے میں نہ تو مجھے کسی طرح کی معلومات تھیں اور نہ ہی میں یہ جانتا تھا کہ روحیں اتنی خطرناک ہوتی ہیں۔ البتہ میرے دماغ میں انہیں قریب سے دیکھنے کی خواہش ضرور پیدا ہوگئی تھی۔

اس رات میں سکون سے نہیں سویا۔ میں عموماً دادی جان کے ساتھ ان کے کمرے میں سوتا تھا۔ بہت چھوٹا سا تھا تبھی سے دادی جان نے مجھے اپنے کمرے میں سلانا شروع کردیا تھا۔ اور اب میں انہیں کے ساتھ سونے کا عادی تھا۔ ان کا کمرہ گراؤنڈ فلور پر تھا اور ان کے کمرے کی کھڑکی پرانی حویلی کی طرف کھلتی تھی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی اس کھڑکی پر توجہ بھی نہیں دی تھی لیکن آج رات کو کوئی دو بجے کے قریب میں اس کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ باہر چاندنی چٹکی ہوئی تھی فضاء میں ایک پراسرار سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور دور، پرانی حویلی نظر آرہی تھی۔

اس سے پہلے ہزاروں بار میں نے اس پراسرار حویلی کو دیکھا تھا لیکن میرے دل میں کوئی خاص تاثر نہیں پیدا ہوتا تھا لیکن آج ۔ آج وہ مجھے بہت عجیب لگ رہی تھی۔

دفعتاً دور سے مجھے کوئی نظر آیا۔ جو کوئی بھی تھا پرانی حویلی کی ایک دیوار کے پیچھے سے نمودار ہوا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ چاندنی میں نمایاں ہوگیا تب میں نے دیکھا وہ ایک خوب صورت لڑکی تھی ہندو طرز کے لباس میں ملبوس تھی۔ لہنگا چولی، چاندی کے زیور میں ملبوس اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔

تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ رک گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی بڑی بڑی کالی آنکھیں مجھے ہی دیکھ رہی ہیں۔ پھر ایک بے حد دلکش آواز میرے کانوں میں ابھری۔

''چھوٹے مہاراج۔ چھوٹے مہاراج۔ چھوٹے مہاراج۔''

دور، دور تک کوئی اور نہیں تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ مجھے ہی چھوٹے مہاراج کہہ کر پکار رہی ہے لیکن کیوں۔ اور کون ہے وہ۔ مجھے اس کی آواز بہت اچھی لگ رہی تھی۔

''چھوٹے مہاراج ۔'' اس نے پھر کہا۔

اور میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

''مجھ سے کہہ رہی ہو۔''

''ہاں۔ آؤ۔'' وہ بولی۔

''مم۔ مگر، تم کون ہو؟'' اور مجھے کیوں بلا رہی ہو؟''

''مجھے نہیں جانتے۔'' اس نے کہا۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ میرے اور اس کے درمیان کافی فاصلہ تھا لیکن وہ مجھے بالکل صاف نظر آ رہی تھی۔ اس کے خوب صورت نقوش دور سے بھی نمایاں تھے۔

''بتاؤ، نہیں جانتے مجھے۔''

''تم گنگا سری ہو۔'' میرے منہ سے نکلا۔ حالانکہ اس نام سے میری کوئی واقفیت نہیں تھی۔ نہ جانے یہ نام کیسے میری زبان سے نکل گیا تھا۔

وہ مسکرادی۔ مسکراتے ہوئے بھی وہ بہت اچھی لگی تھی۔

''یہی تو میں بھی کہوں۔ چھوٹے مہاراج مجھے کیسے بھول سکتے ہیں۔ میرے بول یاد ہیں۔''

''بول؟'' میں اب اس سے بے تکان بول رہا تھا۔

''اپنے محل سے ان کے محل تک...... کبھی کبھی دیا جلائے...... پانی کی پتوار بنائے...... دیپ نگر سے دیپ نگر تک...... دیپ جلائے...... دیپ بجھائے۔''

اس نے دلکش آواز میں انوکھے بول سنائے اور میں مسحور ہو گیا۔

''کب آؤ گے چھوٹے مہاراج۔ بولو کب آؤ گے۔''

''کہاں؟''

''بھولے بن رہے ہو۔ اپنے محل سے میرے محل تک......'' اس نے کہا۔ اسی وقت پیچھے سے دادی اماں کی آواز سنائی دی۔

''اشرف۔ ارے تم وہاں کیوں کھڑے ہو۔'' نیند نہیں آ رہی ہے کیا؟''

دادی اماں اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئیں۔ میں نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ اب اس کا چہرہ بدل گیا تھا اس کے نقوش میں کرختگی پیدا ہونے لگی تھی۔

''جاگ گئی وہ۔''

''ہاں۔ دادی۔'' میرے منہ سے نکلا۔

''اس کی باری ہے۔ اب اس کی باری ہے۔ راستے کے سارے پتھر سمیٹتے ہیں۔'' اس کی آواز سنائی دی لیکن اس وقت دادی اماں کھڑکی پر میرے پاس پہنچ گئیں۔

''کیا ہوا۔ میرے بچے کیا ہوا؟'' انہوں نے پیار سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ پھر بولیں۔ ''تم کچھ کہہ رہے تھے کس سے باتیں کر رہے تھے؟''

''دادی اماں، وہ، وہ۔'' میں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

''کون...... ادھر ہٹو کون ہے؟'' دادی اماں نے مجھے راستے سے ہٹایا اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگیں۔ کچھ لمحے کھڑکی باہر پھیلی چاندنی میں گھورتی رہیں پھر بولیں۔ ''کوئی بھی نہیں ہے اس وقت کون آ سکتا ہے گھڑی دیکھو۔'' انہوں نے دیوار میں لگی گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے باہر جھانکا۔ خاموش چاندنی پر سکوت تھی۔ دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ دادی اماں نے کھڑکی بند کر دی تھی۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''ڈر تو نہیں لگ رہا؟''

''نہیں۔'' میں نے کہا اور اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ دادی اماں اپنے بستر پر چلی گئیں۔ میری آنکھوں میں اس لڑکی کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ کون تھی اور ہماری حویلی میں کہاں سے آ گئی تھی۔ ایک انوکھی سی کسک میرے دل میں پیدا ہو گئی۔ میں بہت چھوٹا تھا۔ اور اپنے دل کی کیفیت کو کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن اس کے بعد مجھے نیند نہیں آئی وہ مجھے یاد آتی رہی تھی اس کے الفاظ بھی یاد آ رہے تھے۔

''جاگ گئی وہ۔''

''اس کی باری ہے۔ اب اس کی باری ہے۔''

''راستے کے سارے پتھر سمیٹتے ہیں۔''

دوسری صبح دادی کچھ خاموش خاموش سی تھیں مجھ

سے توانہوں نے کچھ نہیں کہا لیکن نوکروں کو بلا کروہ کھڑکی بند کرادی اور اس میں کیلیں ٹھکوادیں۔ مجھے رات کو ہی اس بارے میں پتہ چلا تھا جب ایک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ ”چھوٹے مہاراج چھوٹے مہاراج۔“

میں کھڑکی کے پاس پہنچ گیا۔ اور پھر مجھے ایک عجیب سے دکھ کا احساس ہوا بند کھڑکی دیکھ کر۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ باہر کھڑی مجھے آواز دے رہی ہو۔ میں وہیں کھڑا رہا۔ پھر دادی اماں کی آواز سن کر چونکا۔

”اشرف۔“

”جی دادی اماں۔“

”وہاں کیوں کھڑے ہو۔“

”ایسے ہی دادی اماں۔“

”آؤ۔ میرے پاس آؤ۔“ انہوں نے کہا اور میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ ”اب مجھے سچ سچ بتادو، کیا بات ہے۔؟“

”دادی اماں۔ آپ نے یہ کھڑکی کیوں بند کرادی۔“

”کیوں؟ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ تم نے وہاں کیا دیکھا تھا۔“ میں نے دادی اماں کو پوری تفصیل بتادی اور وہ سوچ میں ڈوب گئیں۔ اس وقت تو بات آئی گئی ہوگئی لیکن دوسرے دن دادی اماں نے زبردست میٹنگ بلائی اور بڑی سنجیدگی سے تجویز پیش کی۔

”دو صورتیں ہیں۔ یا تو ہم اس پورے جھگڑے کو چھوڑ کر لاہور منتقل ہوجائیں اور وہیں رہیں یا پھر اس پرانی حویلی اور اس سے ملحق شمشان گھاٹ کو بالکل ختم کرکے یہاں چھوٹے پلاٹ کاٹ کر انہیں فروخت کردیا جائے۔ دونوں میں سے ایک کام ضروری ہے۔“

”دونوں کام نہیں ہوسکتے اماں جان۔“ میرے تایا ابا نے کہا۔

”کیوں؟“ دادی اماں کا پارہ چڑھ گیا۔

”ابا جی کی زندگی میں ایک بار یہ تنازعہ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن گجر گھاٹ کے ہندوؤں نے کیس کردیا۔ اور موقف اختیار کیا کہ یہ شمشان گھاٹ صدیوں سے یہاں قائم ہے۔ اس سے ان کے پرکھوں کی یادیں وابستہ ہیں اس لئے اسے ختم نہیں کیا جانا چاہئے۔ چونکہ پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کا پورا خیال رکھا جاتا ہے اس لئے سرکاری طور پر اس بات کو مسترد کردیا گیا کہ شمشان گھاٹ ختم کردیا جائے۔ اور یہ بات ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔“

”یہ تو زیادتی ہے۔ ہمیں اس سے نقصان ہے۔“

”مجبوری ہے اماں بی۔“ تایا ابو نے کہا۔

”لیکن میں مجبور نہیں ہوں۔“ شمشان گھاٹ ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ہم تو لاہور منتقل ہوسکتے ہیں۔“

”سارا کاروبار چوپٹ ہوجائے گا۔“

”یہ تو ہے اماں بی۔“ دوسرے بھائیوں نے تصدیق کردی۔

”ہوں۔ تب پھر میں پرانی حویلی گرادیتی ہوں۔ اور یہاں کچھ اور تعمیرات کروادوں گی دیکھوں گی مجھے اس سے کون روسکتا ہے۔“ پرانی حویلی سو فیصدی دادی اماں کی ملکیت تھی اور انہیں چیزیں ملی تھیں انہیں اس کے ساتھ کسی بھی سلوک سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

ہمارا خاندان کافی وسیع تھا۔ چچا، تایا، پھوپیاں وغیرہ ایک پھوپی کی شادی ہوگئی تھی پھوپا گوجرانوالہ میں تھے اور ان کا کنسٹرکشن کا بڑا کاروبار تھا۔ گھر بنا کر بیچتے تھے اور اچھی حیثیت کے مالک تھے۔ دادی اماں نے انہیں طلب کرلیا۔ پھوپا نے ایک ہفتے کے بعد آنے کی اجازت مانگ لی تھی وہ کسی کام سے اسلام آباد جارہے تھے۔

اس دن دوپہر کے وقت میں یونہی کسی کام سے حویلی کے مشرقی حصے میں جانکلا۔ حویلی کے دوسرے مکین دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کررہے تھے میں نے دادی اماں کو دیکھا ان کے پاس دو آدمی کھڑے تھے۔ میں نے ان لوگوں کو پہلے نہیں دیکھا تھا وہ گیروانہ طرز کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور ان کے چہرے چوڑے چوڑے اور بڑی منحوس شکل کے تھے۔ میں حیران ہوگیا یہ کون ہیں اور دادی اماں کے پاس

کیوں کھڑے ہیں۔

میں چھپ کران کی باتیں سننے لگا۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

''نہ نہ مہارانی جی۔ آپ ہوں گی اپنے گھر کی مہارانی۔ ہمیں بھی گنگا سری اتنی ہی پیاری تھی۔'' آپ اپنا پوتا ہمیں دے دو۔'' ہم جھگڑا ختم کردیں گے۔''

''میں گنگا سری کی سادھی پر بل ڈوزر چلوادوں گی۔ اس شمشان گھاٹ کو میں گائے بھینسوں کا باڑہ بنوادوں گی میں دیکھوں گی مجھے کون روکتا ہے۔ پرانی حویلی کو میں نیست ونابود کردوں گی۔ اور جہاں تک بات میرے پوتے کی ہے تو اس کا نام بھی لوگے تو۔''

دادی اماں سخت غصے میں تھیں۔

''آپ وہ کررہی ہیں مہارانی جی۔ جو ہم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے گنگا سری کا بدلہ لے لیا اور خاموش ہوگئے۔ پھر ہمارے دشمن نے آپ کے پوتے کی صورت میں نیا جنم لیا ہے۔ ہمارے دشمن نے جان بوجھ کر یہ جنم لیا ہے یہ ہم سے چھیڑ خانی ہے اور اب آپ شمشان گھاٹ اور حویلی کے پیچھے پڑی ہیں۔ حویلی میں گنگا سری کی سادی ہے۔ اس کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے ورنہ غضب ہوجائے گا۔''

''تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔'' دادی اماں نے کہا۔

''ارے کیسے ہو آپ لوگ۔ اپنی سنتان کو آکاش پر چڑھاتے ہو اور ہم غریبوں کو گھاس کوڑا سمجھتے ہو۔ پر ایسا ہو نہیں سکتا۔ حویلی کو ہاتھ مت لگانا مہارانی ورنہ لڑائی چھڑ جائے گی۔'' اس شخص نے کہا۔

''دیکھتی ہوں۔'' دادی اماں نے غصے سے کہا۔

میری سمجھ میں بات نہیں آرہی تھی۔ اس کے بعد وہ دونوں حویلی کی سمت چل پڑے جہاں شمشان گھاٹ تھا۔ کہ جانے کیوں میں نے اب بھی دادی اماں کے سامنے آنے کی کوشش نہیں کی۔ اس وقت دادی اماں نے اپنا موبائل فون نکالا اور کسی کے نمبر ملانے لگیں کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔

''ہاں۔ نسرین، میں بول رہی ہوں۔ عاطف کہاں ہیں...... ہاں بلاؤ......'' وہ انتظار کرنے لگیں۔

عاطف میرے پھوپا کا نام تھا کچھ دیر کے بعد ان سے رابطہ ہوگیا...... ''عاطف تمہارے اسلام آباد جانے کا پروگرام کیا ہوا......''

''اوہو...... ملتوی ہوگیا۔''

تب ایک کام کرو۔ ہاں حویلی پر فوری کام شروع کردو اسے گرانے کے لئے جتنے مزدور چاہو بھیج دو۔ میں ذمہ داری لیتی ہوں لیکن دیر نہیں کرنی۔ ارے کون روکے گا میں جو کہہ رہی ہوں۔ صبح کام شروع کرادو۔ ہاں ٹھیک ہے۔''

یہ کہہ کر دادی اماں نے فون بند کردیا۔ پھر وہ اندر چل پڑیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا لیکن مجھے زیادہ تجسس نہیں ہوا تھا۔ لیکن دوسرے دن ہلچل مچ گئی۔ گوجرنوالہ سے جو خبر ملی تھی وہ اتنی ہی ہیجان خیز تھی۔ پورا گوجرانوالہ چل پڑا۔ خبر یہ تھی کہ پھوپا اور پھوپی اپنے کمرے میں سوئے ہوئے تھے کہ ان دونوں کو سانپ نے ڈس لیا۔ سانپ تو کسی نے نہیں دیکھا لیکن اس کے کاٹنے کے نشان موجود تھے۔ پورا جسم زہر آلود نظر آرہا تھا۔

میں نے بھی ان دونوں کا چہرہ دیکھا۔ پھوپا کا چہرہ بے حد بھیانک ہوگیا تھا۔ البتہ پھوپھی کا چہرہ نارمل تھا۔ دادی اماں بے حد غم زدہ تھیں اور بری طرح نڈھال تھیں۔ تدفین کے بعد ہم لوگ واپس آگئے۔ دادی اماں گوشہ نشین ہوگئی تھیں۔ میں لا ابالی تھا اور کسی بھی بات کو گہرے انداز میں نہیں سوچتا تھا۔ لیکن یہ بات مجھے یاد تھی کہ دادی اماں نے پھوپا جان سے کہا تھا کہ ''دوسرے دن وہ مزدوروں کو بھیج کر حویلی گرانے کا کام شروع کرادیں۔'' اور اس رات پھوپا اور پھوپھی کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔

غرض یہ کہ وقت گزرنے لگا۔ کوئی ڈیڑھ ماہ کے بعد کی بات ہے کہ ایک رات پھر ایک خوف ناک ہنگامہ ہوگیا۔ رات کے کوئی تین بجے کا وقت تھا کہ اچانک دادی جان ہولناک آواز میں چیخ پڑیں۔ میں معمول

کے مطابق انہیں کے کمرے میں سو رہا تھا دادی جان کی چیخ نے میرے حواس گم کر دیئے تھے۔ اس کے بعد میں نے خواب کے سے عالم میں سارے مناظر دیکھے تھے۔ ابھی تھوڑے دن پہلے پھوپھی اور پھوپا کے جنازے سے اٹھے تھے اب دادی اماں کے کفن دفن کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سارا خاندان حویلی میں جمع ہو گیا تھا۔ بڑے ہال میں دادی جان کی میت رکھی ہوئی تھی ہال میں اگر بتیوں کا دھواں پھیلا ہوا تھا۔ اچانک ایک ہنگامہ سا ہوا۔ دادی اماں کو جس پلنگ پر رکھا گیا تھا وہ اچانک الٹ گیا اور دادی اماں کی لاش نیچے گر پڑی۔

انوکھی بات تھی پلنگ کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ تلاوت کرنے والے ان سے کافی دور بیٹھے سپارے پڑھ رہے تھے۔ اور بھی ایسی کوئی شہ نہیں نظر آ رہی تھی جس سے پلنگ کے الٹ جانے کی وجہ پتہ چل سکے۔ پھر یہ پلنگ کیسے الٹ گیا؟۔

بری طرح چیخ و پکار مچ گئی۔ باہر سے مرد بھاگے بھاگے اندر آ گئے۔ کیا ہوا، کیا ہو گیا اندر کی صورت حال دیکھ کر عظمت خان اور چچا رحمت خان کے رنگ پیلے پڑ گئے تھے۔ اصل بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی۔ پھوپھی اور پھوپا کو سانپ نے ڈس لیا تھا دادی اماں کی موت کا راز بھی کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ دادی اماں کا چہرہ بے حد بھیانک ہو گیا تھا۔ اتنا بھیانک کہ دیکھا نہ جائے۔

اور اب ایک اور بے حد خوف ناک واقعہ ہو گیا تھا۔ کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ دادی اماں کی لاش کس نے نیچے گرائی۔ پلنگ کیسے الٹ گیا۔ الغرض لاش کو دوبارہ پلنگ پر لٹا دیا گیا۔ آنے والے اب بھی آ رہے تھے لیکن سب کے چہرے خوف زدہ تھے۔ سب کو علم تھا کہ پرانی حویلی آسیب زدہ ہے اور اس کے اثرات نئی حویلی پر بھی ہیں۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ دشمن روحوں کی کارروائی ہے۔

لیکن کچھ بھی تھا تدفین تو ہونی تھی۔

بڑے عجیب حالات ہو گئے تھے۔ دادی اماں کی موت پر جیسے روحیں کھل اٹھی تھیں، خوب ہنگامے ہوئے تھے اور کسی نہ کسی طرح ان کی تدفین ہو گئی۔ لیکن ہر شخص خوف زدہ تھا۔ دادی اماں کے چالیسویں پر جب سب جمع ہوئے تو چھوٹے چچا نے کہا۔

''کیا خیال ہے بھائی جان۔ اماں جیسے کہتی تھیں وہ کرنا ہے۔''

''کیا؟''

''حویلی اور شمشان کے بارے میں۔''

''شمشان کا کیس تو وہ جیتے ہوئے ہیں۔ ہم وہاں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ باقی بات رہی پرانی حویلی کی تو اسے گرانا اور اس کی جگہ کچھ کرنا آسان کام نہیں ہے۔ پھر جو حالات ہوئے ہیں ان کے بارے میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ کچھ پراسرار قوتیں حویلی کو نقصان نہیں پہنچاتے دیکھ سکتیں اور اس کی مدافعت کرتی ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اماں جان نے گوجرانوالہ سے عاطف کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ حویلی گرانے کے لئے مزدوروں کا انتظام کرے۔''

''اوہ۔ مجھے نہیں معلوم۔'' چچا نے حیرت سے کہا۔

''ہاں۔'' عاطف نے کہا تھا کہ ''وہ صبح مزدور لے کر آ جائیں گے اور اسی رات...... اسی رات نسرین اور عاطف سانپ کے کاٹنے سے ہلاک ہو گئے۔''

''اوہ۔ تو آپ کے خیال میں۔'' چچا نے تایا ابو سے کہا۔

''اس میں بھی اب خیال کی گنجائش ہے۔ ہم کب سے ان حالات سے نمٹ رہے ہیں۔ ابا جان ایک ایسی بنیاد ڈال گئے ہیں کہ ہماری نسلیں بھگتیں گی۔ اماں بی کی موت کو تم نارمل کہہ سکتے ہو۔ ہر طرف خوف و دہشت کا عمل ہو رہا ہے میری تو ایک ہی رائے ہے۔''

''کیا بھائی جان۔ آپ حکم کریں۔''

''اب تو آپ ہی ہمارے ماں باپ کی جگہ ہیں۔'' چچا جان نے کہا۔

''خاموشی سے وقت گزارتے رہو کسی کو نہ

چھیڑو۔'' تایا ابو نے کہا اور سب خاموش ہو گئے۔

میرا بچپن بیشک تھا لیکن اب حالات میری سمجھ میں آنے لگے تھے۔ تایا ابو کی بات پر عمل کیا جانے لگا۔ پرانی حویلی اور شمشان گھاٹ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ لیکن جو واقعات ہو چکے تھے انہوں نے سب کو خوف زدہ کر دیا تھا۔ میری بہنیں سہمی ہوئی تھیں بڑی پھوپھی ہر وقت سر د نظر آتی تھیں میرے سلسلے میں جو واقعہ اس رات پیش آیا تھا اس کی گواہ صرف دادی اماں تھیں جواب اس دنیا میں نہیں تھیں یعنی وہ لڑکی جس نے مجھے بلایا تھا حالانکہ اس وقت میں اتنا بڑا نہیں تھا کہ کسی عشق وغیرہ کے چکر میں پڑتا لیکن پہلے بھی اعتراف کر چکا ہوں کہ ایک کسک سی دل میں باقی رہ گئی تھی۔ وہ مجھے اکثر یاد آتی رہتی تھی۔

تمام لوگوں کی کیفیت عجیب سی ہو گئی تھی صرف میری والدہ تھیں جو دوسروں کی طرح پریشان نہیں نظر آتی تھیں جبکہ خود والد صاحب بھی ان حالات سے بڑے پریشان اور افسردہ تھے۔

ایک دن انہوں نے امی سے کہا۔

''زیب النساء، میرے ذہن میں ایک خیال ہے۔ بہت دن سے اس بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''کیا......؟'' امی نے پوچھا۔

''تمہیں حالات کا اندازہ ہے۔''

''کیوں نہیں۔''

''کیا کرنا ہے۔ اس طرح زندگی کیسے گزرے گی۔''

''کوئی حل نہیں نظر آتا۔''

''میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔''

''بتایئے۔''

''کیوں نہ اشرف کو لاہور بھیج دیا جائے۔ اسے وہاں کسی اچھے اسکول میں داخل کرا دیں گے، وہیں ہاسٹل میں رہے گا میں بندوبست کر دوں گا۔''

''اکیلا رہے گا'' امی نے تڑپ کر کہا۔

''نہیں۔'' ہاسٹل میں دوسرے لڑکے بھی ہوں گے۔ کم از کم ہم اس کی طرف سے بے فکر ہو جائیں گے۔''

''کیسے بے فکر ہو جائیں گے۔ ہماری زندگی میں اس کی کیا حیثیت ہے۔ آپ جانتے ہیں، میں اس کے بغیر کیسے رہ سکوں گی اور پھر۔'' والدہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ویسے یہ حقیقت تھی، خاندان میں میرے سوا کوئی لڑکا نہیں تھا بڑے چچا بے اولاد تھے، چھوٹے چچا کے دو بیٹے چھ سات مہینے کے ہو کر مر چکے تھے تایا کی ایک بیٹی تھی جو اللہ لوک تھی اور اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں تھا۔ ٹھیک سے بول بھی نہیں سکتی تھی اس طرح گھر میں میری حیثیت منفرد تھی۔

مجھے لاہور بھیجنے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ والد صاحب تو چاہتے تھے کہ میں تعلیم کے لئے لاہور چلا جاؤں۔ بلکہ ان کے دل میں یہ خیال بھی تھا کہ میں حویلی سے دور ہو کر کسی حد تک محفوظ ہو جاؤں لیکن امی کی آہ وزاری کی وجہ سے وہ عارضی طور پر خاموش ہو گئے تھے۔ البتہ انہوں نے نہایت سنجیدگی سے کہا تھا۔

''میں خود بھی اسے خود سے دور نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن زیب النساء ہمیں اس کے مستقبل کے لئے کچھ سوچنا ہوگا۔''

''کیا سوچیں گے اس کے مستقبل کے لئے۔'' امی نے روتے ہوئے کہا تھا۔

''تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ جو کچھ کرے گا وہ زیادہ بہتر ہوگا۔''

''تو پھر کیوں نہ ہم لاہور ہی جا کر رہیں۔''

''دوسرے لوگ تیار نہیں ہوں گے۔''

''وہ چاہیں تو یہیں رہیں۔''

''یہ کیسے ممکن ہے زیب النساء۔ میں اپنے بہن بھائیوں اور صدیوں پرانی اس حویلی کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔''

بات ختم ہو گئی۔ میں یہ باتیں سنتا تھا لیکن اس بارے میں میرا کوئی نظریہ نہیں تھا۔ ہاں پرانی حویلی اور اس سے منسوب داستانیں مجھے بڑی پراسرار لگتی تھیں اس کے علاوہ اس رات کو میں نے وہ لڑکی کو دیکھا تھا اسے

میں آج تک نہیں بھلا سکا تھا۔ دادی اماں کی موت کے بعد ان کا کمرہ بند ہوگیا تھا انہوں نے کھڑکی تو پہلے ہی بند کرادی تھی۔

اس رات اچانک میرے دل میں ایک انوکھا خیال آیا۔ حویلی اور شمشان گھاٹ کے بارے میں اتنی باتیں سنی جاتی ہیں یہ ہیں کیا۔ یہاں ایسی کون سی خاص بات ہے دیکھنا تو چاہئے پرانی حوالی میں کوئی نہیں جاتا تھا یہاں تک کہ ملازموں کو اس کی صفائی کے لئے بھی جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ہاں دو تین مہینے کے بعد کسی ایک دن ملازموں کا پورا گروہ تایا جان کے ساتھ پرانی حویلی میں جاتا اور وہاں صفائی ستھرائی ہوجاتی۔

لیکن اس دوران مجھے کبھی وہاں جانے کی خواہش نہیں ہوئی تھی۔

لیکن اس رات یہ خیال میرے دل میں جڑ پکڑ گیا۔ مجھے حویلی سے کوئی خوف نہیں تھا۔ لوگ اس کے بارے میں کچھ بھی کہتے ہیں میں نے کبھی غور سے سنا تک نہیں تھا۔ ویسے میں نے دور سے کئی بار اسے دیکھا تھا۔ اس کی تین منزلیں تھیں جو ساری کی ساری خاصی مضبوط تھیں عموماً کمروں کو تالے لگے ہوئے تھے۔ ایک وسیع برآمدہ نظر آتا تھا ایک بڑا سا چبوترہ بھی نمایاں تھا جس کے دونوں طرف بڑے بڑے عظیم الشان ستون تھے۔ حویلی کے سامنے کا حصہ کچا تھا۔ جس کے کنارے کنارے گول کیاری تھی کچھ درخت بھی تھے جو ٹنڈ منڈ نظر آتے تھے اور ان کے درمیان خشک پتے اڑا کرتے تھے۔ ہر طرف وحشت اور ویرانی برستی تھی۔ یہ تھا پرانی حویلی کا حدود اربعہ لیکن میں نے اس سے قبل اس کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔

اس رات میں نے ایک فیصلہ کیا جیسے ہی موقع ملا، میں پرانی حویلی کو اندر سے دیکھوں گا، لیکن اس کے لئے پوری پلاننگ کرنی ہوگی۔ اس رات کے دوسرے دن کی بات ہے۔ عظمت خان صاحب یعنی میرے والد کو بخار ہوگیا۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ میرے دادا صاحب کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ جب انہیں بخار ہوجاتا تھا تو وہ پورے گھر کو بہت پریشان کرتے تھے۔ ہاریوں کو دور دور سے بلاکر ان کے قرضے معاف کردیتے تھے جیپ لے کر دور دور تک نکل جاتے تھے وغیرہ۔ اس عادت کا تھوڑا سا حصہ والد صاحب کو ملا تھا۔ انہیں بھی نہ جانے کب کب کی بھولی کہانیاں یاد آجاتی تھیں۔

سوا اس دن والد صاحب کو بخار ہوگیا۔ ان کی تیمارداری کی جارہی تھی۔ لوگ ان کے گرد بیٹھے ہوئے تھے مختلف موضوعات پر باتیں ہورہی تھیں۔ اچانک انہوں نے مجھے دیکھا اور مجھ پر نگاہیں جمادیں، ان کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔

اچانک انہوں نے پھوپھی جان کو آواز دی۔ ''صغرا۔''

''جی بھائی۔''

''بچیوں کو لے کر اپنے کمرے میں جاؤ۔''

''جی بھائی۔'' پھوپھی نے کہا۔ اور اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔

''باقی لوگ بھی جاؤ۔'' وہ بولے۔ سب جانتے تھے کہ بخار کے عالم میں عظمت صاحب کے ہوش ٹھکانے نہیں رہتے۔ ان کی بات ماننا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ سب ایک ایک کرکے باہر نکل گئے۔ میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا تو وہ بولے۔ ''اشرف، تم بیٹھو۔'' میں رک گیا۔ امی نے چونک کر ان کی شکل دیکھی۔ اور ان کا چہرہ عجیب ہوگیا۔ انہوں نے کہا۔ ''اشرف۔ آج میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی ابو جی۔''

''یہاں جو کچھ ہورہا ہے تم اس سے خوف زدہ ہو۔''

''بالکل نہیں ابو۔'' میں نے بہادری سے کہا۔

''شاباش بیٹے۔ میں جانتا تھا۔ تمہارے اندر تمہارے دادا کی صفات ہیں۔ اباجی بھی بے حد بہادر آدمی تھے بس ان کے اندر......'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئے۔ کچھ دیر سوچتے رہے پھر دوبارہ بولے۔ ......''لیکن تمہیں خاص طور سے جدوجہد کرنی

ہوگی۔ احتیاط بھی کرنی ہوگی اور ہوشیاری بھی کیونکہ قدرت نے تمہیں جو شکل دی ہے وہ تمہاری دشمن ہے۔''

''کیا ہوگیا ہے آپ کو۔ یہ چھوٹا سا بچہ ہے۔ ابھی سے آپ اس کے کانوں میں یہ فضول باتیں ڈال رہے ہیں۔'' امی نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

''بے وقوف ہو تم۔ صورت حال کو بالکل نہیں سمجھتیں۔ بیشک وہ چھوٹا ہے لیکن ضروری ہے کہ اسے صورت حال سے آگاہ کردیا جائے۔ کون جانے پھر وقت ملے یا نہ ملے۔''

''خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کریں۔ میں ویسے ہی پریشان ہوں۔'' امی نے کہا۔

''مجھے نہ روکو زیب النساضروری ہے کہ میں اسے سب کچھ بتادوں۔ قدرت نے اسے اباجی کی تصویر بنا کر ایک ذمہ داری اس پر ڈال دی ہے۔ ہمیں اپنا فرض پورا کرنا ہے۔ اور سنو، میرے کام میں مداخلت نہ کرو۔ ورنہ مجبوراً تمہیں بھی کمرے سے باہر جانا ہوگا۔''

ابوجی کا لہجہ حتمی تھا۔ امی سے زیادہ کون جانتا تھا کہ وہ کس وقت کون سے لہجے میں بات کررہے ہیں اس لئے وہ خاموش ہوگئیں۔ تب والد صاحب نے اپنی گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔''اشرف میری جان یہ بات شروع سے تمہارے علم میں ہے کہ تم مامون خان یعنی اپنے دادا جان کے ہم شکل ہو۔ بلکہ تم نے ان کی تصویر بھی کو تہہ خانے میں دیکھی ہوگی دیکھی ہے نا۔''

''جی ابوجی۔''

''پہلے مجھے ایک سوال کا جواب دوبارہ دو۔''

''جی۔''

''اماں بی کی موت۔ پھوپھی جان اور پھوپا جان کی موت۔ اور دوسری کچھ باتوں سے تم خوف زدہ تو نہیں ہو۔''

''بالکل نہیں ابوجی۔'' میں نے سینہ تان کر کہا۔

''جیتے رہو۔ مجھے یقین ہے۔ تمہارے ساتھ رب کی دعائیں اور اللہ کی مدد شامل ہے۔ خدا نے تمہارے اوپر بڑی ذمہ داری ڈال دی ہے۔ ہمارا خاندان ایک عذاب کا شکار ہے تو اسے اس عذاب سے نجات دلائے گا۔ شاید قسمت نے تمہاری شکل اسی لئے تمہارے دادا جیسی بنائی ہے کہ تم خاندان کو گنگا سری کے انتقام سے بچاؤ۔ جو اس خاندان کو روئے زمین سے نیست و نابود کرنے کا عزم کئے ہوئے ہے۔''

''گنگا سری کون ہے ابوجی؟''

''وہ ہے نہیں۔ تھی۔ لیکن وہ اب بھی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' میں نے کہا۔

''وہی سمجھا رہا ہوں تمہیں۔'' اس کا نام گنگا سری تھا۔ ہیرالعل کھتری کی بیٹی گنگا سری، دودھ اور میدے میں چاندنی کو گوندھ کر اگر کوئی وجود تخلیق پائے تو اس کا نام گنگا سری ہوسکتا ہے۔ اتنی ہی حسین تھی وہ دادا جی حسن پرست انسان تھے۔ انہوں نے گنگا سری کو دیکھا تو اس کے دیوانے ہوگئے۔ وہ ہندو تھی اسے حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ممکن نہیں تھا۔ دادا جان نے بڑی کوشش کی لیکن گنگا سری ان کی طرف مائل نہیں ہوئی تو مامون خان نے اسے اغوا کرالیا۔ اسے پرانی حویلی کی تیسری منزل پر قید کردیا گیا ہندو گھرانوں میں ہلچل مچ گئی گنگا سری کی تلاش کے لئے نہ جانے کیا کیا، کیا گیا لیکن کسی نے مامون خان کے بارے میں نہیں سوچا۔ کئی مہینے گزر گئے۔ خان صاحب نے گنگا سری کی طرف رخ نہیں کیا۔ پھر جب انہوں نے ماحول پرسکون دیکھا تو ایک دن وہ گنگا سری کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے گنگا سری کے حصول کی کوشش کی اور اس جدوجہد میں گنگا سری نے حویلی کی تیسری منزل سے نیچے کود گئی۔ وہ شدید زخمی ہوگئی تھی لیکن کسی نہ کسی طرح وہ بچتی بچاتی اپنے گھر پہنچ گئی وہاں اس نے کسی کو مامون خان کے بارے میں تفصیل بتائی اور پھر اپنے کمرے میں آگ لگا کر اس میں جل مری۔ وہ ہیرالعل کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ہیرالعل اس کی موت کے صدمے سے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ ہندو مشتعل ہوگئے انہوں نے مامون خان پر مقدمہ کردیا مامون خان کے خلاف کچھ ثبوت بھی ملے مگر وہ بڑی پہنچ رکھتے تھے اس لئے ان کے خلاف کچھ

نہیں کیا جاسکا۔

جس جگہ گنگا سری نیچے گری تھی وہاں سے اس کی ایک پازیب ملی، لیکن دوسری پازیب کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ اس بات کو بھی ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا، البتہ کچھ اور باتیں ہوئیں۔

''کیا؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔ یہ کہانی عجیب طلسمی حیثیت رکھتی تھی۔ والد صاحب مجھے یہ سب بتارہے تھے اور میں ان مناظر میں کھوتا جارہا تھا۔

''بس، پرانی حویلی میں ایک ناگن دیکھی جانے لگی۔'' اس کا رنگ سفید تھا۔ اتنا خوب صورت ناگ یا ناگن کسی نے نہ دیکھی ہوگی اس کے منہ سے آگ نکلتی تھی اور اس کی آنکھیں غصے سے دہکتی نظر آتی تھیں اس ناگن کو بارہا مامون خان کی خواب گاہ کے آس پاس بھٹکتے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن خان صاحب نے اس کی پہلی ہی کوشش کو دیکھ کر زبردست حفاظتی اقدامات کرلئے تھے۔ ان کے گرد بے شمار محافظ رہتے تھے جو ہر وقت چوکنے رہتے تھے ناگن بس باربار کوشش کرتی تھی کہ انہیں ڈس لے لیکن اسے کامیاب نہ ہونے دیا جاتا تھا۔

پھر ایک دن۔''

عظمت خان صاحب خاموش ہوگئے۔ وہ کسی خیال میں ڈوب گئے تھے۔ جب وہ دیر تک کچھ نہ بولے تو میں نے بے چینی سے کہا۔ ''آپ خاموش کیوں ہوگئے۔''

''ایں۔'' وہ چونک پڑے، ان کی آنکھیں خواب آلودہ ہورہی تھیں۔

''پھر کیا ہوا ابو جی۔'' میں نے کہا۔

''پھر ایک دن وہ کامیاب ہوگئی۔''

''کامیاب ہوگئی۔'' میں نے کہا۔

''ہاں، لیکن یہ بات ابا جان نے کسی کو نہیں بتائی۔ البتہ ان کا جسم گلنا شروع ہوگیا۔ ان کی یہ تکلیف اس قدر ہولناک تھی کہ کوئی بھی اس کا راز نہیں جان سکا۔ ہر طرح کے علاج کئے گئے لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ پھر ایک رات میں ان کے پاس موجود تھا تو انہوں نے یہ راز مجھ پر منکشف کیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ان پر گنگا سری نے قتل کا جو الزام لگایا تھا وہ درست تھا۔ انہوں نے گنگا سری کی عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی اور گنگا سری نے اس وجہ سے خودکشی کی تھی اور اب وہ ناگن بن کر انہیں ڈسنے کی فکر میں تھی۔ آخر وہ کامیاب ہوگئی ان کی یہ حالت ناگن کے کاٹنے سے ہی ہوئی ہے اور ان کا علاج ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے ایک اور راز سے آگاہ کیا۔

''وہ کیا راز تھا ابو؟'' میرے منہ سے نکلا۔

''بتاتا ہوں۔'' ابو نے کہا پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھے۔ ایک طرف گئے جہاں ایک الماری رکھی ہوئی تھی ان کے اس عمل کو امی بھی حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ ابو نے الماری کے ایک خفیہ خانے سے ایک بکس نکالا۔ مخمل کے اس بکس میں چاندی کی ایک پازیب رکھی ہوئی تھی۔ ابو نے وہ پازیب میرے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ''مامون خان صاحب نے یہ پازیب مجھے دیتے ہوئے کہا۔

''پرانی حویلی کے مشرقی کونے میں جہاں خشک حوض بنے ہوئے ہیں ہر ماہ کی تیرہ تاریخ کو ایک سادھی نظر آتی ہے یہ سادھی صرف تیرہ تاریخ کو تھوڑی دیر کے لئے نمودار ہوتی ہے۔ یہ سادھی گنگا سری کی ہے وہیں پر گنگا سری کے پاؤں کی ایک پازیب رکھی ہوئی ہے گنگا سری جب بھی کسی کو نظر آتی ہے یہی کہتی ہے کہ ''میری پازیب مجھے دے دو۔''

''وہ یہ پازیب ہے۔''

''ہاں۔''

''مگر دادا صاحب کے پاس یہ کہاں سے آئی۔''

''اس وقت جب وہ گنگا سری پر دست درازی کررہے تھے یہ پازیب اس کے پاؤں سے اتر کر گرگئی تھی۔''

''وہ سادھی کس نے بنائی۔''

''وہ، وہ روحوں کی بنائی ہوئی ہے۔''

''یہ بات بھی دادا جی نے آپ کو بتائی تھی۔''

''ہاں۔'' انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ''وہ دنیا میں رہیں نہ رہیں، یہ پازیب کسی طرح تیرہ تاریخ کو اس سادھی پر رکھ دی جائے۔ ایسا ہوجائے تو اس خاندان پر سے نحوست کے سائے سمٹ جائیں گے۔ ورنہ کوئی نہ کوئی آفت آتی رہے گی تمہیں شمشان گھاٹ اور حویلی میں ہونے والے رقص وموسیقی کے بارے میں تو معلوم ہے۔''

''جی۔''

''یہ انہیں روحوں کا رقص ہوتا ہے۔''

''بڑی عجیب کہانی ہے۔''

''اباجی کی موت بھی تیرہ تاریخ کو ہوئی تھی۔ گنگا سری نے ناگن بن کر انہیں ڈس لیا تھا اور اس زہر کا کوئی توڑ میڈیکل سائنس میں نہیں ہے۔'' اور اشرف بیٹے۔ میں نے ایک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے اس سفید ناگن کو پرانی حویلی کے آس پاس کئی بار دیکھا ہے ایک بار مجھ سے بڑی چوک ہوگئی۔

''کیا ابو۔''

''مجھے یاد نہیں تھا کہ آج تیرہ تاریخ ہے۔ رات کے گیارہ بجے کا وقت تھا مجھے کچھ بے چینی سی ہورہی تھی۔ میں باہر نکل آیا۔ موسم بھی کچھ حبس آلود تھا۔ میں ٹہل رہا تھا کہ میں نے پرانی حویلی کے ایک بیرونی حصے میں ایک انسانی سایہ دیکھا۔ غور سے دیکھنے پر اندازہ ہوا کہ وہ کسی لڑکی کا سایہ تھا کسی نوجوان لڑکی کا۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ میرے اندر تجسس پیدا ہوگیا میں دبے پاؤں اس طرف چل پڑا۔ لڑکی اندر داخل ہوگئی میں خوف زدہ ضرور تھا لیکن اس وقت شدید تجسس کا شکار تھا چنانچہ میں اس کا پیچھا کرتا رہا۔ وہ پرانی حویلی کی سیڑھیاں طے کرنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں روشنی تھی تب میں نے اسے دیکھا وہ بے حد خوب صورت لڑکی تھی۔ اس نے ہندووانہ طرز کا لباس پہنا ہوا تھا۔ لہنگا، چولی، چاندی کا زیور۔''

والد صاحب کے ان الفاظ پر میں چونک پڑا۔ مجھے وہ لڑکی یاد آگئی جسے میں نے دیکھا تھا اور آج تک یاد کرتا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میرا دل چاہا کہ ابا جان کو اس لڑکی کے بارے میں بتاؤں، لیکن جیسے کسی نے میری زبان بند کردی۔ ابا بولے۔

''مجھے یوں لگا جیسے وہ پرانی حویلی کے کمروں میں کچھ تلاش کررہی ہے۔ میں اس کا پیچھا کرتا رہا اچانک میں نے ایک ہولناک منظر دیکھا۔

''کیا ابو جی؟'' میں نے پوچھا۔

''لڑکی ایک جگہ رکی اور پھر اس نے دونوں ہاتھ اوپر کی طرف سیدھے کردیئے۔ اس کا بدن پتلا ہوتا گیا اور کچھ لمحوں کے بعد ایک سفید ناگن میرے سامنے کھڑی تھی۔ میں سکتے میں رہ گیا میں نے کسی انسان کو پہلی بار اس طرح انسان سے ناگن کا روپ اختیار کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ زمین پر جھکی اور پھر ناگن کی شکل میں آگے بڑھ گئی۔ میں چونک پڑا میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اب وہ ناگن کہاں جاتی ہے وہ مختلف گوشوں میں چکراتی رہی، پھر وہاں سے نیچے اتر کر حویلی کے بیرونی حصے میں نکل آئی۔ وہاں سے آگے بڑھ کر وہ ایک مخصوص جگہ نکل آئی اور یہاں میں نے ایک یادگار دیکھا۔

''یادگار۔'' میں نے کہا۔

''ہاں۔ ہندو اسے سادھی کہتے ہیں۔''

''اوہ۔ وہی سادھی جس کے بارے میں آپ نے ابھی کہا ہے کہ وہ تیرہ تاریخ کو نمودار ہوتی ہے۔''

''ہاں۔'' بابا نے کہا۔

''پھر کیا ہوا ابو؟''

''سادھی کچی مٹی سے بنی ہوئی تھی اور اس پر چونا کردیا گیا تھا جس سے وہ بھکا بھک سفید لگ رہی تھی۔ ناگن اس سادھی پر چڑھ گئی اور پھر اس نے انسانی روپ دھار لیا۔''

''اس لڑکی کا روپ۔'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔ مجھے وہ ایک دلچسپ کہانی لگ رہی تھی اور اسے سننے میں مجھے بہت مزہ آرہا تھا۔

''ہاں۔ اس لڑکی کا روپ۔'' بابا نے ٹھنڈی

سانس لے کر کہا۔
''گویا وہ گنگا سری تھی۔''
''ہاں۔ وہ گنگا سری تھی۔'' ابو نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ''اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ انسانی روپ دھارنے کے بعد اسی سادھی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔ اشرف وہ بہت خوب صورت تھی لیکن اس وقت اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔ پھر اس کی انتہائی دلکش لیکن غصے میں ڈوبی آواز سنائی دی۔
''میرے پاس آؤ۔''
عجیب سا حکم تھا اس کی آواز میں اور عجیب سا حرانہ طاقت تھی کہ میرے قدم خود بخود اس کی طرف چل پڑے اور میں رک کے سامنے کسی مجرم کی طرح جا کھڑا ہوا۔
''میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ شدید نفرت۔ اور میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ میں ایک ایک کر کے تمہارے پورے پریوار کو نشٹ کردوں گی۔ میں گجر گھاٹ کے ملکھانوں کا نام مٹادوں گی۔ اور اس کا آغاز میں اس پاپی سے کر چکی ہوں۔ اس سب سے بڑے پاپی سے۔ جس نے مجھے بے آبرو کیا اور میرے گوتم کو مجھ سے چھین لیا۔''
یہ ایک نیا نام میرے علم میں آیا تھا جس کو میں نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ اس تجسس نے مجھے اس کے سحر سے نکال دیا اور میں بے اختیار بول پڑا۔
''گوتم کون؟''
''میرا پریمی، میرا محبوب۔'' یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی گھل گئی۔ اس نے سسکی سی لی اور بولی۔ ''بڑا سندر تھا وہ، میرا چندا، میرا پیارا، ساون میں کالے بادلوں کی چھاؤں تلے ہم آم کے باغ میں اس کٹیا میں جا بیٹھتے اور ہماری پکار پر بارش شروع ہو جاتی بادل گرجتے، مجھے ڈر لگتا تو وہ مجھے اپنی چوڑی چھاتی میں چھپالیتا مجھے یوں لگتا جیسے سنسار میں اس سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہ ہو اور...... اور......''
وہ باقاعدہ رو پڑی اس نے روتے ہوئے کہا۔ ''اور اس راکشش نے اسے مار دیا۔''
''کس نے؟'' میں چونک پڑا۔
''اسی پاپی ملکھانے نے۔ جو تیرا پتا تھا۔ جس کے گندے وجود سے تو نے جنم لیا ہے۔''
''مامون خان نے۔''
''ہاں۔ اسی موت مارے نے جس کے شریر میں، میں نے ''زہر'' اتار دیا تھا اور جو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرا تھا۔ سو اس نے مجھے قید کر دیا اور...... اور میرے گوتم کو مار کر اس کا شریر بھی کہیں چھپا دیا۔ ہائے میں اپنے گوتم کا مرا منہ بھی نہیں دیکھ پائی اور اب میں اس کی لاش تلاش کرتی پھرتی ہوں۔ اے بھگوان مجھے میرے گوتم کا مرا شریر ہی مل جائے۔ اس کی لاش مجھے مل جائے تو میں منتر پڑھ کر اس کی آتما کو بلا لوں ہم جیتے جی نہ سہی، مرنے کے بعد ہی مل جائیں۔ لیکن تم تم دیکھنا میں تمہارے پریوار میں کسی کو جیتا نہیں چھوڑوں گی۔''
یہ کہہ کر وہ سادھی میں داخل ہوگئی اور میری نظروں سے گم ہوگئی۔ میں سکتے کے عالم میں کھڑا رہ گیا۔ پھر میں بڑے بوجھل قدموں سے واپس آ گیا لیکن میرے دل و دماغ پر شدید بوجھ پڑ گیا تھا۔ حویلی میں مسلسل پراسرار واقعات ہو رہے تھے اور اب مجھے ان کی وجہ معلوم ہوگئی تھی۔
ہیرا لعل الگ اپنی اکلوتی بیٹی کی موت کا بدلہ لینے پر تلا ہوا تھا۔ اور گنگا سری اپنے اور اپنے محبوب کی موت کا بدلہ لینے کے لئے سرگرداں تھی، کئی دن میں سوچوں میں ڈوبا رہا۔ اس دوران حویلی کے کچھ نوکروں نے اور بڑی پھوپھی جان نے بھی گنگا سری کی روح کو دیکھا۔ بڑی پھوپھی جان تو اسے دیکھ کر ایک ہفتے تک شدید بخار میں پھنکتی رہی تھیں آخر کار میں نے اپنی والدہ سے رجوع کیا۔
''آپ پوری باتیں سن چکی ہیں۔''
''کون سی باتیں۔''
''گنگا سری کی روح کے بارے میں۔''

''ہاں۔ سب سن چکی ہوں۔''
''آپ کو فکر نہیں ہے۔''
''مجھے چونکہ ہے تمہیں اس بارے میں معلوم نہیں ہے۔'' اماں بی نے کہا اور میں چونک پڑا۔
''کیا مطلب اماں بی۔'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

اماں بی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''دولت اور جائیدادوں پر قبضہ کرنے کے لئے اس طرح کے کھیل کھیلے جاتے رہے ہیں اس میں تعجب کی بات نہیں ہے۔''

''اوہ، تو۔ تو آپ اس طرح سوچ رہی ہیں۔ آپ کا خیال ہے یہ میہ کسی کی سازش ہے۔''
''ہاں۔ میرا ہی خیال ہے۔''
''اماں بی۔ آپ کو کس پر شبہ ہے۔''
''میں کوئی نام نہیں لینا چاہتی۔''
''نہیں اماں بی۔ آپ کا خیال غلط ہے۔ میں نے گنگا سری کی روح سے بالکل قریب سے بات کی ہے۔ وہ ہمارے پورے خاندان سے بدلہ لے گی۔ اگر آپ کے خیال میں یہ ہمارے کسی رشتہ دار کی سازش ہے تو آپ اباجی کی موت کو کس خانے میں فٹ کریں گی۔ وہ جس حال میں اس دنیا سے گئے اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گی۔''
''تم نے گنگا سری کی روح سے بات کی ہے۔''
''ہاں۔'' میں نے کہا اور پھر پوری کہانی انہیں سنادی۔ اماں بی کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔ پھر انہوں نے کہا۔

''گوتم کی کہانی میں نے بھی سنی تھی۔ لیکن ماموں خان سخت گیر انسان تھے ان کے اپنے مشاغل تھے جن میں، میں نے کبھی مداخلت نہیں کی۔ خاندان والوں نے انہیں کچھ زیادہ ہی بدنام کر رکھا تھا۔ لیکن تم نے عجیب بات بتائی ہے۔ یہ ناٹک اب کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہے۔''
''آپ اسے اب بھی ناٹک سمجھتی ہیں۔ میرا تو کچھ اور ہی ارادہ ہے۔''
''کیا؟'' اماں بی نے پوچھا۔
''میں پرانی حویلی کے چپے چپے سے گوتم کی لاش تلاش کراؤں گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے پوری حویلی کھدوانی پڑے۔''
''پاگلوں کی سی باتیں مت کرو، ان فضولیات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' اماں بی نے سخت لہجے میں کہا۔ اور مجھے خاموش ہونا پڑا۔ لیکن اس کے بعد بھی میں نے کئی بار گنگا سری کی روح کو روتے سسکتے دیکھا۔ وہ کبھی ایک لڑکی کے جسم میں، کبھی ناگن کی شکل میں بھٹکتی پھرتی ہے، اور اس کے بعد۔ اس کے بعد۔
ابو پھر خاموش ہو گئے۔
''بتایئے ابو جی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟''
''اماں جی کی موت سے ایک رات پہلے گنگا سری کی روح مجھے نظر آئی۔''
''تو پھر......''
''اس نے کہا کہ'' اس کے آشا کا شکار تیار ہے۔ میں اپنے گوتم کو ایک اور بھینٹ دے رہی ہوں۔'' میں نہیں سمجھا تھا کہ یہ بھینٹ کس کی ہوگی۔ لیکن اسی دن اماں بی۔ وہ جس طرح موت کا شکار ہوئیں یہ تمہارے علم میں بھی ہے۔ اور اس کی وجہ کوئی اور بھی نہیں بتا سکتا۔''

میں خاموشی سے گردن ہلانے لگا۔ ابو کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے۔'' اور اب ایک اور خیال میرے دل میں ہے سمجھے۔''
''کیا ابو؟'' میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔
''نہیں، تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ ممکن ہے اس کے بعد میں ان دشمن روحوں کا شکار بن جاؤں۔''
''نہیں ابو۔ یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' میں نے شدید پریشانی میں کہا۔
''صرف خیال ہے میرا۔ ممکن ہے ایسا نہ ہو، لیکن انتقام کی پیاسی روحیں کچھ بھی کرسکتی ہیں۔ تمہیں

بابا محبوب الٰہی یاد ہیں۔"
"وہ جو نیاز انکل کے ہاں ملے تھے۔"
"ہاں۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ یہاں ہماری حویلی میں آئیں گے۔"
"مجھے یاد ہے۔انہوں نے کہا تھا۔"
"پچھلی رات میں نے انہیں خواب میں دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا وہ ہمارے گھر آئے ہیں، میں نے بڑے احترام سے ان کا استقبال کیا۔ ان کی خاطر مدارت کی چلتے ہوئے انہوں نے مجھے ایک تعویز دیا اور کہا کہ "اسے اشرف کو دے دینا، اللہ اس کی حفاظت کرے۔" اس کے بعد وہ چلے گئے۔ میں نے خواب میں ہی وہ تعویز ان سے لے کر تکیئے کے نیچے رکھ دیا صبح کو میری آنکھ کھلی تو مجھے وہ خواب یاد آ گیا میں نے اسے صرف خواب سمجھا لیکن اتفاق سے جب میں نے تکیئے کے نیچے ہاتھ ڈالا تو وہ تعویز مجھے وہیں مل گیا جہاں میں نے عالم خواب میں رکھا تھا۔
"مل گیا۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔
"ہاں اشرف۔وہ واقعی پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ جب بھی کسی پریشانی کا شکار ہو، نیاز کے پاس چلے جانا اور اس سے کہنا کہ وہ جس طرح بھی بن پڑے محبوب الٰہی کو تلاش کر کے تمہیں ان تک پہنچا دے۔ اور یہ تعویز رکھو۔ اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔"
ابو نے تعویز میرے حوالے کر دیا۔ میری عجیب حالت ہو رہی تھی۔ میں نے ان سے تعویز لے لیا۔ انہوں نے پھر کہا۔
"تمہیں تھوڑی سی جدو جہد کرنی ہوگی۔ مجھے اعتماد ہے کہ اس تعویز کی برکت سے تم گنگا سری اور اس کی ساتھی روحوں سے محفوظ رہو گے۔ لیکن مہینے کی تیرہ تاریخ کو تم وہ سادھی ضرور تلاش کر لیا کرو اور اس وقت وہ پازیب اپنی جیب میں رکھا کرو۔ کاش تم گنگا سری کا زیور اس کے حوالے کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔"
ابو کی ان باتوں نے مجھ پر بہت اثر کیا تھا۔

میں نے تعویز حفاظت سے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ پتہ نہیں میرے دل پر اداسی کی لہر کیوں آ گئی تھی۔ میں اس کہانی سے بالکل خوف زدہ نہیں تھا لیکن یہ خیال میرے دل میں بار بار آ رہا تھا کہ دادا صاحب نے زیادتی تو کی تھی انہوں نے ایک لڑکی کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا اور اس کے محبوب کو قتل کر کے اس کی لاش تک نہیں لے جانے دی تھی اس کے بعد اپنے اثر و رسوخ اور دولت کے بل پر قانون کی گرفت سے بھی بچ گئے تھے گنگا سری اور ہیرا لعل کا اس انتقام پر آمادہ ہو جانا فطری بات تھی۔
اسی رات پھر مجھ پر بحرانی کیفیت طاری تھی۔ میں آدھی رات کو باہر نکل آیا۔ اور میں نے شمشان گھاٹ میں پراسرار روشنی دیکھا۔ وہاں سے ناچنے گانے کی آوازیں آ رہی تھیں اور مدھم روشنی میں کچھ انسانی سائے تھرکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔
معاً میرا دل چاہا کہ میں شمشان گھاٹ تک جا کر ان سایوں کو قریب سے دیکھوں۔ میرے لئے وہاں جانے میں کوئی دقت نہیں تھی۔ خوف نام کی کوئی چیز میرے دل میں نہیں تھی بس اس بات کا خیال تھا کہ وہاں جانے پر مجھے سرزنش کی جائے گی ابھی اسی کشمکش میں تھا کہ اندر سے ایک بھیانک چیخ ابھری۔ اس قدر دلدوز اتنی وحشت ناک کہ میرا پورا بدن لرز اٹھا۔ میں نے اس آواز کو صاف پہچان لیا تھا۔ امی کی آواز تھی۔
دوسری چیخ سنائی دی اور میں پاگلوں کی طرح اندر بھاگا۔ راستے میں گرتے گرتے بچا تھا۔ اس طرح دوڑتا ہوا میں اندر داخل ہو گیا تب میں نے ایک روح فرسا منظر دیکھا۔ عظمت خان صاحب اپنا گلا پکڑے تڑپ رہے تھے ان کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکلی پڑ رہی تھیں منہ پورا کھل گیا تھا زبان باہر لٹک گئی تھی وہ اس طرح ہاتھوں کو گردش دے رہے تھے جیسے کچھ نادیدہ ہاتھوں سے اپنی گردن کو آزاد کرانا چاہتے ہوں۔ جیسے کوئی ان کا گلا گھونٹ رہا ہو۔
اسی وقت امی ان کی طرف لپکیں انہوں نے بابا صاحب کے ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی لیکن دوسرے ہی

لمحے پوری طاقت سے سامنے کی دیوار سے جا کر ٹکرائیں۔ ایک دلاوز چیخ ان کے حلق سے نکلی اور انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

میں دروازے کے پاس دیوار سے ٹکا کھڑا تھا اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا امی کو اس طرح دیوار سے ٹکراتے اور ابو کو کرب کے عالم میں ایڑیاں رگڑتے دیکھ کر میں نے تیزی سے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن مجھے یوں لگا جیسے میرا بدن پتھر کا ہوگیا ہو۔ جیسے یہ بدن میرا بدن ہی نہ ہو۔ مجھے اپنے بدن پر کوئی اختیار ہی نہیں تھا۔ میں اسے جنبش بھی نہیں دے سکا۔

دوسری طرف ابو یونہی تڑپ رہے تھے اور امی اسی طرح ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں جیسے ان کی بینائی چلی گئی ہو۔ امی کی چیخوں کی آوازیں دوسروں نے بھی سنیں اور حویلی کے مکین جاگ کر ان کے کمرے کی طرف دوڑ پڑے۔ سب سے آگے بڑی پھوپھی تھیں ان کے ساتھ دوسرے، پھوپھی تو ابو کی طرف بھاگیں اور بہنیں امی کی طرف۔

میں بدستور پتھرایا ہوا دیوار کے ساتھ ٹکا کھڑا تھا۔ میں ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ ہاں میری آنکھیں یہ مناظر دیکھ رہی تھیں۔ اور میرے علاوہ شاید وہ کسی نے نہیں دیکھا جو میں نے دیکھا تھا۔

سفید رنگ کی وہ ناگن جس کے بارے میں ، میں سن چکا تھا ابو کے گلے سے لپٹی ہوئی تھی۔ اور ابو اسی کو اپنی گردن سے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے چیخ کر اندر آنے والوں کو ناگن کے بارے میں بتانے کی کوشش کی لیکن آہ۔ میری آواز بھی بند تھی۔ کسی نادیدہ قوت نے مجھے ناکارہ کر کے رکھ دیا تھا۔

کمرے میں سخت چیخ وپکار ہورہی تھیں۔ بہنیں چیخ چیخ کر رو رہی تھیں ابو کے حلق سے نکلنے والی خرخراہٹ آخری شکل اختیار کر رہی تھی امی کا سر پھٹ گیا تھا اور اس سے بھل بھل خون بہہ کر ان کے چہرے پر پھیلتا جارہا تھا۔

اچانک میں نے سفید ناگن کو ابو کے گلے سے ہٹتے ہوئے دیکھا اب وہ نیچے اتر رہی تھی پھر وہ آرام وسکون سے زمین پر چلتی ہوئی کھڑکی تک آئی اور اس کا لچکدار بدن کھڑکی پر چڑھنے لگا میرا دل چاہا کہ میں چیخ کر لوگوں کو بتاؤں کہ اس ناگن کو پکڑیں۔ اسے ماریں۔ لیکن میری آواز۔، میرے اعضا قابو میں میں کہاں تھے باقی لوگ جیسے اندھے ہوگئے تھے انہیں وہ ناگن نظر ہی نہیں آرہی تھی جو اچھی خاصی لمبی اور موٹی تھی دیکھتے دیکھتے ناگن کھڑکی پر چڑھی اور دوسری طرف اتر گئی۔

میرے دیکھتے دیکھتے ابو بے حس وحرکت ہوگئے۔

اسی لمحے کسی کی دبی دبی ہنسی سنائی دی۔ پھر یہ ہنسی قہقہوں میں بدل گئی۔ مردوں کے بھیانک قہقہے نسوانی قہقہے یوں لگ رہا تھا جیسے درودیوار ہنس رہے ہوں۔ مذاق اڑا رہے ہوں خوش ہورہے ہوں اور اچانک میرا منجمد بدن متحرک ہوگیا میرے اعصاب جاگ گئے۔ میں نے ابو کی طرف دوڑ لگائی انہیں زور سے جھنجھوڑا لیکن اب وہ اس دنیا میں نہیں تھے۔ دوسری طرف امی بے ہوش ہوگئی تھیں بڑی پھوپھی نے ان کی سر پر انہیں کا دوپٹہ کس کر باندھ دیا تھا۔

میری بہنیں اور خود پھوپھی جان آنکھیں پھاڑے بدحواسی کے عالم میں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔ میں نے زور زور سے چیخیں مار مار کر ابو کو پکارا۔ انہیں آوازیں دیں لیکن ابو کا خدشہ ٹھیک نکلا۔ انہوں نے بتا دیا تھا کہ شاید دنیا میں وہ آخری لمحے گزار رہے ہیں۔ اور ایسا ہی ہوا تھا۔ انہوں نے دنیا چھوڑ دی تھی۔

بڑی پھوپھی نے امی کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے تو وہ ہوش میں آگئیں۔ ہوش میں آتے ہی انہوں نے ابو کی طرف دیکھا اور پھر ان کی چیخیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ حالانکہ وہ بڑی صابر خاتون تھیں لیکن اب اپنا صبر کھو چکی تھیں پوری حویلی ماتم کدہ بن گئی۔

ابو کی موت کا راز کسی پر نہ کھل سکا۔ حیرت انگیز طور پر نہ میں نے کسی کو وہ سب کچھ بتایا جو میں نے دیکھا تھا، نہ امی نے کسی سے کچھ کہا۔ سب کو یہی اندازہ

تھا کہ عظمت صاحب دل کے دورے کا شکار ہوئے ہیں۔ موت کے کچھ ہی لمحوں کے بعد ابو کا چہرہ نارمل ہوگیا تھا۔

غرض یہ کہ سارا خاندان حویلی میں جمع ہوگیا۔ ابو کی موت کا راز میرے سینے میں دفن تھا۔ لیکن میں نے کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ البتہ وہ تعویز میں نے سنبھال کر اپنے ساتھ رکھ لیا اور چاندی کی وہ پازیب اپنے کپڑوں کی الماری کے خفیہ خانے میں رکھ دی۔

ابو کی تدفین ہوگئی گھر میں قیامت کا منظر تھا سب رو پیٹ رہے تھے۔ حویلی والے آفت زدہ مخلوق بن گئے تھے دادا ابو کی موت کو یاد کیا جارہا تھا پھر دادی اماں، چھوٹی پھوپھی اور پھوپا۔ لوگوں کے دلوں میں دادا جان کی روایتیں ضرور گردش کررہی تھیں لیکن اب کسی کے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ خاموشی رہی، لیکن لوگوں کی زبانیں پراسرار طور پر بند تھیں۔ حویلی پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا تھا۔

آخر کار ابو کا سوئم وغیرہ بھی ہوگیا۔ باہر سے آنے والے کچھ مہمان رخصت ہوگئے۔ کچھ باقی تھے۔ حویلی بہت وسیع تھی سو مہمانوں بھی آجائیں تو آسانی سے حویلی میں سما سکتے تھے۔ اس وقت رات ہوگئی تھی۔ حویلی میں سکوت طاری تھا۔ امی اپنے بستر پر خاموش بیٹھی ہوئی تھیں میں اپنے بستر پر تھا۔

اچانک امی نے مجھے آواز دی۔

''اشرف۔''

''جی امی۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''تمہارے ابو کا پلنگ بھی خالی ہوگیا۔'' امی عجیب سے لہجے میں بولیں۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو امی کچھ دیر کے بعد بولیں۔ ''اور سب تمہارے دادا کا بویا کاٹ رہے ہیں اور نہ جانے کب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ وہ انسان نما بھیڑیا تھے، انسانی خون پینے والے۔'' امی کا لہجہ بہت خراب تھا۔ وہ اچانک پھٹ پڑی تھیں اس سے پہلے انہوں نے دادا کے لئے ایسے الفاظ نہیں کہے تھے۔

''آپ دادا کی بات کررہی ہیں امی۔''

''ہاں۔ مامون خان وحشی جانور تھے۔ انہوں نے جو گل کھلائے تھے وہ سب جانتے ہیں۔ انہوں نے جیسا کیا ایسا پھل پایا خدا نے سب کو اس دنیا میں ہی دکھایا کہ کرنی کا پھل کیا ہوتا ہے۔ بلکہ میرے خیال میں تو انہیں پوری سزا بھی نہیں ملی۔ انہیں تو اس سے زیادہ بڑی سزا ملنی چاہئے تھی۔ دنیا ایک گنگا سری کی بات کرتی ہے۔ ان کے ظلم کا شکار نہ جانے کون کون ہوا ہے۔ یہ میں جانتی ہوں کیونکہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ہائے بے چاری صنوبر، ہائے بے چاری...... گنگا سری ہندو تھی خبیث روح بن کر آ گئی لیکن وہ دونوں مگر دوسروں کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ کیوں اس بے کسی کی موت مر رہے ہیں۔ اور...... اور حویلی چھوڑنے سے کوئی فائدہ نہیں، تمہاری پھوپھی پھوپھا کون سے گجر گھاٹ میں تھے تو وہ تو بے چارے گوجرانوالہ میں تھے لیکن گنگا سری نے یا اس کے باپ ہیرالعل نے انہیں ناگ بن کر ڈس لیا۔''

''مگر امی وہ تو انسان تھے۔'' میں نے بے چینی سے کہا۔ امی کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی حالانکہ میں خود گنگا سری کو سفید ناگن کے روپ میں دیکھ چکا تھا اسی نے ابو کی گردن میں لپٹ کر ان کا دم گھونٹ دیا تھا۔

''کون انسان تھے۔''

''ہیرالعل اور گنگا سری۔''

''ہاں۔ مگر مرنے کے بعد گندی روح بن گئے۔ سنی سنائی تھی آنکھوں دیکھ لی۔ ہمارے مذہب میں گندی روحوں کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ہم پیدا ہوتے ہیں تو ہمارے کانوں میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے مرتے ہیں تو ہماری نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے اور ہماری روح اللہ کے پاس چلی جاتی ہے۔ ہندو مذہب میں ایسا نہیں ہے۔ ان کی آرزوئیں تشنہ رہ جاتی ہیں تو ان کی روحیں بھٹکتی رہتی ہیں۔''

''تو دادا ابو نے کسی اور کو بھی نقصان پہنچایا تھا۔''

’’ہاں۔ نہ جانے کس کس کو۔‘‘ امی اس وقت دل کے چھالے پھوڑ لینا چاہتی تھیں۔ ان کی زبان زہر اگل رہی تھی اور یہ ہونا بھی چاہئے تھا۔ دوسرے تو بے گناہ ہی مارے جارہے تھے۔ میرے ابو نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ وہ تو بہت اچھے انسان تھے۔

’’صنوبر کون تھی امی۔‘‘ میں نے پوچھا۔

’’ہائے بے چاری صنوبر۔ ہائے بے چاری، کیا بتاؤں تجھے اشرف۔ تو بچہ ہے تیرے سامنے کیسے زبان کھولوں۔‘‘

’’میں بچہ نہیں ہوں امی۔ وقت نے مجھے اپنی عمر سے بہت بڑا کردیا ہے میرے پیارے ابو کا سایہ میرے سر سے چھین لیا گیا ہے بہت کچھ کرنا ہے مجھے۔ میں کوئی قسم نہیں کھاتا لیکن آپ کے سامنے ایک بات ضرور رکھنا چاہتا ہوں میں ان دشمن روحوں سے بدلہ لوں گا اپنے خاندان کے ہر فرد کے قتل کا بدلہ لوں گا میں انہیں وہ بدترین سزا دوں گا کہ دنیا دیکھے گی میں ان سے اپنے ابو کی موت کا بدلہ لوں گا۔‘‘

میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ امی نے مجھے دیکھا اور مجھے یوں لگا جیسے انہیں میرے الفاظ سے سکون ہوا ہو۔

’’صنوبر میری بچپن کی دوست تھی حاجی پور میں میرا میکہ تھا۔ تمہارے نانی تایا پہلے حاجی پور میں ہی تھے بعد میں تمہارے ماموں صاحب لاہور منتقل ہوگئے تھے۔ لیکن میری شادی حاجی پور سے ہی ہوئی تھی اور وہیں سے میں بیاہ کر گجر گھاٹ آئی تھی۔ صنوبر حاجی پور کے غلام علی کی بیٹی تھی جسے ماموں خان نے میری شادی پر دیکھا تھا۔ شاید اسی وقت ان کی ہوس نے قسم کھالی تھی کہ وہ اسے تباہ و برباد کرکے چھوڑیں گے۔ میری شادی کو صرف تین ماہ ہوئے تھے صنوبر مجھ سے بہت پیار کرتی تھی اکثر میرے پاس آجاتی تھی اور ایک ایک ہفتہ رہ جاتی تھی ان دنوں بھی وہ آئی ہوئی تھی۔ میں تمہارے ابو کے ساتھ اپنے کمرے میں سوتی تھی اور صنوبر تمہاری دادی اماں کے ساتھ دوسرے کمرے میں، دادی اماں الگ کمرے میں سوتی تھیں اس وقت سب پرانی حویلی میں ہی رہتے تھے، نئی حویلی میں تعمیر کا کام ہو رہا تھا۔ تو میں بتا رہی تھی کہ ماموں خان اور تمہاری دادی میں ہمیشہ ان بن رہتی تھی کیونکہ دادی اماں کو ان کے کرتوت معلوم تھے۔

صنوبر رات کو دیر تک میرے پاس رہی۔ پھر اسے نیند آنے لگی تو وہ دادی اماں کے کمرے کی طرف چل پڑی لیکن راہ داری سے گزرتے ہوئے ماموں خان اسے اغوا کرکے اپنے کمرے میں لے گئے۔ اس دن تمہارے ابو بھی جلدی سو گئے تھے۔ مجھے نیند نہیں آرہی تھی ایک بے چینی سی میرے دل پر تھی میرا دل اندر سے کچھ کہہ رہا تھا مجھے ایک گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی چنانچہ میں نے کھلی فضا میں آنے کا فیصلہ کیا اور باہر نکل آئی۔ ابھی میں باہر غلام گردش میں کھڑی گہری سانسیں لے رہی تھیں کہ مجھے ایک گھٹی گھٹی چیخ سنائی اور میں چونک پڑی یہ آواز ماموں خان کے کمرے سے آئی تھی اور اگر میری سماعت نے دھوکہ نہیں دیا تھا تو صنوبر کی تھی، میں پاگلوں کی طرح بھاگی اور ماموں خان کے کمرے کے پاس پہنچ گئی، کمرے میں دھینگا مشتی ہو رہی تھی صنوبر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

’’یہ کیا کر رہے ہیں چچا جان۔ میں آپ کی بیٹی جیسی ہوں۔‘‘

’’بیٹی جیسی ہو، بیٹی تو نہیں ہو۔‘‘ یہ ماموں خان کی آواز تھی۔

’’آہ نہیں۔ نہیں۔ آہ آہ آہ۔‘‘

میں نے ایک کھڑکی سے اندر جھانک کر دیکھا۔ اور جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر میں حواس کھو بیٹھی۔ مجھے چکر آگیا۔ کچھ نہ سوچا اس حالت میں، میں چیخ پکار بھی نہیں کرسکتی تھی میں دادی اماں کے کمرے میں پہنچی کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اندر روشنی تھی اور دادی اماں مسہری پر سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

’’اماں جی...... اماں جی...... وہ ...... وہ ......صنوبر، اماں جی صنوبر۔‘‘

اماں جی نے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر بولیں۔ ''آؤ دلہن آؤ۔''

''اماں جی۔ جلدی کریں وہ صنوبر...... ابا میاں کے کمرے میں۔''

''مجھے معلوم ہے اماں بی یعنی تمہاری دادی نے مغموم لہجے میں کہا۔

''کیا......؟ آپ کو معلوم ہے۔'' میں نے چکراتے ہوئے کہا۔

''ایک مہینے پہلے کی بات ہے، یاد ہے میں نے تم سے کیا کہا تھا۔''

''کیا کہا تھا؟''

''تمہیں یاد نہیں۔''

''نہیں۔''

''میں نے کہا تھا تمہاری سہیلی بہت پیاری ہے۔ لیکن جوان جہاں بچیوں کو اس طرح غیروں کے گھر نہیں رہنا چاہئے۔'' اب یاد آیا۔ اماں بی کا لہجہ طنزیہ ہوگیا۔

واقعی اماں بی نے یہ بات مجھ سے کہی تھی لیکن اس وقت میں ان کی بات نہیں سمجھی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اماں بی میری سہیلی کے آنے سے جل گئی ہیں۔

''بڑے ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں وہ ماں باپ جو اپنی جوان بیٹیوں کو اس طرح دوسروں کے گھر رہنے کے لئے بھیج دیتے ہیں۔''

''اماں بی۔ کچھ کریں، اماں بی۔ وہ صنوبر۔''

''کیا کروگی، بتاؤ۔ ہنگامہ کروگی۔ ایسے ہنگامے اکثر یہاں ہوتے رہتے ہیں اور ان کا نتیجہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔''

''تو کیا۔ تو کیا۔'' میں شدید غم سے بولی۔ پھر مجھے تمہارے ابو کا خیال آیا اور میں اماں بی کے کمرے سے نکل کر واپس اپنے کمرے میں بھاگی۔ میں نے تمہارے ابو کو جگا کر پوری تفصیل بتائی۔ وہ پریشان ہوگئے۔ بمشکل تمام وہ میرے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوئے ہم ماموں خان کے کمرے پر پہنچے وہاں گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اور کوئی آواز نہیں آرہی تھی عظمت خان تو گھبرائے ہوئے تھے لیکن میں نے دروازہ پیٹ ڈالا خاصی زور سے دروازہ بجانے کے بعد اندر روشنی ہوئی ماموں خان نے دروازہ کھولا ان کا چہرہ بگڑا ہوا تھا منہ سے شراب کے بھپکے اٹھ رہے تھے۔

''کیا ہے؟'' انہوں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کس پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے۔''

''ابا جی۔ وہ۔'' تمہارے ابو کی لڑکھڑاتی آواز ابھری۔

''تم دونوں پاگل ہوگئے ہو کیا۔''

''اندر صنوبر ہے۔ وہ اندر ہے۔'' میں نے ہیجان خیز لہجے میں کہا۔

''کیا؟'' ماموں خان دہاڑے۔

''صنوبر۔ میری سہیلی۔ میں نے خود دیکھا ہے۔'' مجھ پر اس وقت جنون طاری تھا ماموں خان سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے گھورتے رہے پھر دروازے سے پیچھے ہٹ گئے۔ اور میں غڑاپ سے اندر داخل ہوگئی پھر ان کے کمرے کا چپہ چپہ تلاش کرلیا گیا مگر صنوبر کا کوئی نشان نہیں ملا۔

''عظمت۔'' ماموں خان کی زہریلی آواز ابھری۔

''جی ابا جی۔''

''اسے لاہور لے جاؤ اور کسی دماغی اسپتال میں چیک کراؤ۔ ضروری ہو تو کچھ دن کے لئے اسے اسپتال میں داخل کرادو۔'' عظمت مجھے واپس کمرے میں لے آئے۔

میں ساری رات روتی رہی۔ عظمت بھی میرے ساتھ جاگتے رہے۔ صبح چھ بجے عظمت کمرے سے باہر نکل گئے۔ مجھ پر ہول سوار تھے صنوبر کا حشر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی وہ کہاں چلی گئی اور ماموں خان نے اسے کہاں غائب کردیا کسی کو نہیں معلوم تھا پھر دن کو آٹھ بجے عظمت واپس آئے ان کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

’’زیب النساء۔‘‘انہوں نے افسردگی سے کہا۔
’’جی۔بتایئے صنوبر کا کچھ پتہ چلا۔‘‘
’’ہاں۔‘‘
’’چل گیا۔میں چیخی کہاں ہے وہ۔‘‘
’’اس کی لاش۔‘‘عظمت کی آواز رک گئی۔
’’لاش۔‘‘میری گھٹی گھٹی آواز ابھری۔
’’شمشان گھاٹ میں ملی ہے۔‘‘شمشان گھاٹ بری آتماؤں کا مسکن ہے کوئی رات کو وہاں چلا جائے تو واپس نہیں آتا۔‘‘ تمہارے ابو نے بتایا لیکن ان کا لہجہ بتاتا تھا کہ انہیں خود اس کہانی پر یقین نہیں ہے۔
’’تو مار دیا گیا میری سہیلی کو۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا عظمت۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔‘‘
’’تم نے کچھ نہیں دیکھا زیب النساء۔‘‘ عظمت بولے۔
’’دیکھا ہے میں نے۔ ہوش وحواس کے عالم میں دیکھا ہے۔‘‘
’’مگر تم کسی کے سامنے زبان نہیں کھولو گی۔‘‘
’’کیوں نہیں کھولوں گی۔ارے اسے میرے اعتماد پر بھیجا جاتا تھا۔میں کیا جواب دوں گی۔کیا جواب دوں گی میں۔‘‘
’’تو پھر ایک کام کرو زیب النساء۔‘‘
’’بولو کیا۔‘‘
’’حاجی پورا اپنے ماں باپ کے پاس چلی جاؤ۔ ابو کے خلاف جو کچھ کرو گی اس میں ناکام رہو گی ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں مجھے حکم ملے گا کہ تمہیں طلاق نامہ بھجوا دوں اور مجھے یہ کرنا پڑے گا۔‘‘
یہ کہہ کر عظمت صاحب چلے گئے۔ پھر وہ مجھے بتائے بغیر لاہور چلے گئے اور پورے دس دن کے بعد واپس آئے اس دوران صنوبر کی لاش حاجی پور بھجوادی گئی۔ وہاں بھی خبر بھیجی گئی تھی کہ شمشان گھاٹ کی بدروحوں نے صنوبر کو ہلاک کردیا۔صنوبر کے والدین نے خاموشی سے حاجی پور چھوڑ دیا اور کسی نامعلوم جگہ چلے گئے اس کے بعد ان کا پتہ نہیں چل سکا۔ میں نے زبان بند کرلی اور خدا کے فیصلے کا انتظار کرتی رہی۔
میرے پیارے بیٹے بات صرف صنوبر یا گنگا سری کی نہیں تھی شمشان گھاٹ سے اور بھی کئی نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کی ایک جیسی لاشیں ملی تھیں جب سے مامون خان اس دنیا سے گئے تب سے لاشیں ملنے کا سلسلہ ختم ہوا۔اور اس کے بعد خاندان پر جو عتاب نازل ہوا تمہارے علم میں ہے، مجھے معاف کرنا مامون خان مجرم تھے لیکن ان کے بیٹے ، بیٹیاں اور ان کی بیوی بھی مجرم ہیں کہ یہ جان کر کہ مامون خان مجرم ہیں ان کی پردہ پوشی کرتے رہے۔
اب اگر دشمن روحیں ان سے انتقام لے رہی ہیں تو کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔
میں نے حیرانی سے امی کی صورت دیکھی ۔پھر میں نے کہا۔’’آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ دشمن روحوں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔‘‘
’’نہیں۔میں یہ نہیں کہہ رہی ۔لیکن میں نے تمہیں جو کچھ بتایا اس کی روشنی میں تم کیا کہتے ہو۔‘‘
میرا دل چاہا کہ مجھے جو کچھ معلوم ہے میں امی کو بتادوں اس پازیب کے بارے میں اس سادھی کے بارے میں ،ان لمحات کے بارے میں جن میں ، میں نے اس سفید ناگن کو ابو کی گردن دباتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن مجھے یوں لگا جیسے کسی نادیدہ ہاتھ نے میرے منہ کو دبادیا ہو۔ مجھے گہرے لمس کا احساس ہوا تھا اور یہ لمس......سو فیصدی میرے ابو کے ہاتھ کا لمس تھا۔ صاف ظاہر ہوگیا تھا کہ ابو مجھے یہ باتیں کرنے سے روکنا چاہتے تھے۔ پھر میں نے اس بارے میں امی سے بات کرنا ہی مناسب سمجھا۔
’’مجھے ایک بات بتایئے امی۔‘‘
’’ہاں بولو۔‘‘
’’مجھے کیا کرنا چاہیے۔‘‘
’’تم ...... کیا کرنا چاہتے ہو۔ میں نے تمہیں اس لئے ان تمام باتوں سے آگاہ کیا ہے کہ تم کوئی صحیح

فیصلہ کرسکو۔"

"آپ مجھے مشورہ دیں امی۔"

"کس بارے میں۔"

"ابو کی موت میری آنکھوں کے سامنے ہوئی ہے۔ میں جانتا ہوں وہ ان دشمن روحوں کی کارروائی تھی جبکہ خود میرے ابو نے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں امی، میری کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن میں ان سے نفرت کرنے میں حق بجانب ہوں۔"

"میں ضرور ایک بات کہوں گی۔"

"جی کہیے۔"

"گنگا سری، صنوبر اور دوسری لڑکیاں جو تمہارے دادا ابو کی ہوس کا شکار ہوئیں، کسی کی بہن اور بیٹی تھیں اگر تمہارے دادا ابو اتنے بڑے زمیندار اور تعلقات والے نہ ہوتے تو ان لڑکیوں کے لواحقین بھی ہماری اینٹ سے اینٹ بجادیتے وہ بے چارے جیتے جی ہم سے انتقام نہیں لے سکے۔ اب ان کی روحیں اگر یہ کارروائی کررہی ہیں تو......" امی خاموش ہوگئیں لیکن میں ان کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

میں بہت دیر پریشان بیٹھا رہا۔ پھر میں اٹھ گیا۔

"کہاں چلے؟" امی نے پوچھا۔

"میں پریشان ہوگیا ہوں۔ امی مجھے کوئی صحیح فیصلہ کرنا ہے۔" میں نے کہا اور امی کے پاس سے چلا آیا۔

دل پر شدید بوجھ تھا۔ تو دادا صاحب کی یہ حرکتیں رہی ہیں۔ وہ معصوم لڑکیوں کی عزت لوٹتے رہے ہیں اور انہیں موت کے گھاٹ اتارتے رہے ہیں ان کے لواحقین نے کچھ کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے طاقت سے ان کی زبان بند کردی۔ اپنے ناپاک کرتوتوں کو چھپانے کے لئے انہوں نے شمشان گھاٹ اور پرانی حویلی کے آسیبی ہونے کا سہارا لیا تھا۔

تو کیا پرانی حویلی آسیب زدہ نہیں ہے؟ کیا یہ صرف ڈھونگ ہے۔

لیکن حالات وواقعات نے فوراً ہی میرے خیال کی تردید کردی۔ پرانی حویلی سو فیصدی آسیب زدہ ہے۔ شمشان گھاٹ میں بدروحیں رہتی ہیں کیونکہ روحوں نے جو انتقامی عمل کیا تھا وہ انسانی عمل نہیں تھا پھر کیا ان روحوں کے خلاف سوچا جائے ان کے خلاف عمل کیا جائے۔

میرے ذہن میں بہت سے منصوبے جنم لے رہے تھے۔ مجھے بزرگ محبوب الٰہی یاد تھے۔ نیاز احمد کے ہاں انہوں نے گجر گھاٹ ہماری حویلی میں آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن نہیں آئے تھے اور اب تو ابو کا بھی انتقال ہوگیا تھا لیکن بزرگ کا دیا ہوا تعویز میرے پاس تھا اور میں نے اسے اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا، نہ جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ تعویز کی موجودگی میں کوئی بدروح مجھے نقصان نہیں پہنچائے گی۔ میرے دل میں تھا کہ اگر وہ بزرگ مجھے مل جائیں تو میں ان کے قدموں میں بیٹھ کر ان سے التجا کروں کہ مجھے روحانی علوم سے آگاہ کریں مجھے یہ علوم سکھائیں تاکہ میں ان روحوں سے مقابلہ کرسکوں۔ اس طرح کے بچکانہ خیالات میرے دل میں آتے رہتے تھے۔

والدہ نے ان روحوں کے خلاف کسی کارروائی کے لئے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرکے میری ہمت توڑ دی تھی انہوں نے مجھے دادا جی کی جو کہانی سنائی تھی وہ تو بڑی افسوس ناک تھی ویسے بھی میں کون سا تیس مار خان تھا کہ ان روحوں کو نقصان پہنچا سکتا۔ البتہ تین ماہ تک میں مسلسل اس سادھی کی تلاش میں جاتا رہا۔ اگر گنگا سری مجھے مل جائے تو میں وہ پازیب اسے دے دوں۔ دوبارہ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں پازیب پرانی حویلی میں کسی محفوظ جگہ رکھ آؤں گنگا سری تو وہاں بھٹکتی رہتی ہے وہ خود اس پازیب کو تلاش کرلے گی۔

لیکن پھر خود ہی عقل نے مجھے روکا۔ یہ کام تو ابو بھی کرسکتے تھے۔ اگر یہ مناسب ہوتا تو خود بھی ایسا کرسکتے تھے۔

ایک رات ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ میں اب کافی سمجھدار ہوگیا تھا۔ ہر پہلو پر غور کرتا تھا۔ اور اس کے بارے میں سوچتا تھا اکثر راتوں کو جاگتا رہتا تھا کسی

کو کچھ بتائے بغیر باہر نکل آتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مجھے کسی چیز سے کوئی خوف نہیں محسوس ہوتا تھا۔

اس رات بھی میں باہر آ گیا۔ اور حویلی کے مغربی حصے کے ایک گوشے میں بیٹھ کر پرانی حویلی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس سے کچھ فاصلے پر شمشان گھاٹ نظر آ رہا تھا۔ عموماً جب بھی شمشان گھاٹ پر نظر جاتی وہاں کچھ سائے چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ ان سایوں کا راز ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس وقت بھی وہی سب کچھ تھا۔ مدھم مدھم روشنیاں، ان روشنیوں کے پس منظر میں کچھ دھندلے سائے جو متحرک تھے۔

معاً دل چاہا کہ ان سایوں کو قریب سے دیکھوں۔ یہ خیال اس طرح ذہن پر سوار ہوا کہ میں سب کچھ بھول کر اس طرف چل پڑا۔ ابھی کچھ دور ہی تھا کہ اچانک کسی سانپ کی زبردست پھنکار سنائی دی اور میں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ ایک زبردست سفید لکیر میرے راستے میں آن کھڑی ہوئی۔ پھر وہ میرا راستہ روکنے کے انداز میں پھن کھڑا کر کے کھڑی ہوگئی۔

ایک لمحے کے لئے میرے دل میں نفرت کا طوفان اٹھا کسی اور نے دیکھا ہو نہ دیکھا ہو لیکن میں نے دیکھا تھا کہ اس سفید ناگن نے میرے والد کی گردن دبائی تھی۔ یہ میرے باپ کی قاتل تھی۔ میں نے نفرت سے دیکھا اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن کوئی ایسی شہ نہیں نظر آئی تھی جس سے میں اس پر وار کر سکوں۔ میں ایک دم اس پر جھپٹا۔ یہ فکر نہ تھی کہ وہ کیا کرے گی لیکن وہ مجھ سے زیادہ پھرتی سے پیچھے ہٹی اور پھر اسی انداز میں کھڑی ہوگئی، میں نے اس پر دو تین حملے کئے لیکن ناکام رہا۔ پھر میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''تم اگر گنگا سری ہو تو اپنے اصل روپ میں آؤ۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

''آگے مت جاؤ چھوٹے مہاراج۔'' مجھے ایک نغمہ بار آواز سنائی دی۔ اور میں چاروں طرف دیکھنے لگا یہ کون بولا؟ کیا یہ ناگن؟ جب کوئی نظر نہ آیا تو میں نے کہا۔

''تم گنگا سری ہو۔''

''آگے مت جاؤ چھوٹے مہاراج۔''

''کیوں؟''

''وہاں بڑی خراب آتمائیں ہیں۔ وہ تمہیں جیتا نہیں آنے دیں گی۔''

''تم نے ہمیں جیتا چھوڑا ہی کہاں ہے گنگا سری۔ دادا جی تمہارے مجرم تھے۔ دادی نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ پھوپھی اور پھوپھا کو تم نے بلاوجہ مار دیا۔ اور پھر میرے باپ کو مار کر تم نے بہت برا کیا گنگا سری۔ بہت برا کیا تم نے۔'' میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔

''انہیں میں نے نہیں مارا۔''

''روحیں جھوٹ بھی بولتی ہیں۔ میں نے تمہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں تم سے بدلہ لینا چاہتا ہوں لیکن۔ میری ماں نے مجھے مامون خان کے بارے میں تفصیل سے بتایا ہے۔ اس لئے گنگا سری۔ اس لئے۔''

''انہیں میں نے نہیں مارا۔ دیکھو۔ ادھر دیکھو۔ وہ آ گئے۔ وہ تمہاری خوشبو سونگھ کر آ گئے۔ اے بھگوان میں کیا کروں۔ بھاگ جاؤ۔ بھاگ جاؤ۔''

مجھے اپنے بائیں سمت کچھ سرسراہٹیں سنائی دیں اور مری گردن خود بخود اس طرف گھوم گئی، میں نے ایک ہولناک منظر دیکھا۔ وہ تین سفید سانپ تھے جو لہراتے ہوئے میری طرف آ رہے تھے۔ بالکل اسی ناگن جیسے جو یقیناً گنگا سری تھی۔ لیکن وہ۔

جس طرح وہ میری طرف آ رہے تھے اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ مجھ پر حملہ کر دیں گے۔ اصولاً مجھے بھاگنا چاہئے تھا۔ لیکن ملکھانی خون بزدلی نہیں دکھا سکتا تھا۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں ان کے حملے سے بچنے کے لئے تیار رہوں گا افسوس یہ تھا کہ میرے پاس ان سے نمٹنے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی لیکن پھر بھی اللہ کے بھروسے پر میں ایکشن لے کر کھڑا ہو گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ مجھ سے کوئی پندرہ فٹ دور رہ گئے۔ لیکن اچانک وہ رک گئے۔ وہ بری طرح پھنکار

رہے تھے ان کی ننھی ننھی خونخوار سرخ انگارہ آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں ان آنکھوں میں شدید نفرت تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نادیدہ قوت نے انہیں روک دیا ہو۔ وہ مجھ تک پہنچنے کے لئے بے چین نظر آرہے تھے لیکن نہ جانے آگے کیوں نہیں بڑھ رہے تھے۔ شاید میرے دلیرانہ قدم نے انہیں خوف زدہ کردیا تھا۔

پھر وہ اپنی جگہ سے ہلے اور منتشر ہوگئے۔ اب وہ میرے چاروں طرف گردش کرر ہے تھے۔ ان کی بے چینی قابل دید تھی۔ وہ مجھ تک پہنچ کر مجھے ڈس لینا چاہتے تھے لیکن نہ جانے کیا بات تھی۔ اچانک میرے ذہن میں بجلی سی کوندگئی مجھے بزرگ محبوب الٰہی کا تعویز یاد آگیا اور میں نے اپنی جیب پر ہاتھ مارا۔

تعویز میری جیب میں موجود تھا۔

اب مجھے ان ناگوں کی ناکامی کا راز معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کرم کیا تھا۔ اس تعویز نے میری حفاظت کی تھی میرا کلیجہ ہاتھوں بڑھ گیا، میں نے تعویز نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور خود ان کی طرف بڑھا۔ میں نے سانپوں میں افراتفری دیکھی۔ وہ ڈر کر پیچھے کی سمت بھاگے تھے۔ اب میں ان کی طرف بڑھا اور وہ تیزی سے رخ بدل کر بھاگے اتنی تیز رفتار تھی ان کی کہ دیکھنے کے قابل۔

پتہ نہیں یہ اتفاق تھا یا جان بوجھ کر انہوں نے پرانی حویلی کا رخ کیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پرانی حویلی میں گھس کر غائب ہوگئے۔ ویسے تو بزرگ محبوب الٰہی پر مجھے پہلے ہی عقیدہ اور اعتماد تھا لیکن اس وقت اس تعویز کی اہمیت واضح ہوئی تھی۔

دفعتاً مجھے گنگا سری کا خیال آیا۔ میں نے اس طرف نظر دوڑائیں، لیکن گنگا سری یا اس سفید ناگن کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔ پھر میں نے شمشان گھاٹ کی طرف دیکھا وہاں اب کچھ نہیں تھا ایک منحوس سناٹا وہاں چھایا ہوا تھا کوئی روشنی بھی نہیں تھی۔

کچھ لمحے میں وہیں کھڑا رہا پھر واپس چل پڑا۔ امی نہ جاگ جائیں وہ میری طرف سے بہت فکر مند رہتی تھیں۔ اگر جاگ گئیں اور مجھے نہ پایا تو پریشان ہوجائیں گی کچھ دیر کے بعد میں اپنی خواب گاہ میں داخل ہوگیا شکر تھا کہ امی سو رہی تھیں۔

میں اپنے بستر میں گھس گیا اس رات مجھے ایک دلچسپ اور انوکھا تجربہ ہوگیا تھا یہ نئی بات معلوم ہوئی تھی کہ سفید ناگوں کا پورا قبیلہ ہے صرف گنگا سری سفید ناگن نہیں ہے دوسری بات یہ کہ میرے ابو کو گنگا سری نے قتل نہیں کیا تھا وہ انکار کررہی تھی، اس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی دوسرا ناگ تھا۔ ممکن ہے وہ ہیرالعل ہو یا اس قبیلے کا کوئی اور فرد۔

اس کا مطلب ہے کہ یہ دشمن روحیں مرنے کے بعد دوسرے روپ بھی دھار سکتی ہیں، ہوگا ان کا کوئی طریقہ کار، یہ بات بھی قابل غور تھی کہ گنگا سری مجھے نہیں مارنا چاہتی تھی اس کے انداز میں مفاہمت تھی اس کی آواز کتنی خوب صورت تھی حالانکہ دادا صاحب نے اسے ہی نقصان پہنچایا تھا اس کے محبوب کو بھی ہلاک کردیا تھا اور اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اسے میرا بھی دشمن ہونا چاہئے تھا کیونکہ میں بدقسمتی سے دادا صاحب کا خون او ہم شکل تھا۔

مجھے وہ رات بھی یاد آئی جب گنگا سری مجھے اپنے اصل روپ میں ملی تھی اس وقت بھی اس نے مجھ سے نفرت کا اظہار نہیں کیا تھا، نہ جانے کیا کیا سوچیں میرے ذہن میں تھیں، امی نے گنگا سری اور میرے دادا کا شکار ہونے والی دوسری لڑکیوں کے بارے میں بتایا تھا یہ سب ہی دادا کی دشمن روحیں تھیں اور صرف گنگا سری پر اس خاندان کو نقصان پہنچانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی جاسکتی تھی، مجھے پرانی حویلی کا خیال بھی آیا پرانی حویلی کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے وہاں سمادھی کی تلاش میں، یا گنگا سری کی تلاش میں جاتے ہوئے بہت خیال رکھنا پڑے گا کیونکہ وہ سفید ناگ وہاں آسکتے ہیں۔

ایک عجیب سی کیفیت دل ودماغ پر طاری تھی۔

نہ جانے کب انہیں خیالات میں نیند آگئی تھی۔

(جاری ہے)

دشمن روحیں

ایم اے راحت

قسط نمبر: 2

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زور قلم سے لکھی شاہکار کہانی

زندگی میں بڑے بڑے اہم کردار ہوتے ہیں یوں لگتا ہے کہ ہم انہیں کے معیار سے زندہ ہیں اگر وہ ہمارے ساتھ نہ ہوتے تو ایک پل بھی نہیں جیا جاسکتا۔ اچانک وہ ہم سے بچھڑ جاتے ہیں اور ہم تاریکی میں آ کھڑے ہوتے ہیں لیکن آہستہ آہستہ وقت گزرتا ہے ہم وقت سے سمجھوتہ کرتے ہیں وہ کردار صرف ایک یاد کی حیثیت سے رہ جاتے ہیں اور بس۔

دادا ابو تو اس وقت چلے گئے تھے جب مکمل ہوش قائم نہیں ہوئے تھے۔ دادی کی موت کی سنسنی طویل عرصہ محسوس کی تھی۔ پھوپھی اور پھوپا جی کی موت ایک دلدوز حادثہ تھی۔ پھوپا جی بڑے خوش مزاج اور لطیفہ گو تھے۔ ہر وقت ہنساتے رہتے تھے۔ کہتے تھے کہ سوہنی بے وقوف تھی جو مہیوال جیسے نکمے سے عشق کرتی تھی اگر میرے دور میں پیدا ہوتی تو میں اسے لے کر سوئز لینڈ میں آباد ہوجاتا۔

یہ سب چلے گئے تھے سب سے زیادہ غم ناک جدائی ابو کی تھی۔ ان کی زندگی میں کبھی کسی دوست کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی تھی۔ وہ میرے بہترین دوست تھے ان کے بغیر میں سونا سونا ہوگیا تھا۔ بڑوں نے مجھ پر ذمہ داریاں نہیں پڑنے دی تھیں۔ تایا چاچا اور پھوپیاں اپنے حصے الگ کر چکے تھے ان کی مالی حیثیت کیا تھیں میں نہیں جانتا تھا...... لیکن ہماری زمینیں اور باغات سب سے زیادہ تھے اور آمدنی زبردست تھی۔ عظمت صاحب اپنی زندگی میں سارے حسابات خود رکھتے تھے۔ زمینوں کے دورے کرتے تھے ان کے رکھوالوں سے میٹنگیں کرتے رہتے تھے اور سب سے زیادہ ترقی ہم نے کی تھی۔

لیکن وہ اچانک سب کچھ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

ان کی المناک موت کے پراسرار عوامل کے سحر سے آزاد ہو کر تایا ابو، بڑی پھوپھی اور منجھلے چچا نے ہمارے کاروبار اور زمینوں اور باغوں پر توجہ کی۔ یہ سب کچھ میرا تھا اور میں اس کا بلا شرکت غیرے مالک تھا۔ ہمارے سب سے چھوٹے چچا کچھ غلط آدمی تھے۔ دولت اور جائیداد میں انہیں بھی پورا حصہ ملا تھا لیکن ان کے مشاغل ذرا مختلف تھے جن میں انہوں نے اپنی دولت دونوں ہاتھوں سے لٹائی تھی اور قلاش ہوگئے تھے۔ دولت ختم ہونے کے بعد انہیں ہوش آیا تھا اور انہوں نے برائیوں سے توبہ کرلی تھی۔

دادی اماں نے اپنی زندگی میں بڑی کوشش کی تھی کہ ان کی بھی شادی ہوجائے مگر وہ کسی قیمت پر تیار نہیں ہوئے تھے اور اپنی رنگ رلیوں میں مصروف رہے تھے وہ دادا جان کے مزاج والے نہیں تھے دادا جان تو بزرگ تھے اور ڈنکے کی چوٹ پر برائیاں کرتے تھے لیکن چھوٹے چچا چوری چھپے آوارگی کرتے تھے۔ غرض یہ کہ اپنا سب کچھ لٹا کہ وہ بھائیوں کے رحم و کرم پر آ پڑے تھے اور وہ مولوی صاحب

بن گئے تھے، عبادت کرتے تھے پیشانی پر محراب کا نشان پڑ گیا تھا ہلکی داڑھی رکھ لی تھی۔ ان کی ضرورتیں دوسروں سے پوری ہوتی تھیں۔

تایا ابو نے امی سے کہا۔ ”منجھلی دلہن۔ اگر تم پسند کرو تو تمہارے کاروبار کی ذمہ داری فرید خان کو دیدی جائے۔ وہ بیکار بھی ہے اوراب جیسا کہ تم سب کو معلوم ہے کہ کافی سدھر گیا ہے۔ اس کے لئے ایک معاوضہ مقرر کردیا جائے جس سے اس کی کفالت بھی ہوجائے گی۔ مفت میں اسے کچھ دینا سب ہی کو برا لگتا ہے۔ کچھ کرے گا تو کچھ دینا برا نہیں لے گا۔“

”مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں بڑے بھائی۔ آپ ہمارے بڑے ہیں اگر آپ کوئی فیصلہ کریں گے تو کسے انکار کی جرأت ہوسکتی ہے۔“ امی نے کہا۔

”نہیں دلہن بیٹی۔ تمہاری منظوری ضروری ہے۔“

”آپ جیسا مناسب سمجھیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ہم بھی نظر رکھیں گے۔“ ماشاء اللہ اشرف بڑے ہوجائیں گے تو سب سنبھال لیں گے۔ ابھی انہیں تعلیم پوری کرنے دی جائے۔

”جو آپ پسند کریں۔“ امی نے کہا۔

تایا ابو نے سمجھ داری سے کام لیا اور تھوڑی تھوڑی ذمہ داری چھوٹے چچا پر ڈالنی شروع کردی۔ اس بات کا تذکرہ کرنے کی وجہ خاص ہے جو میں بتانے جارہا ہوں۔ ابو کے انتقال کو دیکھتے ہی دیکھتے برس بیت گیا۔ بڑی پھوپھی نے امی سے کہا۔

”ذہی بھابھی۔ اگلے منگل کو بھیا کی جدائی کا ایک سال پورا ہوجائے گا۔“

”ہاں۔ میں جانتی ہوں۔“

”برسی کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”کرنی ہے بھابھی جی۔ میں نے اس لئے نہیں کہا کہ آپ کو اللہ سلامت رکھے۔ ساری ذمہ داری تو آپ نے سنبھال رکھی ہیں۔“

تایا ابو کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ غرض یہ کہ سب کو اطلاع بھجوادی گئی اور مہمان آنے شروع ہوگئے۔ منگل کا دن مقرر ہوگیا تھا۔ حویلی بہت بڑی تھی کتنے ہی مہمان آجائیں ان کے قیام کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ برسی کی تیاریاں زوروشور سے ہونے لگیں ہر طرح کا انتظام کیا جانے لگا۔

پیر کی رات تھی، میں بھی تایا ابو کے ساتھ سارے کاموں میں شریک تھا۔ دن بھر میں نے ہر طرح کی بھاگ دوڑ کی تھی اس لئے خوب تھک گیا تھا تھکن کے بعد نیند گہری آتی ہے، میں گہری نیند میں سورہا تھا کہ اچانک پورے بدن میں زلزلہ سا جیسے آگیا کسی نے میرا پاؤں پکڑ کر زور سے ہلایا تھا۔

میری آنکھ کھل گئی لیکن ذہن پوری طرح نہیں جاگا۔ پہلے تو میں یہی سمجھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن دوسری بار پہلے سے بھی زیادہ زور سے پاؤں ہلایا گیا تو اب سوتے رہنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ میری آنکھیں پوری کھل گئیں اور میرے منہ سے نکلا۔

”کون؟“

”اٹھو چھوٹے مہاراج۔“ ایک سرگوشی سنائی دی۔

”کک کون۔“ میں خوف زدہ ہوگیا۔ اور میں نے سینے پر ہاتھ مار کر تعویز کو محسوس کرنے کی کوشش کی۔ پھر ایک دم ڈھارس سی ہوگئی۔ تعویز موجود تھا۔

”کون ہے۔“ اس بار میں نے کسی حد تک مضبوط لہجے میں کہا۔

”زور سے آواز نہ نکالو۔ میرے ساتھ آؤ۔“ سرگوشی دوبارہ ابھری، میں نے ایک دھندلے سے سائے کو دیکھا۔ بس ایک ملگجا سا ہیولا تھا جو میرے بستر سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ پھر میں نے گردن گھما کر امی کی طرف دیکھا جو اپنے بستر پر میری طرف سے کروٹ بدل کر اور دیوار کی طرف منہ کرکے گہری نیند سورہی تھیں۔

حویلی میں جس قدر پراسرار واقعات ہوتے رہتے تھے اور جو کچھ میری آنکھیں دیکھتی رہتی تھیں اس سے میرے دل سے اسی فیصد خوف نکل گیا تھا۔ میں نوعمر تھا، خوف تو انسانی فطرت کا حصہ ہوتا ہے یہ بات نہیں کہ میرے دل سے خوف کا گزر ہی نہیں تھا۔ لیکن اتنی شدت سے نہیں۔ اور پھر محبوب الٰہی صاحب کا تعویز یوں لگتا تھا جیسے کوئی طاقتور

محافظ میرے ساتھ ہو۔

میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ تبھی وہی سرگوشی ابھری۔

"جوتی مت پہنو، میرے پیچھے آجاؤ۔"

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"آجاؤ چھوٹے مہاراج۔ آجاؤ۔ میں تمہاری دوست ہوں۔" سرگوشی نے کہا۔ اور مدھم ہیولا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اب میرے حواس پوری طرح جاگ گئے تھے۔ چنانچہ میں دبے پاؤں دروازے سے باہر نکل آیا۔ باہر مدھم سی روشنی تھی۔ اور اس میں سایہ کسی قدر صاف نظر آرہا تھا وہ سلک کے سفید لبادے میں ملبوس تھا لبادہ سر سے پاؤں تک تھا اور خوب ڈھیلا ڈھالا تھا۔ سایہ پاؤں نہیں اٹھا رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ ہوا میں تیرتا آگے بڑھ رہا تھا۔

تھوڑے فاصلے پر ایک جگہ روشنی آرہی تھی۔ یہ چھوٹے چچا فرید خان کا کمرہ تھا اور روشنی اس کمرے کی کھڑکی سے آرہی تھی سایہ وہاں رک گیا اور سرگوشی پھر ابھری۔

"اپنا خیال رکھنا چھوٹے مہاراج۔ اندر دیکھو۔" سائے نے سرگوشی کی۔ اور میری نظریں بے اختیار کھڑکی سے اندر اٹھ گئیں اندر سے آوازیں آرہی تھیں۔ یہی یہ پہلی حیرت کی بات تھی کیونکہ چھوٹے چچا اس کمرے میں اکیلے ہوتے تھے۔ اس وقت ان کے پاس کون ہے؟ میں نے غور سے دیکھا اور اسے پہچان لیا۔ یہ کمالو تھا گجر گھاٹ کا بدنام ترین آدمی۔ اس کے دین دھرم کا کوئی پتہ نہیں تھا چرسی موالی تھا۔ چھوٹی موٹی چوریاں بھی کرلیتا تھا دو تین بار پولیس بھی پکڑ کر لے گئی تھی پتہ نہیں کیسے بچ کر آجاتا تھا۔ سب سے برا کام اس نے یہ کیا تھا کہ اپنی خوب صورت بیوی کو جوئے میں ہار گیا تھا۔

کمالو کو کئی بار فرید خان کے ساتھ دیکھا گیا تھا لیکن اس وقت یہ یہاں کیا کررہا ہے۔ میں نے پوری توجہ ان دونوں کی باتوں پر مرکوز کردی۔ رات کے سناٹے میں ان کی آواز صاف میرے کانوں میں آرہی تھی۔

"تو اتنا بزدل کب سے ہوگیا ہے کمالو۔ پہلے تو تو بڑے سے بڑے کام کی حامی بھر لیتا تھا۔ اشرف میں جان ہی کتنی ہے ایک منٹ میں۔ "ٹیں" ہوجائے گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ملکھان جی۔ ہم نے چوری چکاری کی ہے۔ چھوٹی موٹی مار پیٹ کی ہے پر کسی کی جان نہیں لی آج تک۔ آپ کو پتہ نہیں پولیس بال کی کھال نکال لیتی ہے۔"

"گدھا ہے تو۔ اصل بات ہی نہیں سمجھ رہا۔" چچا نے کہا۔ میرا نام لیا گیا تھا اس لئے میرے کان کھڑے ہوگئے تھے۔ میرے چچا کمالو کو میری جان لینے کے لئے اکسا رہے تھے اور کمالو ڈر رہا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے خاص طور سے وہ پراسرار سایہ جگا کر یہاں لایا تھا کہ میں اس سازش سے باخبر ہوجاؤں۔

"مگر ملکھان جی۔" کمالو نے کہا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ تو اصل بات نہیں سمجھ رہا۔"

"اصل بات کیا۔" ملکھان جی۔

"اشرف کے راستے سے ہٹ جانے کے بعد کروڑوں روپے کی جائیداد کا گھپلا کیا جاسکتا ہے۔ میں نے اس کے لئے پلان تیار کرلیا ہے۔ تجھے بھی لاکھوں روپے دوں گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر ہم کہہ رہے تھے۔"

"بے وقوف کے بچے، بک بک کئے جا رہا ہے۔ میں نے تجھ پر کتنا بھروسہ کیا ہے۔ تو تو بالکل غیر متعلق آدمی ہے تجھ پر شبہ کون کرے گا تجھے معلوم ہے کہ حویلی آسیبوں کے قبضے میں ہے۔ اباجی، پھر بہن بہنوئی، پھر اماں جی پھر بھائی صاحب سب کو بدروحوں نے مار دیا ہے اور پھر اشرف تو خاص طور سے انکا نشانہ ہے کیونکہ اباجی کا ہم شکل ہے تجھے بس اتنا کرنا پڑے گا کہ پھندا اس کی گردن میں ڈال کر کھینچ دیجیو۔ منٹوں میں کام ہوجائے گا۔"

"ارے ملکھانے جی۔ بڑا پیارا بچہ ہے۔" کمالو نے کہا۔

"سب یہی سمجھیں گے کہ اسے بھی دشمن روحوں نے مار دیا۔ تیری طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جائے گا۔ کل برسی کا ہنگامہ ہے، تو اشرف کے پیچھے لگے رہنا اور جیسے ہی موقع ملے۔"

"مگر ملکھانے جی۔"

''بہت اگر مگر کر رہا ہے۔ شاہ پیر کے مزار سے کھیا کی بیوی کے کنگن چھیننے والے کے بارے میں مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے۔ پولیس ابھی تک اس کی تلاش میں ہے کم ازکم تین سال کی سزا تو پکی ہے۔ اور میرے پاس ثبوت موجود ہے تو جانتا ہے۔'' چچا جان کا لہجہ خطرناک ہو گیا۔

''ارے ارے ملکھانے جی آپ تو برا مان گئے۔ ٹھیک ہے آپ جیسا حکم کرو۔'' کمالو گھگیایا۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ گویا میرے قتل کی بات ہو رہی ہے۔ میرے سگے چچا دولت کے لئے میری زندگی ختم کرنے کے درپہ ہیں۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا وہ سب سے چھوٹے چچا تھے۔ میں ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ میں ان سے اپنی ضدیں پوری کراتا تھا۔ وہ چچا میری زندگی کے درپے تھے۔ کیوں ،آخر کیوں، بڑی حیران کن بات تھی؟ امی نے ہمیشہ ان کا خیال رکھا تھا۔ بلکہ میں نے اپنے کانوں سے سنا تھا امی کہتی تھیں کہ فرید انہیں اشرف کی طرح پیارا ہے۔ اور فرید چچا مجھے دولت کے لے مروانا چاہتے تھے۔ وہ کمالو سے مجھے قتل کرا کے الزام روحوں پر لگانا چاہتے ہیں۔

روحوں کے خیال کے ساتھ ہی مجھے اس پراسرار وجود کا خیال آیا جس نے مجھے یہاں تک پہنچا کر میری جان بچائی تھی۔ اب میں اتنا تر حلوہ بھی نہیں تھا کہ اس سازش سے واقف ہو کر ان کا شکار بن جاؤں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کروں۔ پہلے یہاں سے ہٹ جانا ضروری ہے چنانچہ میں نے وہ جگہ چھوڑ دی۔ پہلے میں نے سوچا کہ سب سے پہلے امی کو اس بارے میں بتاؤں۔ لیکن امی بہت پریشان ہو جائیں گی پھر کیا کروں یہی ساری باتیں سوچتا ہوا میں اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ لیکن اندر قدم رکھ کر میں بری طرح چونک پڑا۔

امی جاگ رہی تھیں۔ اور پلنگ پر پاؤں لٹکائے پریشانی کے عالم میں بیٹھی دروازے کو دیکھ رہی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے میں سن رہ گیا۔ اسی وقت امی کی آواز ابھری۔

''اشرف۔''

''جی امی۔'' میں ان کے پاس پہنچ گیا۔

''تم ٹھیک ہو۔''

''بالکل ٹھیک ہوں۔''

''کہاں گئے تھے۔''

''باہر امی۔''

''اس وقت؟''

''جی۔''

''کیوں؟''

''دل گھبرا رہا تھا۔ اور......اور......'' مجھ سے بات نہیں بنائی جا رہی تھی۔

''کیا بات ہے۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا۔''

''نہیں امی، ابو یاد آرہے تھے۔'' میں نے آخرکار داؤ مار دیا۔ یہ ایسا جملہ تھا جس پر شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ امی افسردہ ہو گئیں۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''تمہیں سنبھلنا ہو گا اشرف۔ تم بیشک چھوٹے ہو۔ لیکن تقدیر نے باپ کا سایہ تم سے چھین کر بہت ہی ذمہ داریاں تم پر ڈال دی ہیں۔ ہمارے بہت سے ہمدرد ہیں ،سرپرست ہیں لیکن بیٹے اپنی بہنوں کے مستقبل کے ذمہ دار تم ہی ہو سب اپنے ہیں لیکن جو درد میرے اور تمہارے دل میں ہے وہ کسی کے دل میں نہیں پیدا ہو سکتا۔''

بے چاری امی میری باتوں میں آگئی تھیں۔

''چلو سو جاؤ۔ کل بہت سے کام کرنے ہیں۔'' امی نے مجھے چمکار کر کہا۔ اور میری پیشانی کو بوسہ دیا۔ میں اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ بستر پر لیٹ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں تاکہ امی مجھے سوتا سمجھ لیں۔ امی بھی لیٹ گئیں لیکن مجھے بھلا کہاں نیند آسکتی تھی۔ میں جو کچھ دیکھ کر اور سن کر آیا تھا وہ بھلا مجھے سونے دیتا۔ کمالو نے مجھے قتل کرنے کا وعدہ کر لیا تھا اب وہ یہ کوشش کرے گا۔ میں اپنی حفاظت کے لئے کیا کروں۔ امی کو پوری کہانی سناؤں تو وہ خوف زدہ ہو جائیں گی گھر میں کہرام مچ جائے گا۔ تایا ابو کو بتا دوں ان سے کیوں کہ کمالو کو پکڑوا کر اس کی زبان کھلوائیں لیکن یہاں بھی عقل راستہ روک رہی تھی تایا ابو کبھی اپنے بھائی پر الزام پسند نہیں کریں گے۔ پھر کیا کرنا چاہئے۔

اچانک ایک اورخیال میرے ذہن میں آیا اور میرے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں کمالو کہیں اپنے کام کے لئے چل نہ پڑا ہو۔ اوہ، یہ تو میں نے سنا ہی نہیں تھا کہ یہ کام کمالو کب کرنے والا ہے۔ مجھے یوں لگا جیسے کمالو میرے سرہانے کھڑا ہے۔ میں خوف سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور سہمی ہوئی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ عین اسی وقت کہیں دور ایک انتہائی دہشت ناک چیخ ابھری اور میرا دل اچھل پڑا۔ چیخ کی آواز بیشک بہت دور سے آئی تھی لیکن رات کے سناٹے میں اسے دور دور تک سنا گیا تھا۔

حویلی میں یقیناً دوسرے لوگ بھی جاگ گئے ہوں گے لیکن امی بھی جاگ گئی تھیں انہوں نے گھبرا کر مجھے آواز دی۔ ”اشرف۔“

”جی امی۔“

”جاگ رہے ہو۔“

”جی جاگ گیا ہوں۔“

”تم نے کوئی آواز سنی ہے؟“

”ہاں۔ کوئی چیخا تھا۔“

”خدا خیر کرے۔ کیا کریں، باہر چل کر دیکھیں۔؟ امی کے لہجے میں خوف تھا۔ اتنے میں باہر سے آوازیں آئیں۔ حویلی والے جاگ کر باہر نکل آئے تھے۔ تب امی بھی اپنی جگہ سے اٹھ گئیں اور بولیں۔ ”آؤ۔ باہر سب جاگ گئے ہیں۔“ میں امی کے ساتھ باہر آ گیا۔

سب ہی جاگ گئے تھے۔ باہر سے آنے والے بھی ان میں شامل تھے۔ ٹارچیں اور لالٹین لے لی گئی تھیں اور سب ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ کیا ہوا، کون چیخا تھا؟ سب کے چہروں پر خوف کی پرچھائیاں تھیں لیکن کسی کو پتہ نہیں تھا کہ کون چیخا ہے۔ حویلی کے اندرونی حصوں کے بعد بیرونی حصے کا جائزہ لیا گیا۔ لیکن کچھ پتہ نہیں چل سکا۔

”اللہ کے فضل سے سب لوگ نظر آ رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ چیخ ہم میں سے کسی کی نہیں تھی۔“ تایا ابو نے کہا۔

”آیئے۔ واپس چلیں۔“ منجھلے چچا کے سسر قمرالدین نے کہا۔ یہ کافی عمر رسیدہ آدمی تھے۔ ویسے بھی ٹامک ٹوئیاں مارنا بےکار تھا۔ چنانچہ سب اندر آ گئے۔

”کیا خیال ہے، اپنے کمروں میں جائیں۔ کسی نے کہا۔

”نیند تو اچٹ گئی ہے۔ بستروں میں گھس کر کیا کریں گے۔ اگر چائے کا بندوبست ہو جائے تو کیا بات ہے۔“ قمرالدین نے کہا۔

”کوئی مشکل نہیں ہے۔ ملازم بھی جاگ گئے ہیں۔ کیوں شیر علی چائے پلاؤ گے۔“ تایا جان نے ایک ملازم سے کہا۔

”جی سرکار۔ ابھی تیار ہوئی جاتی ہے۔“ شیر علی نے کہا اور باورچی خانے کی طرف دوڑ گیا۔ اس نے دوسرے ملازم کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ بڑے ہال میں محفل جم گئی۔ سب اس چیخ پر تبصرہ کر رہے تھے۔ قمرالدین صاحب نے کہا۔

”رحمت خان۔ ماموں خان کی موت کے بعد تم اس گھر کے بڑے ہو۔ تمہارے بھائی اور بہنیں سب تمہارا احترام کرتے ہیں میرے خیال میں اگر تم کوئی فیصلہ کرو گے تو کسی کو انکار نہیں ہوگا۔“

”جی چچا میاں۔ اللہ کے فضل سے میرے بھائی بہن سب مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”میاں میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایک ہی فیصلہ کرتا۔“

”کیا چچا میاں؟“

”پورے خاندان کے ساتھ یہ حویلی چھوڑ دیتا۔“

تایا جان نے گردن جھکالی۔ کچھ دیر سوچتے رہے۔ پھر بولے۔ ”ممکن نہیں ہے چچا جان۔ ہمارا صدیوں کا سیٹ اپ ہے۔ یہیں پیدا ہوئے ہیں یہیں مر جاتے ہیں زمین سے بڑا گہرا رشتہ ہوتا ہے یہ درودیوار ہماری زیست کا حصہ ہیں۔ جہاں تک میرے بہن بھائیوں کا معاملہ ہے۔ میں نے کبھی ان کی سوچ میں مداخلت نہیں کی اور ہر کام ان کے مشورے سے کیا ہے ان میں سے جو کوئی بھی حویلی چھوڑنا چاہے میں مزاحمت نہیں کروں گا۔“

تایا جان کا لہجہ حتمی تھا۔ کسی نے بھی کچھ نہ کہا۔ چائے کے بعد سب منتشر ہو گئے۔ میں مسلسل چھوٹے چچا کا جائزہ لیتا رہا تھا وہ بری طرح مضطرب نظر آ رہے تھے۔ چائے انہوں نے سب کے ساتھ پی تھی اور پھر سب سے پہلے اٹھ گئے۔

”میں چلتا ہوں بھائی میاں۔ میرے سر میں شدید درد ہے۔“ انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”سر درد کی گولی لے لو۔ کل مصروف رہنا ہے۔ تایا جان نے کہا اور وہ باہر نکل گئے۔ اس شخص کی طرف سے دل بہت خراب ہو گیا تھا۔ آنکھوں سے دیکھا تھا کانوں سے سنا تھا کسی شک کی گنجائش نہیں تھی۔ مجھے اس کی سوچ کا رنج بھی تھا۔ چھوٹے چچا چھوٹے چچا کہتے منہ سوکھتا تھا اور چھوٹے چچا میری زندگی کے گاہک نکلے۔

امی کمرے میں آ کر سو گئی تھیں لیکن میں صبح تک جاگتا رہا۔ اگر میں چھوٹے چچا کے بارے میں امی کو بتا دیتا تو حویلی میں بھونچال آ جاتا۔ نتیجہ کسی بھی شکل میں برا ہی نکلتا۔ ممکن ہے بات الٹ کر ہم پر ہی آ پڑتی۔ لوگ میری بات کا یقین نہ کرتے۔ ویسے مجھے اب بھی تعجب تھا۔ اس پراسرار سائے نے جس طرح مجھے اپنے خلاف ہونے والی سازش سے آگاہ کیا تھا وہ بڑی حیران کن بات تھی۔ گنگا سری اور اس کا خاندان تو خاص طور سے میری زندگی کا دشمن تھا کیونکہ میں ماموں خان کا ہم شکل تھا۔

حالانکہ رات کو سب کی نیند خراب ہو چکی تھی۔ لیکن پھر بھی صبح صبح سب جاگ گئے۔ قرآن خوانی کا بندوبست ہو چکا تھا۔ گجر گھاٹ کے دوسرے لوگ بھی شریک ہوئے تھے۔ گھر والے بھی کافی تھے۔ میں بھی سب کے ساتھ موجود تھا۔ لیکن فرید خان موجود نہیں تھے۔

بہت دیر تک میں وہاں موجود رہا۔ پھر اپنا سپارہ ختم کر کے اٹھ گیا۔ اور امی کے پاس چل پڑا۔ ابھی راہداری کے سرے پر ہی پہنچا تھا کہ میں نے چھوٹے چچا کو دیکھا جو میرے کمرے کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی مجھے دور سے ہی دیکھ لیا اور فوراً پلٹ کر دوسری طرف چل پڑے۔

میرے قدم ٹھٹھک کر رک گئے۔ کیا چھوٹے چچا میرے کمرے میں گئے تھے۔ سو فیصدی ایسی ہی بات تھی لیکن کیوں؟ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ میرے کمرے سے نکلے تھے اور ان کا رخ اسی طرف تھا لیکن مجھے دیکھ کر وہ دوسری طرف مڑ گئے تھے۔ کیا امی کمرے میں موجود ہیں۔

اور میں نے بے اختیار کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اندر گھس گیا۔ امی اندر موجود نہیں تھیں۔ لیکن میری الماری کھلی پڑی تھی۔ باقی تمام چیزیں ٹھیک تھیں صرف میری الماری کھولی گئی تھی۔ میری الماری میں کوئی خاص چیز نہیں تھی سوائے میرے کپڑوں کے۔ البتہ تجوری میں وہ تعویز ضرور تھا جو میرے لئے دنیا کا سب سے قیمتی خزانہ تھا۔ کیونکہ اس نے ہمیشہ میری مدد کی تھی۔ میں اسکا بڑا احترام کرتا تھا۔ آج بھی نہاتے ہوئے میں اسے احترام سے تجوری میں رکھ گیا تھا۔ اور بعد میں وہاں سے اٹھایا نہیں تھا۔

میں نے بے اختیار تعویز تلاش کیا۔ پھر سکون کی گہری سانس لی۔ تعویز اپنی جگہ موجود تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر سینے کے پاس جیب میں رکھ لیا۔ اور دوسری چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ پتہ نہیں چچا صاحب میری الماری میں کیا تلاش کر رہے تھے۔

مجھے الجھن ہو گئی تھی۔ کبھی خواب میں بھی ان پر کوئی شک نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس کے بعد چچا کی طرف سے ہوشیار رہنا ہی زندگی کی ضمانت تھی۔

بہت دیر تک کمرے میں رکا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ چچا صاحب میرے کمرے میں کیوں داخل ہوئے تھے۔

ذہن کمالو کی طرف گیا۔ اس کے سپرد جو کام کیا گیا ہے وہ اسے کب سرانجام دے گا۔ مجھے ہر لمحے ہوشیار رہنا ہو گا۔ بغیر کسی ثبوت کے فرید خان پر الزام لگانا سخت خطرناک ہو گا۔ میں کمرے سے واپس نکل آیا۔ امی خواتین کے ساتھ قرآن خوانی میں شریک تھیں۔

دوپہر کے تین بجے تھے۔ سب لوگ کھانے وغیرہ سے فارغ ہوئے تھے۔ باہر سے قرآن خوانی اور فاتحہ میں شریک ہونے والے واپس جا چکے تھے کہ شمشان گھاٹ کی

طرف سے کچھ لوگ آتے نظر آئے۔ شمشان گھاٹ میں ہندو برادری کے لوگ شاید کوئی مردہ جلانے آئے تھے۔ وہاں دھواں اٹھ رہا تھا۔ شمشان گھاٹ سے آنے والے ہماری ہی طرف آرہے تھے۔ وہ ایک بڑی سفید چادر میں کوئی چیز لے کر آرہے تھے۔

سب حیرت سے انہیں دیکھنے لگے۔ آنے والے قریب آ گئے ان کے چہرے عجیب ہو رہے تھے۔ تایا جان آگے آئے انہوں نے کہا۔ ''کیا بات ہے تیرتھ رام...... اس چادر میں کیا ہے۔ اور کون مر گیا ہے؟'' تایا جان نے اپنی پہچان والے سے کہا۔

''تلک چندی کی موسی کا دھیانت ہو گیا ہے میاں جی۔ اور یہ لاش ہمیں برگد کے پیڑ کے نیچے ملی ہے یہ بدمعاش کمالو کی ہے۔ اسے ناگ مہاراج نے ڈس لیا ہے۔''

''ایں...... کمالو۔ لاش۔'' تایا جان حیرت سے بولے۔

''جی مہاراج۔ دیکھیں......'' انہوں نے چادر زمین پر رکھ دی۔ بڑا خوف ناک منظر تھا۔ کمالو کی لاش نیلی سیاہی کی طرح نیلی پڑی ہوئی تھی۔ اس کے منہ سے نیلے جھاگ لپٹے ہوئے تھے۔ اور چہرہ بے حد بھیانک نظر آرہا تھا۔ سب لوگوں کے منہ سے کلمہ طیبہ جاری ہو گیا۔ کمالو کو بھی سب جانتے تھے۔ یہ بھی لوگوں کو معلوم تھا کہ کمالو اکثر فرید خان کے پاس آتا رہتا ہے۔

''چھوٹے چچا صاحب بھی موجود تھے۔ میں نے ان کا چہرہ دیکھا۔ ان کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ میرے ذہن میں چھریاں چل رہی تھیں۔ رات کی چیخ میرے ذہن میں گونج رہی تھی۔ وہ چیخ سو فیصدی کمالو ہی کی تھی اور اسے میری دشمن، میری دوست گنگا سری نے ڈسا تھا جس نے اس سازش کو میرے سامنے طشت از بام کیا تھا۔

گنگا سری۔ میری دوست۔

لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے کسی نے کہا۔ ''آج تیرہ تاریخ ہے۔ یہ سب کچھ تو ہونا ہی تھا۔ منحوس تاریخ نے آج بھی اپنا کام کر دکھایا۔''

کمالو کی لاش اس کے گھر بھجوانے کا بندوبست کیا جانے لگا۔ شدید سنسنی پھیل گئی تھی۔ کمالو کا تعلق اس خاندان سے نہیں تھا لیکن یہ میں جانتا تھا کہ کمالو کی موت کا تعلق کہاں سے تھا۔ کمالو مجھے ہلاک کرنے آیا تھا لیکن گنگا سری نے اسے ختم کر دیا تھا۔

آج تیرہ تاریخ تھی۔ میں گنگا سری کا احسان مند تھا۔ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اس کا زیور اسے دینا چاہتا تھا کیوں نہ اس کا اب سادھی کے نمودار ہونے کا انتظار کیا جائے۔ میں اسے پیشکش کرنا چاہتا تھا کہ اگر وہ چاہے تو میں اس کے محبوب کی لاش تلاش کرنے میں اس کی مدد کروں۔ لیکن یہ کام گھر کے دوسرے لوگوں سے بچ کر کرنا تھا۔ برسی میں شریک ہونے والے کچھ لوگ چلے گئے تھے۔ کچھ موجود تھے۔ سارے دن کی تھکن تھی اس لئے امی بھی جلدی سو گئیں۔ لیکن میں جاگ رہا تھا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

جب ہر طرف سناٹا چھا گیا تو میں باہر نکل آیا۔ اور پوری احتیاط سے پرانی حویلی کی طرف چل پڑا۔ ہر طرف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ شمشان گھاٹ بھی سنسان پڑا تھا۔ آج جس مردے کو جلایا گیا تھا اس کی چتا بھی بجھ چکی تھی دھواں تک نہیں تھا۔

میں نے اپنے آپ پر غور کیا۔ بچپن سے اب تک کبھی پرانی حویلی میں داخل ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے بارے میں بڑی بھیانک داستانیں سن رکھی تھیں لیکن میں بہادر تھا۔ مجھے اس حویلی میں داخل ہوتے ہوئے کوئی خوف نہیں تھا۔ ابو نے سادھی کے بارے میں جو بتایا تھا وہ مجھے یاد تھا۔ میں نے تعویز جیب میں رکھ لیا تھا۔ حویلی میں داخل ہو کر میں نے ایک نگاہ چاروں طرف دوڑائی اور دل میں سوچا کہ کیا شاندار عمارت ہے۔ نئی حویلی تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کا طرز تعمیر قدیم اور نہایت پرسکون تھا۔ گھر کے لوگ تو مجھے کبھی اس حویلی میں نہیں آنے دیں گے لیکن میں کسی وقت چوری چھپے یہاں آ کر حویلی کو خوب اچھی طرح دیکھوں گا۔

ابھی میں حویلی کے مشرقی حصے میں یہ باتیں سوچ رہا تھا کہ اچانک مجھے اپنے پیچھے ایک خوف ناک پھنکار سنائی

دی۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ اس وقت میں خوف زدہ ہوگیا تھا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا سفید ناگن تیزی سے میری طرف آرہی تھی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا تو مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا سفید ناگن کی سرخ آنکھیں آگ کی طرح دہک رہی تھیں ان میں غصہ پایا جاتا تھا۔

وہ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر آکر رک گئی۔ پھر اس کا پھن بند ہونے لگا۔ میں نے بے خوفی سے کہا۔ ''گنگا سری ،میں تمہارے احسان کا۔'' ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ گنگا سری نے بڑی چالاکی سے مجھ پر حملہ کردیا۔ بس ذرا سی کسر رہ گئی تھی کہ میں پیچھے ہٹ گیا۔ ورنہ گنگا سری نے مجھے ڈس لیا ہوتا۔ پہلے حملے کی ناکامی کے بعد اس نے دوسرا حملہ کیا پھر تیسرا میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے بدن میں برف جیسی لہریں دوڑنے لگیں۔

میرے منہ سے نکل رہا تھا۔ ''گنگا سری رک جاؤ۔ رک جاؤ۔ تمہیں کیا ہوگیا تم تو میری دوست ہو۔ تم نے تو...... تم نے تو......'' مگر سفید ناگن پاگل ہوگئی تھی۔ وہ مجھ پر تابڑ توڑ حملے کررہی تھی اور ہر قیمت پر مجھے کاٹ لینا چاہتی تھی۔ بس تقدیر ہی تھی جو میں بچ رہا تھا۔

پھر اچانک ایک اور حیرت ناک واقعہ رونما ہوا۔ اچانک ہی ایک اور پھنکار سنائی دی اور دوسرے لمحے ایک اور سفید ناگ یا ناگن نمودار ہوگئی اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور فضا میں اڑتی ہوئی گنگا سری پر آپڑی۔ گنگا سری اس دوسری ناگن کی ٹکر سے گر پڑی پھر جلدی سے اٹھ کر پیچھے ہٹنے لگی کئی قدم ہٹ کر وہ سیدھی کھڑی ہونے لگی اور پھر اچانک اس کے بدن سے دھواں خارج ہونے لگا۔ نہایت لطیف پانی جیسے رنگ کا دھواں۔ اور دھویں سے ایک انسانی بدن نمودار ہونے لگا۔

میں دنیا کا سب سے خوف ناک منظر دیکھ رہا تھا دوسری طرف دوسری ناگن نے بھی یہی عمل کیا تھا پھر دونوں ہی انسانی شکل میں آگئیں۔ وہ دوسری ناگن جس نے گنگا سری پر حملہ کیا تھا وہی لڑکی تھی جسے میں نے اس رات لہنگے اور چولی میں دیکھا تھا اور جو گنگا سری کی حیثیت سے مجھے یاد آرہی تھی اور میں ایک انوکھی کسک کا شکار ہوگیا تھا۔

اسی وقت مجھے دوسری ناگن کی مدھر آواز سنائی دی۔'' میں نے تجھ سے کہا تھا گنگا سری کہ میرے مہاراج کو نقصان مت پہچانا۔''

میں اس مخمصے میں تھا کہ پتہ نہیں ان میں گنگا سری کون سی ہے۔ لیکن اس دوسری ناگن نے مجھ پر حملہ کرنے والی ناگن کو گنگا سری کہہ کر یہ عقدہ حل کردیا تھا۔ تب میں نے گنگا سری کو دیکھا وہ بھی بے حد خوب صورت تھی، لیکن اس وقت اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہورہا تھا۔

''چلی جا یہاں سے منیکا۔ چلی جا اس وقت۔ مجھ سے دشمنی مول مت لے۔ میں تجھے فنا کردوں گی۔ میں نے آج تک تجھے شہ دے رکھی ہے کبھی تجھ پر توجہ نہیں دی لیکن کسی دن تو اس طرح میرا سامنا کرے گی مجھے اندازہ نہیں تھا۔''

''تو غلط کررہی ہے۔ دوسرے سب بے گناہ ہیں۔''

''کون گناہ گار ہے کون بے گناہ۔ یہ فیصلہ کرنے کا حق تجھے کس نے دیا ہے۔ میں اس پریوار کے ایک ایک منش کو ختم کردوں گی۔''

''نہیں گنگا سری۔ تو ایسا نہیں کرسکے گی۔ کان کھول کر سن لے۔ میرے چھوٹے مہاراج کو کوئی نقصان پہنچا تو میں تجھے مزہ چکھادوں گی۔'' یہ کہہ کر اچانک دوسری لڑکی گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ آگے رکھے اور اس کا بدن چھوٹا ہونے لگا۔ چھوٹا، چھوٹا اور چھوٹا۔ پھر اس نے ایک نیولے کی شکل اختیار کرلیا۔ اور اچانک گنگا سری خوف زدہ ہوگئی اس کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آئے اور دوسرے لمحے اس نے پیچھے دوڑ لگادی۔ دوسری لڑکی نے نیولے کی شکل میں اسے جھکی دی تو وہ اور تیز بھاگی اور حویلی کے ایک ستون کے پیچھے روپوش ہوگئی۔

میں سحرزدہ سا کھڑا ہوا تھا مجھے یہ سب کچھ ایک ڈرامہ سا لگ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میرا دماغ خراب ہوگیا ہو۔ میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ صرف میرے دماغ کی خرابی ہے۔

کچھ لمحوں کے بعد گنگا سری غائب ہوگئی۔ میری نظریں اس دوران اس کا تعاقب کرتی رہی تھیں اس کے

ستون کی آڑ میں گم ہونے کے بعد میں نے اس نیولے کی طرف دیکھا لیکن اب نیولا وہاں نہیں تھا بلکہ اس کی جگہ وہ بے مثال حسن کی مالک لڑکی کھڑی تھی۔

میں نے شکر گزار نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ ”آج مجھ پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ میری مدد کرنے والی گنگا سری نہیں بلکہ تم ہو۔“

”گنگا سری تو آپ کی دشمن ہے چھوٹے مہاراج۔“ اس نے خوب صورت آواز میں کہا۔

”میں کچھ بھی نہیں سمجھا تھا۔ مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ چونکہ میرے دادا مامون خان نے گنگا سری کے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا اس نے اس کے پتا اور وہ ان کے دشمن بن گئے اور انہوں نے انہیں ہلاک کردیا چونکہ میں بدقسمتی سے ان کا ہم شکل ہوں اس لئے گنگا سری میری بھی دشمن بن گئی جبکہ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ ان دشمن روحوں نے میرے خاندان کے دوسرے لوگوں کو بھی ختم کردیا جس میں میرے ابو بھی ہیں۔ جبکہ میرے ابو اپنے والد کے عمل سے بہت شرمندہ تھے۔ انہوں نے گنگا سری کے پاؤں کی ایک پازیب بھی مجھے دے کر کہا تھا کہ میں یہ زیور اسے واپس کردوں۔ وہ تیرہ تاریخ کو حویلی کے باغ میں اپنی سمادھی سے باہر آتی ہے۔ میں آج اسی لئے یہاں آیا تھا۔ میں تو اس سے یہ بھی کہنے والا تھا کہ اگر وہ چاہے تو میں اس کے محبوب کی لاش کی تلاش میں بھی اس کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں چاہے مجھے حویلی کھدوانی پڑے۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ میرے ساتھ یہ سلوک کرے گی۔

”وہ کبھی آپ کی دوست نہیں بن سکتی چھوٹے مہاراج۔“ اس نے ہی نہیں اس کے پتا اور اس کے سارے پریوار نے کوگن کھدوانی کے بت کے سامنے سوگند کھائی ہے کہ جب تک آپ کے پریوار کا ایک بھی منش جیتا ہے وہ سورگ میں قدم نہیں رکھیں گے۔

”کوگن کھدوانی کیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”جادو کا دیوتا۔ گندی اور بھٹکتی آتمائیں جب کچھ کرنا چاہتی ہیں اور سوگند کھاتی ہیں کہ جب تک وہ اپنا کام پورا نہیں کرلیں گی سورگ میں نہیں جائیں گی تو کوگن کھدوانی ان کو آشیرباد دیتا ہے اور انہیں اپنے جادو کا وردان دیتا ہے۔ اگر وہ اپنا مقصد پانے میں ناکام رہتی ہیں تو بھٹکتی رہتی ہیں اور شانت نہیں ہوتیں جب تک نیا جنم نہ لے لیں۔“

”ارے واہ۔ یہ تو بڑی دلچسپ کہانی ہے۔“ میں نے کہا۔

”کہانی نہیں چھوٹے مہاراج یہ ہمارا دھرم ہے۔“

”مگر ہمیں اپنے خدا پر بھروسہ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ خدا کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔“ میں نے کہا۔ وہ خاموش رہی تھی۔

اچانک مجھے یاد آیا تو میں نے کہا۔

”ایک بات بتاؤ میری محسن۔“

”میرے ان الفاظ سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔“ وہ بولی۔

”جی چھوٹے مہاراج۔“

”پہلے یہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے۔“

”مینکا۔“

”مینکا۔ ایک دن میں اپنے کمرے کی کھڑکی پر کھڑا تھا تو تم ہی میرے سامنے آئی تھیں۔“

”جی مہاراج۔“ اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

”میں تمہیں آج تک یاد کرتا رہا ہوں۔ میرا دل تم سے ملنے کو تڑپتا رہا ہے۔“ اور میں تمہیں گنگا سری سمجھتا رہا ہوں۔“

”جی چھوٹے مہاراج۔“

”تم نے ہی مجھے جگا کر میرے چچا کے کمرے تک پہنچایا تھا اور مجھے اس سازش سے آگاہ کیا تھا۔“

”جی۔“

”کیا تم نے ہی کمالو کو ختم کیا تھا۔“

”ہاں۔ وہ کامیاب ہونے والا تھا۔ میں اپنے مہاراج کو کوئی نقصان پہنچتے کیسے دیکھ سکتی تھی۔“

”اسے وہاں شمشان گھاٹ میں کس نے پھینکا تھا۔“

”فرید خان نے۔“

”مینکا۔ تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوجاتا ہے۔ مجھے

معاف کرنا کیا تم بھی روح ہو۔ کیا تم جسمانی طور پر اس دنیا سے جا چکی ہو۔" میرے اس سوال پر وہ خاموش ہوگئی ۔پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"ابھی یہ سوال نہ کریں چھوٹے مہاراج۔"

"کیوں؟"

"پھر بتاؤں گی۔"

"ابھی نہیں بتاؤ گی۔"

"بنتی کرتی ہوں مہاراج۔ ابھی نہ پوچھیں۔" اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ وہ میری محسن تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے میری جان بچائی تھی ورنہ میرے سگے چچا نے تو جائیداد کے لئے مجھے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ میں مینکا سے بہت متاثر ہوا تھا اس انکشاف سے میرے ذہن کی ایک الجھن بھی دور ہوگئی تھی کہ جسے میں گنگا سری سمجھتا تھا وہ گنگا سری نہیں مینکا ہے ورنہ میرا ذہن اس الجھن کا شکار تھا کہ اگر گنگا سری مجھ پر یہ احسانات کررہی ہے تو آخر کیوں۔ وہ اور اس کے رشتہ داروں کی روحیں تو میرے پورے خاندان کی دشمن تھیں اور انہوں نے اپنی دشمنی نکالنے کے لئے ہی اس خاندان کے کئی افراد ہلاک کردیئے تھے۔ یہاں تک کہ میرے بہت ہی پیارے ابو بھی مجھ سے چھین لئے تھے۔ وہ گنگا سری میری دوست کیسے ہوگئی جبکہ اس کا ایک محبوب تھا۔ اس خیال نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اسے آواز دی۔

"مینکا۔"

"جی چھوٹے مہاراج۔"

"مجھے ایک بات بتاؤ گی۔"

"بھگوان کرے ہم وہ بات بتا سکیں۔" اس نے کہا۔

"تم بہت اچھی ہو مینکا۔" اب تم میری دوست ہو، محسن ہو۔

"چرنوں کی دھول ہیں چھوٹے مہاراج کی۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"گنگا سری کا محبوب کون تھا؟"

"یہی پوچھنا چاہتے تھے آپ مہاراج۔"

"ہاں۔"

"یہ تو ایسی بات نہیں ہے جو ہم نہ بتا سکیں۔ اس کا نام رام سروپ تھا۔ کاٹھی کا جاٹ تھا گنگا سری کی اس سے سگائی ہو چکی تھی بیساکھ میں ان کے پھیرے ہونے والے تھے ...... کہ......" وہ خاموش ہوگئی تو میں نے بے چینی سے کہا۔

"ہاں تو پھر؟"

"گنگا سری بری نہیں تھی مہاراج۔ ہری بھری، ارمانوں میں ڈوبی ہوئی۔ بڑے مہاراج نے اسے دیکھ لیا اور۔ گنگا سری کے برے دن آ گئے۔"

"بڑے مہاراج سے تمہارا مطلب مامون خان ہے۔"

"ہاں۔"

"اچھا تو پھر۔"

"انہوں نے گنگا سری کو حاصل کرنے کی کوشش شروع کردی۔ بہت سے واقعات ہوئے۔ ہیرا لعل نے ہاتھ جوڑ کر اور چرن چھو کر بنتی کی کہ اس کی بیٹی کی عزت نہ لوٹی جائے پر بڑے مہاراج نے ہیرا لعل کو پکڑوا کر اس کے جوتے لگوائے۔ گنگا سری نے یہ بات اپنے پریمی اور منگیتر کو بتائی تو رام سروپ دیوانہ ہوگیا۔ پرانی حویلی میں وہ بڑے مہاراج کی بنتی کرنے گیا تھا کہ اس کی منگیتر کو پریشان نہ کریں جس پھر وہ جیتا نہ آیا مہاراج نے وہیں اس کا خاتمہ کرا دیا اور اس کی لاش غائب کرادی۔"

"اوہ......" میں نے افسوس سے کہا۔

"گنگا سری نے آتما ہتھیا کرلی۔ ہیرا لعل اس کے غم میں پاگل ہوگیا اور اسی پاگل پن میں مرگیا۔ اور پھر۔ پھر مہاراج ان کی آتمائیں بھٹکنے لگیں۔ ہیرا لعل کے کٹم نے بڑے مہاراج کے خلاف مقدمے کئے مگر مہاراج کے ہاتھ لمبے تھے۔ انہوں نے الٹے انہیں ہی سزائیں کرادیں۔ تب ہیرا لعل کے کٹم نے مل کر کوگن کھدوانی کے بت کے سامنے سوگند کھائی کہ وہ ملکھانی پریوار کے کسی بھی منش کو جیتا نہیں چھوڑیں گے۔"

"کوگن کھدوانی کا بت کس مندر میں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں چھوٹے مہاراج۔"

"پھر وہ کہاں ہوتا ہے۔"
"اسے جاپ کر کے بلایا جاتا ہے۔"
"بلایا جاتا ہے۔ کیا مطلب؟"
"جیسے بیروں کو جگایا جاتا ہے اسی طرح گوگن کھدوانی، جادو کا دیوتا، جاپ کرنے سے آتا ہے۔ اور وہ اپنی مرضی سے کوئی بھی وردان دیتا ہے۔"
"او یہ جاپ کس نے کیا تھا۔"
"بتایا نا میں نے۔ یہ جاپ گنگا سری اور ہیرا لعل کے پورے پریوار نے کیا تھا۔ وہ گنگا سری کی موت سے بہت اداس تھے جلتی پر تیل کا کام مامون خان مہاراج نے ان کا اپمان کر کے کیا اور وہ سارے اپنی آن بان کے لئے پران دینے پر تیار ہو گئے۔"
"او مائی گاڈ۔ اس طرح تو یہ ایک قوی مسئلہ بن گیا۔" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ بات معمولی نہیں ہے اور یہ چند دو روحوں کا کھیل نہیں ہے بلکہ باقاعدہ ایک روحانی دشمنی ہے۔

میں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور میرے دل کو ایک سرور کا سا احساس ہوا، وہ بڑے پیار سے مجھے دیکھ رہی تھی مجھ سے نظریں ملیں تو شرما گئی اور آنکھیں نیچی کر لیں۔ اس عالم میں وہ مجھے بہت پیاری لگی تھی لیکن پھر میرے دل پر افسردگی طاری ہو گئی اس خیال سے کہ وہ بھی ایک روح ہے اور اس کی کوئی مادی حیثیت نہیں ہے اس کا ثبوت اس کا انسان سے ناگن بن جانا تھا۔

کچھ لمحوں کے بعد میں نے کہا۔
"بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آئیں مینکا۔ مثلاً یہ کہ رام سروپ، گنگا سری کے محبوب کا یہی نام بتایا تھا تم نے۔"
"جی مہاراج۔"
"وہ خود آتما بن کر کیوں نہیں آیا۔ وہ خود بھی تو بتا سکتا تھا کہ اس کی لاش کہاں چھپائی گئی ہے۔ جبکہ اس کی محبوبہ پاگلوں کی طرح اسے تلاش کرتی پھرتی ہے۔"
"جی مہاراج۔ اس کا کارن ہے۔"
"کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"آتمائیں اچھا والی ہوتی ہیں۔ شریر کے راکھ ہونے کے بعد شریر باقی نہیں رہتا جب تک دوسرا جنم نہ ہو۔ لیکن اگر کسی کے کرم ادھورے رہ جائیں تو وہ ہوا کی شکل میں سنسار میں آ سکتا ہے۔ اس کے کچھ نقصان ہوتے ہیں اسے ادھار کا جیون ملتا ہے پر بہت سی پابندیوں کے ساتھ۔ سو رام سروپ نے سنسار میں جانے کی اچھا نہیں کی ہوگی۔" اس نے تفصیل بتائی۔

میں ازہن اس کی باتیں قبول نہیں کر رہا تھا۔ ہم ان باتوں کو نہیں مانتے، زندگی ایک بار ملتی ہے پھر اللہ کے حکم سے چلی جاتی ہے اور پھر روز قیامت دوبارہ زندگی ملے گی۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔ دوسرے مذاہب کی جو بھی کہانیاں ہوں ہم آواگون کو تسلیم نہیں کرتے۔ پتہ نہیں وہ یہ کہانی کیوں سنا رہی ہے۔ اور خود...... وہ کیا ہے، کوئی زندہ وجود...... یا پھر خود بھی کوئی روح۔ لیکن اس نے اپنے بارے میں بتانے سے گریز کیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں...... پتہ نہیں اس گریز میں کیا اسرار تھا وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی، پھر بولی۔
"ہم تم سے کچھ مانگیں تو دے دو گے چھوٹے مہاراج۔"
میں نے حیرت سے کہا۔ وہ اپنی حسین ترین آنکھوں سے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھ رہی تھی۔
"میں تمہیں کیا دے سکتا ہوں مینکا۔"
"چھوٹے مہاراج۔ تم ہمیں گنگا سری کی پازیب دے دو۔"
"ایں......؟" میں چونک پڑا۔ پھر میں نے کہا۔ "وہ تو ایک ہے مینکا۔"
"ہم جانتے ہیں پر وہ ہمیں پہننے کے لئے نہیں چاہئے۔"
"تو پھر؟"
"یہ بھی ہم آپ کو نہیں بتا سکتے۔"
"اوہ!" میں نے گہری سانس لی۔ پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے، میں تمہیں دے دوں گا۔"
"ہم اسے لینے آپ کے پاس آئیں گے۔ اب ہم

چلتے ہیں۔ آپ بھی جائیں ایک بات اور کہیں۔ وہ یہ ہے کہ اب آپ اکیلے کبھی پرانی حویلی میں نہ آئیں اول تو اب آپ کا یہاں کوئی کام نہیں ہے دوسرے آپ کو اگر کبھی آنا ہی ہو تو ہمیں بتا دیں، ہم آپ کے ساتھ یہاں آئیں گے۔ چلیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ پھر میں اور منیکا ساتھ ہی حویلی سے باہر نکل آئے۔ اس نے پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھا اپنا ہاتھ ہونٹوں سے لگایا اور پھر ملیں گے"...... بول کر چل پڑی۔ میں خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا تھا۔ پھر میں نے حیرت سے دیکھا کہ مجھ سے چند گز دور جا کر اس کا وجود دھندلا پڑ گیا اور وہ جیسے ہوا میں تحلیل ہوگئی۔

اپنے کمرے میں آ کر میں نڈھال سا بستر پر پڑ گیا۔ آج کی رات جو کچھ ہوا تھا وہ ایک پوری کہانی تھی۔ جتنے راز مجھ پر منکشف ہوئے تھے شاید برسوں میں بھی نہ ہوتے۔ لیکن ساری باتیں حیران کن تھیں۔ وہ لڑکی گنگا سری نہیں بلکہ منیکا تھی جو مجھے اس رات نظر آئی تھی۔ اور جو میرے ذہن پر ایک عجیب نقش چھوڑ گئی تھی۔ میں حیران بھی تھا کہ میرے دادا جان کے ہم شکل ہونے کے باوجود اس نے مجھ پر مہربانیاں کیوں کی تھیں جبکہ گھر کے دوسرے افراد جیسے پھوپا، پھوپی، ابو پر پوری طرح ظلم کیا گیا تھا لیکن مسئلہ دوسرا نکلا۔ منیکا، میں نے اسے ناگن کے روپ میں دیکھا تھا کیا وہ بھی ایک روح ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا تھا۔ اور اس نے کمالو کو بھی ہلاک کر دیا تھا۔

ذہنی رو فرید خان کی طرف ہوگئی۔ مجھے بے حد افسوس تھا۔ میرے چچا میری زندگی کے درپے تھے۔ پھر ایک اور خیال آیا۔ پرانی حویلی میں اگر منیکا میری مدد نہ کرتی تو پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔ صاف ظاہر تھا کہ میری لاش بھی حویلی میں پڑی سڑ رہی ہوتی۔ حالانکہ تعویز میرے پاس تھا اور اس تعویز کی مدد سے میں ہمیشہ ان بدروحوں سے محفوظ رہا تھا۔ لیکن گنگا سری اس وقت مجھ پر حاوی ہوگئی تھی۔

"کیوں......؟" میرے ذہن نے مجھ سے سوال کیا۔

"اس لئے کہ تعویز اصلی نہیں ہے۔" ایک نامانوس آواز میرے کانوں میں ابھری۔ یہ مردانہ آواز تھی اور میں نے پہلی بار سنی تھی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔ یہ کون بولا تھا۔ اور جو کچھ اس آواز نے کہا تھا وہ بھی شدید سنسنی خیز تھا لیکن یہ کہا کس نے۔"

"کون ہیں آپ۔ اور یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

میں نے مدھم لہجے میں کہا۔ لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے مدھم لہجے میں یہ سوال کئی بار دوہرایا۔ لیکن پھر کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ امی بدستور گہری نیند سو رہی تھیں کیا واقعی تعویز نقلی ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہے۔ اوہ میرے خدا، اگر منیکا نہ آتی تو گنگا سری نے آج میرا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔ منیکا نے دوبارہ میری جان بچائی تھی پہلے کمالو سے پھر گنگا سری سے۔

میں نے جلدی سے تعویز نکال کر دیکھا غور سے دیکھنے پر اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ یہ تعویز جعلی ہے۔ پہلے تعویز کو میں نے عقیدت سے دیکھا تھا اور دوبارہ اسے کبھی نکال کر نہیں دیکھا تھا لیکن مجھے اس کی اصل ہیت یاد تھی یہ پہلے جیسا نہیں تھا اسے تبدیل کیا گیا تھا۔

لیکن کس نے۔

اور جواب بھی فوراً مل گیا۔ اس وقت میں نے چچا صاحب کو اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھا تھا۔ وہ اس طرف آ رہے تھے جدھر سے میں اچانک نمودار ہوا تھا اور انہوں نے فوراً رخ دوسری طرف کر دیا تھا۔ یقیناً وہ اس وقت میرے کمرے سے نکلے تھے۔ اور انہوں نے میرا تعویز لے کر اس کی جگہ یہ تعویز رکھ دیا تھا۔

لیکن انہیں میرے تعویز کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ انہیں کیسے پتہ چلا کہ ایسا کوئی تعویز میرے پاس ہے۔ ایک دم میرے دل میں شعلہ سا بھڑکا۔ چچا صاحب حد سے گزر چکے ہیں۔ وہ ہر قیمت پر میری زندگی لینے کے درپے ہیں۔ اور رشتے ناتے شیشے کے کھلونے کی طرح توڑ چکے ہیں اگر میرا دماغ الٹ گیا تو انہیں پناہ لینا مشکل ہو جائے گا۔ وہ میرے ایک وار کی تاب نہیں لا سکیں گے۔ یہ خیال بھی دل میں آیا کہ امی کو پوری تفصیل بتا کر ان سے مشورہ کروں اور تایا ابو اور بڑی پھوپی جان کو بتا دوں کہ کم از کم میری دشمن صرف گنگا سری یا ہیرا لعل نہیں ہیں بلکہ ایک اپنا مجھے قتل کر دینے کے خواب دیکھ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے

اس طرح قتل کروائے کہ معلوم ہو کہ یہ کام گنگا سری نے کیا ہے۔

دیر تک میں غم وغصے کا شکار رہا۔ پھر میں نے تعویز کھول کر دیکھا۔ بالکل سادہ کاغذ تھا۔ میں اسے گھورتا رہا۔ اب کیا کروں۔ ایک دم دل میں خیال آیا کہ محترم بزرگ محبوب الٰہی سے ملوں اور انہیں ساری صورت حال بتا کر درخواست کروں کہ مجھے دوسرا تعویز دے دیں۔

میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ اس وقت کسی شریف آدمی کو پریشان کرنا مناسب نہیں تھا حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اسی وقت انکل نیاز علی کو فون کر کے محبوب الٰہی صاحب کے بارے میں پوچھوں۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں۔ البتہ دوسرے دن ناشتے کے بعد میں نے نیاز علی صاحب کو فون کیا۔ ان کا سیل نمبر ابو کے پاس موجود تھا اور مجھے معلوم تھا کہ ابو کی فون انڈیکس کہاں ہوتی ہے کوئی دس بارہ کالیں کیں۔ آخری کال پر آپریٹر کی آواز ابھری۔

"معاف کیجیے آپ کا مطلوبہ نمبر کسی کے استعمال میں نہیں ہے۔"

مجھے حیرت ہوئی تھی۔ میں نے پھر انڈیکس میں دیکھ کر اس نمبر کی تصدیق کی۔ میں نے ٹھیک نمبر ملایا تھا۔ ممکن ہے نیاز انکل نے سم بدل دی ہو۔ اب کیا کروں۔ نیاز علی کے پاس جاؤں۔ کوئی بہانہ کرنا پڑے گا امی کو بتانا ضروری ہے کہ میں چارگڑھی جا رہا ہوں لیکن اس کی وجہ وہ ضرور پوچھیں گی میں ان سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا کیونکہ امی کو فرید چاچا کے بارے میں بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں دیکھتا تھا کہ وہ فرید خان کو بھی میری طرح چاہتی ہوں۔ وہ اکثر کہتی تھیں کہ "فرید خان میرا دیور نہیں میرا سب سے بڑا بیٹا ہے۔"

غرض یہ کہ میں امی کے سامنے پہنچ گیا۔

"امی۔ میں چارگڑھی جانا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگیں۔ پھر انہوں نے تعجب سے کہا۔

"کیوں بیٹے؟"

"آپ کو یاد ہو کہ ابو مجھے چارگڑھی لے گئے تھے۔ وہاں انہوں نے مجھے چچا نیاز علی سے ملایا تھا نیاز چچا مجھ سے بہت پیار سے ملے تھے۔ میرا دل ان سے ملنے کو چاہ رہا ہے۔"

"اکیلے جاؤ گے؟ یا تایا ابو ساتھ جا رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے کوئی کاروباری بات کے لئے تو تایا ابو نے نہیں کہا۔"

"نہیں امی۔" ڈرائیور کے ساتھ جاؤں گا۔

"کب جاؤ گے؟"

"بس آج ہی..... تھوڑی دیر کے بعد۔"

"واپسی کب تک ہوگی۔"

"آج ہی۔ ویسے اگر نیاز علی صاحب نے روکا تو زیادہ سے زیادہ کل۔"

"ٹھیک ہے چلے جاؤ۔ لیکن احتیاط رکھنا ہم مشکلوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اللہ ہم سب کی حفاظت کرے۔"

امی نے میری روانگی کے لئے تیاریاں کیں۔ پھر ابرار احمد ڈرائیور کو ہدایات دیں اور میں چارگڑھی گاؤں روانہ ہو گیا۔ راستے میں ابرار احمد سے باتیں کرتا رہا پھر چارگڑھی پہنچ گیا۔ نیاز علی موجود تھے مجھ سے بہت ہی پیار اور اپنائیت سے ملے۔ گلے لگا لیا۔" میں نے کہا۔

"میں آپ کو مسلسل کال کرتا رہا۔ لیکن رابطہ نہیں ہو سکا۔"

"اوہو اچھا۔ اصل میں میرا موبائل پانی میں گر پڑا تھا۔ نیا موبائل لاہور سے منگوایا اس میں سم بھی نئی پڑی ہے۔ لاہور جا کر پرانی سم نکلوانی ہے۔"

"ویسے تو سب خیریت ہے چچا جان۔"

"ہاں بیٹے۔" میں خود بھی گجر گھاٹ آنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کچھ حسابات کرنے تھے فرید خاں صاحب سے۔"

میں نے اس بات پر کچھ دیر سوچا۔ ابو کی موت کے بعد چونکہ سب کی متفقہ رائے سے ہمارے کاروبار کا حساب فرید چچا کرنے لگے تھے اس لئے سب سارے کام چچا کرتے تھے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ نیاز علی کو راز دار بنا لیا جائے وہ بے حد مخلص آدمی تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی

کہ ابو کے گہرے دوست تھے۔ میں نے کہا۔
"نیاز چچا۔ میں مرشد محبوب الٰہی سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"اوہو۔ وہ تو سیلانی آدمی ہیں۔ میرے پاس آئے ہوئے بھی کافی دن ہوگئے۔ آخری بار عظمت بھائی کے انتقال سے پہلے آئے تھے۔ اس وقت کہہ رہے تھے کہ انڈیا جارہا ہوں۔ پہلے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کروں گا۔ پھر دہلی جاکر حضرت نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر جاؤں گا پھر کلیر شریف اور پھر آگرہ، سلیم الدین چشتیؒ کی قدم بوسی کروں گا۔"
"اوہ۔ یہ تو بڑی پریشانی کی بات ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا۔ بہت بڑی غلطی ہوگئی تھی۔ میں نے اس تعویز کی صحیح طور پر حفاظت نہ کی جو میرے لئے بہت بڑی ڈھال تھا۔

نیاز علی غور سے میرا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ کہنے لگے۔
"بیٹے۔ عظمت خاں صاحب سے میرا کاروبار ہی نہیں تھا بلکہ وہ میرے لئے بھائیوں جیسا درجہ رکھتے تھے۔ تمہیں کوئی پریشانی ہو تو مجھے بتاؤ۔"
"جی۔ میں پریشان ہوں چچا جان۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
"ارے میرا بچہ۔ کیا بات ہے مجھے بتاؤ۔"
"حویلی کے حالات کا تو آپ کو علم ہوگا۔"
"پوری طرح۔"
"دادا جان کی کہانی بھی۔"
"ہاں وہ تو گجر گھاٹ کے آس پاس جتنی آبادیاں ہیں سب کو معلوم ہے۔"
"آپ مجھے ایک بات بتائیں گے نیاز چچا۔"
"ضرور اور یہ بھی درخواست کروں گا کہ میرے سچ کا برا نہیں مناؤ گے۔"
"جو ہو رہا ہے دنیا دیکھ رہی ہے۔ میرے برا منانے یا نہ منانے سے کیا ہوگا۔" میں نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔
"مجھ میں اور دنیا میں فرق ہے۔ خیر تم بتاؤ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟
"کیا دادا جان اتنے ہی برے تھے جتنا لوگ کہتے ہیں۔" میں نے سوال کیا اور نیاز علی سوچ میں ڈوب گئے پھر صاف لہجے میں بولے۔
"اس سے بھی زیادہ برے جتنا لوگ کہتے ہیں۔ اصل میں گنگا سری ہندو لڑکی تھی۔ پاکستان میں اقلیتوں کو پورا تحفظ اصل ہے اس لئے ہندوؤں نے بھرپور احتجاج کیا یہ اور بات ہے کہ وہ مامون خان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ کیونکہ ان کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ ان کی زندگی میں تو ہر ہفتے لاہور، کراچی اور اسلام آباد کے سرکاری افسر حویلی آتے رہتے تھے۔ مجرے ہوتے تھے۔ اور خوب رنگ رلیاں منائی جاتی تھیں۔ تو میں بتا رہا تھا کہ گنگا سری ہندو لڑکی تھی اس لئے بات زیادہ اچھل گئی۔ لیکن انہوں نے کئی خاندانوں کو زخمی کیا ہے۔ کئی نوجوان لڑکیوں نے خودکشی کی ہے اور کئی انہوں نے خود قتل کرائی ہیں۔ ان کے اہل خاندان اپنی بستیاں چھوڑ کر کہیں سے کہیں جاکر آباد ہوگئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مامون خان کا کچھ نہیں بگاڑ پائیں گے بلکہ دوسرے پیاروں کی جان بھی مفت میں جائے گی۔"
"اوہ میرے خدا۔" میں نے غم سے سر پکڑ لیا۔
نیاز علی کے چہرے پر بھی افسردگی تھی۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔ "یقیناً حویلی کے سارے حالات بھی آپ کے علم میں ہوں گے۔"
"جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ عظمت خان مرحوم سے صرف میرا کاروباری رشتہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ میرے لئے بھائیوں جیسے تھے۔ وہ جب بھی پریشان ہوتے میرے پاس آجاتے اور اپنی ہر مشکل کے بارے میں مجھے بتاتے۔"
"تیرہ تاریخ کی کہانی بھی انہوں نے سنائی ہوگی۔"
"ہاں بالکل۔"
"وہ تو روحوں کی کہانی ہے۔ نیاز چچا جان۔ لیکن اس حویلی میں ایک زندہ آسیب بھی موجود ہے۔"
"زندہ آسیب۔" نیاز چچا حیرت سے بولے۔
"ہاں۔ میں آپ کو اس کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔"

”بتاؤ۔“انہوں نے کہا اور میں نے انہیں پوری کہانی سنادی میں نے فرید خان کے بارے میں انہیں بتاتے ہوئے کہا۔

”حالانکہ۔ میں انہیں صرف چچا نہیں سمجھتا تھا بلکہ امی میری طرح ہی انہیں چاہتی تھیں اور اپنا بڑا بیٹا مانتی تھیں۔ لیکن انہوں نے۔“

میری آواز رندھ گئی۔ نیاز چچا بھی افسردہ ہوگئے۔ پھر بولے۔”یہ تو واقعی سخت پریشانی کی بات ہے۔ ابھی ایک ہفتے پہلے ہی فرید خان صاحب میرے پاس آئے تھے۔“

”آپ کے پاس؟“

”ہاں۔“انہوں نے رحمت خان صاحب سے فون پر میری بات بھی کرائی تھی۔ بڑے ملکھانے صاحب نے کہا تھا کہ عظمت خان مرحوم کے تمام کاروبار کی انتظامی ذمہ داری فرید خان کو دے دی گئی ہے چنانچہ میں اپنے تمام حسابات انہیں چیک کرادوں اور واجب رقم انہیں دے دوں۔ دو دن قیام کیا تھا انہوں نے اور سارے حسابات چیک کئے تھے۔ جاتے ہوئے میں نے انہیں پانچ لاکھ کا چیک بھی دے دیا تھا۔

”پانچ لاکھ؟“میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

”ہاں۔ میری طرف نکلتے تھے۔“

”اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے اپنا جال مکمل کرلیا ہے۔“

”میں تو بہت پریشان ہوگیا۔“نیاز علی نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

”اب مجھے مشورہ دیں چچا جان۔ میں کیا کروں۔“میں نے کہا۔ نیاز علی دیر تک سوچتے رہے پھر بولے۔

”ایک بات بتاؤ بیٹے۔“

”جی چچا جان۔“

”تمہیں آگے کی تعلیم کے لئے لاہور بھیجنے کی بات بھی تو ہو رہی تھی۔ ایک بار عظمت خان نے بتایا تھا۔“

”جی بالکل۔“

”پھر اس کا کیا ہوا۔“

”ابو ہی اس دنیا سے چلے گئے۔ اس کے بعد بات آگے نہیں بڑھ سکی۔“

”تمہاری والدہ تمہیں لاہور بھیجنے کے حق میں ہیں؟“

”میں نے عرض کیا نا کہ بات ہی آگے نہیں بڑھ سکی۔“

”ہوں۔ میری رائے ہے اشرف میاں کہ تم تعلیم کے لئے لاہور چلے جاؤ۔ وہاں ہاسٹل میں قیام کرو، اس کام میں جتنی جلدی ہو زیادہ اچھا ہے۔ تم وہاں جاؤ تو کچھ ہی وقت کے بعد میں تمہارے پاس آجاؤں گا۔ طارق چغتائی صاحب عظمت صاحب کے قانونی مشیر ہیں۔ ہم ان کے سامنے پورا کیس رکھیں گے ان سے بہتر مشورہ کوئی نہیں دے سکے گا۔ بلکہ وہ فوری طور پر تمہاری جائیداد کے لئے فرید خان کے اختیارات ختم کردیں گے اور عارضی طور پر خود اٹارنی جنرل بن جائیں گے۔“

”اس سے ہمیں فائدہ ہوگا۔“ میں نے معصومیت سے کہا۔

”بہت زیادہ۔ فرید خان کے سارے منصوبے فیل ہوجائیں گے۔ اس کے علاوہ اگر بات زیادہ آگے بڑھی تو تمہیں فرید خان کے خلاف پولیس کی مدد بھی حاصل ہوجائے گی۔ تم لاہور میں رہو، میں یہاں کی خبر گیری کرتا رہوں گا اور تمہیں حالات سے آگاہ رکھوں گا۔“

”میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ اور مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کے پاس آگیا۔ آپ سے بات کرکے مجھے بہت تسلی ہوگئی ہے ورنہ میں بہت پریشان تھا۔“

”میری خوش نصیبی ہے کہ میں تمہارے کسی کام آؤں۔“

”میں سب سے زیادہ پریشان اس تعویز کے گم ہوجانے سے ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ فرید خان نے اسے اڑا کر اس کی جگہ کاغذ کا وہ سادہ ٹکڑا رکھ دیا ہے۔ کاش مرشد مل جائیں۔“

”میرا وعدہ ہے کہ جیسے ہی مجھے ان کے بارے میں خبر ملی میں تمہیں آگاہ کروں گا اور خود بھی انہیں تمہارے

بارے میں بتاؤں گا۔"
"میرے دل میں ایک اور خیال ہے نیاز چچا۔"
"کیا بیٹے؟"
"میں پراسرار علوم سیکھوں۔ اور پراسرار طاقتیں حاصل کرکے ان دشمن روحوں سے اپنے ابو پھوپھی اور پھوپا کا انتقام لوں۔"
"ارے نہیں بیٹے۔ ان خیالات کو اپنے دل میں جگہ نہ دو۔ دنیاوی زندگی میں ایسی کسی خواہش کا کوئی مقام نہیں ہے۔ سب سے زیادہ پراسرار علم اعلیٰ تعلیم ہے خدا نے تمہیں اتنا کچھ دیا ہے کہ تمہاری نسلیں آرام سے جی سکیں۔ بس تم اپنے اطراف سے ہوشیار رہنے کا علم سیکھو۔"
"لیکن گنگا سری، ہیرالعل اور اس کے خاندان نے قسم کھالی ہے کہ وہ ہمارے گھرانے کے کسی فرد کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اور وہ اس کا مظاہرہ بھی کرچکے ہیں۔"
"اللہ سے بڑی طاقت کوئی بھی نہیں ہے۔ مامون خان نے واقعی لوگوں پر ظلم کئے تھے۔ انہیں سزا ملی اور کیوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے عظمت خاں اور تمہارے پھوپا پھوپی بھی مارے گئے۔ لیکن انشاء اللہ اب ہیرالعل اور اس کی بیٹی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاسکیں گے۔ ہاں تم ان دشمن روحوں سے زیادہ ان دشمن انسانوں سے ہوشیار رہو جوان روحوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔"
"جی چچا جان۔"
"خیر فکر مت کرو۔ میں فون پر بھی طارق چغتائی صاحب سے بات کرتا ہوں۔"
نیاز علی نے میری خوب خاطر مدارت کی۔ پھر میں نے ان سے اجازت طلب کی تو وہ بولے۔ "دل گھبرایا کرے تو والدہ سے اجازت لے کر آجایا کرو، اور سب سے پہلے تایا ابو سے لاہور جانے کی بات کرو۔"
"جی۔ میں کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور پھر ان سے رخصت ہوکر چل پڑا۔
جب میں چار گڑھی سے باہر نکلا تو آسمان ابر آلود تھا۔ لیکن تھوڑا ہی آگے بڑھا تھا کہ ابر گہرا ہوتا چلا گیا۔ ڈرائیور ابرار احمد بدستور مجھ سے باتیں کررہا تھا۔ وہ رانچی پور کی باتیں کررہا تھا جہاں سے اس کے ماں باپ کا تعلق تھا رانچی پور بارشوں کے لئے مشہور تھا۔ وہاں ہر موسم میں بارشیں ہوتی رہتی تھیں۔
کار مناسب رفتار سے دوڑ رہی تھی اور ہمیں موسم کی کوئی فکر نہیں تھی لیکن ابھی آدھے راستے پر بھی نہیں پہنچے تھے کہ اچانک تیز ہوا چلنے لگی۔ ابرار احمد بڑے اطمینان سے گاڑی چلا رہا تھا کہ اچانک آسمان سے سیاہی نیچے اترنے لگی ساتھ ہی ہوا کے جھکڑ تیز آندھی کی شکل اختیار کرنے لگے تب ہی ابرار احمد کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
"کالی آندھی۔ چھوٹے مالک، کالی آندھی۔"
"کیا بات ہے ابرار بھائی؟"
"کالی آندھی ہے۔ وہی ہے۔" ابرار کے لہجے میں خوف تھا۔
"تو پھر؟"
"بڑی خوفناک ہوتی ہے یہ۔ ایک بار دیکھی ہے اللہ کرے ویسی نہ ہو۔ بڑے بڑے درخت جڑ سے اکھڑ کر......
" ابرار نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا ایک لمحے رک کر دوبارہ بولا۔" چھوٹے مالک، گاڑی کسی کھلے میدان میں کھڑی کرتا ہوں یہاں پیڑ زیادہ ہیں گاڑی کو نقصان پہنچ سکتا ہے اسی حالت میں گاڑی چلانا بھی۔"
ابرار نے پھر جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور گاڑی روکی۔ پھر اس نے بڑا خطرناک کام کیا۔ اس نے ایک سیدھے ڈھلان میں گاڑی اتاردی۔ سب کچھ الٹ پلٹ ہوگیا تھا۔ لیکن اس نے بڑی مہارت کا ثبوت دیا تھا۔ گاڑی نیچے جاکر سیدھی ہوگئی۔ وہ تھوڑا سا اور آگے بڑھا اور پھر اس نے گاڑی روک دی۔
"معافی چاہتا ہوں چھوٹے مالک ابھی گہری کالی آندھی سارے ماحول کو کالی رات میں بدل دے گی مجھے یہ میدان نظر آگیا تھا یہاں درخت بھی نہیں ہیں آپ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔" ابرار احمد نے کہا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور دلچسپ نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا سارا ماحول آنکھوں سے غروب ہوگیا تھا۔ اب ہر طرف تاریکی چھاگئی تھی۔ دور دور سے چھوٹے درخت، خودرو جھاڑیاں اکھڑ

اکھڑ کر آ رہی تھیں بڑے درخت بھی اکھڑ رہے تھے ان کے تنوں کے ٹوٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"جگہ بڑی اچھی مل گئی مالک جی۔ بڑے درخت بہت دور ہیں اڑ کر اتنی دور نہیں آ سکتے۔" ابرار احمد نے کہا۔

"یہ ہے کیا ابرار بھائی؟"

"کالی اندھی کہتے ہیں اسے مالک۔"

"مگر میں نے پہلے ایسی آندھی نہیں دیکھی۔"

"دس بیس سالوں میں کبھی آتی ہے ہم نے کوئی بیس سال پہلے ایک بار دیکھی تھی اس وقت بھی ہم ایسے ہی جنگل سے گزر رہے تھے ابا لاری چلاتے تھے ہم ان کے ساتھ جا رہے تھے ارے توبہ، توبہ۔ جنگل کا جنگل اکھڑ گیا تھا درخت یوں تیرتے ہوئے جا رہے تھے جیسے جہاز اڑتے ہیں ہم ایک گاؤں کے قریب تھے جب آندھی رکی تو لاری آگے بڑھ کر گاؤں تک پہنچی سارے گاؤں میں لاشیں بکھری پڑی تھیں جانوروں کی پرندوں کی اور انسانوں کی۔ کچے جھونپڑے تو سارے کے سارے اڑ گئے تھے، کچے گھر سب ڈھے گے تھے۔ بندے ہر طرف روتے پیٹتے، چیختے چلاتے بھاگتے پھر رہے تھے ایک افراتفری مچی ہوئی تھی۔"

ابرار احمد کی آواز بھی بڑی مشکل سے میرے کانوں تک آ رہی تھی۔ ہم نے گاڑی کے سارے شیشے بند کرنے تھے اور آندھی بند ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد میں نے کہا۔

"یہ تو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی ابرار بھائی۔"

"اللہ مالک ہے۔"

"تم نے گاڑی بڑی خطرناک جگہ سے نیچے اتاری ہے۔ ابرار بھائی۔"

"بس اللہ کا کرم ہے۔" اس نے یہ جگہ دکھا دی ورنہ مالک میلوں تک جنگل ہی جنگل ہے۔ اور یہ تو چھوٹی سی گاڑی ہے۔"

"گاڑی اوپر چڑھا لو گے۔"

"ہاں مالک۔ مگر روشنی کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"روشنی تو اب صبح ہی کو ہوگی۔"

"مجبوری ہے مالک۔ رکنا پڑے گا۔ آپ کو حفاظت سے گھر پہنچا دینا ہماری ذمہ داری ہے۔"

ابرار احمد ٹھیک کہہ رہا تھا۔ آندھی رک بھی جائے تب بھی گاڑی سڑک پر لے جانے کے لئے دن کی روشنی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ لیکن مجھے خوشی تھی کہ گھر میں امی سے میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر نیاز علی نے روکا تو میں رات کو رک جاؤں گا اس لئے امی پریشان نہیں ہوں گی۔

ابرار احمد نے پچھلی سیٹ سے کمر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں میں بھی شدید ذہنی تھکن محسوس کر رہا تھا میری سوچیں نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہی تھیں نیاز چچا سے ہونے والی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ ان کا مشورہ تھا کہ میں لاہور چلا جاؤں، کیا امی اس کی اجازت دیں گی یا پھر امی کو بھی ساتھ لے جاؤں۔ ہمارے لئے مشکل نہیں تھا کہ ہم لاہور میں ایک گھر خرید لیں۔ مگر بات پھر وہی ہو جاتی ہے تعلیم کے لئے لاہور چلے جانا کوئی خاص بات نہیں ہے لیکن گجر گھاٹ کی حویلی کوئی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

آندھی اب بھی اسی زور و شور سے چل رہی تھی۔ قیامت کا شور بلند ہو رہا تھا۔ درختوں کے تنے ٹوٹ رہے تھے۔ بڑے بڑے جھاڑ فضا میں پرواز کر رہے تھے۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ کو ایک سکون کا احساس ہوا پھر آنکھیں بند ہی رہیں نیند بھی کمال کی چیز ہے۔ اس کے بارے میں بہت سی کہاوتیں کہی جاتی ہیں اور جب چاہو ان کہاوتوں کی تصدیق کر لو۔ میں سو گیا تھا۔ پھر جاگ گیا یا پھر جاگنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

سامنے ایک خوب صورت صبح بکھری ہوئی تھی۔ روشن، چمکدار اور سہانی صبح۔ ہر طرف جھاڑیوں کے انبار لگے ہوئے تھے دور دور تک جنگل تباہ ہو گئے تھے۔ میں انہیں دیکھ ہی رہا تھا کہ کانوں میں عجیب سی آواز گونجی۔ پتیل کے مجیرے بھی بج رہے تھے۔ اور ایک پاٹ دار آواز اور اس کے ساتھ ایک دلکش نسوانی آواز۔

کوئی مرد، اور عورت بھجن گا رہے تھے۔

سانچو تیرو نام رام سانچو تیرو نام
چھوٹے جگ کے کام رام سانچو تیرو نام
کالے کر آئے تھے جگ میں

کالے کر تم جاؤ گے
مٹھی باندھ کے آئے تھے
اور ہاتھ پسار چلے جاؤ گے
جھوٹے جگ کے کام رام
سانچو تیرو نام

آوازیں اتنی حسین تھیں کہ دل مٹھی میں لئے جارہی تھیں۔ سحر کی سی کیفیت تھی۔ پتہ نہیں کہاں سے یہ آوازیں آرہی تھیں۔ اسی وقت مجھے ایک آواز سنائی دی اور میں ہوش میں آگیا۔ مجھے احساس ہوگیا کہ میں اپنی کار کی پچھلی سیٹوں پر ہوں۔ جو آہٹ مجھے سنائی دی تھی وہ ڈرائیور ابرار کے قدموں کی تھی۔ وہ جھاڑیوں میں راستہ بناتا آرہا تھا۔

گزری رات یاد آگئی کالی آندھی رک گئی تھی۔ سفید دن نکل آیا تھا لیکن بھجن کی یہ آوازیں......؟

ابرار احمد میرے پاس پہنچ گیا۔

''آپ جاگ گئے چھوٹے مالک۔ بڑی تباہی پھیلی ہے ایسے ایسے پیڑ اکھڑ کر دور جا گرے ہیں کہ آپ دیکھو تو یقین نہ کرو۔''

''اندازہ ہو رہا ہے ابرار بھائی۔'' میں نے کہا۔

''ہم تو جنگل میں ہیں۔ آس پاس کے گاؤں کے گاؤں اجڑ گئے ہوں گے۔ اللہ سب پر رحم کرے۔''

''یہ آوازیں کیسی ہیں ابرار بھائی۔''

''تھوڑے فاصلے پر پرانی دھرم شالہ ہے۔ وہاں کوئی پوجا پاٹ کر رہا ہے۔ یہاں اب بھی کافی ہندو آباد ہیں کئی مندر بھی ہیں۔ میرے خیال میں کسی نے دھرم شالہ میں گھر بسا رکھا ہے۔''

''تم نے اسے قریب سے دیکھا ہے۔''

''کسے مالک۔''

''دھرم شالہ کی بات کر رہا ہوں۔''

''قریب سے تو نہیں دیکھا گاڑی سڑک پر لے جانے کی جگہ تلاش کر رہا تھا۔ دور سے دھرم شالہ نظر آگئی۔ کسی نے اسے صاف ستھرا کر رکھا ہے۔''

''گاڑی اوپر سے جانے کی جگہ مل گئی؟'' میں نے پوچھا۔

''اتار تو لایا تھا بدحواسی میں چھوٹے مالک۔ چڑھانا آسان نہیں ہوگا لیکن فکر کی بات نہیں ہم گاڑی لے کر چلیں گے آگے چل کر کوئی جگہ مل ہی جائے گی۔''

''ہوں۔'' میں نے گہری سانس لی پھر کہا۔ ''دھرم شالہ چلیں۔''

''چلو مالک۔'' ابرار نے کہا۔

''منہ ہاتھ وغیرہ دھونے کے لئے پانی مل جائے گا۔''

''ٹھیک ہے گاڑی لے چلتے ہیں۔'' ابرار نے کہا۔ اور میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ابرار بھائی نے اسٹیئرنگ پر بیٹھ کر سلف لگایا اور گاڑی آرام سے اسٹارٹ ہوگئی۔ ابرار شاندار ڈرائیور تھا۔ حالانکہ بڑے بڑے جھاڑیوں نے راستہ بند کر رکھا تھا لیکن ابرار ان میں جگہ بناتا ہوا آخرکار دھرم شالہ تک پہنچ گیا۔

کمال کی جگہ تھی۔ چھوٹی سی پرانی عمارت کے گرد بہت وسیع احاطہ بنالیا گیا تھا۔ یہ احاطہ درختوں کی گول شاخوں سے بنایا گیا تھا اور اس میں مزے کی بات یہ تھی کہ یہاں ہر طرف پھول کھلے ہوئے تھے۔ بھیانک آندھی نے ان پھولوں کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ ایک طرف دو چار پائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ کچھ فاصلے پر ایک کنواں نظر آرہا تھا، جس پر چرخی لگی ہوئی تھی اور چرخی میں ڈول پھنسا ہوا تھا اس کا ڈھیر بھی ساتھ ہی لگا ہوا تھا۔

''پانی۔'' میں نے کہا۔

''آجایئے چھوٹے مالک۔ میں پانی نکالتا ہوں۔'' ابرار نے کہا اور خود کنوئیں کی طرف بڑھ گیا۔ دھرم شالہ کی عمارت کے اندر سے بھجن کی دلکش آوازیں اب بھی آرہی تھیں۔ کیا دلکش آوازیں تھیں پھر آواز بند ہوگئی اور نرسنگھے پھونکے جانے لگے۔ اس دوران ابرار نے ڈول کنوئیں میں ڈال کر پانی کھینچ لیا تھا۔ میں کنوئیں سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا اور ابرار بھائی ڈول لے کر میرے چلوؤں میں پانی ڈالنے لگے۔ میں نے اچھی طرح منہ دھویا۔ دھرم شالہ کے مکینوں کو ہماری آمد کے بارے میں معلوم نہیں تھا وہ اپنی پوجا پاٹ میں مصروف تھے۔

لیکن پھر اچانک اندر کی آوازیں رک گئیں۔

میں منہ دھو چکا تھا۔ چنانچہ میں نے ڈول سنبھال لیا۔اور ابرار بھائی نیچے بیٹھ گئے۔اسی وقت اندر سے ایک دراز قامت سادھو نمودار ہوا۔کافی عمر رسیدہ تھا۔اور بڑی رعب دار شکل کا مالک تھا۔ وہ رکا نہیں اور سیدھا ہماری طرف آیا۔ پھر اس کی نرم اور مشفق آواز ابھری۔

"سواگتم۔ سواگتم مہاراج۔" یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے۔ہمیں اس کے دوستانہ انداز کا اندازہ ہو گیا۔

"معاف کیجیے پنڈت جی۔ ہم بن بلائے مہمان بن گئے ہیں آپ کے۔ چارگڑھی سے گجر گھاٹ کا سفر کر رہے تھے کہ آندھی نے گھیر لیا اور مجبوراً ہمیں یہاں پناہ لینی پڑی۔"

"آپ بن بلائے مہمان کیوں کہہ رہے ہیں مہاراج۔ آپ تو بھگوان سروپ ہیں سورج کی کومل کرن کی طرح، ہم آپ کا سواگت کرتے ہیں۔ آیئے جنگل پانی کی اچھا ہو تو ادھر چلے جایئے وہاں پانی بھی ہے۔"

"نہیں شکریہ۔ بس ہمیں سفر کرنا ہے۔ وہ ہماری گاڑی کھڑی ہے۔ رات کو ہم گاڑی نیچے تو اتار لائے تھے لیکن اب اوپر جانے کا راستہ نہیں مل رہا۔" میں نے کہا اور سادھو مسکرا دیا۔ پھر بولا۔

"راستہ کیسے ملتا مہاراج۔ بھگوان نے صبح کا بھوجن تو ہمارے بھاگ میں لکھ دیا تھا۔ بھگوان ہمارے دوار آئیں اور ہم سیوا نہ کریں یہ کیسے ممکن ہے۔ آیئے۔" سادھو نے کہا۔اور ہم چارپائیوں کی طرف چل پڑے۔ اس نے کندھے پر پڑے انگوچھے سے چارپائیوں کی گرد جھاڑی پھر بولا۔"بس دو منٹ کی آگیا دے دیں۔ ابھی آئے......" یہ کہہ کر وہ اندر کی طرف چل پڑا۔ ہم چارپائیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ ابرار بھائی کے موبائل پر بیل ہوئی اور انہوں نے اپنا سیل جیب سے نکال لیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولے۔"بڑے مالک رحمت خان صاحب ہیں۔"

"لاؤ مجھے دو۔" میں نے کہا اور ابرار نے فون مجھے دے دیا۔"ہیلو۔" میں نے کہا۔

"کون۔ اشرف۔" آواز آئی۔

"جی تایا ابو۔"

"کہاں ہو تم۔ خیریت سے ہو۔"

"بالکل خیریت سے ہوں۔"

"چارگڑھی میں ہو۔ دلہن نے یہی بتایا تھا۔"

"جی۔ چارگڑھی کے اطراف کی سیر کرنے نکلا ہوں۔"

"رات کو کالی آندھی آئی تھی۔"

"ہاں۔ اسی کی تباہ کاری۔ دیکھتا پھر رہا ہوں۔"

"تمہارا سیل کیوں بند ہے۔ پہلے میں نے تمہیں ہی فون کر رہا ہوں۔ تمہاری امی بہت پریشان ہیں۔"

"میرے سیل کی چارجنگ ختم ہو گئی ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں اور تھوڑی دیر کے بعد گھر پہنچ جاؤں گا۔"

"ابرار کہاں ہے؟"

"میرے پاس ہیں۔"

"بات کراؤ۔" تایا ابو نے کہا۔اور میں نے سیل ابرار بھائی کو دے دیا۔ تایا ابو نے ابرار سے خیریت پوچھی۔ ابرار بھائی نے میری باتیں سن لی تھیں اس کی روشنی میں، انہوں نے بات کی اور بالکل نہیں بتایا کہ ہم کہاں ہیں۔ اتنی دیر میں سادھو اندر سے آ گیا۔ اور دوسری چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"بڑی بھیانک آندھی آئی تھی رات کو۔ نہ جانے کتنا نقصان ہوا ہوگا۔"

"آپ یہاں رہتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ یہی میرا سورگ ہے۔ میرا نام جمنا داس ہے۔اور میں بھوانی پنتھی ہوں۔"

"ہم دونوں مسلمان ہیں۔" میرا نام اشرف خان ہے۔اور یہ میرے ساتھی ابرار احمد ہیں۔"

"اچھا، اچھا۔ میرے بھاگ ہیں کہ مجھے آپ کی سیوا کا موقع ملا۔ آندھی سے آپ کو نقصان تو نہیں پہنچا۔"

"بالکل نہیں۔"

تھوڑی دیر تک ایسی ہی رسمی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر اندر سے ایک لڑکی باہر نکل آئی۔ سفید ساڑھی پہنے ہوئے تھی سیدھے بال باندھے ہوئے تھی لیکن چاند سا چہرہ نمایاں تھا اور میں اسے دیکھ کر سناٹے میں رہ گیا تھا۔ وہ مینکا تھی۔ اس نے ہاتھوں میں ٹرے اٹھائی ہوئی تھی جس میں گرم پراٹھے اور ترکاری رکھی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی چائے کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ میں پاگلوں کی طرح مینکا کو دیکھ رہا تھا۔

سادھو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو۔ اس کے الفاظ پر میں چونک پڑا۔ اس نے مینکا کی طرف دیکھا تو اس کی نغمہ بار آواز ابھری۔

''ہاں۔ میں نے پتاجی کو آپ کے بارے میں بتادیا تھا چھوٹے مہاراج۔''

''بتادیا تھا۔'' میں نے سرسراتی آواز میں کہا۔ اس وقت میں سچ مچ حواس کھو بیٹھا تھا میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔

''بھوجن کریں مہاراج۔ مینکا نے مجھے یہ بھی بتادیا تھا کہ بالکل اتفاق سے آپ یہاں تک آگئے ہیں۔ وہ مجھے آپ کے کشٹ کے بارے میں بھی بتا چکی ہے۔ آپ بھوجن کریں، اس میں ہر چیز شدھ ہے۔ آپ کے دھرم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

''اوہ نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔'' بس ابرار بھائی۔ میں نے سنبھل کر کہا۔ ماحول، وقت اور گرم پراٹھے۔

ہم نے ناشتہ شروع کردیا۔ لیکن میرا ذہن اب بھی ہوا میں اڑ رہا تھا۔ میں نے مینکا کو ناگن کی شکل میں دیکھا تھا۔ میں نے اسے گنگا سری سمجھا تھا۔ لیکن وہ۔

میں کھاتا رہا۔ سوچتا رہا۔ ابرار بھائی نے میرے لئے چائے انڈیلی، پھر بولے۔ ''آپ باتیں کریں، میں ذرا گاڑی دیکھ لوں۔'' میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ ابرار یہاں سے اٹھ جائے۔ اسے میرے برابر بیٹھنا بھی نہیں چاہئے تھا لیکن سچویشن ایسی بن گئی تھی کہ ابرار کو بھی اس کا احساس نہیں رہا۔ ابرار اپنی چائے کا برتن لے کر وہاں سے چلا گیا۔ تب سادھو جمنا داس نے کہا۔

''مینکا نے تمہارے بارے میں سب کچھ بتادیا ہے۔''

''یہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ میں بھی جیتی ہوں، یا آتما ہوں۔'' مینکا نے ایک دلکش مسکراہٹ سے کہا۔

''وہ جیتی ہے چھوٹے مہاراج مگر بھوانی کی دیا ہے کہ اس نے اسے اپنی خاص داسی بنالیا ہے اور اسے بہت بڑا گیان دیا ہے اس کا گیان مجھ سے بھی آگے چلا گیا ہے۔ اب بھیانک آتمائیں بھی اس سے دور بھاگتی ہیں اور اس کا سامنا کرنے سے گھبراتی ہیں۔

''وہ میں دیکھ چکا ہوں۔'' میں نے مینکا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ ایک الھڑ سی نوجوان لڑکی لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ تھی۔

میری عمر ابھی زیادہ نہیں تھی۔ اور میں نے کبھی جنس مخالف کے بارے میں ایسے انداز میں نہیں سوچا تھا لیکن مینکا اس وقت سے میرے حواس پر چھا گئی تھی جب میں نے اسے پہلی بار کھڑکی سے لہنگے اور چولی میں دیکھا تھا اور اسے گنگا سری سمجھا تھا۔ اس وقت وہ شرارت سے مسکراتی ہوئی اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ میں اسے دیکھتا رہ گیا۔

''مینکا نے یہ گیان کہاں سے سیکھا؟'' میں نے پوچھا۔

''بھوانی نے اسے اپنی مکھی بنایا ہے۔ مینکا اگر چاہے تو محلوں کی رانی بن سکتی ہے، لیکن بھوانی دیوی کو اس کی یہی بات پسند ہے کہ وہ اپنے گیان سے کوئی بڑا فائدہ نہیں اٹھاتی۔ اسے گرن وستو کا گیان بھی مل گیا ہے۔''

''گرن وستو کیا ہے۔'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''بھوانی استھان ہے۔ جس طرح قہر وغضب کی دیوی کالی کلکتے والی اپنے کالے گیان سے گندی آتماؤں کی رکھشا کرتی ہے اس طرح بھوانی دیوی منش سیوک ہے اور اپنی مہان شکتی سے کالے علم کا شکار ہونے والوں کی رکھشا کرتی ہے۔ اس نے مینکا کو بھی یہ ادھیکار دیا ہے۔''

''مینکا نے کمالو کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''وہ تمہیں قتل کرنا چاہتا تھا۔ مینکا غضب ناک

ہوگئی تھی۔‘‘

’’آپ کو یہ بات معلوم ہے۔‘‘

’’یہ میری بٹیا ہے۔لیکن من کی ہر بات مجھے بتادیتی ہے۔اس نے کمالو اور فرید خان کے بارے میں مجھے بتادیا تھا۔‘‘

’’یہ آسانی سے ناگن کا روپ دھار لیتی ہے۔‘‘

’’اسے بہت سے روپ کا وردان ہے۔‘‘ جمنا داس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

’’بہت سے روپ؟‘‘ میں نے دلچسپی سے کہا۔

’’ہاں۔بہت سے روپ۔‘‘ نرم ونازک بھی،خوفناک و بھیانک بھی۔اشرف مہاراج کو بتاؤ منیکا۔‘‘ جمنا داس نے کہا۔اور منیکا بچوں کی طرح ہنس دی۔اس نے اپنے بدن کو زور سے جھٹکا اور دونوں ہاتھ دونوں طرف پھیلا دیئے کچھ لمحوں اپنے بدن کو جھٹکتی رہی اور پھر اچانک اس کا بدن سکڑنے لگا صرف تیس سیکنڈ میں وہ نظروں سے غائب ہوگئی اور اس کی جگہ ایک انتہائی خوب صورت پرندہ نمودار ہوگیا۔ پرندے نے پاؤں دبائے اور دوسرے لمحے پر پھڑ پھڑاتا ہوا فضا میں بلند ہو کر ایک اونچی جگہ جا بیٹھا۔ میں حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔پھر وہ وہاں سے بھی اڑی اور بلند ہوتی ہوئی دور نکل گئی اتنی دور کہ نظروں سے اوجھل ہوگئی میں نے جمنا داس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

’’اس کی فکر مت کرو۔جے بھوانی۔‘‘

میری عقل دنگ تھی۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ایسے مناظر ہوش میں کہاں نظر آتے ہیں۔ اچانک دھرم شالہ کے اندر سے ایک خوف ناک غراہٹ سنائی دی اور پھر اس کے دروازے پر انتہائی خوف ناک شکل کے ایک گہرے کالے چیتے نے ایک لمبی جست لگائی اور ہمارے سامنے پہنچ گیا۔

میرے حواس میرا ساتھ نہیں دے پارہے تھے۔ یہ جنگل تھا۔ میں نے کبھی ان علاقوں میں کسی درندے کے بارے میں نہیں سنا تھا لیکن اپنی آنکھوں کے سامنے اس خونخوار چیتے کو دیکھ کر میرے حواس معطل ہوگئے تھے۔ وہ اتنے قریب تھا کہ ہم کہیں بھاگ بھی نہیں سکتے تھے۔لیکن دوسرا حیرت ناک منظر سامنے آیا چیتا زمین پر بیٹھ گیا۔اور پھر اس کی نیت بدلنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ منیکا کی صورت میں تبدیل ہوگیا۔میں گہری گہری سانسیں لینے لگا اپنی دماغی حالت پر شبہ ہو رہا تھا جو کچھ دیکھ رہا ہوں حقیقت ہے یا کوئی ذہنی فتور۔

منیکا سیدھی کھڑی ہوگئی تو جمنا داس کی آواز ابھری۔

’’تم نے اس کے دو روپ دیکھے چھوٹے مہاراج۔ ضرورت پڑنے پر یہ اور بھی بہت سے روپ دھار سکتی ہے۔‘‘

میں ہوش میں آ گیا۔اور اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

’’ان لمحوں کو میں موت کے وقت تک نہیں بھول سکتا پنڈت جی۔ میں نے کسی زندہ انسان کے اندر ایسی انوکھی خوبیاں نہیں دیکھیں۔میرے دل میں ایک خواہش ہے۔‘‘

’’خواہش؟ کیا؟‘‘ سادھو نے پوچھا۔

’’میں آپ کا چیلا بننا چاہتا ہوں۔ کہ جانے کب سے یہ آرزو میرے دل میں ہے۔ میں اپنے دادا جی کی بات نہیں کرتا۔انہوں نے انسانوں پر ظلم کیا تھا جس کی تصدیق میری امی نے کی ہے۔امی کے تفصیل بتانے سے پہلے مجھے دادی اور پھوپی پھوپا کی موت کا صدمہ تھا۔لیکن جب امی نے دادا جی کے بارے میں تفصیل بتائی تو میرا ذہن بدل گیا۔دادا جی نے جو کیا تھا اس کی قدرتی طور پر انہیں سزا مل گئی لیکن پھوپی اور پھوپا بے قصور تھے۔اور پھر...... میرے ابو۔ میرے پیارے ابو کو بھی مجھ سے چھین لیا گیا۔ بہت پیار تھا مجھے اپنے ابو سے...... اور یہ سارے کام گنگا سری اور اس کے پتا نے کئے۔انہوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ ملکھانوں کی پوری نسل کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے۔لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ میں پراسرار علم سیکھ کر ان ناپاک روحوں کو خاک کر دوں گا انہیں جلا کر بھسم کر دوں گا۔ میں دیکھوں گا کہ وہ کیسے میرے خاندان کا خاتمہ کرتے ہیں۔‘‘

میری آنکھیں شعلے اگلنے لگیں۔ میں تے منیکا کی طرف دیکھا۔اس کے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میں سنبھل گیا۔پھر میں نے کہا۔’’میں آپ کا

شاگرد بننا چاہتا ہوں آپ مجھے یہ علم سکھادیں جو آپ نے مینکا کو سکھائے ہیں۔"

جمناداس نے ایک ہاتھ اٹھا کر گردن ہلائی اور بولا۔" بھول گئے تم۔ بھول گئے میرے بچے۔ میں نے تمہیں ابھی بتایا ہے کہ اسے یہ گیان میں نے نہیں ،بھوانی ماں نے دیا ہے۔ اس نے بھوانی ماں کے جاپ کئے ہیں۔ اسے خوش کیا ہے۔ تب بھوانی ماں نے اسے یہ شکتی دی ہے۔"

"میں بھی یہ سب کروں گا۔" میں نے کہا۔

"نہیں بیٹا۔ تم یہ سب نہیں کرسکو گے۔" پنڈت بولا۔

"کیوں نہیں کرسکوں گا۔ میں کروں گا۔"

"نہیں کرسکو گے۔" اس بار پنڈت کا لہجہ سخت ہوگیا اور میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ میرے اندر لجاجت پیدا ہوگئی میں نے پست لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے ایک موقع تو دیں۔ پنڈت جی مہاراج۔ میری مدد تو کریں۔ بھوانی سے میرے لئے بات کریں۔"

"بھوانی کا داس بننے کے لئے پہلے تمہیں اپنا دھرم چھوڑنا ہوگا۔ سمجھے ہندو دھرم اپنانا ہوگا۔ گوور دھن پوجا کرنی ہوگی گئو ماتا کی پوجا کرنی ہوگی۔ بولو کرو گے۔"

"ایں؟" میں چونک پڑا۔

"بڑے پن کا کام تھا یہ۔" ایک مسلمان سے اس کا دھرم چھین کر اسے بھوانی پنتھ میں لانا بہت بڑا کام تھا۔ ہمیں اس کا بہت بڑا صلہ ملتا بھوانی ماں کی طرف سے۔ پرنتو، ہم ایسے منش نہیں ہیں ہم ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ تم ایک اچھے انسان ہو، تمہارے من میں سچائیاں ہیں دین دھرم ہے۔ بولو۔ اپنا دھرم چھوڑو گے۔"

"نہیں۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔ بہت بڑا ہے تمہارا دھرم، بہت بڑا ہے۔ تمہاری بڑی کتاب میں سنسار کے سارے گیان ہیں۔ ان سے بڑھ کر کوئی گیان نہیں ہے سنسار میں۔ تمہیں کسی اور گیان کی کیا ضرورت ہے۔ ہم جانتے ہیں، ہمیں معلوم ہے تمہاری بڑی کتاب کے ایک ایک شبد میں، ایک ایک ماترا میں، گیان کے سمندر چھپے ہوئے ہیں، تمہیں دوسرے گیان کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تمہارے گیانیوں کے بارے میں سنا ہے۔ ایک شبد کو اپنا لیا اور اپرم پار ہوگئے۔ اپنے دھرم سے گیان مانگو، سب مل جائے گا۔"

میرے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اس ہندو سادھو کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ سینے میں جذب ہورہا تھا۔ اسی وقت مینکا نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔

"اپنے پریوار میں اپنے دشمنوں پر تم نظر رکھو۔ ہیرا لعل اور اس کی بیٹی کو میں ٹھیک کرلوں گی ان کی تم چنتا مت کرو۔" میں مینکا کی اس جرأت پر حیران رہ گیا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے سامنے میرا ہاتھ پکڑا تھا۔ پھر میں نے سر جھکا لیا۔ اور کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"بہت بے بس ہوں میں۔ میں نے بڑی بے کسی کے عالم میں اپنے باپ کو مرتے ہوئے دیکھا ہے قصور کسی اور کا تھا۔ انہوں نے مارا کسی اور کو۔ مجھے پتہ چل جائے کہ وہ مجھے کہاں مل سکتے ہیں میں جان کی بازی لگا کر انہیں ختم کردوں گا۔ انہوں نے مامون خان سے بدلہ لیا کافی تھا۔ میرے باپ کو کیوں مارا انہوں نے۔"

"بھگوان کی سوگند۔ بڑا انوکھا کام ہوگا۔ گندی آتماؤں سے جنگ کرنا۔ وہ تو یدھ کو نکل پڑی ہیں اور ساری کالی قوتوں کے ساتھ کام کررہی ہیں۔ لیکن اندر جو پریم شکتی پیدا ہوئی ہے وہ ان آتماؤں کو ضرور بھسم کردے گی۔ میری ایک بات سنو بالک۔"

"جی جمناداس مہاراج۔" میں نے کہا۔

"تیرے اندر جو بدلے کی جوت جاگی ہے وہ اندھی ہے۔ بدلے کی آگ میں تو بہت آگے نکل سکتا ہے۔ کالے جادو والے تیرے لئے پاگل ہوجائیں گے۔ انہیں تیرے جیسے پکے دھرم والے مسلمانوں کی تلاش ہوتی ہے۔ ہر برائی اچھائی کی دشمن ہوتی ہے۔ وہ تیرے من کی منوکامنا جان کر تجھے بڑے رنگین باغ دکھائیں گے تجھے رجھائیں گے اور کہیں گے کہ مجھے مہان گیانی بنادیں مگر ان سے بچنا۔ وہ تجھے کچھ نہیں دیں گے بس اپنا الو سیدھا کریں گے اور تیری بلی

دے دیں گے۔"

میں اس نیک انسان کی باتوں کا ایک ایک لفظ دل پر نقش کر رہا تھا۔ اس کے اندر سچائی بول رہی تھی۔ انسانیت بول رہی تھی۔

"آپ کا شکریہ پنڈت جی۔"

"اور میں تجھے بتا چکا ہوں کہ تیرے دھرم میں سب کچھ ہے۔ تجھے کہیں اور سے کچھ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے پنڈت جی۔ اب میں چلوں۔ آپ نے بہت کچھ دیا ہے مجھے۔ میں آپ کو کبھی نہیں بھولوں گا۔ اور آج کے چرن چھونے آتا رہوں گا۔"

"میں پرندہ بن کر اڑی تھی تو میں نے ایک کام کیا تھا۔" مینکا نے کاہ۔

"کیسا کام۔" پنڈت نے پوچھا۔

"آپ کی گاڑی کے سڑک پر جانے کا راستہ تلاش کیا تھا۔"

"ارے واہ مینکا ۔ کدھر ہے وہ راستہ......" میں نے کہا۔

"آؤ۔ میں بتاتی ہوں۔" اس نے کہا اور میں نے جمنا داس سے اجازت مانگی۔

"جاؤ......بھوانی ماں ہمیشہ تمہاری رکھشا کرے۔" پنڈت جی نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اور میں مینکا کے ساتھ چل پڑا۔ دو قدم چل کر میں نے کہا۔

"میں اپنے ڈرائیور کو ساتھ لے لوں۔"

"دو منٹ تو رکو۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" اس نے کہا۔

"ضرور مینکا ویسے تمہارے کچھ بولنے سے پہلے میں ایک بات کہہ دوں۔"

"ہاں کہو۔" وہ بڑی چاہت سے بولی۔ جیسے میرے منہ سے کوئی خاص بات سننا چاہتی ہو۔

"حالانکہ اتفاق سے یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن تمہارے پاس آ کر اور تمہارے بارے میں جان کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ تم بہت اچھی ہو۔ میں تم سے بہت متاثر ہو گیا ہوں۔"

"شکریہ چھوٹے سرکار۔ مجھے آپ سے ایک اور بات کہنی ہے۔"

"کہو......" میں نے کہا۔ اور اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ اور میرے ساتھ قدم اٹھاتی رہی۔ میں نے خود ہی کہا۔

"کہو مینکا۔"

"تمہارے پاس آؤں گی۔ پھر کہوں گی۔" میں خاموش ہو گیا۔ وہ مجھے اس جگہ لے آئی جہاں اوپر سڑک پر جانے کے لئے راستہ موجود تھا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور واپس آ کر اس سے رخصت ہو کر ابرار کے ساتھ چل پڑا۔

گزری رات میں کئی طوفان ایک ساتھ آئے تھے۔ میں بڑے کام کی باتیں ساتھ لایا تھا جمنا داس واقعی بہت اچھا انسان تھا۔ اتنا طاقتور علم اس کے پاس تھا اس سے کام لے کر وہ کروڑ پتی بن سکتا تھا محل بنا کر رہ سکتا تھا دیوتاؤں کی طرح پوجا جا سکتا تھا۔ لیکن وہ آبادیوں سے دور ایک معمولی سی دھرم شالہ میں رہتا تھا۔ یہ اس کے اندر کی بڑائی تھی۔ اس نے مجھے جو نصیحتیں کی تھیں وہ بھی میرے لئے مشعل راہ تھیں اس نے میرے ذہن میں دریچے کھول دیئے تھے۔

راستہ رات کی تباہ کاریوں سے بھرا پڑا تھا۔ جگہ جگہ درخت گرے ہوئے تھے۔ آخرکار ہم گجر گھاٹ پہنچ گئے۔ میری واپسی کا شدت سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ سب سے پہلے بڑی پھوپو سے ملاقات ہوئی تھی۔

"کہاں گئے تھے تم اشرف۔"

"بس پھوپی۔ ایسے ہی کچھ کام تھے۔"

"میاں صاحب کتنے پریشان تھے۔"

"کون کون۔؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔ لیکن پھوپی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ امی نے بھی مجھے گلے لگا لیا۔ تایا ابو نے البتہ مجھ سے صرف میری خیریت پوچھی تھی۔ اسی وقت فرید چچا بھی آ گئے۔ اور بولے۔

"ابھی تم اتنے بڑے بھی نہیں ہوئے اشرف کہ اس طرح منہ اٹھا کر چل پڑو۔ ہم سے مشورہ کئے بغیر تم حویلی سے باہر نہ نکلا کرو۔ اور میں نے ابرار کی تو خوب خبر لے لی ہے۔"

یہ سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے تیوری بدل

کر کہا ''کیا مطلب۔ آپ نے ڈرائیور ابرار کو کچھ کہا ہے۔''

''نوکر ہے وہ ہمارا۔ اسے چاہئے تھا کہ مجھے بتا کر جاتا۔''

''نہیں چھوٹے چچا۔ اس کے بعد آپ اس فضول تصور سے گریز کریں کہ آپ کوئی اہم چیز ہیں۔ اگر آپ نے ابرار احمد کو کچھ کہا ہے تو میں آپ سے اس کا جواب طلب کر سکتا ہوں۔ لیکن اسے آپ کی پہلی غلطی سمجھ کر معاف کر رہا ہوں۔ آئندہ ایسا نہ ہو۔'' میرے لہجے میں غراہٹ تھی۔ فرید خان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بڑی پھوپھی اور امی کو دیکھا۔ پھر بمشکل تمام بولے۔

''یہ..... تم مجھ سے کہہ رہے ہو؟''

''جی..... آپ سے رشتہ اپنی جگہ، لیکن آپ بھی نوکر ہیں جو کسی بھی وقت آپ کو آپ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا جا سکتا ہے۔''

سب پر سکتہ طاری تھا۔ کوئی کچھ نہ بولا ''لیکن سب کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔ فرید چچا کچھ دیر کھڑے رہے۔ پھر غصے سے کھولتے ہوئے باہر نکل گئے۔ پھر ایک ایک کر کے سب باہر چلے گئے، امی کمرے میں رہ گئی تھیں۔ وہ بھی میرے ان سخت الفاظ پر حیران تھیں۔ ایک بار پھر میرا دل چاہا کہ فرید چچا کے کرتوت امی کے سامنے کھول دوں۔ لیکن نہ جانے کہاں سے مجھ میں عقل آ گئی اور میں خاموش رہا۔

میں جانتا تھا کہ اگر یہ بات امی کے کانوں تک پہنچ گئی تو ان کا دن کا چین اور راتوں کی نیندیں حرام ہو جائیں گی۔

پھر اچانک میں نے امی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی۔ مجھے بہت اچھا لگا تھا۔ ابو کی موت کے بعد پہلی بار میں نے امی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی تھی۔

''کیا بات ہے امی؟'' میں نے پوچھا اور وہ چونک پڑیں۔

''ایں۔'' کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا۔ اور سنجیدہ ہو گئیں۔

اس رات میرے پاس سوچنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ مجھے چچا صاحب کا انداز یاد آ رہا تھا۔ ان کے لہجے میں جارحیت تھی ابرار ان کا ملازم کہاں سے ہو گیا وہ غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں خدا کا شکر ہے کہ مجھے کچھ سہارے حاصل ہو گئے، مینکا میری پیاری دوست۔ وہ ہر جگہ میرا ساتھ دے گی جمنا داس جی نے مجھے جو ہدایت دی تھیں وہ بھی میرے لئے قیمتی نوادر تھے میں ہر عمل ان ہدایات کی روشنی میں کرنا چاہتا تھا اور میں نے فیصلہ کیا تھا کہ آئندہ بھی ان کی خدمت میں حاضری دیتا رہوں گا۔ وہ نیک دل اور نیک نیت انسان تھے۔

پھر مجھے مینکا کا خیال آیا کیسی انوکھی قوتوں کی حامل تھی وہ۔ پرندہ بن کر فضا میں اڑ سکتی تھی درندہ بن کر کسی کو بھی چیر پھاڑ کر کھا سکتی تھی اور اسے شاید اس کی اجازت بھی تھی کیونکہ وہ مجھے ہلاک کرنے کے لئے آنے والے کمالو کو جہنم رسید کر چکی تھی۔

اس کے بعد نیاز علی نے مجھے فرید خان کے لئے مشورہ دیا تھا۔ انہوں نے مجھے لاہور جا کر طارق چغتائی سے ملنے کا مشورہ دیا تھا۔ یہ بے حد ضروری تھا۔ فرید خان کے عزائم کا پوری طرح انداز ہو گیا تھا۔ مجھے راستے سے ہٹا کر وہ ہماری جائیداد پر قبضے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے تعویز بھی غائب کر دیا تھا انہیں شبہ ہوا ہوگا کہ کچھ پراسرار قوتیں میری مدد کر رہی ہیں۔ جبکہ اصل بات انہیں معلوم ہی نہیں تھی۔

تو پھر اب کیا کروں؟

پھر رات کو دیر تک جاگ کر میں نے بہت سے فیصلے کئے۔ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کے لئے میرے بہت سے طاقتور ہمدرد پیدا کر دیئے تھے اور اب میں ہر خطرہ مول لینے کے لئے تیار تھا۔ لیکن مجھے ہر معاملے میں بہت محتاط رہ کر کام کرنا تھا کیونکہ میرے بہت سے دشمن تھے۔ نیند آ گئی اور خواب میں، میں نے مینکا کو دیکھا۔ ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ مینکا میری دوست۔ بہت اچھی تھی وہ۔ پھر مجھے اس کی آواز سنائی دی۔'' گنگا سری کی پازیب مجھے دے دو چھوٹے مہاراج۔ میں اسے قابو میں کر لوں گی۔'' اور میں نے خواب میں اس سے وعدہ کر لیا کہ اس سے ملاقات پر پہلا کام میں یہی کروں گا۔ ویسے بھی فرید خان سے یہ امید رکھی جا سکتی تھی ممکن ہے وہ پازیب بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

دوسری صبح معمول کے مطابق رات کی سوچوں میں، میں نے سب سے اہم فیصلہ کرلیا تھا وہ یہ تھا کہ رات کو پرانی حویلی میں داخل ہوکر اس کے اسرار جاننے کی کوشش کروں گا۔

میں معمول کے مطابق صبح کی ضروریات سے فارغ ہوکر ناشتے کے کمرے میں پہنچ گیا۔ ناشتہ سب ساتھ کیا کرتے تھے اور اس طرح رات کا کھانا بھی ساتھ کھایا جاتا تھا۔ دن میں جس کی جو مصروفیت ہواس پر کوئی پابندی نہیں تھی ناشتہ لگ چکا تھا لیکن میز کے گرد بیٹھے لوگوں کے چہروں پر عجیب سی خاموشی طاری تھی۔

میں اپنی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

کچھ لوگ باقی تھے وہ بھی آ گئے۔ لیکن فرید چچا موجود نہیں تھے۔ کچھ وقت اور گزرا تو تایا ابو کا پارہ چڑھ گیا۔ انہوں نے بڑی پھوپی کو آواز دی۔

''کلثوم۔''

''جی بھائی جی۔'' بڑی پھوپو کی آواز سہمی ہوئی تھی۔

''میں نے اسے بلایا تھا۔''

''جی بھائی جی۔''

''کیا ہورہا ہے اس گھر میں۔ وہ اتنی سرکشی پر کیوں اتر آیا ہے۔''

''ایک بات کہوں بھائی جی۔ ہوسکتا ہے یہ بھی ہمارے گھر میں آنے والی نحوستوں میں سے ہو۔''

''ہاں۔ اب تو کسی کو قبض بھی ہوجائے تو یہ دشمن روحوں کا کام ہوتا ہے میں کہتا ہوں یہ مصیبت ہم پر کب تک نازل رہے گی۔ میں فرید کی کیفیت بہت دن سے......''

ابھی تایا ابو کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ فرید چچا اندر داخل ہوگئے۔ انہوں نے دروازے سے چند قدم اندر آ کر رکتے ہوئے کہا۔ ''جی بڑے بھائی جی؟''

''کیا ہوا، ناشتے پر کیوں نہیں آئے؟'' تایا ابو نے کرخت لہجے میں کہا۔

''میری حیثیت اچانک بدل گئی ہے بھائی جی۔ براہ کرم مجھے اپنے آپ پر غور کرنے دیجیے۔ میں ایک نوکر بن گیا ہوں اور نوکر مالکوں کے ساتھ ناشتے کی میز پر نہیں ہونے چاہئیں۔''

''خوب۔ اب کچھ نئے کھیل شروع ہورہے ہیں اس گھر میں، پہلے ہی ہماری پریشانیاں کیا کم ہیں، کیا ہے یہ سب کچھ؟'' تایا ابو غصے سے بولے۔

''باجی نے آپ کو نہیں بتایا بھائی جی۔'' چھوٹے چچا نے کہا۔

''وہ مجھے بتا چکی ہیں۔ اشرف ابھی بچہ ہے۔ اس نے نادانی میں کوئی بات کہہ دی تو تم بھی نادان بن گئے۔''

''میں اس نوکری سے استعفیٰ دینا چاہتا ہوں بھائی جی۔'' فرید خان نے کہا۔

''فضول باتیں مت کرو۔ اشرف تم سے معافی مانگے گا۔''

''لمبا حساب ہے تایا ابو۔ پورا کام ہوگا۔ پھر معافی تلافی کا سلسلہ چلے گا۔'' میں نے زہریلے انداز میں فرید چچا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیوں چھوٹے چچا۔ ہم پورا کیس تایا ابو کی عدالت میں پیش کرتے ہیں بیان کمالو کی موت سے تعویز کی چوری تک شروع ہوگا کیوں چھوٹے چچا۔''

فرید خان کا چہرہ اتر گیا۔ انہوں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھا پھر آگے بڑھ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئے سب حیرت سے ہم دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ فرید خان نے بیٹھتے ہی ناشتہ شروع کردیا تھا۔

''کیا مطلب کمال کی موت اور تعویز کی چوری۔ یہ کیا قصہ ہے؟''

''یہ ایک وظیفے کے لفظ ہیں تایا ابو، ان کے دوہرانے سے ناراض لوگ من جاتے ہیں چلئے ناشتہ کیجیے۔'' میں نے اپنی پلیٹ سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ ناشتہ ختم ہونے سے پہلے ہی فرید چچا اٹھ کر باہر نکل گئے۔ تایا ابو اور دوسرے لوگ مجھ سے اس بارے میں پوچھنے لگے۔ لیکن میں نے ہنس کر کہا۔ ''میں نے بتا تو دیا۔ یہ ناراض لوگوں کو منانے کا ایک ٹوٹکا ہے۔''

میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ پھر دن بھر میں نے آج رات کی خوف ناک مہم کی تیاریاں کیں تھیں اور بے چینی سے رات کا انتظار کرتا رہا۔

(جاری ہے)

دشمن روحیں

قسط نمبر: 3

ایم اے راحت

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زور قلم سے لکھی شاہکار کہانی

بعض اوقات بڑے انوکھے واقعات ہوتے ہیں۔ میں نے آج رات پرانی حویلی میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کی تیاری کرتا رہا تھا۔ تیاری کیا تھی بس خود کو ہمت دلا رہا تھا کیونکہ پرانی حویلی میں گھر کے باہمت بڑے بھی کبھی داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔

رات کے نو بجے تھے کہ تایا ابو کے ایک بہت گہرے دوست برقی صاحب پشاور سے آگئے۔ ان کے اہل خاندان ساتھ تھے۔ برقی صاحب لاہور جارہے تھے کہ راستے میں ان کی کار خراب ہوگئی۔ کار کو ٹھیک کراتے دن گزر گیا پھر کار ٹھیک ہوئی تو ہر طرف اندھیرا چھا گیا چنانچہ انہوں نے رات یہاں گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔

''بن بلائے مہمان بیشک ناگوار گزرتے ہیں لیکن یہ تمہاری بھابھی تمہارے بارے میں کچھ زیادہ ہی اچھے خیالات رکھتی ہیں۔ کہنے لگیں رحمت بھائی کے بارے میں ایسی بات خواب میں بھی نہیں سوچی جاسکتی کہ وہ ہمارے آنے سے پریشان ہوجائیں گے۔''

''بھابھی ایک اعلیٰ نسب کی خاتون ہیں۔ بندوں کو سمجھتی ہیں۔'' تایا ابو نے ہنستے ہوئے کہا۔

ان کے درمیان چونچیں چلتی رہیں لیکن میں پریشان تھا۔ برقی صاحب کے آجانے سے رت جگا ہوسکتا تھا اور حویلی میں چہل پہل ہوتی۔ اس سے میرے کام میں دشواری ہوتی۔

برقی صاحب پشاور میں رہتے تھے لیکن ان کے باقی اہل خاندان لاہور میں تھے۔ ان کی اولادیں لاہور میں پڑھتی تھیں اور وہاں ان کی شاندار کوٹھی تھی۔

انہوں نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔'' اشرف میاں کو آگے تعلیم دلانے کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے، رحمت خان؟''

''انشاء اللہ یہ آگے پڑھیں گے۔'' تایا ابو نے کہا۔

''یہاں گجر گھاٹ میں۔'' برقی صاحب نے طنزیہ بولے۔

''یار میرے گھر کو اتنی حقارت سے تو نہ دیکھو۔'' تایا ابو بولے۔

''حقارت کی بات نہیں۔ معاف کرنا تم لوگ ارب پتی ہو۔ صدیوں سے یہاں رہتے ہو، تم اگر چاہتے تو یہاں تعلیم کے انتظامات بھی کرسکتے تھے اسکول، کالج بلکہ یونیورسٹی بھی قائم کرسکتے تھے، تمہارا فرض تھا لیکن افسوس تم لوگوں نے کچھ نہیں کیا۔''

''شکر ہے تم نے لوگوں کہہ دیا۔ بس ہر شخص کچھ نہ کچھ کہہ دیتا ہے ایک انسان اگر کچھ سوچ بھی لیتا تنہا کچھ نہیں کرسکتا۔'' تایا ابو نے کہا۔

''برا مت مانو۔ میں تم سے یہ بات کہہ

دیتا ہوں۔" ایسے ہی میرے دل میں خیال آیا تھا۔"

"تمہیں یہاں کے حالات بھی معلوم ہیں۔"

"ہاں جی۔ تم لوگوں کی سلامتی کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ ویسے اشرف خان کی تعلیم لاہور میں مکمل ہوگی وہاں گھر موجود ہے، بچے موجود ہیں سب مل جل کر رہیں گے۔ یہ وہاں آرام سے پڑھیں گے۔ کیوں بھابھی جی۔" اس بار برقی صاحب نے امی سے کہا تھا۔

"جی۔ ہاں...... میں یہی چاہتی ہوں کہ اشرف لاہور میں تعلیم حاصل کرے۔ بس، جو بھائی صاحب طے کریں گے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" امی نے کہا۔

"بھابھی۔ آپ میری بھابھی ہی نہیں سگی بہنوں جیسی ہیں۔ اگر آپ بھی لاہور آجائیں تو میری بڑی مشکل حل ہوجائے۔ وہاں آپ کے دوسرے بچے بھی پڑھتے ہیں انہیں ایک ذمہ دار بزرگ خاتون مل جائیں گی اور میں مطمئن ہوجاؤں گا۔"

"اس سے پہلے کہ زیب النساء کچھ جواب دیں، میرا بولنا ضروری ہے۔" زیب النساء کے بڑے گھر میں موجود ہیں لیکن جو مقام ان کا ہے وہ کوئی نہیں لے سکتا۔ مرحوم عظمت خان کے بعد انہوں نے جس طرح حویلی کے ریت رواج سنبھالے ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں سنبھال سکتا۔ ہاں اشرف کی بات اور ہے۔ ہم نے کئی بار انہیں لاہور روانہ کرنے کے بارے میں سوچا ہے۔ ذہن میں ہاسٹل ہی آیا تھا لیکن واقعی تمہارا گھر ہے وہاں بچوں کے ساتھ رہیں گے تو ان کا بھی دل لگا رہے گا۔"

بات خاصی طویل ہوگئی تھی اس لئے میں وہاں سے اٹھ گیا۔ مجھے اپنا کام کرنا تھا کسی نے میرے اٹھنے پر اعتراض نہیں کیا تھا اور میں وقت گزرنے کا انتظار کرتا رہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ آج حویلی میں کافی رات تک رونق رہے گی لیکن میں جو ارادہ کرچکا تھا اس میں ترمیم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

موسم بھی آج کمال کا تھا ہلکی ہلکی رم جھم ہونے لگی تھی بادل تو سرشام ہی سے چھائے ہوئے تھے بوندا باندی تھوڑی دیر پہلے ہی شروع ہوئی تھی۔

اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے۔ میں کیل کانٹے سے لیس ہوکر باہر نکل آیا۔ حیرت ناک طور پر برقی صاحب بھی آرام گاہ میں سونے چلے گئے تھے اور حویلی میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ پرانی حویلی اپنے اندر بھیانک داستانیں سمیٹے خاموش کھڑی تھی، ہاں دور شمشان گھاٹ میں ایک چتا سے دھواں اٹھ رہا تھا غالباً کوئی تازہ مردہ جلایا گیا تھا اور اسے بھسم کرنے والے واپس جاچکے تھے۔

میں نے ایک نگاہ پرانی حویلی پر ڈالی اور مردانہ وار اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس حویلی سے بڑی ہولناک داستانیں جڑی ہوئی تھیں، میرے دل میں اشتیاق تھا اور میں ان داستانوں سے واقف ہونا چاہتا تھا۔

ابھی میں حویلی سے کوئی بیس گز کے فاصلے پر تھا کہ اچانک املی کے ایک درخت سے ایک پرندہ اڑا اور اس کے پروں کی تیز آواز پر میری نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ پرندہ مجھ سے کوئی پانچ گز کے فاصلے پر زمین پر اتر گیا۔ تب میں نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا پرندے کا حجم بڑھا اور پھر وہ ایک خوب صورت لڑکی کا روپ دھار گیا۔ سلک کے خوبصورت لبادے میں ملبوس حسین لڑکی مینکا تھی۔

"ارے۔ مینکا تم۔؟" میرے منہ سے حیران کن آواز نکلی۔

"ہاں چھوٹے راج کمار۔ میں ہی ہوں۔"

"تم یہاں کیسے آگئیں؟"

"میں جاتی ہی کہاں ہوں چھوٹے راج کمار۔"

"کیا مطلب......؟"

"آپ کے بنا من لگتا ہی نہیں ہے۔ تھوڑے سے دور رہوں تو جی لوٹنے لگتا ہے۔ بس دیکھ لیتی ہوں تو شانت ہوجاتی ہوں۔"

میں خاموش ہوگیا۔ اس کی باتوں کا کیا جواب دیتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ابھی میں حسن و عشق کے رموز سے واقف بھی نہیں ہوا تھا۔

"میری چنتا مت کرنا چھوٹے مہاراج۔ میں اپنے من کی بات کھلے من سے کہہ دیتی ہوں۔ اس کا مطلب یہ

نہیں ہوتا کہ میں آپ سے آپ کا پریم مانگوں۔ ہمارے دھرم الگ ہیں، میں اگر چاہوں بھی تو آپ کا دھرم نہیں اپنا سکتی کیونکہ میں نے سات پربھوگتائیں پرگھٹ کی ہیں۔"

"سات پربھوگتائیں۔" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ بھوانی دیوی کا گیان استھان۔ میرے پتا جمناداس بھی بھوانی کے داس ہیں۔ بھوانی دیوی اچھے کاموں کی دیوی ہے اور صرف وہ ہے جو کالے جادو کی تمام مدھراؤں کا توڑ ہے۔ یعنی وہ جو کالی دیوی کلکتے والی سے بھینٹ لے سکتی ہے اور اس کے کرموں کا توڑ کرسکتی ہے لیکن اس کے پیروکاروں کو سات پربھوگتائیں بھوگنی ہوتی ہیں تب وہ بھوانی کا داس بن سکتا ہے اور اس کا گیان لے سکتا ہے۔"

"ان پربھوگتاؤں میں کیا کرنا ہوتا ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ایک بات کہوں چھوٹے مہاراج۔"

"ہاں...... بولو۔"

"آپ کو یاد ہے پتاجی نے آپ سے کیا کہا تھا۔"

"کس بارے میں مجھے یاد نہیں۔"

"جب آپ نے ان سے کہا تھا کہ آپ جادو ودیا لینا چاہتے ہیں۔"

"اوہ ہاں...... انہوں نے منع کیا تھا۔"

"صرف منع نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے کہا تھا کہ سنسار کا سب سے بڑا گیان آپ کی بڑی کتاب میں موجود ہے۔ اس سے بڑا گیان کسی پرگھنا میں نہیں ہے۔ کیونکہ وہ پرماتما کی کتاب ہے۔"

"اب مجھے بھی ایک بات بتاؤ منیکا۔"

"جی مہاراج۔"

"اگر تم ہماری بڑی کتاب کو اتنا مانتے ہو تو ہمارے دھرم میں کیوں نہیں آجاتے۔ مسلمان کیوں نہیں ہوجاتے۔"

"اس کا کارن ہے مہاراج۔"

"بتاؤ۔ کیا؟"

"آپ کے ہاں سنتان پیدا ہوتی ہے تو اس کے کان میں پوتر شبد کہے جاتے ہیں اور آپ کا دھرم پکا ہوجاتا ہے اس طرح ہمارے ہاں دوسرے کام کئے جاتے ہیں پنڈت اشلوک پڑھتے ہیں اور...... اور...... اور بھی کچھ ہوتا ہے اور ہمیں ہمارے دھرم کا پتہ چل جاتا ہے۔ ہمارے اور آپ کے دھرموں میں فرق رکھا جاتا ہے پنڈتوں کا یہی کام ہوتا ہے میں میرے پتاجی اور بہت سے ایسے جو دھرموں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں گیان حاصل کرکے جانکاری حاصل کرتے ہیں دوسرے دھرموں کا پریوگ کرتے ہیں اور ہر دھرم کی برائیوں سے واقف ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنا دھرم چھوڑ دیں ہمارا دھرم ہمارے لئے بہت کچھ ہے۔"

"ٹھیک...... اچھی بات ہے۔"

"پتاجی نے آپ کو جادو سکھانے سے اس لئے منع کیا تھا کہ وہ آپ کے دھرم سے الگ ہے۔"

"اس کے لئے ہندو بننا پڑتا ہے۔"

"نہیں۔ اس کے لئے بے دھرم ہونا پڑتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان کالا جادو سیکھتا ہے تو اس کا دھرم نہ مسلمان کا رہتا ہے نہ ہندو کا وہ بے دھرم ہوجاتا ہے اسے کالے دھرم والا کہا جاتا ہے جس سے ہندو بھی نفرت کرتے ہیں۔"

"اوہ۔"

"اور کچھ پوچھیں گے چھوٹے راج کمار۔"

"نہیں! تم بہت اچھی ہو منیکا تمہارے پتاجی بھی بہت اچھے ہیں۔"

منیکا نے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ پھر بولی۔ "بھگوان آپ کو سنسار کی بری نظروں سے ہمیشہ بچائے۔"

"میں تم پر بہت رشک کرتا ہوں منیکا، کاش مجھے بھی تم جیسا علم آجائے تم سب کچھ بن سکتی ہو، خوب صورت پرندہ بن کر فضاؤں میں اڑ سکتی ہو، خون خوار درندہ بن کر اپنے دشمنوں کو چیر پھاڑ سکتی ہو۔"

"پتاجی مجھے سنسار کی ساری باتیں بتاتے رہتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ تمہارے دھرم میں بھی ہے اسے

رشی منی ہوتے ہیں کہ سنسار ان کے سامنے کچھ نہیں ہوتا۔ مگر وہ سب کچھ بھگوان، نہیں میرا مطلب ہے خدا سے مانگتے ہیں دیوی دیوتاؤں سے نہیں اور پھر جو کرتے ہیں خدا کی خوشی کے لئے کرتے ہیں بڑے سے بڑا وردان بھی ان کے سامنے چیونٹی سے بھی زیادہ حقیر ہوتا ہے وہ کبھی کسی کے برے کے لئے کام نہیں کرتے، ہاں برائی کے خاتمے کے لئے ضرور، کام کرتے ہیں۔"

"کاش مجھے بھی کوئی ایسا صاحب علم مل جائے؟ ایک بزرگ ملے تھے لیکن میں ان کے دیئے ہوئے تعویز کی حفاظت نہیں کرسکا۔" میں نے محبوب الٰہی کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

"پتاجی کہتے ہیں۔ تمہارے ہاں گیان کی بہت سی منزلیں ہوتی ہیں۔ پیر، فقیر، درویش، مجذوب، قطب ابدال یہ بڑے شکتی مان ہوتے ہیں اور کوئی ان کے سامنے نہیں ٹکتا۔"

"مجھے کہیں سے ان کا پتہ مل سکتا ہے۔"

"پتاجی سے پوچھ کر بتاؤں گی۔" اس نے کہا۔

دفعتاً میں چونک پڑا۔ میں منیکا کی میت میں اپنا اصل کام بھول گیا تھا۔ میرا یہ مشن بالکل خفیہ تھا میں کسی کو اس بارے میں نہیں بتانا چاہتا تھا لیکن منیکا۔ اب منیکا ہی میری سب سے اچھی دوست اور ہمدرد تھی۔ میں اس کی اس بات سے بہت متاثر ہوا تھا کہ وہ میری حفاظت کے لئے میرے آس پاس ہی رہتی ہے۔ اسے اپنے راز میں شریک کرلینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے کہا۔

"منیکا۔ میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔"

"جی چھوٹے راجکمار۔"

"تم مجھے راجکمار کیوں کہتی ہو۔"

"مجھے یہ اچھا لگتا ہے۔" وہ پیار سے بولی۔

"خیر، منیکا میں اس وقت ایک ضروری کام سے نکلا تھا۔"

"جی چھوٹے راجکمار۔"

"میں پرانی حویلی کی سیر کرنے جارہا ہوں۔"

"ارے...... کیوں......؟" وہ حیرت سے بولی۔

"اس حویلی سے میرے دادا جان کی زندگی کی داستانیں وابستہ ہیں۔ وہاں کوئی نہیں جاتا۔ سب کہتے ہیں کہ وہاں صرف بدروحوں کا راج ہے۔ میں ان بدروحوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اصل میں منیکا میرے خاندان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے میں اسے معاف نہیں کرسکتا۔ میں دیکھوں گا یہ کیسے میری جان لیتی ہیں۔ میں ان دشمن روحوں سے اپنے خاندان کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔"

"چھوٹے راجکمار۔" منیکا پریشانی سے بولی۔

"میں نے کسی کو نہیں بتایا کہ میں آج پرانی حویلی کا جائزہ لینے جارہا ہوں۔ لیکن میں نے دل سے تمہیں اپنی دوست مان لیا ہے۔ اس لئے میں تم سے کچھ نہیں چھپا رہا۔"

"یہ بہت مشکل کام ہے راجکمار جی۔"

"میں اسے کرکے رہوں گا۔" میں نے جوش سے کہا۔

"بھگوان آپ کی سائتا کرے، لیکن جب آپ مجھے اپنی داسی مانتے ہیں تو میری کچھ باتیں بھی مان لیجیے۔"

"بولو......"

"آپ کی رشی منی سے، میرا مطلب ہے اپنے دھرم کے کسی عالم سے گیان سیکھیے۔ یہ ضروری ہے پھر آتمائیں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی اس کے بنا آپ ان کے مقابلے پر نہ آئیں۔"

"میں بھی تو یہی چاہتا ہوں۔ کاش مجھے ایسا کوئی عالم مل جائے۔" میں نے اداسی سے کہا۔ پھر چونک کر بولا۔ "لیکن منیکا میں اس وقت حویلی ضرور دیکھوں گا۔"

منیکا سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے میں آپ کے ساتھ حویلی میں چلوں گی۔"

"تم......؟" میں نے ہچکچا کر کہا۔

"بھگوان کے لئے مجھے اس کے لئے منع نہ کرنا۔ آپ اندر جاؤ گے اور میں یہاں پاگلوں کی طرح تڑپتی رہوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں تیار ہوگیا۔
"اور میں آپ کو ایسے اندر نہیں جانے دوں گی۔"
"کیا مطلب؟"
"آپ کا شریر یہاں رہے گا اور آتما اندر جائے گی۔"
"آتما، یعنی روح۔"
"ہاں۔"
"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔"
"ہوسکتا ہے، میں کرسکتی ہوں میں آپ کی آتما کو تھوڑی دیر کے لئے شریر سے دور کردوں گی اور آپ کو حویلی میں لے چلوں گی پھر وہاں اگر کوئی بری روح ہوئی تو آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔"
"ارے واہ۔ میرا بدن کہاں رہے گا۔"
"یہیں کسی پیڑ پر چھپادوں گی۔"
"یہ میری زندگی کا سب سے انوکھا تجربہ ہوگا، بے حد دلچسپ، بہت عجیب۔ ٹھیک ہے میں تیار ہوں" میں نے کہا اور مینکا مسکرادی۔ پھر اس نے چاروں طرف دیکھا اور بولی۔
"ادھر آجاؤ چھوٹے اجکمار۔" اس نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ یہ پیپل کا ایک بہت قدیم درخت تھا ایک بار والد صاحب نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ "اشرف اس درخت کو دیکھو یہ صدیوں پرانا ہے ہمارے ملکھان خاندان کی طرح۔"
"صدیوں پرانا؟"
"ہاں۔ دادا صاحب بتاتے تھے کہ یہ ان کے دادا سے پہلے کا درخت ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ انہیں اس سے پہلے کی تاریخ معلوم نہیں ہے یہ درخت اس سے بھی پرانا ہے۔"
تو یہ درخت اتنا ہی پرانا تھا بے حد گھنا اور بہت بڑے رقبے میں پھیلا ہوا۔" مینکا مجھے اس درخت کے پیچھے لے گئی اور پھر اس نے مجھے درخت کے تنے سے لگا کر کھڑا کردیا۔
"دونوں ہاتھ اوپر اٹھادو چھوٹے راجکمار۔" اس نے کہا اور میں نے دونوں ہاتھ اوپر کرکے درخت کے تنے سے لگادیئے۔ مینکا مجھے دیکھنے لگی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں کے رنگ بدلتے دیکھے آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں کی پتلیاں غائب ہوتی جارہی تھیں یہاں تک کہ اس کی پتلیاں بالکل گم ہوگئیں پھر اس کی آنکھوں کے ڈھیلے ہلکا نیلا رنگ اختیار کرگئے اور مجھے اپنا بدن ہلکا محسوس ہونے لگا پھر ایک انوکھی بات ہوئی۔ میں آہستہ سے اپنی جگہ سے ہٹا اور درخت سے ایک گز پیچھے ہٹ گیا۔
"لیکن۔"
میں بدستور درخت سے لگا کھڑا تھا۔ یہ کیا، میں دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا میرا بدن درخت سے لگا کھڑا تھا اور میں۔ اس سے ایک گز پیچھے کھڑا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔
"یہ...... یہ کیا مینکا" بمشکل میرے منہ سے نکلا۔
"آپ کا شریر آتما سے دور ہوگیا ہے۔ اب وہ مٹی کے سوا کچھ نہیں ہے۔"
"لیکن۔ میں تو یہاں ہوں۔"
"ہاں یہ آپ کی آتما ہے۔ آپ اس دوسرے درخت کے پار جاؤ۔"
"دوسرے درخت کے پاس؟" بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔
"ہاں۔ آتما صرف ایک لطیف احساس ہوتا ہے۔ اس کا کوئی بدن نہیں ہوتا۔ جاؤ اس درخت کے پاس جاؤ۔" اس نے دوبارہ کہا اور میں نے اس درخت کی طرف قدم بڑھادیئے۔ پھر میں درخت کے پاس پہنچ گیا اور میں نے کہا۔
"اب کیا کروں۔"
"اس درخت کے تنے سے دوسری طرف نکل جاؤ۔ جاؤ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اسے کرکے دیکھو۔ چلو تجربہ کرو اور میں نے اپنی زندگی کا انوکھا تجربہ کیا۔ میں ہوا کے کسی جھونکے کی طرح اس درخت سے گزر گیا تھا۔ اوہ کیسا عجیب لمحہ تھا یہ...... میں کچھ بھی نہیں تھا۔ میرے سارے وجود میں گدگدیاں ہورہی تھیں۔ میں نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

"کیا اس طرح میں ٹھوس دیواروں سے بھی گزر سکتا ہوں مئیکا۔"

"ہر چیز سے مہاراج۔" وہ بولی۔

"کتنا اچھا ہے یہ سب مئیکا اگر میں اسی طرح رہنا چاہوں تو کتنا عجیب ہے یہ سب میں کہیں بھی، کسی بھی جگہ جا سکتا ہوں ہواؤں میں اڑ سکتا ہوں۔"

"بھگوان نہ کرے چھوٹے راجکمار۔" مئیکا تڑپ کر بولی۔

"کیوں۔ ایسے کیوں کہہ رہی ہو۔"

"وہ جیون نہیں ہوگا۔"

"پھر کیا ہوگا؟"

"ایک بھٹکتی آتما۔ جس کا کوئی شریر نہیں ہوگا۔"

اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

"پڑتا ہے مہاراج۔"

"بتاؤ کیا......؟" میں نے بچوں کی طرح ضد کر کے کہا کا۔

"شریر اور آتما کا ملاپ ہی جیون کہلاتا ہے چھوٹے راجکمار۔ بھگوان نہ کرے آپ کا شریر آپ کے پاس نہیں ہوگا تو آپ جیتے کہاں کہلائیں گے آپ کا شریر تو چار دن کے بعد ہی مائی بن کر ختم ہو جائے گا۔ آتما کہاں بھٹکتی رہے گی کون جانے۔"

میں حیران رہ گیا۔ واقعی ایک ہوا کی شکل اختیار کر کے زندگی کیا رہ جائے گی، نہ کسی کو چھو سکو، نہ کسی سے بات کر سکو میں ہنس کر رہ گیا تب وہ بولی۔

"میں آپ کے شریر کو اس درخت پر چھپا دوں۔"

اور پھر وہ پیپل کے درخت کے پاس پہنچ گئی اس نے میرے تنے سے لگے ہوئے بدن کو درخت پر چڑھا کر اوپر کھینچ لیا اور پھر پتوں میں چھپا کر نیچے اتر آئی۔

"آؤ چلیں۔" اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ حویلی کی طرف چل پڑا۔ مجھے لگ ہی نہیں رہا تھا کہ میں زمین پر چل رہا ہوں۔ میرے پاؤں زمین سے اٹھے ہوئے تھے اور میں جیسے ہوا میں تیر رہا تھا۔ یہ بھی میری زندگی کا انوکھا تجربہ تھا۔ اس طرح ہم پرانی حویلی میں داخل ہو گئے۔

حویلی صحیح معنوں میں آسیب زدہ لگ رہی تھی۔

پورا ماحول بے حد بھیانک لگ رہا تھا محسوس ہو رہا تھا کہ بہت سی آنکھیں ہماری طرف نگراں ہیں۔ بہت سی دبی دبی سرگوشیاں کی جا رہی تھیں۔ ان میں سے کچھ آوازیں نمایاں ہو جاتی تھیں۔

"مامون خان۔"

"درندہ۔"

"ظالم۔"

"ماردو۔"

"ختم کردو۔"

"نہیں۔ یہ وہ نہیں ہے۔ وہ نہیں ہے۔ وہ نہیں ہے۔"

میرے کان سرگوشیاں سن رہے تھے۔ لیکن میرے دل میں خوف کا کوئی گزر نہیں تھا۔ میرے کان سن رہے تھے لیکن مجھے اس کا کوئی خاص احساس نہیں تھا۔

دفعتاً مجھے کوئی خیال آیا۔ اور میں نے کہا۔

"مئیکا۔"

"جی میرے چھوٹے راجکمار۔"

"کیا ہم گنگا سری کے محبوب رام سروپ کی لاش تلاش کر سکتے ہیں گنگا سری رات کی تاریکیوں میں اپنے محبوب کی لاش حویلی میں تلاش کرتی پھرتی ہے۔"

"دیوانی ہے وہ۔" مئیکا نے کہا۔

"وہ کیوں۔"

"اگر اس کا شریر حویلی میں ہوتا تو اسے ضرور مل جاتا۔ بڑے مہارج نے ضرور اسے دریا میں بہا دیا۔ یہاں سے کچھ دور سے راوی گزرتا ہے۔ لاش اس میں بہا دی گئی ہوگی۔ آتمائیں سب کچھ تلاش کر لیتی ہیں لیکن بہتے پانی میں ہر طرح کا جادو ختم ہو جاتا ہے۔ نہ وہاں آتماؤں کا گزر ہو سکتا ہے نہ کوئی جادو بھگوان کی

مرضی کے خلاف کام کرتا ہے۔ رام سروپ کی لاش دھرتی کے کسی کونے میں دبی ہوتی تو گنگا سری اسے حاصل کرلیتی بہتا پانی اسے کہیں سے کہیں لے گیا ہوگا۔ آپ کو پتہ ہے چھوٹے راجکمار۔ سارے بڑے دریا سمندر میں گرتے ہیں۔ اور سمندر اتنا بڑا ہے کہ ساری دھرتی اس کا ایک کونہ بھی نہیں ہے۔"

"اوہ...... واقعی۔" میں نے کہا۔ پھر میں نے کہا۔" اور گنگا سری کی پازیب کا تم نے کیا کیا۔ جو میں نے تمہیں دے دی تھی۔"

"وہ میرے پاس ہے۔"

"تم اس کا کیا کروگی؟"

"کیوں پوچھ رہے ہو چھوٹے راجکمار۔" مینکا عجیب سے لہجے میں بولی۔

"کوئی خاص وجہ نہیں۔"

"چھوٹے راجکمار۔ وہ اس کی دکھتی رگ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"محبوب کا تحفہ۔"

"اوہ۔ کیا وہ اسے رام سروپ نے دی تھی۔"

"ہاں اسی نے دی تھی۔ اور اس نے کہا تھا کہ وہ اس سنسار سے جانے کے بعد بھی اسے ساتھ رکھے گی۔ وہ اسے اپنی چتا میں اپنے ساتھ مجسم کرالے گی تاکہ جب وہ دوسرا جنم لے تو رام سروپ اسے پہچان سکے۔ اور انہیں دوسرے جنم کا ساتھ بھی مل جائے۔"

"اتنا چاہتی تھی وہ رام سروپ کو۔"

"اس سے بھی زیادہ۔"

"اور مامون خان نے نہ صرف انہیں جدا کردیا بلکہ اس کے پریمی کو بھی قتل کرادیا اور اسے بھی۔"

"یہ تو واقعی افسوس کی بات ہے۔" میں نے تاسف سے کہا۔

"ہاں۔ انیائے تو ہوا ہے اس کے ساتھ۔ پر اس میں آپ کا تو دوش نہیں ہے۔ پریوار میں ایک دوسرے کے ہم شکل تو پیدا ہوجاتے ہیں۔ ان سے تو بدلہ نہیں لیا جاتا۔ نہ ہی پورے پریوار سے بیر باندھی جاتی ہے۔ انہوں نے تو تمہارے پریوار کے بہت سے لوگوں کی جان لی ہے۔"

"زیور سے کیا ہوگا۔"

"اس کا پریمی اسے تلاش نہ کرسکے گا۔"

"اوہ۔" میں نے کہا۔

"تمہارا دھرم یہ سب نہیں مانتا۔ لیکن یہ ہمارے دھرم کی بات ہے۔"

کاش میں تمہاری طرح یہ ساحرانہ قوتیں حاصل کرسکتا۔ کاش جمنا داس جی مجھے یہ سب سکھا دیتے انہوں نے تمہیں سکھایا ہے۔"

"وہ ایسا کر بھی سکتے ہیں لیکن اصل وجہ میں تمہیں بتا چکی ہوں اس کے لئے دھرم نشٹ کرنا پڑتا ہے پھر اپنا دھرم چھوڑ کر سب سے پہلے کافر بننا پڑتا ہے۔ وہ وہ برے کام کرنے پڑتے ہیں جو نہیں کرنے چاہئیں ایسے منش کا کسی دھرم سے کوئی سمبند نہیں رہ سکتا۔"

"پھر تم۔ تم نے تو وہ برے کام نہیں کئے۔"

"نہیں۔ کیونکہ میرا تو دھرم ہی الگ ہے۔ دوسرے دھرم والے کو کالے پریوار میں آنے سے پہلے یہ سب کرنا ہوتا ہے۔"

"گویا کوئی مسلمان اگر کالا جادو سیکھنا چاہے تو پہلے اسے اپنے دین کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے۔"

"کوئی معمولی کام نہیں۔ اسے سولہ شیطانوں کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ یہ سولہ شیطان کالے دھرم کے پیروکار ہیں۔ سات کنواری کنیاؤں کی عزت لوٹنی ہوتی ہے ان کی جان کی بلی دینی ہوتی ہے تب کہیں جا کر انہیں کالے پریوار میں شامل کیا جاتا ہے۔"

میں نے لاحول پڑھی تو وہ مسکرانے لگی۔

"بھگوان تمہارے دھرم کو اور تمہیں قائم رکھے۔ اگر اس نے تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو میں اس کا جو کچھ کروں گی، کروں گی ہی، لیکن اس کا اگلا جنم نشٹ کردوں گی۔"

"تم ایسا کیوں کروگی مینکا۔" میں نے پوچھا

اور وہ خاموش ہوگئی۔ ''بتاؤ۔'' میں نے پھر کہا۔
''کیونکہ...... کیونکہ میں تم سے پریم کرتی ہوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔
''لیکن مینکا۔'' میں تو مسلمان ہوں۔ ہم کیسے یکجا ہوسکتے ہیں۔''
''یکجا ہونے کا کام ہی پریم نہیں ہے چھوٹے راجکمار۔ پریم کا کوئی دھرم نہیں ہوتا۔ میں تو یہ بھی نہیں کہوں گی کہ مجھے میرے پریم کا جواب دو، میں تمہیں چاہتی ہوں، بس سچائی ہے۔''
میں خاموش ہوگیا۔ میری عمر اب اس قابل ہوگئی تھی کہ میں حسن وعشق کے واقعات کو سمجھ سکوں، ان کی حقیقتوں اور ضرورتوں کو بھی میں سمجھنے لگا تھا۔ لیکن ذاتی طور پر مجھے اس کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ میں خود کسی سے متاثر نہیں ہوا تھا۔
لیکن مینکا کی باتوں نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔
''ایک بات کہوں۔'' وہ بولی۔
''میں نے تمہیں کھل کر بتادیا چھوٹے سرکار کہ میں آپ کے پریم میں گرفتار ہوگئی ہوں۔ لیکن بھگوان کی سوگند میں نے ایک بات سوچی ہے۔''
''کیا......؟'' میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔
''میں نے منت مانگی ہے کہ بھگوان اگر میرا پریم سچا ہے تو اگلے جنم میں میرے پریمی کو کسی ہندو گھرانے میں پیدا کرنا تاکہ میں اسے پاسکوں اور اگر اسے ہندو گھرانے میں پیدا نہ کریں تو مجھے کسی مسلمان گھرانے میں پیدا کردینا اور اسے مجھ سے ملادینا۔''
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دل میں یہ بات ضرور تھی کہ پاگل لڑکی ہم دوسرے جنم کو نہیں مانتے اس لئے میرے دل میں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے لیکن یہ بات کہہ کر میں اس کا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ اس بات چیت کے دوران ہم حویلی کی سیر بھی کررہے تھے۔
حویلی بے حد خوب صورت بنی ہوئی تھی لیکن پوری کی پوری اجاڑ اور ویران پڑی ہوئی تھی۔ اس کی اوپری منزل کے بعض کمروں میں لاکھوں روپے کا قیمتی فرنیچر، اطلس قیمتیں کم خواب کے پردے پڑے ہوئے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ سب صاف وشفاف تھے جیسے کوئی ان کی صفائی کرتا رہا ہو۔ جبکہ مجھے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ ملازم پرانی حویلی کی طرف رخ کرتے ہوئے بھی کان کو ہاتھ لگاتے ہیں پھر ظاہر ہے یہاں روحوں کا راج ہی تھا۔
یہ باتیں کرتے ہوئے ہم پوری حویلی کا چکر لگاتے رہے کہ صاف اندازہ ہورہا تھا کہ ہم اکیلے نہیں بلکہ بہت سی آہٹیں ہمارے ساتھ چل رہی ہیں انوکھی سرگوشیاں ابھر رہی ہیں لیکن کسی کے الفاظ سمجھ میں نہیں آرہے تھے ایک اور خیال میرے دل میں تھا۔ اگر میں جیتا ہوتا تو شاید مجھے کوئی جانی نقصان بھی پہنچ جاتا لیکن میرے ساتھ طاقتور وجود تھا جو ہر طرح کی ناپاک روحوں کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔
کوئی ایک گھنٹے سے زیادہ دیر تک ہم دونوں حویلی میں گھومتے رہے۔ اس وقت ہم اوپری منزل کی ایک راہداری سے گزر رہے تھے کہ کھلی جگہ سے دور نظر آنے والے شمشان گھاٹ پر نظر پڑی میں نے پہلے بھی وہاں دھواں دیکھا تھا لیکن میں نے یہ سوچا تھا کہ کوئی چتا جل رہی ہوگی لیکن...... دھواں اب بھی اٹھ رہا تھا اور رہ رہ کر مرغولے بلند ہورہے تھے۔ ساتھ ہی کچھ تحریک بھی نظر آرہی تھی۔
''یہ کیا ہے؟'' میرے منہ سے آہستہ سے نکلا۔
''کہاں؟''
''وہ دھواں۔'' میں نے اتنا کہا تو مینکا بھی ادھر دیکھنے لگی پھر آہستہ سے بولی۔
''کوئی خاص ہی بات ہے۔''
''چتا نہیں جل رہی؟'' میں نے پوچھا۔
''نہیں۔ چتا ایسے نہیں جلتی۔''
''آؤ دیکھیں......'' میں دلچسپی سے بولا۔
''چلو۔'' اس نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑلیا۔ پھر وہ

راہداری کے کنارے کی طرف چلی تو میں نے حیرت سے کہا۔
''ادھر؟''
''ہاں آؤ۔''
اوہو۔ یہ تو بہت دلچسپ ہوگا۔ یہاں سے نیچے کودوگی۔''
''ہاں ناں۔'' وہ ہنس کر بولی۔
''چوٹ نہیں لگے گی۔''
''چوٹ شریر کو لگتی ہے چھوٹے راجکمار، آتما کو نہیں۔'' وہ بولی مجھے اس کے یہ جملے عجیب لگے تھے۔ روح کو بدن سے جدا کرنے کا یہ عمل بھی مجھے بے حد انوکھا لگا تھا ایک بار پھر میرے دل میں یہ حسرت پیدا ہوئی کہ کاش اس طرح کا کوئی عمل میں بھی سیکھ سکوں۔
مینکا میرا ہاتھ پکڑ کر راہداری کی منڈیر پر چڑھی اور پھر نیچے کود گئی۔ احساس بھی نہیں ہوا کہ اتنی بلندی سے نیچے آئے ہیں مینکا شمشان گھاٹ کی طرف چل پڑے۔ وہ جگہ نمایاں ہوتی جارہی تھی جہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا یہ دھواں چتا سے نہیں اٹھ رہا تھا بلکہ دو انسانی ہاتھ لوبان قسم کی کوئی چیز کوئلوں کے ڈھیر پر ڈال رہے تھے اور ایک بھنبھناہٹ سی سنائی دے رہی تھی۔
ماحول اور نمایاں ہوتا جارہا تھا۔ میں نے شدید حیرت کے عالم میں دیکھا۔ وہاں گنگا سری بھی موجود تھی اور ساتھ کچھ بدشکل مسٹنڈے۔ اپنے چہروں اور بدن پر بھبھوت ملے ہوئے۔ پالتی مارے آنکھیں بند کئے ہاتھ جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئلوں کے ڈھیر کے ایک سرے پر ایک لمبے اور گندے بالوں والا ننگ دھڑنگ سادھو بیٹھا ہوا تھا اس نے بدن پر صرف ایک لنگوٹی باندھی ہوئی تھی۔ اور...... اور اس کے سامنے جو ہاتھ لوبان قسم کی چیز کوئلوں پر ڈال رہے تھے وہ...... چچا فرید کے ہاتھ تھے...... ہاں ملکھان خاندان کے فرد چچا فرید کے۔
میری آنکھیں شدت حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں سادھو کچھ نامعلوم الفاظ کسی نامانوس زبان میں کہہ رہا تھا اور چچا وہ الفاظ کو دہرا رہے تھے بالکل اس طرح جیسے کوئی سبق پڑھتا ہے۔
میں دم بخود تھا۔ چچا۔ چچا فرید...... اور مکروہ لوگ...... اور گنگا سری...... ہمارے خاندان کی دشمن، میرے ابو کی چچا فرید کے بھائی کی قاتل، میں خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ سادھو...... چچا کو پڑھاتا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھایا اور بولا۔
''بس۔ آج کا کام ختم۔ لے یہ امرت جل پی لے۔'' سادھو نے ایک پیلے رنگ کا پانی جیسا سیال ایک مٹی کے برتن میں انڈیلا اور چچا کی طرف بڑھادیا۔ چچا نے وہ برتن لیا اور اسے ہونٹوں سے لگالیا۔
میں عالم سحر میں یہ سب منظر دیکھ رہا تھا۔ یہ کیا ہورہا ہے یہ فرید چچا ہیں نا۔ میری آنکھوں کو دھوکا تو نہیں ہورہا۔
''آؤ چلیں۔'' مینکا نے کہا۔
''ایں۔ ہاں چلو۔''
ہم وہاں سے واپس چلے پڑے۔ اور پھر کافی دور نکل آئے۔'' مینکا بولی۔ ''اپنے شریر میں چلیں۔''
''ہاں، میں حویلی دیکھنا چاہتا تھا، دیکھ لی، اور...... اور۔''
''اور کیا۔''
''یہ جو کچھ دیکھا میری سمجھ میں نہیں آیا۔''
''میں بتاؤں۔'' وہ بولی۔
''ہاں بتاؤ۔''
''تمہیں دکھ ہوگا۔''
''مجھے بہت سے دکھ ہیں مینکا۔ کوئی اور دکھ بڑھ جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔''
''وہ تمہارے چاچا جی تھے نا؟''
''ہاں۔ وہی تھے۔''
''انہوں نے اپنا دھرم تیاگ دیا ہے۔''
''کیا مطلب؟''
''اب نہ وہ مسلمان رہے ہیں نا کوئی اور دھرم رہا ہے ان کا، وہ شنکھا نیتھی بن گئے ہیں گندے دھرم کے

پیروکار، مہا کالی کے دوسرے روپ والے۔ وہ سادھو بھان شنکھا تھا جو انہیں گندا خون پلا کر بے دھرم کر رہا تھا وہ جادو سیکھ رہے ہیں۔"

میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ملکھان خاندان ویسے ہی مامون خان کی وجہ سے بدنام اور نحوستوں کا شکار تھا مامون خان ایک عیاش زمیندار تھے جنہوں نے بہت سے انسانوں کی جان لی تھی بہت سی کنواریوں کی عزت لوٹ کر انہیں قتل کیا تھا لیکن فرید چچا۔ انہوں نے تو اپنا دین کھو دیا تھا۔

میرا بدن درخت پر پوشیدہ تھا۔ میں نے اسے حاصل کیا اور مینکا کی طرف دیکھنے لگا۔

"جاؤں؟" وہ بولی۔

"تمہارا شکریہ مینکا...... ایک بات کہوں۔"

"ہاں......" اس نے اشتیاق سے کہا۔ وہ میری زبان سے جو سننا چاہتی تھی میری سمجھ میں آ گیا تھا لیکن میں ابھی اس میں ماہر نہیں ہوا تھا تاہم میں نے کہا۔

"گجر گھاٹ میں رہتے ہوئے میں اس حویلی تک ہی محدود رہا ہوں۔ میرے خاندان میں میری عمر کے لڑکے بھی ہیں اور لڑکیاں بھی لیکن میری ان سے واجبی سی ہی دوستی رہی ہے۔ لیکن مینکا میری خواہش ہے کہ میں تم سے زندگی بھر کی دوستی رکھوں۔"

"سچ چھوٹے راجکمار۔" اس کے لہجے میں بے پناہ خوشی جھلک رہی تھی۔

"ہاں مینکا۔"

"یہ شبد مجھے زندہ رکھیں گے۔" اس نے کہا۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولی۔ "چلو، میں تمہیں پہنچادوں۔"

"ارے نہیں تم جاؤ۔ میں چلا جاؤں گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"نہیں چھوٹے راجکمار۔ چلو میں کھڑکی کے نیچے کھڑی ہو جاؤں گی تم کھڑکی سے جھانک کر مجھے الوداع کر دینا۔ تب میں چلی جاؤں گی۔"

میں نے گردن ہلا دی یہ اس کی چھوٹی سی خوشی تھی اپنے کمرے میں داخل ہوا تو امی کروٹ بدلے گہری نیند سو رہی تھیں میں نے اطمینان کی سانس لی کسی کو میری اتنی زبردست مہم کا پتہ نہیں چلا تھا۔ میں کھڑکی کے پاس پہنچا مینکا نیچے کھڑی تھی میں نے اسے ہاتھ ہلا کر الوداع کیا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے میں نے اسے جانے کے لئے اشارہ کیا تو وہ واپس مڑ گئی پھر میں اسے دور تک دیکھتا رہا تھا۔

جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو میں گہری سانس لے کر پلٹا اسی وقت میرے دل میں ایک خیال آیا۔ چچا فرید اس وقت شمشان گھاٹ بیٹھے اپنا ایمان کھو رہے ہیں ان کا کمرہ خالی ہوگا۔ کیوں نہ ان کے کمرے کی تلاشی لوں۔ ممکن ہے محبوب الٰہی صاحب کا تعویز مجھے مل جائے ویسے چچا فرید کو جس حال میں دیکھا تھا اور اس کے بارے میں مینکا نے جو کچھ بتایا اس نے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا مجھے سو بار بھی قربان کر دیا جائے۔ میرے بدن کے ہزار ٹکڑے کر دیئے جائیں مجھے دنیا بھر کی دولت پیش کی جائے اس کے عوض بھی میں اپنے ایمان پر حرف نہ آنے دوں۔

ایک بار پھر میں نے امی کے خراٹوں کا جائزہ لیا۔ وہ گھوڑے بیچ کر سو رہی تھیں چنانچہ میں باہر نکل آیا۔

سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ میں دبے پاؤں چلتا ہوا چچا فرید کے کمرے میں پہنچ گیا۔ میں نے ان کے کمرے کے دروازے کا پٹ آہستہ سے دھکیل کر دیکھا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا میں نے اسے دبایا تو وہ کھل گیا۔ لیکن...... چچا فرید اپنی مسہری پر گہری نیند سو رہے تھے۔

میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ یہ کیا طلسم ہے۔ وہاں شمشان گھاٹ میں چچا جس عالم میں بیٹھے ہوئے تھے اس سے یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ اتنی برق رفتاری سے واپس اپنے کمرے میں آجائیں گے پھر شمشان گھاٹ سے جو راستہ آتا تھا وہ بھی اسی طرف آتا تھا جہاں میں موجود تھا۔

کوئی پراسرار دھوکہ۔ چچا کی طرف سے یا پھر

ان دشمن روحوں کی طرف سے۔ جو ہمیں اپنے طلسم میں گرفتار کیے ہوئے تھیں اگر ایسی بات ہے تو پھر چچا فرید کی طرف سے بدظن ہوتا، ناانصافی تھی۔

میں وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ اتنا بڑا معرکہ سر کر لیا تھا لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔

پھر صبح تک نیند کیسے آئی، بدن ٹوٹ رہا تھا، شاید بخار بھی آ گیا تھا۔ ناشتے کی میز پر تایا صاحب نے میرا چہرہ دیکھ کر کہا۔

"کیا بات ہے چہرہ کیسے سرخ ہو رہا ہے۔"

"بس یونہی۔" میں نے جواب دیا اور بس اتفاق سے ہی میری نظر چچا صاحب کے چہرے کی طرف اٹھ گئی میں نے ان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دیکھی تھی۔ میری نظر ان سے ملی تو انہوں نے رخ بدل لیا تھا......

وقت آگے بڑھتا رہا۔ حالات میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا۔ خدا کے فضل سے کوئی حادثہ بھی نہیں ہوا تھا۔ اس دوران مینکا سے کئی بار ملاقات ہوئی اس دن کے بارے میں بھی میں نے اسے بتایا تھا کہ میں نے فرید چچا کو ان کے بیڈ روم میں دیکھا تھا مینکا خاموش ہو گئی تھی اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا ایک دن میں نے کہا۔

"مینکا" میں اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں کہ اس دن میں نے فرید چچا کو ہی دیکھا تھا یا پھر یہ ان بری روحوں کا کام تھا جنہوں نے میرا ذہن ان کی طرف سے خراب کیا تھا۔

"ابھی ایسا نہ کرو۔ چھوٹے راجکمار۔" مینکا نے کہا۔

"کیوں......؟"

"ٹھیک نہیں ہوگا۔ گندی آتماؤں کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس رات ہم نے شمشان گھاٹ میں وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا۔"

"دیکھ لیا تھا۔ یہ معلوم ہو چکا ہے انہیں۔"

"ہاں......اس لئے تم سے پہلے فرید جی مہاراج اپنے کمرے میں پہنچ کر سوتے بن گئے تھے تاکہ تم کچھ اور سوچنے لگو۔"

مجھے مینکا کی بات پر یقین تھا۔ وہ میری بہت اچھی دوست بن گئی تھی بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ اب اس کے علاوہ میرا کوئی دوست نہیں تھا فرید چچا اب بالکل قابل اعتبار نہیں رہے تھے کھانے کی میز پر ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے بھی مجھے بہت کراہیت ہوتی تھی البتہ اس کے بعد وہ مجھے کبھی شمشان گھاٹ جاتے نظر نہیں آئے تھے۔

پھر ایک دن میں نے ایک اور منظر دیکھا۔ تایا ابو کے کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ اندر سے تایا ابو اور فرید چچا کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔

"جی بڑے بھائی۔" دو کروڑ دس لاکھ ہیں۔" یہ فرید چچا کی آواز تھی۔

"لیکن یہ تم نے کیا کیے......؟" تایا ابو نے کہا۔

"بس بڑے بھائی جی۔ کبھی کبھی تقدیر ایسے ہی کھیل کھیلتی ہے۔" فرید چچا کی افسردہ آواز سنائی دی۔

"بتاؤ۔ کیا ہوا؟"

"میں نہیں جانتا بھائی جی کہ لوگوں کے دل میری طرف سے برے کیوں ہوئے۔"

"اس کی وجہ تو ہے فرید۔" بڑے بھائی نے صاف گوئی سے کہا۔

"یعنی میرے شوق۔"

"ہاں۔ وہ اچھے تو نہیں تھے۔"

"بھائی جی، میری باتیں آپ کو بری تو ضرور لگیں گی۔ ابا جی نے جو کچھ کیا تھا ہماری زندگی میں ہی کیا تھا کیا ان کے عمل ہمیں معلوم نہیں تھے۔"

"مطلب......؟"

"انہیں کسی نے روکا۔"

"وہ ہمارے باپ تھے۔"

"باپ بھی تھے اور زمیندار بھی تھے۔ ایک سخت گیر زمیندار، کسی کی مجال تھی کہ انہیں روکتا۔ بڑے بھائی

ہم سب جانتے تھے کہ ہم میں سے کسی نے ان کا راستہ روکا تو ہم اس دنیا میں نہیں رہیں گے۔"

"اب وہ اس دنیا میں نہیں رہیں۔ اس لئے گڑے مردے نہ اکھاڑو۔" تایا ابو نے کہا۔

"میں گڑے مردے نہیں اکھاڑ رہا، بتا رہا ہوں کہ میری رگوں میں بھی انہیں کا خون تھا۔ رنگین مزاجی مجھے خون کے ورثے میں ملی تھی۔"

"ہم بھی تو انہیں کی اولاد ہیں۔"

"مانتا ہوں۔ لیکن جب مجھے احساس ہوا کہ یہ سب برا ہے تو میں نے سب چھوڑ دیا۔ آپ اس بات سے انکار کریں گے۔"

"ہرگز نہیں۔ مرحوم اماں بھی کہا کرتی تھیں کہ میرا فرید واپس آ گیا ہے۔ وہ اس بات سے بہت خوش تھیں۔" تایا ابو نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"پھر بھی بھائی جی۔ گھر میں مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔"

"مجھے معاف کرنا اس میں کچھ وقت لگے گا۔ اور پھر تم نے یہ جو کچھ کیا ہے وہ تو بہت برا کام ہے اس سے تمہاری صاف نیت اور اچھے کردار کا پتہ چلتا ہے۔"

"عظمت بھائی میرا خون تھے۔ اور اشرف، وہ بھی میرا اپنا ہے میں تو یہ سب آپ لوگوں کے حوالے کرنے کو تیار ہوں، تا کہ آپ کو میرے خلوص کا یقین آ جائے میرا خیال ہے بھابھی صاحبہ اور اشرف کو اس بارے میں اطلاع دے دی جائے۔"

"وہیں اپنے کمرے میں ہے، چلیں۔"

"جی چلئے۔" دونوں اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

مجھے حال کا ٹھیک سے اندازہ تو نہیں تھا لیکن جو کچھ میں سن چکا تھا اس سے ضرور پتہ چل گیا تھا کہ فرید چچا نے کوئی نئی چال چلی ہے جہاں تک ان کے خلوص کا تعلق تھا اس کے بارے میں تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اب وہ کیا ہیں۔

چنانچہ میں نے اپنے کمرے کی طرف چھلانگ لگا دی اور چھلاوے کی طرح غڑاپ سے اپنے کمرے میں داخل ہو گیا شکر ہے امی اس وقت واش روم میں تھیں ورنہ میرے اس طرح دوڑ کر آنے کی وجہ ضرور پوچھتیں۔ میں اپنی رائٹنگ ٹیبل پر پہنچا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ میں نے ایک کتاب کھول کر سامنے رکھ لی۔ اسی وقت دروازہ نوک ہوا تھا۔ پھر تایا ابو کی آواز سنائی دی۔

"دلہن ہم آ سکتے ہیں۔"

میں نے کتاب درمیان سے کھول کر الٹ کر رکھ دی اور دروازے کے قریب پہنچ کر اسے کھولا۔ "امی واش روم میں ہیں تایا ابو۔ آ جایئے۔"

تایا ابو فرید چچا کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے میز پر نگاہ ڈالی اور مسکرا کر بولے۔ "ہوں، تو اسٹڈی ہو رہی ہے۔"

"جی...... تایا ابو۔" میں نے کہا۔

دونوں کرسیاں گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔ اسی وقت امی سر پر دوپٹہ درست کرتی ہوئی واش روم سے باہر آ گئیں انہوں نے سلام کیا تو صرف تایا ابو نے جواب دیا تھا فرید چچا بالکل خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ "ایک ضروری کام سے تمہارے پاس آئے ہیں ہم لوگ۔" تایا ابو نے کہا۔

"مجھے طلب کر لیا ہوتا بھائی جی۔" امی نے کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔ خیر، ایک خوشخبری بھی ہے اور ایک درخواست بھی۔"

"آپ حکم دیجیے بھائی جی۔"

"دلہن، ہم جن حالات کا شکار ہیں تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔ ارواح خبیثہ ہمیں ہر طرح آزار پہنچا رہی ہیں۔ بار بار ابا میاں کا نام لے کر ان کی روح کو شرمندہ کرنا بہت افسوس امر ہے۔ اس لئے اب ان کا نام لئے بغیر یہ کہنا بہت ضروری ہے کہ یہ روحیں ہمیں نقصان پہنچانے کے درپے ہیں اور ہر رخ سے حملے کر رہی ہیں۔"

"بیشک بھائی جی۔"

"ہمارے پیارے ہم سے دور کر دیئے گئے۔ ہمیں ہر طرح کا نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔"

”جی......“امی نے دکھ بھری سانس لی۔
”ہمارے درمیان پھوٹ بھی ڈلوائی جارہی ہے خاص طور سے فرید کے خلاف کافی بڑی مہم چلائی جارہی ہے۔ میں چاہتا ہوں دلہن، پہلے ہم لوگ اپنے دل صاف کرلیں۔“
”فرید کو میں نے اپنا دیور نہیں بیٹا سمجھا ہے بھائی جی اور اب بھی سمجھتی ہوں، مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو براہ کرم اس کی نشاندہی کردیں۔ آئندہ نہیں ہوگی۔“
”میں جانتا ہوں آپ اعلیٰ نصب خاتون ہیں۔ میں فرید کی سفارش کرتا ہوں کہ اس کی طرف سے دل صاف کرلیں۔“
”وہ میرا بیٹا ہے۔“امی نے کہا۔
”شکریہ...... ہاں اس نے ایک ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔“
”جی......!“
”چوہدری بشیر اینڈ سنز طویل عرصہ سے عظمت خان کی بہت بڑی رقم دبائے بیٹھا تھا۔ یہ رقم دو کروڑ سے زیادہ تھی فرید نے کوشش کرکے یہ رقم وصول کرلی یوں سمجھ لو دلہن یہ رقم ڈوبی ہوئی تصور کرلی گئی تھی اسے ان لوگوں سے نکلوالینا ایک تاریخی قدم ہے۔ جس پر میں خود حیران ہوں۔“
”اوہ...... یہ تو بڑی خوش خبری ہے۔“امی نے کہا۔
”یہ اس کے کاغذات ہیں بھابھی۔ آپ یہ چیک بینک میں جمع کرادیں۔“
”میں کیوں کرادوں...... یہ تو تمہارا کام ہے۔“
”جیسا آپ حکم دیں۔ لیکن۔“
”میں نے آج تک اس بارے میں کچھ نہیں کہا ہے فرید، اگر میرے منہ سے کوئی بات سنی ہے تو بتادو۔“
”بالکل نہیں بھابھی۔ خیر اب دوسری باتیں کرنے سے کیا فائدہ۔ مجھ سے جب آپ کا دل چاہے حسابات کے بارے میں پوچھ سکتی ہیں۔“
”کبھی نہیں پوچھوں گی۔ ختم کروان باتوں کو۔“امی نے کہا۔

میں اس دوران بالکل خاموش رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ بیٹھے رہے پھر چلے گئے۔ فرید چچا کو میں جس عالم میں دیکھ چکا تھا اس کے بعد ان پر کسی طرح کا بھروسہ کرنا خود کو دھوکہ دینا تھا۔ اس کی تصدیق رات کو مینکا نے کردی۔ مجھ سے تفصیل سن کر اس نے تشویش سے کہا تھا۔
”اس کا مطلب ہے کہ......“ وہ رک گئی...... پھر بولی۔ ”چھوٹے راجکمار...... ایک بات بتاؤ۔“
”ہاں بولو۔“
”تم یہ تو نہیں سمجھتے کہ میں تمہیں تمہارے پریوار کے خلاف بہکا رہی ہوں۔“
”نہیں......“میں نے سرد لہجے میں کہا۔
”میری بات کا برا مان گئے۔“
”نہیں، تم میری تنہا دوست ہو دوبارہ ایسا مت کہنا۔“میں نے سنجیدگی سے کہا اور وہ مسکرانے لگی پھر بولی۔
”فرید خان مہاراج، کالی ودیا سیکھ رہے ہیں۔ ان کا دھرم نشٹ کرنے والے ان پر دن رات محنت کررہے ہیں جن لوگوں سے انہوں نے ڈوبی رقم نکلوائی ہے انہوں نے کالی ودیا کے زور پر وہ رقم دی ہے۔ چاہو تو معلوم کرلو۔“
”ضرور ایسا ہی ہوا ہوگا۔“اس کا مطلب ہے کہ فرید خان اور خطرناک ہوگئے۔ میں نے تشویش سے کہا۔
”بھگوان تمہاری سہائتا کرے۔“
واقعی تشویش ہوگئی تھی۔ کوشش کے باوجود میں نے فرید خان کو دوبارہ شمشان گھاٹ جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بلکہ اب ان کا رویہ میرے ساتھ بہت ہی اچھا ہوگیا تھا۔ وہ بڑے پیار سے مجھے اپنے پاس بلاتے۔ اور سارے حسابات کے کھاتے کھول کر میرے سامنے رکھ دیتے۔
”میں جانتا ہوں ابھی تم ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ لیکن بیٹے تمہاری عمر دراز ہو آگے چل کر تمہیں یہ سب دیکھنا ہوگا انہیں دیکھو مجھ سے اس

بارے میں پوچھو۔ یہ الفاظ انہوں نے ایک دن اس وقت کہے تھے جب امی اور تایا ابو ایک ساتھ دروازے سے اندر داخل ہو رہے تھے اور انہوں نے یہ الفاظ سنے تھے۔ وہ ان سے بہت متاثر ہوئے تھے اور مجھے ان کی اس کاوش کا بھی پتہ چل گیا۔ تایا ابو نے اس دن خاص طور سے مجھے بلایا تھا امی بھی ان کے ساتھ تھیں اور کچھ افسردہ نظر آ رہی تھیں۔

"اشرف، تیاری کرو، تمہیں لاہور جانا ہے۔" تایا ابو نے کہا۔

"لاہور...... کیوں خیریت؟" میں نے کہا۔

"تم وہیں تعلیم حاصل کرو گے۔"

"اکیلا جاؤں گا میں۔"

"ہاں۔ تمہاری رہائش برقی صاحب کے ہاں رہے گی۔ وہاں ان کی شاندار کوٹھی ہے، ان کے سارے خاندان والے وہیں رہتے ہیں تمہیں وہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"امی بھی وہاں جائیں گی؟"

"نہیں بیٹے۔ پڑھنا تمہیں ہے، امی کو نہیں۔"

"میں امی کے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

"نہیں اشرف۔ میں نہیں جاسکتی۔ تم وہاں اکیلے نہیں ہو گے۔ بہت سے لوگ ہیں وہاں تایا ابو فون پر بات کر چکے ہیں۔"

"ارے واہ۔ مجھ سے پوچھا بھی نہیں گیا اور آپ لوگوں نے سارے معاملات طے کر لئے۔" میں نے کسی قدر غصے سے کہا۔

"ہمیں یہ بتانے کی کوشش مت کرو کہ تم بڑے ہو گئے ہو اور ہم تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ تم سے پوچھے بغیر نہیں کر سکتے۔" تایا ابو نے شدید غصے سے کہا اور میں ہکا بکا رہ گیا۔ تایا ابو نے اس لہجے میں کبھی مجھ سے بات نہیں کی تھی۔ میں حیرت سے ان کی صورت دیکھنے لگا۔ پھر میں نے امی کی طرف دیکھا ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ بھی میرے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرنا چاہتیں۔ البتہ رات کو انہوں نے کہا۔

"لاہور جانے سے انکار مت کرو اشرف۔ اتنی بڑی جائیداد اور دولت کو سنبھالنے کے لئے تمہاری تعلیم ضروری ہے میں تمہارے لاہور جانے کے حق میں ہوں۔"

"ٹھیک ہے امی۔ بعد میں آپ کو۔ خصوصاً میں آپ کے بارے میں کہہ رہا ہوں آپ کو اپنے اس فیصلے پر افسوس ہوگا۔"

پھر میں نے مینکا کو اس بارے میں بتایا تو وہ دم بخود رہ گئی۔

"تم نے ان کی بات مان لی۔"

"امی نے اس فیصلے کی توثیق کر دی ہے۔" میں نے کہا تو وہ رونے لگی۔ "مجھے جانا ہوگا مینکا تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا......؟"

"تمہیں اتنی پراسرار قوتیں حاصل ہیں عام لوگوں کے لئے تو گجر گھاٹ سے لاہور تک کا سفر کافی زیادہ ہے تم تو پرندہ بن کر بھی پرواز کر سکتی ہو۔"

"نہیں کر سکتی۔" اس نے بدستور روتے ہوئے کہا۔

"کیوں......؟"

"سینکڑوں بدروحیں ہماری دشمن ہوتی ہیں۔ کالی ماتا کے پجاری، بھوانی دیوی کے داسوں سے نفرت کرتے ہیں اور جب بھی موقع ملتا ہے انہیں ہلاک کر دیتے ہیں ہمارے لئے ایک حلقہ محفوظ کر دیا جاتا ہے اور ہمیں ان سیماؤں میں رہنا ہوتا ہے چاہے ہم کچھ بھی بن جائیں۔"

"تو تم لاہور نہیں آسکو گی۔"

"نہیں۔"

"اوہ...... یہ تو بڑی پریشانی کی بات ہے" میں نے کہا۔ اور وہ روتی رہی، پھر میں نے کہا۔ "مجھے بتاؤ مینکا پھر میں کیا کروں۔"

"جاؤ چھوٹے راجکمار۔ وچھوڑا تو جیون کا سب سے بڑا دکھ ہوتا ہے۔ بھگوان کرے تم اپنے دشمنوں سے محفوظ رہو اگر کبھی مینکا یاد آئے تو......" پھر اس کی آواز بھرا گئی۔

”میں گجر گھاٹ جلدی جلدی آیا کروں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ وہ بے چارگی سے بولی۔

میں بھی بہت افسردہ ہوگیا تھا۔ بڑی اچھی دوست تھی میری، میری محافظ تھی یہ اسی کا دم تھا کہ میرے دشمن مجھے نقصان پہنچانے میں ہمیشہ ناکام رہے تھے۔ اب مجھے خود محتاط رہنا ہوگا۔ امی اور تایا ابو نے سب کچھ نظر انداز کردیا تھا۔ وہ بھول گئے تھے کہ دشمن روحیں مجھے ہر قیمت پر ختم کردینا چاہتی ہیں کیونکہ میں اپنے دادا کا ہمشکل تھا۔

لاہور جاکر تعلیم حاصل کرنا ایک سنہرا خواب تھا پوری زندگی گجر گھاٹ میں گزار دی تھی یہاں کے ایک ایک گوشے سے پیار تھا لیکن زندگی میں اور بھی کچھ دیکھنے کی آرزو ہوتی ہ وہ بھی اس عمر میں جو دیکھنے کی عمر ہوتی ہے دو تین بار لاہور گیا تھا صاف شفاف سڑکوں کا ،ہرے بھرے پارکوں کا، خوبصورت اور قابل دید عمارتوں کا اور جدید ترین بازاروں کا یہ جگمگاتا شہر مجھے بہت پسند تھا۔ لیکن میں نے کبھی وہاں جاکر رہنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ اور اب تو صورت حال ہی بدلی ہوئی تھی دادا ابو کی موت کے بعد حویلی میں جو کچھ ہوا تھا اور ہو رہا تھا وہ ہم لوگوں کے لئے عجیب ہوگیا تھا کبھی کبھی تو یوں لگتا تھا جیسے ہم سب کو سزائے موت سنادی گئی ہو اور ایک ایک کرکے اس خاندان کے افراد کو سولی پر لٹکایا جارہا ہے گھر سے دور جاکر بھی زندگی گزارنا ایک مشکل کام تھا۔

دل ہر وقت حویلی میں بھی بھٹکتا رہے گا مزید یہ کہ مدیکا زندگی کا بہت بڑا حصہ بن چکی تھی میں نہیں جانتا تھا کہ عشق کیا ہوتا ہے کیسے ہوتا ہے لیکن اب مدیکا مجھے بے حد عزیز تھی اور میں اس سے دور نہیں جانا چاہتا تھا البتہ اپنے گرد موجود لوگوں پر مجھے حیرت ہوتی تھی میں ان سب کی آنکھوں کا تارا تھا۔ پہلے کبھی غور نہیں کیا تھا لیکن اب غور کیا تو احساس ہوا کہ وہ سب مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔

لیکن اب......؟ تایا ابو، کلثوم پھوپھی، فرید چچا، سب کی آنکھیں بدل گئی تھیں آخر ایسی کون سی تعلیم تھی کس کس نے گجر گھاٹ سے باہر جاکر تعلیم حاصل کی تھی۔ خاص طور سے امی۔

آنکھوں میں آنسو آگئے۔ امی بھی مجھے خود سے دور کرنے پر تیار تھیں۔ یہ کمال کی بات تھی دل میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا تھا کہ ان تمام باتوں کے پیچھے فرید چچا کا ہاتھ ہے۔ پھر ایک اور خیال دل میں آیا اور میں بری طرح چونک پڑا۔

کئی تاریخیں گزر گئی تھیں حویلی میں کوئی نیا حادثہ نہیں ہوا تھا۔ سب ٹھیک تھا کیوں؟ کیا فرید چچا کی وجہ سے۔ کیا اانہوں نے ان دشمن روحوں سے سمجھوتہ کرلیا تھا ایک طرح تو یہ بات حویلی والوں کے حق میں جاتی تھی پھر میں نے ایک فیصلہ کیا آخری بار ایک کوشش اور کرلیتا ہوں۔ باقی لوگوں کے بدلے ہوئے رویے کو تو میں دیکھ چکا تھا۔ لیکن۔ امی۔

”امی۔“ میں نے آدھی رات کو امی کو آواز دی اور وہ چونک کر جاگ گئیں۔ ان کی آواز ابھری۔

”اشرف۔“

”جی امی۔“

”تم نے مجھے آواز دی تھی۔“

”ہاں۔“ میں نے کہا۔

”ابھی تک جاگ رہے ہو؟“

”کئی راتوں سے جاگ رہا ہوں۔ آپ نے اب مجھ پر توجہ دینا چھوڑ دی ہے۔“

”کیوں جاگ رہے ہو؟“

”مجھے آپ پر حیرت ہے امی۔“

”کیسی حیرت۔“

”آپ مجھے خود سے دور کررہی ہیں۔“

”ایسا تو نہیں ہے اشرف۔ تم کون سا ملک سے باہر جارہے ہو۔ لاہور سے گجر گھاٹ کا فاصلہ ہی کتنا ہے۔ جب چاہو یہاں آسکتے ہو۔ تعلیم حاصل کرنے کے لئے تو لوگ دوسرے ملکوں کو چلے جاتے ہیں۔

”ہمارے گھر میں کس نے دوسرے ملک جاکر

تعلیم حاصل کی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر وقت بدل گیا ہے۔ تم نئی نسل کے نمائندے ہو۔ روایتی زمینداری سے ہٹ کر جدید دور کا ساتھ دینا ضروری ہے اور اس کے لئے تم ملکھاؤں کے خاندان کے واحد لڑکے ہو۔"

"پتہ نہیں آپ کس کی زبان بول رہی ہیں۔"

"خود کو سنبھالو اشرف، تمہیں لاہور جانا ہی ہوگا۔"

"ہاں۔ میں چلا جاؤں گا۔ لیکن شاید میں آپ کی توقعات پر پورا نہ اتروں۔" میں نے کہا۔ اندازہ ہوگیا تھا کہ امی پوری طرح ٹریپ ہوچکی ہیں۔

میرے لاہور جانے کی تیاریاں ہونے لگیں برقی صاحب کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی فرید چچا مکمل شیطان بن چکے تھے وہ ہر ایک کے سامنے سر جھکائے رہتے تھے۔ ہر ایک کے تابعدار بن گئے تھے لیکن جب بھی ان کی نظریں مجھ سے ملتیں ان کی آنکھوں میں ان کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیلی نظر آتی تھی۔

اس رات میں نے مینکا سے آخری ملاقات کی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

"کل جارہا ہوں۔"

"بھگوان تمہیں سکھی رکھے۔"

"میں تمہارے پاس آیا کروں گا۔"

"اچھا۔"

"تم نے جمنا داس جی سے بات کی۔"

"کس بارے میں۔"

"یہی کہ جب وہ تمہیں اتنے سارے علم سکھا سکتے ہیں تو کیا کوئی ایسا علم نہیں سکھا سکتے کہ تم میرے پاس لاہور بھی اس طرح آسکو جس طرح یہاں آجاتی ہو۔"

"میں ن بات کی تھی۔" وہ اداسی سے بولی۔

"تو پھر......؟"

"جادو ودیا میں حدیا، پانی بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"مطلب۔"

"سارے جادو پانی پار کرنے سے ختم ہوجاتے ہیں۔ گجر گھاٹ سے لاہور جاتے ہوئے دریا کے اوپر سے گزرنا ضروری ہے۔ اگر میں نے ایسا کیا تو میرے سارے گیان نشٹ ہوجائیں گے۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی۔ اب تو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ مجھے سب سے زیادہ دکھ مینکا سے جدا ہونے کا ہے۔ لیکن یہ بھی لگ رہا تھا کہ اب جیسے مینکا مجھ سے دور ہورہی ہے ہمیشہ کے لئے۔

میری لاہور روانگی میں کوئی اہتمام نہیں تھا۔ ابرار بھائی مجھے چھوڑنے جارہے تھے مینکا سے گزری رات مل چکا تھا۔ سب مجھے الوداع کہہ رہے تھے نصیحت کررہے تھے لیکن فرید چچا کی فاتحانہ نظروں کو میں کبھی نہیں بھول سکتا تھا یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے مجھے شکست دی ہو، مجھ سے میری آبائی حویلی چھین لی ہو۔

لاہور میں البتہ برقی صاحب اور ان کے اہل خاندان نے جس طرح میرا استقبال کیا وہ مجھے بہت اچھا لگا تھا وہ خود پشاور میں رہتے تھے لیکن ان کے خاندان کے بیشتر افراد لاہور میں تھے۔ نوجوان لڑکے، لڑکیاں ہماری حویلی کی نسبت یہ لوگ کافی آزاد خیال تھے۔ اس کے ساتھ ہی کچھ دلچسپ معاملات بھی تھے۔ جن کا اندازہ مجھے بعد میں ہوا۔

تقریباً چار کنال کی یہ کوٹھی بہت خوب صورت بنی ہوئی تھی۔ بے شمار کمرے تھے جو بہت عمدگی سے آراستہ تھے افراد کی ایک پوری فوج نے میرا استقبال کیا تھا۔

برقی صاحب نے کہا۔ "اشرف بیٹے۔ میں نے بڑے پیار سے تمہیں یہاں بلایا ہے۔ ہمارے خاندانوں میں جو تعلق ہے وہ اتنا مضبوط ہے کہ اس کے بارے میں چھ کہنا فضول ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم بھی اس خاندان کے ایک فرد ہو جو تمہارے سامنے ہے۔ تم یہاں خود کو اجنبی مت سمجھنا۔"

"جی تایا جی۔" میں نے کہا۔

"ہمارے گھر کی سب سے بزرگ خاتون سے ملو پوری کوٹھی کی ساری ذمہ داری انہیں پر ہے کسی کو کوئی ضرورت ہوتی ہے کسی کو کسی سے کوئی شکایت ہوتی ہے تو انہیں کے پاس فریاد لے کر جاتا ہے اور یہ اس کی مشکل

حل کر دیتی ہیں کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کبھی کوئی ضررت ہو کوئی مشکل ہو تو تم بھی گھر کے دوسرے لوگوں کی طرح ان سے کہہ سکتے ہو۔'' برقی صاحب نے کہا۔

میں ان خاتون کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگا۔ کئی عمر رسیدہ خواتین یہاں موجود تھیں، لیکن میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ برقی صاحب کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ برقی صاحب بولے۔

''آیئے محترمہ۔ اشرف سے ملئے۔

تقریباً پانچ سال کی ایک نیلی آنکھوں اور حد جیسے سفید رنگ والی انتہائی حسین نقوش کی مالک ایک بچی آگے بڑھ آئی اس کے چہرے پر پوری سنجیدگی طاری تھی۔ پہلے اس نے میرے گرد چکر لگایا۔ اور میں حیرت سے دیکھنے لگا۔ پھر وہ میرے سامنے رک گئی پھر اس کی آواز کا نغمہ ابھرا۔

''معقول نوجوان نظر آتے ہیں۔ لیکن ایک نگاہ میں کسی کے بارے میں فیصلہ مشکل ہوتا ہے۔'' تاہم عزیزم آپ کا نام تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے اشرف ہے۔ ہمیں عریشہ کہتے ہیں ویسے ہم مکمل فریشہ ہیں۔ عریشہ ہونا تو بہت بڑا منصب ہوتا ہے۔'' میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں یہ کس عمر کی بچی بول رہی ہے عرش اور فرش کو اس طرح سمجھتی ہے مجھے وہ بہت اچھی لگی تھی۔

''اب میں آپ سے ان سب کا تعارف کرادوں۔ یہ ہمارے گھر کی بزرگ خواتین ہیں وہ ان خواتین کے بارے میں بتانے لگی جو عمر رسیدہ تھیں اور یہ نیک پروین نوجوان لڑکیاں ہیں یہ ثانیہ ہیں یہ ظافرہ ہیں یہ عباد صاحب ہیں یہ عاکف فی الحال آپ ان کے نام جان لیجیے کس کا کس سے کیا رشتہ ہے یہ بعد میں خود پتہ چلتا رہے گا۔

کمال کی لڑکی تھی اس نے میرے بارے میں ملازموں کو ہدایات دیں۔ اور مجھے پیچھے کی منزل میں ہی ایک کمرہ دے دیا گیا جو ہر طرح آراستہ تھا۔ رات کی ڈنر ٹیبل پر پورا خاندان جمع تھا کھانے کے بعد برقی صاحب نے کہا۔

''تم بہت جلد اس ماحول میں ایڈ جسٹ ہو جاؤ گے عاکف تمہارے سارے تعلیمی معاملات دیکھیں گے اور تمہارا ایڈمشن کرادیں گے میں صبح پشاور چلا جاؤں گا ویسے میں آتا رہتا ہوں تم آرام سے رہو۔''

''جی تایا جان۔'' میں نے کہا۔

اپنے بیڈ روم میں، میں اکیلا تھا، تنہائی کاٹے کھا رہی تھی۔ زندگی میں شاید ہی کبھی رویا ہوں گا لیکن آج رونا آرہا تھا۔ ماں سے شکایت تھی کہ انہوں نے کس طرح میری جدائی قبول کر لی تھی اور مینکا تھی جس کی بے بسی یاد آرہی تھی۔

رات سوتے جاگتے گزری۔ یہاں کے ماحول کے بارے میں اندازہ لگایا کہ نارمل سا ہے سیدھے سادھے لوگ ہیں سادہ لباس پہنتے ہیں کوٹھی کے ماحول میں بھی رکھ رکھاؤ تھا۔ ناشتے کی میز پر برقی صاحب موجود تھے پھر اس کے بعد وہ چلے گئے۔ میں اپنے کمرے میں آگیا۔

کمرے میں بیٹھ کر میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں کہ کہیں سے انگریزی موسیقی کی آواز ابھری جو کافی اونچی تھی۔ اس کے بعد شور شرابہ ہونے لگا۔ میں حیران ہو رہا تھا کہ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور عریشہ کی پیاری آواز ابھری۔

''ہم حاضر ہو سکتے ہیں۔''

میں نے آواز پہچان لی۔ یہ بچی مجھے بہت پیاری لگی تھی۔ میں نے خوش دلی سے کہا۔ ''تشریف لایئے۔'' اور وہ اندر داخل ہو گئی۔

''آیئے۔ نیرنگی ثقافت دوران دیکھئے۔'' اس نے کہا۔

''جی کیا فرمایا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''دنیا کی دورنگی کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ انسانیت کس طرح چولا بدلتی ہے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھئے۔''

''تھوڑی سی وضاحت فرمادیں تو عنایت ہوگی۔'' میں نے بھی فصاحت و بلاحت کا مظاہرہ کیا۔ اور وہ بڑے عالمانہ انداز میں چلتی ہوئی ایک صوفے

پر بیٹھ گئی۔

''زمانہ بہت بدل گیا ہے۔ نئی نسل جدیدیت کے نام پر بے لگام ہوگئی ہے بزرگوں کو تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے مگر قصور بزرگوں کا بھی ہے۔ انسان اپنے بچوں کے مزاج کو بھی نہ سمجھ سکے تو پھر تو اس کی غلطی ہوئی۔ اب ان برقی صاحب کو یعنی ہمارے دادا حضور کو دیکھ لیجیے۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ ان کے بچے کیا مزاج رکھتے ہیں۔ بس اس وقت تک ان کے انداز اختیار کرلو، جب تک وہ سامنے ہیں۔ اس کے بعد...... اومائی گاڈ۔''

میں پاگلوں کی طرح اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک پانچ چھ سال کی بچی بول رہی ہے۔ کون یقین کرسکتا تھا۔ دفعتاً وہ چونک کر بولی۔

''ارے جناب۔ میں آپ کو بلانے آئی تھی یہاں بیٹھ گئی۔ آیئے۔ اٹھئے پلیز۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آئی، میرا ہاتھ پکڑا اور دروازے کی طرف چل پڑی۔ میرا ذہن یہاں بھی مختلف انداز میں سوچ رہا تھا۔ کیا یہ واقعی اتنی چھوٹی سی بچی ہے یا اس کے روپ میں کچھ اور۔

دراصل اتنے پراسرار حالات میں اب تک کی زندگی گزری تھی کہ اب ہر چیز مشکوک ہوگئی تھی۔ وہ مجھے لئے ہوئے کوٹھی کے بالکل اندرونی حصے میں پہنچ گئی۔ ایک دروازے کی دوسری طرف سے انگریزی موسیقی کی آوازیں ابھر رہی تھیں اس نے دروازہ کھولا اور تیز موسیقی کا طوفان ابل پڑا۔ اندر کا منظر ناقابل یقین تھا۔ میرا اس کوٹھی میں جن لوگوں نے استقبال کیا تھا وہ سیدھے سادھے مشرقی لباس شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔ لڑکیوں کے سروں پر دوپٹے اوڑھ رکھے تھے۔

لیکن اس وقت ہال میں نوجوان لڑکے لڑکیاں، جدید ترین لباسوں میں ملبوس رقص کررہے تھے۔ لڑکیاں پتلونیں پہنے ہوئے تھیں خوب شور شرابا ہورہا تھا عاکف میرے پاس آگیا۔

''آؤ اشرف تمہیں رقص آتا ہے۔''

''نہیں۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر سیکھو۔'' رقص زندگی ہے۔

''میں زندگی دیکھوں گا۔'' میں نے کہا۔ اسی وقت پیچھے سے عریشہ کی آواز سنائی دی۔

''گو پھر آؤ۔ میں آپ کو زندگی دکھاؤں۔ جایئے آپ جایئے۔ میں ان کے ساتھ بیٹھتی ہوں۔'' اس نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف بڑھ گئی۔ لیکن ساتھ ہی ظافرہ بھی آگئی تھی۔ یہ خوب صورت نقوش کی مالک دراز قامت لڑکی تھی۔

''آپ انہیں زندگی نہ دکھایئے۔ بلکہ انہیں میرے پاس چھوڑ دیجیے۔'' اس نے عریشہ سے کہا۔

''چلئے یہ کام آپ کرلیجیے۔'' عریشہ نے کہا اور وہاں سے آگے بڑھ گئی۔

''آپ کو یہ عجیب لگ رہا ہوگا اشرف صاحب۔'' ظافرہ نے کہا۔

''ہاں۔ میں نے یہ سب پہلے نہیں دیکھا، آپ کو علم ہے کہ میں دیہاتی ہوں۔''

''نہیں خیر، گجر گھاٹ گاؤں تو نہیں ہے۔'' وہ بولی۔

''پھر بھی۔ یہ سب وہاں نہیں ہے۔''

''برا لگ رہا ہے یہ ماحول آپ کو؟''

''بالکل نہیں۔ اجنبی لگ رہا ہے۔ ویسے ایک بات بتایئے؟''

''جی۔''

''معافی چاہتا ہوں۔ آپ برا تو نہیں مانیں گی۔''

''نہیں۔ بتایئے۔''

''برقی صاحب کی موجودگی میں آپ کے حلیے اور لباس بہت مختلف تھے۔''

''یہ جنریشن گیپ ہے۔''

''مطلب؟''

''بزرگوں نے وقت سے سمجھوتہ نہیں کیا ہے۔ وہ مٹی کے تیل کے لیپ اور سرسوں کے تیل کے چراغوں کے دور سے تو نکل آئے ہیں بجلی کا استعمال اور گھوڑے کی سواری کے بجائے کاروں اور جہازوں میں تو سفر کرتے ہیں لیکن نئی نسل کی ضرورتوں کو تسلیم نہیں

کرتے۔''

''نئی نسل کی ضرورتیں، یعنی، فحاشی، بے حجابی، آوارگی، نئی نسل کی ضرورت ہے۔''

''آپ کے تینوں لفظ غلط ہیں۔ نئی نسل وہ ہیں جس نے آپ کی صحت کو تحفظ دیا ہے۔ جس نے آپ کو زندگی کی وہ سہولتیں دی ہیں جنہیں آپ نے بخوشی اپنا حق سمجھ لیا ہے۔ نئی نسل نہ فحش ہے نہ بے حجاب ہے اور نہ آوارہ۔ ان سب کو دیکھ لیجیے یہ سب نوجوان ہیں۔ خوب صورت اور تندرست ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو بری نگاہ سے نہیں دیکھ رہا۔ آپ چور نگاہوں سے ان کا جائزہ لیں ان کا تجزیہ کریں جبکہ ماضی کی داستانوں میں صرف جنس مخالف کے المیے ہیں۔ ماضی میں چھتوں کے رومانس ہیں۔ مثنوی زیر عشق ہے نئے دور میں یہ سب کچھ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہم سب برقی صاحب کا احترام کرتے ہیں وہ گھر کا تبرک ہیں ہم اس تبرک کا احترام کرتے ہیں۔''

''ارے باپ رے۔ آپ تو اچھی خاصی مقررہ ہیں۔''

''کیسی تھی میری تقریر۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اس سے پہلے بھی میرا واسطہ اس سے پڑ چکا ہے۔'' میں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''نہیں سمجھی۔'' وہ بولی۔

''محترمہ عرش اعظم۔''

''عرش اعظم۔'' وہ اب بھی نہیں سمجھی تھی۔

''جی۔ عریشہ بیگم۔'' وہ بھی اسی پائے کی تقریر کر چکی ہیں۔

''اوہ۔'' وہ ہنس پڑی۔

''وہ بھی آپ ہی کی بگاڑی ہوئی ہیں۔'' میں نے بے تکلفی سے پوچھا۔ میرا خیال تھا وہ میرے الفاظ کا برا مان جائے گی لیکن وہ میرے سوال پر خوب ہنسی۔ پھر بولی۔

''نہیں۔ اس کی اتالیق ثانیہ ہے۔ فلسفے میں ماسٹرز کر رہی ہے۔ اور اس نے عریشہ کو ماڈل بنایا ہوا ہے۔'' مجھے ظافرہ پسند آئی تھی۔ بہت کشادہ ذہین اور صاف ستھری طبیعت کی مالک تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں مجھ سے خوب بے تکلف ہوگئی تھی۔ لڑکے بھی بہت اچھے مزاج کے حامل تھے۔ عاکف تو خیر رند اول سے مددگار تھا لیکن عباد بھی اچھا دوست ٹائپ کا آدمی تھا۔ اس نے اپنے دوسرے دوستوں سے بھی میرا تعارف کرایا تھا اور مجھے بہترین کمپنی دی تھی نتیجے میں لاہور میں میرا دل لگ گیا۔

بس ایک مینکا یاد آتی تھی اور دل چاہتا تھا کہ اس کے لئے گجر گھاٹ جاؤں۔ دوسری شخصیت میری امی کی تھی جن سے مجھے پیار تھا لیکن میں نے ایک دکھ بھری بات محسوس کی تھی۔ ابتداء میں فون پر امی سے بات ہوتی تھی وہ روتی تھیں میری جدائی کا احساس کرتی تھیں لیکن رفتہ رفتہ وہ نارمل ہوتی گئیں۔

''نہیں بیٹے۔ اب میں بھی اس بات کی قائل ہوگئی ہوں کہ تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔ تم ملکھان خاندان میں ایک نئی تاریخ لکھو گے۔ ہمارے خاندان میں کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں تھا۔ تم سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔''

''آپ کو دیکھے ہوئے بہت دن ہوگئے۔''

''جب تک تمہاری تعلیم نہ پوری ہوجائے تم گجر گھاٹ نہیں آؤ گے۔''

''ارے، کیوں۔ چھٹیوں میں بھی نہیں۔''

''اس کے بارے میں بعد میں بات کرلیں گے۔''

''عید بقر عید کو بھی نہیں۔''

''بھئی کہا نا اس کا فیصلہ ہوجائے گا۔'' امی کا لہجہ جذبات سے عاری تھا۔ افسوس ہوا تھا لیکن پھر سوچا تھا کہ وہ لوگ مجھے پڑھنے کا موقع دینا چاہتے ہیں یہی بات ایک دن تایا ابو نے بھی کہہ دی۔

''یہاں سب خیریت ہے۔ بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ تمہارے جانے کے بعد انتقام کی پیاسی بدروحوں کو بھی قرار آگیا ہے ان کی سرگرمیاں یکلخت ختم ہوگئی ہیں۔ اب اس منحوس تاریخ سے بھی نجات مل گئی ہے۔''

’’میرے جانے کے بعد۔‘‘ میں نے افسوس سے کہا۔

’’ہاں۔ اس کی وجہ ہے۔‘‘

’’کیا تایا ابو۔‘‘

’’تم جانتے ہو تم ابا میاں کے ہمشکل ہو۔ اور دشمن رو حیں ان کی وجہ سے ہماری دشمن ہوئی ہیں۔ افسوس صرف اس وجہ سے کئی قیمتی جانیں چلی گئیں۔‘‘

’’دادا ابو کا ہمشکل ہونا میرا قصور ہے تایا ابو۔‘‘ میں نے شکایتی لہجے میں کہا۔

’’بحث کیوں کر رہے ہو۔ جو بہتر سمجھا جا رہا ہے ،کیا جا رہا ہے۔‘‘ تایا ابو کا لہجہ خشک ہو گیا اور میں خاموش ہو گیا لیکن دل بری طرح دکھا تھا۔ شدید غصہ بھی آیا تھا کتنے بے درد ہو گئے ہیں یہ لوگ۔ ایک طرح سے مجھے دیس نکالا دے دیا گیا ہے سب وہاں آرام سے رہ رہے ہیں۔

اور خاص طور سے امی؟

ویسے برقی صاحب اور ان کے اہل خاندان بے حد نفیس لوگ تھے کسی نے مجھے غیریت کا احساس نہ ہونے دیا تھا۔ ہم پھر سے لاہور کی سیر کرتے تھے لاہور بے حد خوب صورت تھا میرا دل یہاں اچھی طرح لگ گیا تھا لیکن حویلی یاد آ گئی تھی وہاں گزرے دن رات یاد آتے تھے اور امی......وہ بہت یاد آتی تھیں منیکا تھی اس کے لئے دل بہت تڑپتا تھا وہ بھی مجھے بہت یاد کرتی ہو گی لیکن وہ صاحب اختیار تھی۔ پراسرار علوم کی ماہر تھی مجھ تک پہنچنے کا کوئی حل نکال سکتی تھی ،بھول گئی ہو گی دوسروں کی طرح۔

پھر دو واقعات ایک ساتھ ہوئے۔

برقی صاحب پشاور سے آئے تھے، آتے رہتے تھے۔ مجھ سے ہمیشہ پیار سے پیش آتے تھے۔ ضروری امور کے بعد انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر بولے۔’’مجھے ایک بات بتاؤ اشرف بیٹے۔‘‘

’’جی تایا ابو۔‘‘

’’نیاز علی کو جانتے ہو؟‘‘

’’نیاز علی۔ جی ہاں۔ ابو کے گہرے دوست تھے۔ کاروباری بھی تھے۔ بہت اچھے انسان بھی۔‘‘

’’میرا بھی ان سے کاروباری ہی رابطہ ہے۔ اور یہ رابطہ تمہارے ابو کے ذریعے ہی ہوا تھا۔ بہت ہی اچھا انسان ہے نیاز علی صاف ستھری طبیعت کا مالک ہے خیر وہ خاص طور سے پشاور آ کر مجھ سے ملے تھے۔‘‘

’’جی......‘‘

’’اور وہ بھی تمہارے سلسلے میں۔ انہیں معلوم ہے کہ اب تم لاہور میں تعلیم حاصل کر رہے ہو اور میرے پاس رہتے ہو۔‘‘

زمین کس کی ہے

کھیتوں کے درمیان کھڑے ہوئے دو شخص آپس میں جھگڑا کر رہے تھے کہ یہ زمین میری ہے جبکہ دوسرے نے یہ رٹ لگا رکھی تھی کہ نہیں یہ زمین میری ہے۔

ایسے میں وہاں سے ایک بزرگ کا گزر ہوا تو دونوں آدمی ان سے کہنے لگے۔ آپ بھلے آدمی لگتے ہیں۔

’’آپ ہمارا فیصلہ کر دیں تو ہم اسے تسلیم کر لیں گے۔‘‘

بزرگ نے فرمایا۔’’اگر یہ فیصلہ زمین کر دے تو۔‘‘ دونوں یہ جواب سن کر حیران ہوئے کہ یہ تو اور اچھی بات ہے۔

بزرگ نے اسی جگہ دو رکعت نماز حاجت پڑھی اور رب العزت سے گزارش کی کہ یاالٰہی تو اپنی زمین کو حکم دے کہ ان کا فیصلہ کر دے۔ زمین کے اندر سے آواز آئی۔

’’آج یہ دونوں شخص پانچ فٹ میرے اوپر کھڑے ہو کر باتیں کر رہے ہیں جب یہ پانچ فٹ میرے اندر آئیں گے تو ان کو خود معلوم ہو جائے گا کہ زمین کس کی ہے۔‘‘

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈو الہ یار)

''اوہو۔انہوں نے آپ کو محبوب الٰہی کے بارے میں تو نہیں بتایا۔''

''نہیں۔ انہوں نے مجھے فرید چچا کے بارے میں بتایا ہے۔'' برقی صاحب معنی خیز لہجے میں بولے۔

''چھوٹے چچا کے بارے میں؟''

''ہاں۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ حویلی کے تمام لوگوں نے مل کر فرید خان کو خصوصاً تمہاری تمام زمینوں، باغات اور جائیداد کا متولی بنادیا ہے۔ جبکہ فرید خان کے ماضی کے بارے میں سب کو معلوم ہے۔ چلو دوسروں کی میں کوئی بات نہیں کرتا لیکن رحمت خان صاحب تو سمجھ دار ہیں ان کی نیت پر شبہ کرنا دل کو نہیں لگتا لیکن......''

برقی صاحب خاموش ہوگئے۔

''آپ بتایئے کیا بتایا ہے نیاز چچا نے۔''

''فرید خان ان سے ملے تھے۔ اور انہوں نے پچھلے کئی سالوں کا حساب ان سے مانگا تھا۔ لیکن اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ بہت تشویش ناک تھا۔''

''کیا؟''

''انہوں نے کہا کہ اب وہ ان تمام زمینوں اور باغات وغیرہ کے مالک ہیں۔ اس لئے ان کی خواہش کے مطابق حساب کتاب اور آئندہ اگر انہیں یہ کاروبار جاری رکھنا ہے تو نئے سرے سے نئی شرائط کے ساتھ ان سے ایگریمنٹ کریں۔ اس بات پر نیاز علی اور فرید خان کے درمیان تلخی ہوگئی اور فرید خان انہیں دھمکی دے کر آگئے کہ وہ نتائج کے لئے تیار رہیں۔''

''فرید چچا میری جائیداد کے مالک ہیں۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں۔ نیاز علی خاص طور سے مجھ سے ملے ہیں ان کا کہنا ہے کہ تم ابھی بچے ہو۔ کوئی فیصلہ نہیں کرسکو گے اس لئے میں تمہاری مدد کروں۔''

میں کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر میں نے کہا۔ ''مجھے تعلیم کے حصول کے لئے لاہور بھجوایا گیا اور اس کے بعد فرید چچا نے اپنا کام شروع کردیا تایا ابو، میں یہ بات جانتا تھا۔''

''جانتے تھے۔'' برقی صاحب چونک کر بولے۔

''جی تایا ابو۔ فرید چچا سے سب ناواقف ہیں سوائے میرے۔ میں انہیں اندر سے جانتا ہوں۔ آپ میرے لئے جو کرسکتے ہیں ضرور کریں۔ لیکن میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔''

''کیا؟''

''آپ یہ مشکل مول نہ لیں۔ میں خود ان حالات سے نمٹوں گا۔ ہمیں ایک کام کرنا ہے۔''

''بتاؤ کیا؟ ویسے تمہاری اس ہمت سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔'' برقی صاحب نے کہا۔

''عظمت علی صاحب کی جائیداد کے قانونی وکیل طارق چغتائی صاحب ہیں۔''

''ویری گڈ۔ ہاں ہیں، نیاز علی نے مجھے اس بارے میں بتایا ہے۔ تم یہ بات پہلے سے جانتے تھے؟ خیر، مجھے فرید خان کے بارے میں اور بتاؤ۔''

''آپ خود بتا چکے ہیں کہ ان کا ماضی کیا رہا ہے۔'' میں نے گول مول بات کی۔ پھر کہا۔ ''تایا جان، میں طارق چغتائی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''ایک بار پھر ویری گڈ۔ میں خود بھی یہی کہنا چاہتا تھا۔ آخر فرید خان کس بنیاد پر خود کو عظمت خان کی ساری جائیداد اور دولت کا مالک قرار دے رہے ہیں۔''

''آپ وقت نکال سکیں گے تایا جان۔''

''بالکل نکالوں گا۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ ویسے مجھے حیرت ہے کہ فرید خان کے ان ارادوں کے بارے میں رحمت خان صاحب اور دوسرے ذمہ دار لوگوں کو کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہوگا۔ لیکن کسی نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا۔ خیر، ہم آج ہی طارق چغتائی سے ملتے ہیں۔''

برقی صاحب نے عاکف کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ طارق صاحب سے ملاقات کا وقت لے۔ اس نے بتایا کہ پانچ بجے شام طارق صاحب اپنے آفس میں ان کا انتظار کریں گے۔ برقی صاحب میرے ساتھ طارق صاحب کے آفس گئے۔ ٹھیک پانچ بجے ہم نے ان کے آفس میں قدم رکھا تھا اتنے ہی ذمہ دار طارق صاحب بھی تھے۔ وہ ہمارے فائل سامنے رکھے بیٹھے تھے۔

"میں نے اردلی سے کہہ دیا ہے کہ پانچ کے بعد کسی کو اندر نہ آنے دے۔ میرا مطلب ہے آپ کے سوا۔"

"شکریہ......" برقی صاحب نے کہا۔

"ان واقعات کی تفصیل نے مجھے الجھادیا ہے۔"

"جی۔ آپ ہمیں بتانا پسند کریں گے۔"

"عظمت خان صاحب نے ایک وصیت نامہ میرے ذریعہ تیار کرایا تھا جو قانونی طور پر بالکل مکمل تھا۔ ان کے انتقال کے بعد اس وصیت نامے کی رو سے سارے کام ہو رہے تھے۔ فرید خان صاحب کو حویلی کے دوسرے ارکان نے اس جائیداد کا نگراں بنایا تھا اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں تھی لیکن کوئی دن قبل مجھے ایک بہت بڑے بیرسٹر نورالدین صدیقی صاحب کا اطلاع نامہ ملا کہ ان کے ایک کلائنٹ نے درخواست دی ہے کہ اس کے بھائی کے تیار کئے ہوئے وصیت نامے کی رو سے عظمت خان کی تمام جائیداد زمینیں باغات وغیرہ اس کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔" میں حیران رہ گیا اور میں نے صدیقی صاحب سے رابطہ کیا انہوں نے وصیت نامہ کی کاپی میرے پاس بھیج دی۔ یہ وہ فائل ہے آپ لوگ بھی نگاہ ڈال لیں۔"

کیا وصیت نامہ پہلے وصیت نامے کی تاریخ سے کئی سال پہلے کا تھا اور اس میں عظمت خان صاحب نے کہا تھا کہ انہوں نے یہ سب کچھ اپنے اکلوتے بیٹے اشرف خان کے نام کیا تھا لیکن اشرف خان ایک نافرمان اور اوباش فطرت لڑکا ہے۔ اسے راہ راست پر لانے کی ہر کوشش ناکام ہوگئی ہے اس لئے وہ پرانا وصیت نامہ کالعدم کرکے یہ نیا وصیت نامہ تیار کرا رہے ہیں جس کی رو سے یہ سب کچھ فرید خان ولد مامون خان کے نام کیا جاتا ہے کیونکہ اسے ایک سازش کے ذریعے بدنام کیا گیا ہے جبکہ وہ ایک سعادت منداور نیک فطرت نوجوان ہے۔"

برقی صاحب نے بہ آواز بلند وصیت نامہ پڑھا تھا۔ وصیت نامہ پڑھ کر انہوں نے گہری سانس لی تھی۔ پھر انہوں نے سرد لہجے میں کہا۔

"یہ جعلی ہے۔"

"اسے عدالت میں ثابت کرنا ہوگا۔ آپ اس میں گواہوں کے دستخط دیکھ رہے ہیں۔"

"ہاں۔ گواہ نمبر ایک بیگم مامون خان مرحومہ، گواہ نمبر دو، بہن کلثوم، گواہ نمبر تین رحمت خان صاحب،" برقی صاحب نے گواہوں کے نام پڑھے۔

"بالکل۔ آپ کیا کہتے ہیں آپ۔" چغتائی صاحب بولے۔

"جعلی دستخط بھی ہوسکتے ہیں۔"

"یقیناً۔ اگر یہ ثابت ہوجائے تو فرید خان سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔"

"تو پھر طارق صاحب......؟"

"آپ سے، میرا مطلب ہے، آپ لوگوں سے ملاقات کے بعد ہی آگے کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ میں کچھ ضروری کاموں میں مصروف تھا۔ ان کے بعد اسی سلسلے میں کام شروع کرنا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ آپ خود آگئے۔ اب کچھ ذمہ داریاں میں آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی فرمایئے۔"

"پہلے خود فرید خان صاحب سے اس وصیت نامے کی تصدیق کیجیے۔ ان سے بات کیجیے پھر ہم قانونی کارروائی کرتے ہیں۔" برقی صاحب نے ہچکچائی نگاہوں سے مجھے دیکھا میں سمجھ گیا کہ وہ الجھ رہے ہیں چنانچہ میں نے کہا۔

"نہیں۔ حالانکہ تایا جان میرے سگے تایا سے بڑھ کر ہیں لیکن میں جانتا ہوں وہ اس حد تک جانا پسند نہیں کریں گے۔"

"بیٹے بات میری پسند کی نہیں ہے۔ لوگ فوراً نیت پر شک کرنے لگتے ہیں۔ یہ سوچا جاسکتا ہے کہ میں کسی خاص ارادے کے تحت اس بارے میں زیادہ سرگرمی دکھا رہا ہوں۔"

"میں سمجھتا ہوں، میں سمجھتا ہوں۔" طارق صاحب نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں خود فرید چچا سے بات

کروں گا۔"

برقی صاحب نے البتہ میرے گجر گھاٹ جانے کے لئے گاڑی دی تھی اور ڈرائیور کو ہدایت دی تھی کہ مجھے حویلی چھوڑ کر واپس آجائے لاہور آ کر دل لگ گیا تھا۔ بہت اچھے لوگ تھے ایک ایک فرد نے میری دل جوئی کی تھی خاص طور سے ظافرہ تو پل پل میرا خیال رکھتی تھی کبھی کبھی اس کے اندر بڑی محبوبیت پیدا ہو جاتی تھی لیکن میں بہت محتاط تھا اور شرافت نبھانا چاہتا تھا۔

ہاں البتہ عریشہ سے میں نے ایک وعدہ کیا تھا۔

"اشرف بھائی۔ مستقبل میں آپ کیا بننا چاہتے ہیں۔"

"میں......انجینئر......" میں نے کہا۔

"اوہو......؟"

"بس انجینئر۔"

"اب مجھ سے پوچھیں۔"

"بتاؤ۔"

"دلہن...... مجھے دلہنیں بہت اچھی لگتی ہیں۔"

"ارے واہ...... لیکن اس کے لئے تو شادی کرنی پڑتی ہے۔"

"کرلوں گی لوگ مجبور کریں گے تو۔ لیکن میں ایک شرط لگادوں گی۔"

"کیسی شرط؟"

"دولہا میں پسند کروں گی۔"

"اوہو۔ یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔ کیسا دولہا پسند کریں گی آپ مس عریشہ؟"

"وہ تو میں کر بھی لیا ہے۔"

"گڈ۔ واہ بھئی۔ ہم تو آپ کے دوست بلکہ سہیلی ہیں ہمیں بتایئے کہاں ہیں، آپ کے دولہا صاحب۔"

"یہ ہیں۔" اس نے میرے سینے پر انگلی رکھ دی۔

"ہیں؟"

"ہاں۔" میں نے ثانیہ باجی کو اپنی مرضی بتادی ہے۔ اور کہہ دیا ہے کہ میں شادی کروں گی تو صرف اشرف بھائی سے۔ اس نے کہا اور میں خوب ہنسا۔

گجر گھاٹ جاتے ہوئے راستے میں نہ جانے میرے ذہن میں کیا کیا خیالات آتے رہے تھے۔ میرے اچانک پہنچنے پر کیا ری ایکشن ہوگا کون مجھ سے کس انداز میں ملے گا۔ برقی صاحب نے کہہ دیا تھا میں کچھ دن وہاں رہوں۔ پھر جب اپنا کام مکمل کرلوں اور آنا چاہوں تو عاکف کو فون کردوں۔ وہ گاڑی بھیج دے گا۔ یہ ان کا خلوص تھا ورنہ حویلی میں گاڑیوں کی کیا کمی تھی گجر گھاٹ کی سرحد سے داخل ہوتے ہی اور بہت سی یادیں دل میں ابھر آئیں نہ جانے کیا کیا یاد آنے لگا۔ مینکا بھی دل میں ہوک بن کر ابھری تھی۔

غرض یہ کہ گاڑی حویلی کے بڑے گیٹ سے گزر کر پورچ میں جارکی۔ ملازموں نے مجھے گاڑی سے اترتے دیکھا اور میری طرف دوڑ پڑے۔ معصوم لوگوں نے اپنے طور پر میری آمد پر خوشی کا اظہار کیا میں نے بھی سب کی خیریت پوچھی۔ اور پھر اندر چل پڑا سب سے پہلی ملاقات کلثوم پھوپھی سے ہوئی تھی انہوں نے مجھے دیکھا لیکن نہ تو ان کے چہرے پر کوئی حیرت پیدا ہوئی نہ وہ مسکرائیں میں نے سلام کیا تو وہ بولیں۔

"اچانک آئے۔ یا کسی کو خبر دی تھی۔"

میں دنگ رہ گیا تھا کلثوم پھوپھی تو مجھ پر جان چھڑکتی تھیں لیکن اس وقت کس قدر سپاٹ تھیں وہ پھر بھی میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"کیسی ہیں بڑی پھوپھی۔ سب لوگ کیسے ہیں۔"

"ٹھیک ہیں، جاؤ اندر جاؤ۔ میں آتی ہوں۔"

"انہوں نے کہا اور آگے بڑھ گئیں۔

دل کو دھکا سا لگا تھا یہ کیسا رویہ ہے کیوں ہے کیا یہ لوگ مجھ سے ناراض ہیں؟ لیکن کیوں؟ میں اندر چل پڑا۔ پر تایا ابو ملے ان کا انداز بھی پھوپھی سے مختلف نہیں تھا۔ یا خدا کیا ہو گیا ان سب کو۔

امی اپنے کمرے میں موجود نہیں تھیں میں نے انہیں کئی آوازیں دیں ان کے کمرے میں تھا کہ باہر سے کئی آوازیں سنائی دیں اور پھر سب سے پہلے فرید چچا

اندر داخل ہوئے۔ وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوئے تھے۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھے اور مجھے گلے لگا لیا۔

''ارے میرا بیٹا۔ کیسے اچانک آ گیا۔ تم تو ایک دم جوان ہو گئے۔ لاہور کی آب وہوا راس آ گئی۔ خوش ہونا۔''

''جی چچا، لیکن ان سب کو کیا ہو گیا۔''

''کیوں...... کیا بات ہے۔''

''سب روٹھے روٹھے سے، جیسے مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو۔''

''ارے نہیں، تمہیں لگ رہا ہے۔ آؤ بڑے کمرے میں آؤ۔ اچانک آ گئے ویسے بڑا اچھا ہوا، میں خود تمہیں فون کرنے والا تھا کہ گاڑی بھیج رہا ہوں۔ تھوڑا سا وقت نکال کر آ جاؤ۔

''امی کہاں ہیں؟'' میں نے گردن اونچی کر کے دیکھا کلثوم پھوپھی اور دوسرے لوگ نظر آ رہے تھے۔ امی ابھی تک نہیں آئی تھیں۔

''آؤ...... آؤ بتاتا ہوں۔'' آؤ فرید چچا نے کہا۔ اور میرا دل کسی خدشے سے دھڑک اٹھا۔

''فرید چچا۔ امی کہاں ہیں؟''

''وہ۔ وہ عمرے پر گئی ہیں بس ایک دم ان کے ذہن پر یہ بات سوار ہو گئی کہ انہیں عمرے پر جانا ہے۔ سب نے کہا کہ ضرور جائیں لیکن تھوڑے دن رک جائیں۔ نہیں مانیں ارجنٹ انتظام کرنا پڑا۔'' چچا کا لہجہ مصنوعی تھا باقی لوگ اس طرح بے نیاز تھے جیسے ان باتوں سے کسی کو سروکار نہ ہو۔

''مجھ سے مل کر بھی نہیں گئیں۔'' میں نے کہا۔

''میں نے تمہیں تفصیل بتا دی۔'' فرید چچا کا لہجہ خشک ہو گیا۔ پھر وہ بولے۔ ''لیکن تمہاری اچانک آمد، تم نے فون پر بھی نہیں بتایا کہ تم آ رہے ہو۔ خیر اچھا ہوا تم آ گئے چلو آرام کرو، کھاؤ پیو، بھابھی صاحبہ عمرہ کر کے واپس آ ہی جائیں گی اتنی پریشانی کی بات نہیں۔''

میں امی کے کمرے میں آ گیا۔ مگر میرے دل کی حالت عجیب تھی۔ میرا ذہن چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ امی عمرے پر نہیں گئی ہیں کچھ ہوا ہے لیکن کیا؟'' اندازہ ہو رہا تھا کہ جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں کسی اور کا نہیں فرید چچا کا ہاتھ ہے لیکن کیا ہوا ہے۔

مجھے کچھ خیال آیا کمرے کا دروازے بند کر کے میں نے امی کے کپڑوں کی الماری کا جائزہ لیا۔ بے شمار ہینگر تھے ان میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی دیگر چیزیں بھی جوں کی توں تھیں امی کسی قیمت پر اپنی مرضی سے نہیں گئی تھیں پھر کیا ہوا ہے۔ عقل نے سمجھایا جلد بازی سے کوئی فائدہ نہیں ہے جو کچھ ہو رہا ہے بے حد خطرناک ہے فرید چچا اس گھر کے لئے سب سے بڑا آسیب ہیں۔ پتہ نہیں انہوں نے باقی لوگوں کے ساتھ کیا کیا ہے۔

میں سوچتا رہا۔ فرید چچا نے تھوڑی دیر کے بعد دروازہ بجایا۔ تو میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا وہ اندر داخل ہو گئے۔ پھر بولے۔ ''اشرف ...... یہ کیا طریقہ اپنایا ہوا ہے تم نے۔ کیوں ایسے ہو رہے ہو۔ کھاؤ کھیلو اتنے دن کے بعد گجر گھاٹ آئے ہو۔''

''فرید چچا۔ مجھے صرف امی کے بارے میں بتا دیں۔''

''بالکل خیریت سے ہیں۔ تمہیں پوری خیریت سے ان سے ملاقات میری ذمہ داری ہے۔''

''وہ عمرے پر گئی ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں گئی ہیں۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولے۔

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔'' میں نے غصے سے کہا۔ میرا خیال تھا کہ فرید چچا میرے اس انداز گفتگو سے چراغ پا ہو جائیں گے۔ لیکن وہ مسکرا دیئے۔

''ممکن ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''چھوٹے چچا۔ آخر آپ نے یہ کیا رویہ اختیار کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''بات کریں گے پیارے بھتیجے۔ بات کریں گے تم اپنا رویہ بدلو۔ بتا دیا ہے۔ سب خیریت ہے تمہیں کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ بلکہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو وہ دوبارہ بولے۔ ''مجھ سے تعاون کرو، میں تمہیں اطمینان

دلاتا ہوں، سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہوگا چلتا ہوں۔'' کھاؤ پیو، عیش کرو، میں نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اب میں واقعی ٹھنڈے دل سے سوچ رہا تھا پہلے دشمن روحوں کے نشانے پر تھا اور اب...... اب ایک دشمن شیطان میرا دشمن تھا جوان روحوں سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔

میں نے آخری فیصلہ ہی کیا کہ رویہ بدل لوں۔

میں باہر نکل آیا رافعہ خالد سے ناشتے کے بارے میں کہا اور وہ گردن جھکا کر چلی گئیں پھر میرے سامنے عمدہ ناشتہ لگا دیا گیا کافی وقت میں نے اسی انداز میں گزارا، بہت سی باتوں کا تجزیہ کر رہا تھا ایک بار شمشان گھاٹ میں فرید چچا کو جس عالم میں دیکھا تھا وہ یاد تھا فرید چچا نے ان ناپاک روحوں کا ساتھ اپنا لیا تھا کیا فرید چچا بے دین ہوگئے ہیں میرے رگ و پے میں سرد لہریں دوڑ گئیں اگر ایسا ہوا تو ملکھان خاندان کی تباہی مکمل ہوگئی اس دن شمشان گھاٹ میں، میں نے گنگا سری کو بھی دیکھا تھا گنگا سری ہر طرح اس خاندان کے ایک ایک فرد کو ختم کر دینا چاہتی تھی اس نے کئی افراد کو اس طرح ختم کر دیا اور اب اس نے صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے اس خاندان کے ایک فرد کو منتخب کر لیا تھا۔

''اوہ...... میرے خدا، یہ سب سے خطرناک بات تھی۔''

سوچتے سوچتے کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا۔

تب میں نے ایک کھلی جیپ کو باہر نکلتے دیکھا۔ فرید چچا ڈرائیور کے ساتھ جا رہے تھے۔ میں پرخیال نظروں سے دیکھتا رہا پھر وہاں سے ہٹ کر باہر نکل آیا میں نے کلثوم پھوپھی کے کمرے کا رخ کیا۔ وہاں تایا صاحب بھی موجود تھے۔

دونوں باتیں کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر خاموش ہوگئے۔ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ ''آپ لوگ مجھ سے ناراض ہیں؟'' میں نے کہا۔

''نہیں...نہیں تو......'' دونوں بیک وقت بولے لیکن ان کا انداز مشینی تھا جیسے وہ کسی اور خوف کے تحت بول رہے ہوں۔'' میں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا۔

''پھر آپ کا رویہ میرے ساتھ ایسا کیوں ہے؟''

''نہیں...... نہیں تو......'' وہ پھر اسی طرح بولے۔

''امی کہاں ہیں۔ آپ مجھے بتائیں گے؟''

''عمرے، عمرے پر گئی ہیں۔''

''آپ کیوں جھوٹ بول رہے ہیں۔ مجھے بتایئے ورنہ میں سارے رشتے بھول کر آپ کے خلاف جو کارروائی کروں گا وہ آپ سے برداشت نہیں ہوگی۔ اسے ذہن میں رکھیں۔''

دونوں کے چہرے سپاٹ تھے۔ اچانک وہ دونوں بیک وقت اپنی جگہ سے اٹھے اور میرے قریب سے گزر کر باہر نکل گئے۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ ان دونوں ہی کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے اب مجھے اندازہ ہوا تھا کہ مجھے لاہور کیوں بھیجا گیا تھا۔ یہ فرید چچا کی چال تھی لیکن امی، کہاں ہیں انہوں نے امی کے ساتھ فرید چچا نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ مجھے خود بلانا چاہتے تھے اس کی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔

بہت سے سوالات، غرض یہ کہ میں اپنے بارے میں بہت سے فیصلے کرتا رہا۔ رات کو میں باہر نکل آیا باہر نکل کر مجھے خیال آیا کہ امی کو پرانی حویلی میں قید نہ کر دیا گیا ہو۔ آہ...... کیا میرے پیچھے میری ماں پر یہ مظالم ہوئے ہیں۔

میں پرانی حویلی کی طرف چل پڑا۔ میری نظریں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ میں ہر خوف کو بھول گیا تھا۔ میں نے بارہا دل میں کئی بار منیکا کو پکارا۔ منیکا کیا تمہیں میری گجر گھاٹ آمد کے بارے میں نہیں معلوم ہوسکا، کہاں ہو تم...... منیکا، منیکا......'' لیکن کہیں سے کوئی جواب نہیں ملا۔ منیکا بھی شاید مجھے بھول گئی تھی۔ حویلی میں داخل ہو کر میں نے چیخ چیخ کر امی کو آوازیں دیں۔

پھر اچانک مجھے ایک آہٹ سنائی دی۔ پھر ایک تیز آواز۔

(جاری ہے)

دشمن روحیں

ایم اے راحت

قسط نمبر: 4

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زور قلم سے لکھی شاہکار کہانی

یہ کسی پرندے کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ کی آواز تھی۔ میری نظریں اوپر اٹھ گئیں۔ شاید منیکا آ گئی تھی، میں جانتا تھا کہ وہ کسی بھی پرندے کا روپ دھار سکتی ہے۔ میں نے امید بھری نظروں سے فضا میں پر پھیلا کر پرواز کرتے ہوئے پرندے کو دیکھا اور انتظار کرنے لگا کہ وہ میرے قریب نیچے اترے۔ لیکن پرندہ جسے میں نے بعد میں پہچان لیا، وہ الو تھا، اور میرے سر پر سے پرواز کرتا ہوا حویلی سے باہر نکل گیا تھا۔

''منیکا......'' میرے منہ سے حیرت بھری آواز نکلی۔ تو وہ منیکا نہیں تھی، منیکا کہاں گئی۔ کیا اسے میری آمد کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا وہ تو انتہائی زبردست جادوئی قوتوں کی مالک تھی وہ میری روح کو میرے بدن سے جدا کرسکتی تھی۔ وہ مجھ سے عشق کرتی تھی جس کا اعتراف اس نے اپنے منہ سے کیا تھا، پھر اس نے میرا خیال کیوں نہیں رکھا اسے کیوں نہیں معلوم ہوسکا کہ میں آیا ہوں۔

''کیا منیکا ناراض ہے۔ کیا وہ اس بات سے خفا ہے کہ لاہور جا کر میں اسے بھول گیا اور میں نے اس کی خبر نہیں لی، یا پھر...... یا پھر...... ایک اور روح فرسا خیال میرے دماغ میں آیا جس طرح حویلی کے سارے لوگ میرے وجود سے منحرف ہوگئے ہیں، اس طرح منیکا بھی مجھ سے دور تو نہیں ہوگئی، آہ کیا منیکا پر بھی تو فرید چچا کا جادو نہیں چل گیا۔

یہ بڑا دکھ بھرا خیال تھا۔ میں کچھ بھی نہیں تھا، ان اژدھوں کے مقابلے میں کمزور اور ناتواں، میرے پورے بدن میں دکھ کی لہریں اٹھ گئیں، طبیعت پر اتنا بوجھ آ پڑا کہ میرے دل میں درد ہونے لگا۔ میں وہیں بیٹھ گیا۔ اس ہیبت ناک حویلی میں، جس کے سامنے سے دن کی روشنی میں نوکر چاکر گزرنے سے خوف محسوس کرتے تھے، میں غم واندوہ میں ڈوبا بیٹھا تھا، میرا دل رو رہا تھا لیکن آنکھیں خشک تھیں، میری آنکھیں پتھر کی تھیں، بڑے سے بڑا سانحہ ہوجاتا تھا، بدن اداسی سے مفلوج ہوجاتا تھا، لیکن آنکھوں میں نمی نہیں آتی تھی، اس وقت بھی میرا دل رو رہا تھا۔ امی فرید چچا کے ظلم کا شکار ہوگئی تھیں، خدا جانے ان کے ساتھ فرید چچا نے کیا کیا، کیا انہوں نے میری امی کو قتل کردیا؟

آہ اگر ایسا ہوا تو لعنت ہے مجھ پر، میں اپنی ماں کی حفاظت بھی نہیں کرسکا، لیکن فرید چچا اگر میری امی کے پاؤں کے ناخن کو بھی تکلیف پہنچی تو خدا کی قسم، میں آپ کو زندہ جلادوں گا، زندہ۔

میں شدید غصے کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا حویلی سے باہر آ گیا بہت

سے اندازے ہوئے تھے، میری آنکھوں دیکھی بات تھی، فرید چچا نے اپنا ایمان ترک کر کے کالے جادو کا مذہب اختیار کر لیا تھا، وہ بے دین ہو چکے تھے ان کا تو قتل واجب تھا، انہوں نے پورے گھر کو ہپناٹائز کر دیا تھا اور اب سب انہیں کی زبان بول رہے تھے، پتہ نہیں امی کے ساتھ کیا وجہ ہوئی کہ فرید چچا نے انہیں منظر عام سے ہٹا دیا۔ خود امی، اور مجھے اطلاع دیئے بغیر عمرے پر چلی جائیں کسی طور ممکن نہیں تھا۔

اور پھر مینکا، وہ میرے بڑا سپنس تھا میرے لئے، مینکا درگا دیوی کی پجارن تھی، کیا وہ بھی کالے جادو کے پھیر میں آ گئی کیا پرندہ بن کر فضا میں اڑنے والی مینکا، کیا چیتے کا روپ دھار کر خونی درندہ بن جانے والی مینکا بھی فرید چچا کے جادو سے مار کھا گئی۔

سوچنا پڑے گا کہ صرف سوچنا پڑے گا، بلکہ کوئی مختصر عمل کرنا پڑے گا۔

میں اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا، لیکن باقی رات مجھے نیند نہیں آئی تھی، میں سوچتا رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے، اور میں نے کچھ فیصلے کیے۔

سارا رنگ ہی بدل گیا تھا، پہلے اس حویلی کی خاص روایت تھیں، صبح کا ناشتہ سب ایک ساتھ کرتے تھے دوپہر کے کھانے پر قیہ یا کبری نہیں تھی لیکن رات کو پھر سب ایک جگہ جمع ہو کر کھانا کھاتے تھے اور اپنی اپنی دن بھر کی رپورٹ ایک دوسرے کو دیتے تھے۔

لیکن، نو بج گئے تھے کسی نے مجھے ناشتے کے لئے نہیں پوچھا تھا۔

میں اس تاریخی کھڑکی پر جا کھڑا ہوا جہاں سے میں نے بہت کچھ دیکھا تھا، اور اس وقت میں نے فرید چچا کو کھلی جیپ میں باہر جاتے دیکھا۔ وہ خود جیپ چلا رہے تھے۔

میں نے گہری سانس لے کر خدا کا شکر ادا کیا رات کو میں نے جو پروگرام بنایا تھا اس میں فرید چچا کی مداخلت کا خطرہ تھا لیکن خدا کا شکر تھا کہ یہ خطرہ خود بخود ٹل گیا تھا۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کمرے کے دروازے پر آہٹ سنائی دی اور میں چونک کر پلٹا۔

رحمانی بیگم تھیں، گھر کی قدیم ملازمہ ...... اندر جھانک کر بولیں۔

''اٹھ گئے چھوٹے مالک۔''

''جی رحمانی بوا...... کیسی ہیں آپ۔''

''ٹھیک ہوں چھوٹے مالک۔ ناشتہ لے آؤں آپ کے لئے۔''

''لے آیئے۔'' میں نے کہا اور وہ واپس چلی گئیں۔

گھر کے نوکر بے بس اور ہلکے ہوتے ہیں۔ کوئی بھی ان کی زبان کھلوا لیتا ہے اس لئے میں نے رحمانی بوا سے اس بارے میں کوئی بات کرنی مناسب نہیں سمجھی البتہ جب انہوں نے ناشتہ میرے سامنے لگایا تو اتنا میں نے پوچھ ہی لیا۔

''اب سب لوگ ساتھ ناشتہ نہیں کرتے؟''

''نہیں چھوٹے مالک۔''

''کیوں؟''

''میں نہیں جانتی۔ بس ایک ایک کر کے سب نے اپنے کمروں میں ناشتہ کرنا شروع کر دیا، البتہ رات کا کھانا اب بھی سب ساتھ کھاتے ہیں۔'' ملازمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکی تھی۔ غرض یہ کہ میں ناشتے سے فارغ ہو کر تیار ہوا اور باہر نکل آیا جو میں نے سوچا تھا اس پر عمل کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ میں فرید چچا کے واپس آنے سے پہلے حویلی سے نکل جاؤں، باہر آ کر میں نے ابرار بھائی کو تلاش کیا اور ابرار بھائی مجھے دیکھ کر الرٹ ہو گئے۔

''گاڑی ٹھیک ہے ابرار بھائی۔''

''جی سرکار۔''

''پیٹرول ہے۔''

''ٹنکی فل ہے۔''

''آپ کو اور کوئی کام تو نہیں ہے۔''

''نہیں مالک، حکم کریں۔''

''چارگھی چلنا ہے۔''

''نیاز علی صاحب کے ہاں۔''

''چلیئے۔'' ابرار بھائی تیار ہو گئے۔

''آپ کوکسی سے اجازت تونہیں لینی ابرابر بھائی۔''

''آپ سے بڑی اجازت کس کی ہوسکتی ہے۔'' اس حویلی کے۔ان زمینوں کے آپ تنہا مالک ہیں، باقی توسب اپنے حصے لے چکے ہیں۔اب توسب آپ کے طفیل یہاں رہ رہے ہیں۔'' ابرار بھائی نے کہا۔

''چلیں ،یہاں سے باہر نکل کر باتیں کریں گے۔''میں نے کہا۔

''کچھ اندر سے تونہیں لینا مالک۔''

''نہیں۔ میں تیار ہوکرآیا ہوں۔''میں نے کہا اور کار میں جا بیٹھا۔ ابرار بھائی نے کاراسٹارٹ کی اور حویلی سے باہر نکل آئے۔کافی دیر تک ہم خاموش رہے پھر جب ہم گجرگھاٹ سے باہر نکل آئے تو میں نے کہا۔'' فرید چچا کہاں گئے ہیں، پتہ ہے؟''

''جی پتہ ہے مالک۔''

''کہاں گئے ہیں؟''

''رانی کھوٹی۔ آج منگل ہے وہ ہر منگل کورانی کھوٹی جاتے ہیں۔وہاں کوٹھی بنائی ہےانہوں نے۔''

''ارے وہاں کیوں؟''میں نے حیرت سے پوچھا۔

''وہاں لاہور کی ہیرا منڈی کا ایک خاندان بسا یا ہے۔وہ ہیرامنڈی جانے کے بجائے ہیرا منڈی رانی کھوٹی میں اٹھالائے ہیں منگل کے دن وہاں رنگ رلیاں ہوتی ہیں کل بدھ کودوپہر تک آئیں گے۔'' ابرار بھائی نے بے خوفی سے فرید چچا کی پول کھولی۔ پھر خود ہی بولے۔'' چھوٹے مالک،پہلی کو یہاں سے جارہے ہیں اس لئے زبان کھول دی ہے آپ کے سامنے ۔بڑی عزت ہوئی ہے یہاں ہماری۔''

''پہلی کو کہاں جارہے ہیں ابرار بھائی۔''

''پہلے فیصل آباد جائیں گے، پھروہاں سے دبئی چلے جائیں گے۔ بڑے بھائی نے کوشش کی ہے وہاں نوکری کریں گے۔''

''کچھ ہوا ہے آپ کے ساتھ ابرار بھائی۔''میں نے ہمدردی سے کہا۔

''کوئی خاص بات نہیں۔ بس جوتے لگوائے تھے فرید خاں صاحب نے ہمارے بڑی معمولی سی بات پر۔آپ کوبراتو لگے گا چھوٹے سرکارمگر یہ حویلی اب......'' ابرار بھائی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''بولیں ابرار بھائی۔''

''بس سرکار نمک کھایا ہے کیا بولیں۔ جولوگ حویلی کا وقار تھے وہ ختم ہوگئے۔اب حویلی کی شان فرید خاں جیسے لوگوں کے جوتوں تلے ہے۔''

مجھے اندازہ ہوگیا کہ ابرار بھائی کے ساتھ بہت بدسلوکی ہوئی ہے۔میں نے وہ بات نہیں پوچھی جس پرفرید خاں نے ابرار بھائی جیسے شریف آدمی کے جوتے لگوائے تھے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔''امی کے بارے میں کچھ معلوم ہےابرار بھائی۔''

''عمرے پر گئی ہیں۔''

''آپ کویقین ہے۔''میں نے پوچھا۔

''نہیں۔'' ابرار بھائی اعتماد سے بولے، اور میں چونک پڑا۔

''تمہیں نہیں ہے۔''

''بالکل نہیں۔''کوئی ایسے عمرے پر جائے، ایسا کبھی ہوا ہے ایک دن پہلے بھی گھر والوں کو معلوم نہ ہو کب ویزہ آیا کب ٹکٹ آیا ایک بندہ گیا اور جہاز پر بیٹھا کرآ گیا۔''

''وہ بندہ کون تھا؟''

''فرید خاں صاحب۔''

''کسی نے اس بارے میں پوچھا۔''

''کٹھ پتلیاں کچھ پوچھتی ہیں کبھی۔ سب فرید خاں صاحب کے اشاروں پر ناچتے ہیں ایک بات کہوں چھوٹے مالک آپ اچھے خاصے لاہور میں رہتے ہیں جیسے بھی رہتے ہیں رہتے رہیں یہاں رہیں گے تو آپ بھی جادوگری میں آجائیں گے۔گھر کے سارے نوکر بھاگنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں انہوں نے اس وقت تک ساتھ نہیں چھوڑا جب تک منحوس تاریخ نے پیچھا

گھیرا ہوا تھا لیکن بدروحیں جب گھر میں ہی گھس آئیں تو کون ان کا سامنا کرے۔''

''ہوں...... میں نے کہا، اس سے زیادہ ابرار بھائی سے اور کچھ نہیں پوچھ سکتا تھا میرے جیسے کی تصدیق ہوگئی تھی۔ امی عمرے پر نہیں گئی تھیں بلکہ کوئی اور ہی گیم ہوا تھا کیا؟ یہ معلوم کرنا بہت مشکل کام تھا۔ سفر جاری رہا پھر میں نے ابرار بھائی سے کہا۔

''ابرار بھائی وہ کالی آندھی یاد ہے۔''

''کیوں نہیں۔'' ابھی میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

''اور وہ دھرم شالہ؟''

''وہ بھی یاد ہے۔''

''کبھی دوبارہ تو ادھر جانا نہیں ہوا؟''

''چار گڑھی بھی دوبارہ کبھی نہیں آئے۔''

''وہاں چلنا ہے۔''

''دھرم شالہ۔''

''ہاں۔''

آخر کار ہم اس جگہ پہنچ گے جہاں دھرم شالہ تھی۔ ابرار بھائی نے پوچھا کہ گاڑی نیچے اتار دیں مگر میں نے منع کر دیا اور کہا کہ میں پیدل ہی وہاں چلا جاتا ہوں۔ دھرم شالہ کے پچھلے حصے میں دھواں نظر آ رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ یہاں کی زندگی معمول کے مطابق ہے میں نے قریب جا کر آواز دی۔ ''جمنا داس جی جمنا داس جی'' اور چند لمحوں کے بعد دھرم شالہ کے پچھلے حصے سے جمنا داس جی باہر آ گئے۔ سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے نظر بھی شاید کمزور ہوگئی تھی میرے قریب آ کر مجھے غور سے دیکھا پھر بولے۔

''اشرف خان جی۔''

''جی جمنا داس جی، میں ہی ہوں۔ آپ تو بہت کمزور ہوگئے۔''

''ایں، ہاں کمزور تو ہوگیا۔ آؤ بیٹھو۔ بڑا سمے لگا دیا آنے میں۔''

''پڑھائی کے لئے بھیجا گیا تو پڑھ رہا ہوں۔''

''ہاں پڑھو، سنسار کو پڑھنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔''

''مینکا کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''سو رہی، سوگئی، ایسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی کسی کے لئے جاگتا ہے کوئی کسی کے لئے سو جاتا ہے۔ سارے کھیل سنسار کے ہیں۔'' جمنا داس جی نے کہا ان کا انداز عجیب سا تھا پھر بھی میں نے کہا۔

''اسے جگا دیں جمنا داس جی۔ اس سے کہیں میں آیا ہوں۔''

''اس کا سمے بیت گیا، پہلے وہ تمہارے لئے جاگتی رہتی تھی۔ اب تمہارے لئے سوگئی ہے۔'' جمنا داس پھر اسی انداز میں بولے اور معاً میرا دل دھک سے رہ گیا ایک خوف ناک خیال میرے دل مین ابھرا تھا کہیں مینکا مر تو نہیں گئی اس کا مجھ سے نہ ملنا میں نے اسے بڑی آوازیں دی تھیں لیکن وہ نہیں آئی وہ تو میری خوشبو سونگھ لیتی تھی۔

میں نے بولنے کی کوشش کی لیکن میری آواز ہی نہیں نکل سکی۔

''آؤ بیٹھو'' جمنا داس نے ایک طرف پڑی چارپائی کی طرف اشارہ کیا اور میں لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا اس چارپائی پر جا بیٹھا۔

''مجھے بتایئے۔ بتایئے تو سہی جمنا داس جی۔''

''بڑے امتحان لیتا ہے بھگوان منش کے۔ ایسے ایسے روگ لگا دیئے ہیں گوشت اور ہڈیوں کے اس ڈھیر پر کہ بس، بھوک، پریم، اور نہ جانے کیا کیا، وہ بھی تمہارے پریم میں سروربدھ کھو بیٹھی تھی۔''

''تھی......؟'' میں نے غم میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

''ہاں، میرے لئے تو وہ تھی ہی ہوگئی۔ جب وہ جاگے گی تو کون جانے میں جیتا بھی ہوں گا یا نہیں۔ ''سمے کا کیا ٹھکانہ کب کون سی کہانی سنا دے۔''

''خدا کے لئے جمنا داس جی، مجھے اس کے بارے میں بتایئے۔''

''بتا چکا ہوں۔ تمہارے پریم میں دیوانی ہوگئی، بن جل مچھلی کی طرح تڑپتی تھی بھگوان کی سوگند میں اسے دھرم

بدلنے کی آ گیا دے دیتا اس سے کہ اگر اشرف جی مہاراج تجھے سوئیکار کرنے کو تیار ہو جائیں تو مسلمان ہو جا میں انکار نہیں کروں گا پر اس نے جو گیان سیکھے انہوں نے اسے دوسرا دھرم اختیار کرنے کے راستے نہیں چھوڑے، بھوانی شکتی لینے کے لئے کچھ ایسے کرم کرنے ہوتے ہیں۔"

"پھر...... آگے بتایئے۔" میں نے رندھی آواز میں کہا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ مینکا اب اس دنیا میں نہیں ہے میرا دل ڈوب رہا تھا۔

"وہ تمہارے پاس جانا چاہتی تھی۔ پر وہ دریا پار نہیں کر سکتی تھی اس سے بھوانی گیان بھی چھن جاتے اور جیون بھی، جیون بھی۔

ہاں۔ گیان بنے ہوئے کچھ سوندیں بھی کھائی ہوتی ہیں جن سے بھوانی مان حاصل ہوتا ہے اور اس مان کو توڑنے کی سزا صرف موت ہوتی ہے۔ وہ یہ مان بھی توڑ دیتی پر اس کی موت ہو جاتی۔ بس ایک اپائے تھا اس کا۔

"وہ کیا......؟"

"وہ اپنا جنم بدل دے۔"

"جنم بدل دے......" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں جو جنم اسے صدیوں کے بعد لینا تھا اسے سمے سے پہلے لے لے۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا جمنا داس۔"

"سمجھاتا ہوں۔" ہندو دھرم میں آواگون کے بارے میں کچھ سنا ہے۔"

"ہاں!"

"کیا سنا ہے، مجھے بتاؤ۔"

"یہی کہ آپ کے دھرم میں موت کے بعد دوسری بار زندہ ہونے کا تصور ہے جبکہ ہمارے مذہب میں دوسری زندگی صرف قیامت کے دن ہے۔"

"ہندو دھرم میں جنم جنموں کا تصور ہے۔ کوئی بھی منش مرنے کے بعد دوبارہ جنم لیتا ہے اور اس کے لئے اسے ایک وقفہ درکار ہوتا ہے، مینکا کی مشکل کا ایک اپائے میں نے یہ نکالا کہ وہ اپنے باقی کے جیون کو دان کر دے۔"

"دان کر دے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں مطلب ہے کہ اس کا جتنا جیون باقی ہے اسے تیاگ دے اور پھر نیا جنم لے اگر اس نے نیا جنم لے لیا تو وہ بھوانی داسی نہیں رہے گی اور ایک عام لڑکی ہوگی...... جو...... جو......" جمنا داس رکا پھر بولا۔" جو اگر چاہے تو اپنا دھرم بدل کر مسلمان بھی ہو سکتی ہے۔"

"اوہ...... یہ...... تو۔"

"ہاں۔ اس نے تمہارے لئے یہی کیا ہے۔"

"یعنی اس نے موت قبول کر لی۔"

"تم کہہ سکتے ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ سو گئی ہے۔ نئے جنم کے انتظار میں۔"

"آپ نے اس کا کریا کرم کر دیا۔"

"ارے نہیں۔" سونے والوں کا کریا کرم نہیں ہوتا۔ انہیں بھسم تھوڑی کیا جاتا ہے۔"

"تو پھر...... کہاں ہے وہ۔"

"آؤ......" جمنا داس نے کہا اور میں حیران حیران کھڑا ہو گیا۔ انتہائی عجیب، ناقابل یقین اور پراسرار کہانی تھی۔ میں سحر زدہ سا جمنا داس کے پیچھے چلتا ہوا دھرم شالہ کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ بڑا جان لیوا ماحول تھا جمنا داس نے ایک مشعل اٹھائی اسے ماچس جلا کر روشن کیا اور ایک طرف بڑھ گیا۔ میں دھرم شالہ کا دوسرا دروازہ دیکھا اور آگے قدم بڑھا دیئے۔

"خیال سے۔ اس دروازے سے دوسری طرف سیڑھیاں ہیں۔" جمنا داس کی آواز ابھری اور میں اس کے پیچھے سیڑھیاں اترنے لگا۔ نہ جانے کتنی سیڑھیاں اترنی پڑی تھیں۔ مشعل کی روشنی اس پورے ماحول کو اجاگر کرنے میں ناکام تھی، لیکن وہاں دیواروں میں دوسری مشعلیں بھی نصب تھیں جنہیں جمنا داس نے ہاتھ میں پکڑی مشعل سے روشن کر دیا۔ اور اس بڑے اور ٹھنڈے ماحول میں ہلکا سا اجالا پھیل گیا۔

کافی بڑا ہال تھا جبکہ دھرم شالہ کی عمارت اوپر اتنی بڑی نہیں تھی۔ ہال کے ایک گوشے میں پرانے طرز کا ایک خوب صورت چھپر کھٹ پڑا ہوا تھا جو رنگین پردوں

سے سجا تھا اس چھپر کھٹ پر مینکا سو رہی تھی میں نے جمنا داس کی طرف دیکھا اس کے بدن پر کپکپی طاری تھی۔

"آؤ، دیکھو اسے۔ میری راج کماری سو رہی ہے دیکھو آؤ" وہ آگے بڑھا تو میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ اور چھپر کھٹ کے پاس پہنچ گیا۔

اوہ، مینکا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں سانس بھی بند تھیں لیکن اس کا چہرہ، اس قدر حسین چہرہ لگ رہا تھا کہ دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ اس نے بال بال میں موتی پروئے ہوئے تھے۔ انتہائی خوب صورت میک اپ کیا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر ایک حسین مسکراہٹ سجی ہوئی تھی اور وہ سکون سے سو رہی تھی۔

"اسے بتاؤ تم آ گئے ہو۔ اسے بتاؤ۔" جمنا داس نے روتے ہوئے کہا۔

"یہ اسی طرح سو رہی ہے۔"

"ہاں۔"

"جب بھگوان کی اچھا ہوگی، یہ جاگے گی تو تمہیں تلاش کرے گی۔ اور پھر تمہیں پا لے گی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا مگر میرا دل اداس ہو گیا تھا چار گڑھی جاتے ہوئے میں مینکا کے بارے میں سوچ رہا تھا یہ سارا جادو کا کھیل تھا ورنہ ہمارے دین میں ان فضولیات کی کوئی گنجائش نہیں۔ مینکا اس جادو کے کھیل سے آزاد بھی ہو گئی تو اسے کیا ملے گا خود میرے دل میں اس کے لئے دوستی اور احسان کے جذبات تھے۔ عشق و محبت کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔

☆......☆......☆

نیاز علی مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"ارے چھوٹے ملکھان جی۔ آپ آئے ہوئے ہیں۔"

"ہاں نیاز چچا۔ مجھ پر جو بیتی ہے آپ کو معلوم ہے۔"

"آپ کے چاہنے والوں پر بھی بڑی ہمت رہی ہے۔ اشرف خان جی۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم بھی تو بلیک لسٹ ہیں۔ فرید خان صاحب کی طرف سے اکثر دھمکیاں ملتی رہتی ہیں۔"

"آپ سے کیا کہتے ہیں۔"

"یہی کہ سارے پرانے حساب نکال کر انہیں دکھائیں۔ ساری رقموں کا حساب دیں، بڑی مشکل سے وعدوں پر ٹال رہے ہیں۔"

"اور دوسرے بھی اس سے متاثر ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"سب کو پریشان کر رہے ہیں۔"

"آپ لوگ ان کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کرتے۔"

"کچھ اور سنا ہے پتہ نہیں آپ کو معلوم ہوا یا نہیں۔"

"کیا؟"

"میں چغتائی صاحب سے ملا تھا مگر انہوں نے مجھے کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ دوسروں سے سنا ہے کہ کوئی نیا وصیت نامہ سامنے آیا ہے۔"

"ہاں۔ میں اس کے بارے میں سن چکا ہوں۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، کیا ہو رہا ہے لیکن ایک بات دوبارہ گجر گھاٹ کے لوگوں کی زبان پر آ گئی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"یہی کہ دوسرا ماموں خان پیدا ہو گیا ہے۔ اور یہ ماموں خان گزرے ہوئے ماموں خان سے زیادہ ظالم اور خطرناک ہے، بہت سے لوگ گجر گھاٹ چھوڑ کر بھاگ جانے کی فکر میں ہیں۔"

"ہر شخص اپنی آگ خود ہی بجھانے کا ذمہ دار ہے۔ وہ لوگ نئے ماموں خان سے نمٹنے کی تیاری کریں۔ جس طرح بھی ہو اپنی حفاظت کریں۔ ویسے محبوب الٰہی صاحب کا کوئی پتہ چلا۔"

"نہیں، اللہ تعالیٰ انہیں زندہ سلامت رکھے۔ اب تو کہیں سے بھی ان کے بارے میں کوئی خبر نہیں۔"

نیاز علی صاحب سے کوئی خاص بات نہیں معلوم ہو سکی۔ میں ابرار بھائی کے ساتھ واپس حویلی آ گیا

گجرگھاٹ آ کر سخت کوفت ہوئی تھی جتنی خبریں ملی تھیں بری ہی ملی تھیں ان میں سے سب سے بری خبر امی کی تھی۔ امی کہاں گئیں؟

وہ گاڑی نظر نہیں آئی تھی جس میں فرید چچا گئے تھے اس کا مطلب ہے وہ واپس نہیں آئے تھے۔ ویسے انہوں نے اپنا ایمان کھو کر دنیا پوری طرح حاصل کر لی تھی، اور اب عیش کر رہے تھے۔

اس رات پھر میں نے بہت سے الٹے سیدھے خواب دیکھے۔ مینکا کو بھی دیکھا جو بے حد حسین نظر آ رہی تھی اور ایک مندر میں رقص کر رہی تھی۔

صبح بہت جلدی جاگ گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں۔ لاہور واپس جانے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا یہاں سب اجنبی ہو چکے تھے اور اب کسی سے کوئی امید نہیں تھی فرید چچا نے سب کو شکنجے میں کس لیا تھا۔

اس وقت کوئی سوا سات بجے تھے جب اچانک دروازہ کھلا اور فرید چچا اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ وہ مکمل طور بے دین ہو چکے تھے، میرے سلام کا وہ کیا جواب دے سکتے تھے۔

''مجھے اندازہ تھا کہ تم جاگ گئے ہو گے۔''

''جی......!''

''میں نے سوچا سب کے جاگنے سے پہلے تم سے ملاقات کر لوں۔''

''جی چچا جان۔'' میں نے کہا اور فرید خان صاحب ایک کرسی پر بیٹھ گئے پھر بولے۔

''بیٹا یقین کرو، تمہیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ حالانکہ تمہیں لاہور گئے زیادہ وقت نہیں گزرا، لیکن تم نے اس مختصر عرصہ میں اپنی کافی اچھی صحت بنا لی۔''

''جی۔'' میں نے مختصر کہا۔

''تم سے کچھ خاص گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی کہئے۔''

''تم جوان ہو چکے ہو، حالانکہ تمہاری عمر ابھی زیادہ نہیں ہوئی ہے، لیکن کوئی بھی دیکھنے والا تمہیں ایک جوان آدمی کہہ سکتا ہے، خیر یہ میرے لئے خوشی کی بات ہے، اس گھر میں تم سے بڑا میں ہوں، یہ ہمارا دور ہے اشرف، باقی لوگ لکیر کے فقیر ہیں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ میں تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی چچا جان۔''

''پڑھنا وڑھنا چھوڑو...... ہمارے خاندان میں اس کا رواج نہیں ہے۔ یہاں واپس آ جاؤ، زمینداری کرو اور عیش کی زندگی گزارو۔ جوانی ایک حسین مہمان کی طرح ہوتی ہے جو کچھ دن کے لئے آتا ہے پھر چلا جاتا ہے اس مہمان کی پذیرائی کرنی چاہیے جانتے ہو اس خاندان میں میرا آئیڈیل کون ہے؟''

''کون ہے؟'' میں نے سکون سے پوچھا۔

''ابا جان، یعنی مامون خان۔ مزے کی زندگی گزار گئے۔''

''اور پورے خاندا ن کے پیچھے بدروحوں کو لگا گئے۔'' میں نے کہا تو فرید چچا قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

''جن کی قسمت میں جس طرح مرنا تھا مر گیا۔''

''مامون خان کی موت بھی کتنی پروقار تھی۔'' میں نے طنزیہ کہا۔ تو فرید خان کا چہرہ بدل گیا۔

''اپنی عمر سے زیادہ بول رہے ہو۔'' اپنی بات کرو۔

''جی فرمائیے۔''

''تم طارق چغتائی سے مل کر وصیت نامے کے بارے میں معلوم کر چکے ہو۔'' فرید خان نے کہا۔

''آپ کا محکمہ جاسوسی بہت ایکٹو ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں۔ کیونکہ میں جینا جانتا ہوں۔''

''نیا وصیت نامہ جعلی ہے۔'' میں نے کہا۔

''سو فیصدی جعلی ہے۔ وہ میں نے تیار کرایا ہے۔''

''گڈ......''

''لیکن تمہیں اس کی تصدیق کرنی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ اس دوسرے وصیت نامے کے بارے میں تم بیان دو گے کہ تمہیں اس کا علم تھا جبکہ عظمت

خان صاحب نے اسے چھپالیا تھا۔ اور پرانے وصیت نامے ہی کو منظر عام پر رکھنا چاہتے تھے۔"

"میں بیان دوں گا۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ سو فیصدی تمہارا بیان ضروری ہے۔ سب کچھ میرے قبضے میں ہے۔ لیکن نکتہ چینیاں ہوتی ہیں کہیں کہیں سرکشی بھی ہوتی ہے میں چٹکی بجاتے ایک ایک کو ٹھیک کر سکتا ہوں لیکن ابھی میں اپنے سارے روپ دکھانے کو تیار نہیں ہوں۔ آہستہ آہستہ سب پر ظاہر ہوں گا۔"

"مجھ پر تو آپ بہت عرصہ سے ظاہر ہیں۔"

"ہاں۔ لیکن ابھی میں نے انگلیاں سیدھی ہی رکھی ہیں۔" فرید خان نے کہا۔

"چلیں۔ آگے کہیں کیا کر رہے تھے۔"

"جائیداد سے، ہر چیز سے دستبرداری لکھ دو، تم سے نئی محبت کا آغاز کر دوں گا۔ دونوں چچا بھتیجے عیش کریں گے حسن و جمال کی دیویاں، ناچ رنگ، اور خوبصورت راتیں۔"

"یہ رعایت ہوگی میرے ساتھ۔"

"ہاں۔ تمہارے تعاون کا صلہ۔"

"میرا تعویز کہاں ہے۔" اچانک میں نے سوال کیا اور فرید چچا ہنس پڑے۔

"یہ اچانک تعویز کیوں یاد آ گیا۔"

"کہاں ہے وہ۔"

"یہ بھی تجربے کی بات ہے۔ دشمن سے جنگ کرنے سے پہلے اس کے ہتھیاروں کا جائزہ لو۔ اور ممکن ہو تو انہیں قبضے میں کرو، میں نے سب سے پہلے اسے راکھ کر دیا خیر چھوڑو، بڑی فضول باتیں ہوگئیں اب کام کی بات کرو۔"

"امی کہاں ہیں۔" میں نے پھر سوال کیا۔

فرید خان کچھ دیر خاموش رہا پھر ایک دم ہنس پڑا۔ اور پھر بولا۔ "عمرے پر۔"

"کہاں ہیں وہ۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"جہاں بھی ہیں خیریت سے ہیں اور اپنی آزادی کا انتظار کر رہی ہیں، یہ آزادی تم انہیں دلاؤ گے۔ سب کچھ میرے پاس آ چکا ہے لیکن کچھ قانونی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے وہ کاغذات ضروری ہیں جن پر تمہیں دستخط کرنے ہیں۔ یہی کام بھابھی صاحبہ کو بھی کرنا ہے۔ اس کے لئے تم لوگ حویلی آ جاؤ گے یا اگر حویلی میں نہ رہنا چاہو تو لاہور میں بھی تمہاری رہائش کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔"

"دوسری صورت میں۔" میں نے کہا۔

"مطلب؟"

"یعنی میں اگر دستخط نہ کروں تو۔"

"میں نے ابھی تک خاندان کے کسی شخص کو نقصان نہیں پہنچایا۔ سب زندہ ہیں، لیکن اس لئے کہ وہ سب غیر متعلق ہیں اور میرے راستے کی رکاوٹ نہیں ہیں۔ ہاں پتھروں کو سمیٹنا ضروری ہوتا ہے۔ مطلب تم سمجھ گئے ہوگے۔"

"سمجھ گیا ہوں پیارے چچا جان، چلیں کوشش کریں اس پتھر کو سمیٹنے کی، یہ پتھر نہیں، چٹان بھی نہیں بلکہ پہاڑ ملے گا آپ کو، بہت کچھ جانتا ہوں آپ کے بارے میں، اور بہت پہلے سے جانتا ہوں۔ صرف اس نے رعایت کی ہے کہ آپ مامون خان کے بیٹے اور عظمت خان کے بھائی ہیں۔ آیئے اب رشتے بدل ڈالیں۔"

میرے یہ الفاظ فرید خان کے لئے غیر متوقع تھے۔ ایک لمحے کے لئے ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ پھر وہ پر خیال انداز میں گردن ہلا کر بولے۔

"کون ہے تمہارے پیچھے؟"

"وہی جس نے گندی روحوں کو خاکستر کرنے کے لئے پورا کلام پاک اتار دیا ہے۔"

"واہ، اچھے ڈائیلاگ بول رہے ہو۔" فرید خان نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"آخری ڈائیلاگ اور سن لیجیے۔ دولت کی حیثیت سے جو کچھ آپ کے قبضے میں جا چکا ہے وہ اپنی جگہ، اگر میری ماں کے پاؤں کے ناخن کو بھی نقصان پہنچا تو میں آپ کو تیزاب سے غسل دوں گا آپ کے بدن

کے روئیں روئیں کو جلادوں گا۔خیال کیجیے گا۔"
میں فرید خان کے پاس سے چلا آیا اور پھر میں نے سنجیدگی سے سوچا۔اب ساری سچویشن میری سمجھ میں آ گئی تھی آستین میں سانپ پیدا ہو گیا تھا اور بے حد زہریلا تھا۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ فرید خان مشرک ہو گیا تھا اس نے کالی کا دھرم اپنا لیا تھا اور ہم سے بالکل ہی الگ ہو گیا تھا دوسری بات یہ کہ حویلی کے تمام لوگ اس کے ٹرانس میں آ گئے تھے۔انہیں اس کے بارے میں بتانا بھی بے وقوفی تھی میں فرید خان سے بہت بڑی بات کہہ رہا تھا جبکہ وہ صاف بات ہی تھی جوش میں منہ سے نکلی ہوئی۔

اب کیا کروں......کون سا سہارا تلاش کروں؟ آہ کاش بزرگ محبوب الٰہی مل جائیں وہ بزرگ کامل تھے کاش میں ان کے دیئے ہوئے تعویز کی حفاظت کرتا فرید خان اب شیطان کی شاگردی میں آ چکا تھا۔میرے دل سے اس کا احترام بالکل نکل گیا تھا کچھ کرنا ہوگا۔
مینکا بہترین دوست تھی لیکن اس نے بھی دیوانگی کا ثبوت دیا تھا۔اگر وہی ہوتی تو بڑا سہارا حاصل ہوتا اب یہاں گجر گھاٹ میں رہنا حماقت تھی میں اس حویلی کے لوگوں کا اچھی طرح جائزہ لے چکا تھا وہ اب ڈمی تھے۔ فرید خان "جسے اب میں چچا کہنا پسند نہیں کرتا۔"میں نے اس کے حواس چھین لئے تھے۔کسی کو کچھ بتانا ضروری نہیں تھا چنانچہ میں نے لاری اڈے کا رخ کیا اور لاہور جانے والی ڈائیوو بس میں بیٹھ گیا۔
جیسا کہ میں بتا چکا ہوں میری آنکھوں میں آنسو کبھی نہیں آئے تھے۔امی کو یاد کر کے دل رو رہا تھا، نہ جانے فرید خان نے انہیں کہاں رکھا تھا۔"میں کیسے انہیں تلاش کروں۔کیسے؟"

بس لاہور جا رہی تھی اور میں اسی بارے میں سوچ رہا تھا، "کوئی ایسا عمل میں کروں جس سے فرید خان کو شکست دے سکوں۔ بہت سے واقعات یاد آ رہے تھے اللہ والوں نے ہمیشہ شیطان کو ملیا میٹ کیا تھا، کسی بزرگ کا سہارا مل جائے تو شاید فرید خان کی شیطانیت سے نجات مل جائے مجھے بھی ایسے عمل آ جائیں جن سے میں فرید خان کا مقابلہ کر سکوں۔آہ کاش ایسا ہو جائے۔"
بس راستے طے کر رہی تھی اور میرے ذہن ہی تمام خیالات آ رہے تھے۔
فاصلے طے ہوتے رہے، پھر بس لاہور میں داخل ہو گئی مسافر اترنے کی تیاریاں کرنے لگے تمام راستے، میں سوچوں میں ڈوبا رہا تھا، اس لئے میں نے بس کے کسی مسافر پر توجہ نہیں دی تھی بس رکی تو مسافر اترنے لگے میرے برابر کی سیٹ پر ایک مجہول سا مسافر ایک موٹا کھیس اوڑھے بیٹھا تھا۔وہ عجیب سا تھا اس نے چہرہ تک نہیں کھولا تھا۔اس کے پاس سے ایک عجیب سی بدبو آتی رہی تھی جس نے سارے راستے مجھے پریشان رکھا تھا۔ اب بھی وہ نیچے اترنے کے لئے اپنی جگہ سے کھسکا تو میں نے ناگواری سے اسے دیکھا اس نے جان بوجھ کر اس وقت اپنا چہرہ کھولا تھا اور میں نے اسے دیکھا تھا۔
لیکن......میرا پورا بدن جھنجھنا کر رہ گیا۔آنکھیں اوپر کو چڑھتی محسوس ہوئیں سر عجیب انداز سے چکرایا بمشکل میں نے خود کو سنبھالا تھا۔
وہ فرید خان تھا۔
فرید خان مجھے دیکھ کر بڑے مکروہ انداز میں مسکرایا۔ پھر اس کی آواز ابھری۔" ایک ضروری بات کرنی تھی تم سے۔"میں نے کوئی جواب نہیں دیا گو، وہ پھر بولا۔"تم اگر چاہو تو میں تمہیں ملک کے باہر بھجوا سکتا ہوں۔یو اے ای کی کسی بھی ریاست میں انگلینڈ، امریکہ، جاپان جہاں تم جانا چاہو، اگر اس بارے میں فیصلہ کر لو تو مجھے فون پر بتا دینا، میں انتظام کر دوں گا اور جب تم وہاں سیٹ ہو جاؤ گے تو تین ماہ کے بعد بھابھی یعنی تمہاری والدہ کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔"
" اور...... اور......نو بارگننگ ۔کسی بھی شریر پر انحصار نہ کرنا میں تمہارا ہر ٹھکانہ ختم کر دوں گا۔"
وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بس سے نیچے اتر گیا۔
میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔
اس کے الفاظ میرے کانوں میں جل رہے تھے۔کتنی

دھمکیاں دے ڈالی تھیں اس نے مجھے۔
پوری بس خالی ہوگئی تھی، بہت سے لوگوں نے مجھے حیرت سے دیکھا تو میں جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور بس سے نیچے اتر گیا۔ عارضی طور پر فرید خان کے الفاظ نے میرے اعصاب کشیدہ کر دیئے تھے۔ لیکن چند قدم چل کر میں نے خود کو سنبھال لیا اور پھر ایک آٹو رکشہ روک کر اس میں بیٹھ گیا۔
آٹو رکشہ برقی صاحب کی عالی شان کوٹھی کے سامنے رکا تو چوکیدار نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ میں پیسے دے کر اندر داخل ہوگیا۔ سب ہی جیسے میرے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ خود برقی صاحب بھی سامنے موجود تھے انہوں نے بھی آ کر دیکھا تھا۔
''خیریت بتاؤ۔'' وہ فوراً بولے۔
''زیادہ ٹھیک نہیں ہے۔''
''اندر چلو۔'' وہ بولے، سب ایک دم رنجیدہ ہوگئے تھے۔
''کیسے آئے۔ میرا مطلب ہے ذریعہ سفر کیا رہا۔'' عاکف نے پوچھا۔
''ڈائیوو۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔
''فون کیوں نہیں کر دیا۔''
''موقع نہیں تھا۔ تفصیل بتاؤں گا۔''
''ہاں۔ ٹھیک ہے۔'' برقی صاحب نے کہا۔ میرے بارے میں شدید تجسس تھا اس لئے جلد ہی محفل جم گئی، برقی صاحب کو پہلے بھی کافی تفصیل معلوم تھی۔ فرید خان کے کھل کر سامنے آ جانے پر انہوں نے بہت افسوس کیا۔ سب ہی متفکر ہوگئے تھے۔ برقی صاحب نے کہا۔
''خود کو ایک لمحے کے لئے تنہا مت سمجھنا اشرف۔ بتاؤ کیا کرنا چاہتے ہو، جعلی وصیت نامے کو عدالت میں چیلنج کرو، میں تمہیں بہت اچھا وکیل مہیا کر سکتا ہوں۔''
''سچ بتاؤں تایا جان۔ مجھے صرف ان شیطانی قوتوں کا خیال ہے کیونکہ میں ان نقصانات کے بارے میں جانتا ہوں جو سید خاندان اٹھا چکے ہیں۔''
''ہاں۔ یہ تو ہے۔ دیکھو اللہ کا کیا حکم ہے۔''
اسی رات میرے سیل پر فرید خان کی کال موصول ہوئی۔ ''کہو شہزادے، کیا فیصلہ کیا، میری رائے تو یہ ہے کہ باہر گھوم آؤ، دل نہ لگے تو واپس آ جانا۔ پھر چچا بھتیجے عیش کریں گے۔ اور یہ آخری پیشکش ہے۔''
''تم پاگل ہوگئے ہو فرید خان۔ اپنے دماغ کا علاج کراؤ۔ اگر میں تمہارے مقابلے پر کھڑا ہوگیا تو منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔''
دوسری طرف سناٹا چھا گیا۔ میں نے خود ہی سیل آف کر دیا تھا۔ دوبارہ کوئی فون نہیں آیا تھا۔ لیکن میں ساری رات ڈسٹرب رہا یہی سوچتا رہا کہ فرید خان کے مقابلے پر کس طرح آؤں۔ اس کے خلاف کون سی طاقت استعمال کروں۔ آہ کاش، مجھے بھی کوئی پراسرار علوم کا ماہر مل جائے جس سے میں فرید خان کے جادو کا توڑ حاصل کر سکوں۔
دوسرا اور تیسرا دن گزر گیا۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ برقی صاحب لاہور میں ہی تھے ان کی کاروباری سرگرمیاں جاری تھیں۔ لیکن تیسرے دن کی رات بڑی خوف ناک ہوگئی۔ رات کے کوئی دو بجے ہوں گے کہ کوٹھی کے پچھلے حصے سے جہاں سرونٹس کوارٹر تھے اچانک شور بلند ہوا۔
''آگ...... آگ...... آگ۔''
ملازم چیختے ہوئے کوارٹروں سے نکل بھاگے تھے۔ آگ ان کے کوارٹروں میں نہیں لگی تھی بلکہ کوٹھی کے پچھلے حصے میں بھڑکی تھی جہاں گاڑیوں کے گیراج بھی تھے۔ وہاں فالتو پیٹرول کے بیرل بھی رکھے ہوئے تھے جو طاقتور بم ثابت ہوئے۔ یہ بم پھٹ کر فضا میں بلند ہوئے اور دور دور تک پھیل گئے۔ پچھلی طرف کی تو کئی دیواریں منہدم ہوگئیں چونکہ آگ کا آغاز پچھلے حصے سے ہوا تھا اس لئے کوٹھی کے مکینوں کو سامنے سے باہر نکلنے کا موقع مل گیا۔ بچہ بچہ باہر بھاگا اس طرح کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا انہیں پیٹرول کے بیرلوں نے پوری کوٹھی کو مشعل بنا دیا اور وہ ہر طرف سے آگ کی لپیٹ

میں آ گئی۔ سب لوگ کوٹھی سے نکل کر باہر سڑک پر آ گئے تھے۔ ہر طرف سے گھروں میں آرام کی نیند سوئے ہوئے تھے لوگ جلتی ہوئی کوٹھی کی طرف دوڑ پڑے تھے۔ کچھ ہی دیر میں فائر بریگیڈ کی گاڑیاں پہنچ گئیں اور آگ بجھانے کا کام شروع ہو گیا۔ برقی صاحب کے ایک پڑوس کی خواتین آ گئیں اور کوٹھی کی تمام خواتین کو اپنے ساتھ پڑوس کی کوٹھی میں لے گئیں۔ ہم سب باہر کھڑے اس عالی شان کوٹھی کو راکھ کا ڈھیر ہوتے دیکھ رہے تھے۔

پڑوس کے لوگ ایک دوسرے سے آگ لگنے کی وجہ پوچھ رہے تھے لیکن کسی کے پاس اس کا جواب نہیں تھا ہاں کوٹھی میں موجود کروڑوں روپے کے سامان میں سے ایک روپے کا کوئی سامان نہیں بچایا جا سکا تھا۔

مجھ سے کسی نے کچھ نہ پوچھا نہ کہا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ یہ کیا ہوا ہے، ہونی تھی کوئی ایسی ہی بات ہونی تھی فرید خان نے صاف کہہ دیا تھا پولیس بھی آ گئی برقی صاحب سے کچھ باتیں پوچھی گئیں انہوں نے سادہ سے الفاظ میں کہا کہ اگر انہیں آگ لگنے کی وجہ معلوم ہوتی تو وہ آگ سے بچنے کا تدارک کرتے۔

وہی پڑوسی جو خواتین کو لے گئے تھے ہمیں بھی اپنے ساتھ لے گئے برقی صاحب نے آگ کی صورت حال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اندازہ ہو گیا کہ کوٹھی کے اندر کچھ نہیں بچے گا اس لئے سامان وغیرہ بچانے کی کوشش میں زندگی کو خطرے میں نہ ڈالا جائے۔ صرف آگ بجھانے کی کوشش کی جائے پڑوسی نے چائے وغیرہ کا انتظام کیا تھا۔

اس طرح صبح ہو گئی برقی صاحب نے کہا۔

''عاکف، کرائے کی گاڑیوں کا انتظام کرو، ہم پشاور چلیں گے۔ یہ کوٹھی تو اب ملبہ رہ گئی ہے بعد میں کچھ انتظام کریں گے۔''

''جی ......!'' عاکف نے کہا لیکن میں یہ سن کر بے چین ہو گیا تھا۔ بہت سوچنے کے بعد میں نے کہا۔

''تایا جان، میں پشاور نہیں جاؤں گا۔''

''کیوں بیٹے؟''

''نہیں، بس میں پشاور نہیں جاؤں گا۔ مجھے یہیں پڑھنا ہے۔''

''ہاں بیٹے تھوڑے دن پشاور رہیں گے۔ اس کے بعد لاہور واپس آ جائیں گے۔''

''لیکن میں پشاور نہیں جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔ اور برقی صاحب مجھے پریشانی سے دیکھنے لگے۔ پھر بولے۔

''پھر تم کہاں رہو گے؟''

''آپ فکر نہ کریں، میں کوئی انتظام کرلوں گا۔''

''اچھا میں یوں کرتا ہوں، اپنے منیجر توفیق سے کہتا ہوں وہ فوری طور پر تمہارے لئے کسی ہوسٹل میں انتظام کر دیں گے بعد میں ہم لوگ یہاں کسی دوسری کوٹھی کا انتظام کر کے واپس آ جائیں گے۔''

میں خاموش ہو گیا حالانکہ میں بھی جانتا تھا اور خود برقی صاحب بھی کہ یہ آگ صرف میری وجہ سے لگی ہے اور اب میں جہاں بھی جاؤں گا وہاں تباہی نازل ہو گی، فرید خان مجھے بتا چکا تھا۔

برقی صاحب نے توفیق کو ہدایات دیں کافی رقم بھی دی کہ میرے لئے کپڑوں وغیرہ کا بندوبست بھی کر دیں اور ہوسٹل کے اخراجات بھی۔ بڑے باوضع لوگ تھے میری وجہ سے کروڑوں کا نقصان ہوا تھا لیکن ماتھے پر کوئی شکن نہیں تھی۔ انتظامات ہو گئے مجھے ہوسٹل میں منتقل کر لیا گیا۔

یہاں ماحول بدل گیا تھا، لیکن میرے لئے کچھ نہیں تھا۔ مجھے تو یہ سب مذاق ہی لگتا تھا۔ فرید خان نے برملا کہا تھا کہ'' پڑھنا لکھنا چھوڑ کر گجر گھاٹ واپس آ جاؤں۔ اور ان کے ساتھ رنگ رلیاں مناؤں کہ یہی زمینداروں کی شان ہوتی ہے۔'' لیکن ......ایک زمیندار نے کس طرح شان دکھا کر پورے خاندان کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔

ہوسٹل کا ایک پورا کمرہ میرے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے اس کے لئے برقی صاحب نے پورے اخراجات ادا کئے ہوں گے۔ لیکن میرے لئے یہ

کوئی خاص بات نہیں تھی۔ بلکہ میں اداس ہو گیا تھا۔ میرا دل یہاں بالکل نہیں لگ رہا تھا، لیکن یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔

ابھی یہاں آئے ہوئے کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ہوسٹل کے کمروں کی نگراں فائقہ بیگم نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی، فائقہ بیگم بہت نفیس خاتون تھیں بالکل ماں جیسی نرم اور شفیق۔

''آ سکتی ہوں؟'' انہوں نے کہا۔

''ارے آیئے آنٹی۔ آپ مجھ سے اجازت کیوں لے رہی ہیں۔''

''ٹھیک ہو بیٹے۔''

''جی آنٹی۔''

''تمہارے پاس ایک ضروری کام سے آئی ہوں۔''

''جی، بتایئے۔''

''مقصود پنجاب کے ایک چھوٹے سے چک سے آیا ہے۔ غریب ماں باپ کا بیٹا ہے اس کے والدین اس کے تعلیمی اخراجات کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن وہ پڑھنا چاہتا ہے کسی نہ کسی طرح اس نے داخلہ لے لیا ہے لیکن اس کے پاس رہنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔''

''جی۔''

''یہاں ہوسٹل میں بہت سے امیر زادوں نے اپنے پاس ملازم رکھے ہوئے ہیں، وہ ان کے سارے کام کرتے ہیں اگر تم منصور کو اپنے ساتھ رکھ لو تو وہ تمہارے سارے کام کرے گا، تمہیں کمپنی دے گا۔''

''آپ کا کیا حکم ہے آنٹی۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''میرے خیال میں تم یہ نیک کام کر لو۔''

''تو ٹھیک ہے۔ آپ اسے یہاں لے آئے۔''

مقصود ایک گڈ لکنگ نوجوان تھا بہت ہی مختصر سامان کے ساتھ آیا تھا میں نے خوش دلی سے اسے ویل کم کیا۔ اس نے خود ہی مجھے بہت سے کاموں کی پیشکش کی اور میں ہنسنے لگا۔

''تم میرے اچھے دوست بن جاؤ۔ بس یہ کافی ہے۔'' اس نے ممنونیت سے گردن جھکا لی تھی اس کے آ جانے سے میری وحشت میں کافی کمی ہوئی تھی میں اس سے باتیں کرتا رہتا تھا ہم نے ابھی تک ایک دوسرے سے ذاتی زندگی کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔

لیکن ایک رات کوئی تین بجے کے وقت وہ سوتے سوتے دہشت بھری آواز میں چیخ پڑا۔ اس خوف ناک انداز میں چیخا تھا کہ میری بھی آنکھ کھل گئی۔ میرا ذہن چونکہ نیند میں تھا اس لئے سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہوا ہے۔ تاہم میں جلدی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ شدید خوف زدہ تھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا مقصود کیا بات ہے؟'' میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

''پانی، پانی۔'' اس کی آواز ابھری۔

''پانی؟ میں لاتا ہوں،'' میں نے فریج سے پانی کی بوتل نکال کر اسے پانی پلایا، وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ ''کوئی خواب دیکھا تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''معاف کرنا، تمہیں بھی جگا دیا۔''

''مگر ہوا کیا تھا؟ تم چیخے تھے۔''

''ہاں...... میں، میں نے خواب دیکھا تھا...... اوہ۔''

''کیا خواب دیکھا تھا؟''

''وہ خواب ہی تھا، لیکن خواب میں جو کچھ دیکھا وہ مجھ پر بیت چکی ہے۔ کیا تم سننا پسند کرو گے؟''

''ہاں، کیوں نہیں۔'' میں نے دلچسپی سے کہا۔

''میں نے تمہیں اپنے چک کے بارے میں بتایا تھا، ہمارا یہ چک شہر سے کافی دور ہے جب ہم کسی کام سے شہر جاتے ہیں تو ہمیں ایک بے حد پرانے قبرستان سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس قبرستان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ صدیوں پرانا ہے اس قبرستان میں ہمارے خاندان والوں کی قبریں بھی ہیں جن میں سے بعض کے اب نام ونشان بھی نہیں رہے ہیں۔ چک والے اس قبرستان سے بہت ڈرتے ہیں لیکن مجبوراً انہیں وہیں سے گزرنا ہوتا ہے لوگ کوشش کرتے ہیں کہ رات میں اس

قبرستان سے نہ گزریں۔لیکن کبھی کبھی مجبوری ہو جاتی ہے میرا ایک دوست جو پہلے میرے چک میں ہی رہتا تھا بعد میں اس کے والد کراچی چلے گئے تھے،اپنے ایک رشتہ دار کی شادی میں شہر آیا ہوا تھا، میں اس سے ملنے گیا واپسی میں بہت دیر ہوگئی اس کا احساس مجھے قبرستان کے قریب آ کر ہوا۔ جو اس وقت بھیانک تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

مجھے اب اپنی غلطی کا احساس ہوا،تقریباً ہر گھر کے لوگ اپنے چھوٹے بڑوں کو نصیحت کرتے تھے کہ خبردار، رات کے وقت اس پرانے قبرستان سے نہ گزریں۔ میں بھی خیال رکھتا تھا لیکن بس غلطی ہوگئی گھر کو جانا ہی تھا، میں سہمے سہمے قدموں سے قبرستان میں داخل ہو گیا، ہو کا عالم، ہر طرف قبریں، سناٹا اپنے سانسوں کی آواز سے بھی خوف محسوس ہو رہا تھا،ٹوٹی قبروں میں رینگتے ہوئے حشرات الارض ذرا سی آہٹ ہوتی تو لگتا جیسے ابھی کسی نے قبر سے سر نکال کر مجھے دیکھا ہو، میرے بارے میں سرگوشی کی ہو۔

''کون ہے؟

دیکھو۔

پکڑو

جانے نہ پائے۔''

اور یوں لگتا جیسے کوئی دبے پاؤں میرے پیچھے چل پڑا ہو، میری گردن پکڑنے والا ہو، کئی بار مجھے اپنی گردن کے پچھلے حصے پر کسی کے ہاتھوں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی اور مشکل سے میں نے اپنے حلق سے نکلنے والی چیخ روکی۔ ایک ایک قدم خوف ودہشت میں ڈوبا ہوا تھا۔

دل کہہ رہا تھا کچھ ہونے والا ہے۔ یہ خونی قبرستان مجھے یوں نہیں چھوڑے گا۔ اس کی ہولناک روایتوں میں تبدیلی ممکن نہیں ہے اور یہی ہوا۔ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک ٹوٹی قبر میں سرسراہٹ ہوئی اور پھر...... اس سے ایک سر نمودار ہو گیا، اف میرے خدا...... اس وقت بھی اس کا تصور کرتا ہوں تو سارا بدن تھرتھرانے لگتا ہے پورا مٹکے کے برابر سر تھا، بڑی بڑی سرخ آنکھیں جو کہ بجلی کے بلب کی طرح چمک رہی تھیں بلکہ آنکھوں کی روشنی میں نہ صرف اس کا پورا چہرہ نظر آرہا تھا بلکہ آس پاس بھی روشنی ہوگئی تھی۔

میرے تو دل کی حرکت میں بند ہونے لگی، میں نے بھاگنے کی کوشش کی تو ایک ہاتھ قبر سے نکلا اور اس نے میری ٹانگ پکڑ لی پھر ایک مکروہ آواز ابھری۔

''تھوڑا سا خون دے دو میاں جی، بڑی پیاس لگی ہے۔''

میرے خدا، آواز تھی، یوں لگتا تھا جیسے بادل گرج رہے ہوں۔ میں نے پھر پاؤں چھڑانے کی کوشش کی، لیکن وہ ہاتھ تھا کہ لوہے کا شکنجہ۔

دفعتاً مجھے مولوی ابراہیم صاحب کی ایک بات یاد آئی، مولوی صاحب ہمارے گاؤں کی واحد مسجد کے موزن تھے اور نماز کے بعد بچوں کو کلام پاک پڑھاتے تھے وہ انہیں دوسری نیک باتیں بھی سکھاتے تھے، خاص طور سے انہوں نے اس قبرستان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہاں سے گزرتے ہوئے کلام الٰہی کی یہ آیت پڑھا کرو۔ ہر طرح کے بھوت پریت اور ارواح خبیثہ تم سے دور، رہیں گی۔

اس وقت وہ آیت مجھے یاد آ گئی اور میں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا فوراً ہی اس بدروح نے میرا پاؤں چھوڑ دیا مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا ہو اور مجھے آگے دھکیلا ہو، لیکن پیچھے مجھے اسی خوف ناک آواز میں چیخیں سنائی دیں۔

''تھوڑا سا خون دے دے۔ بڑی پیاس لگی ہے بھاگ کر کہاں جائے گا، کہاں تک بچے گا۔''

میں نے کچھ نہ کہا۔ اب میرے بدن میں جان آ گئی تھی، ڈر تو بیشک لگ رہا تھا لیکن چل سکتا تھا چنانچہ قبرستان سے نکل آیا اور گھر پہنچ گیا۔ گھر والوں کی بری حالت تھی۔ سب کی نظریں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ میں نے انہیں پوری تفصیل بتائی تو سب سکتے میں رہ گئے۔ پھر مجھے برا بھلا کہا گیا کہ میں نے اتنی دیر کیوں لگائی میں قبرستان سے تو بچ کر آ گیا تھا۔ لیکن ابھی تک وہ بھیانک چہرہ میری نظر میں گھوم رہا تھا۔ اسے یاد کر کے

میرے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں آخر کار میں سونے کے لئے اپنے کمرے میں آ گیا۔ لیکن میرا اب بھی خوف سے برا حال تھا رہ رہ کر مجھے وہی بھیانک چہرہ نظر آ رہا تھا۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا، میری آنکھ بمشکل لگی تھی کہ اچانک ایک آہٹ ہوئی اور میری آنکھ کھل گئی میرے خدا، میں نے اسی بھیانک وجود کو دیکھا، اب وہ پورے کا پورا میرے سامنے کھڑا تھا لیکن اس طرح کہ اس کا سر میرے کمرے کی چھت سے ٹکرا رہا تھا اس کے ہاتھ میں ایک چمکدار خنجر تھا، پھر اسکی مکروہ آواز ابھری۔ ''تھوڑا سا خون دے دے۔ بڑی پیاس لگ رہی ہے۔''

میرے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور میں بے ہوش ہو گیا۔ بے ہوش ہونے کے بعد مجھ پر کیا گزری میں نہیں جانتا، ہاں جب ہوش آیا تو پیش امام صاحب کچھ پڑھ کر میرے سینے پر پھونکیں مار رہے تھے۔ پتہ چلا کہ تین دن کے بعد مجھے ہوش آیا ہے، میں تین دن سے بے ہوش اور سخت بخار میں مبتلا تھا۔

پھر مولوی ابراہیمن نے کئی ماہ تک میرا روحانی علاج کیا تب کہیں جا کر میری حالت بہتر ہوئی۔''

حالانکہ مقصود کی کہانی کافی خوف ناک تھی لیکن میں اس سے کہیں زیادہ خوف ناک حالات سے گزر چکا تھا اس لئے میں کوئی خاص متاثر نہیں ہوا۔

جانے کتنے دن گزر گئے۔ پھر ایک دن بالکل غیر متوقع طور پر فرید خان کا فون موصول ہوا۔ میں اس کی آواز سن کر چونک پڑا تھا۔

''کیسے ہو میرے لعل۔'' فرید خان کی آواز میں طنز تھا۔

''بالکل ٹھیک اور خوش۔''

''امی یاد نہیں آتیں؟''

''آتی ہیں۔ میں نے ان کی سلامتی خدا پر چھوڑ دی ہے۔''

''میں تم سے صرف دو سو گز کے فاصلے پر ہوں، ملو گے مجھ سے۔'' فرید خان نے کہا۔

''نہیں......'' میں نے جواب دیا اور دوسری طرف خاموشی طاری ہو گئی شاید فرید خان کو اس دوٹوک جواب کی توقع نہیں تھی۔ پھر بھی اس نے بے حیائی سے کہا۔

''مل لو۔ آخر تمہارا چچا ہوں۔ اور پھر ممکن ہے تمہیں کوئی فائدہ ہی ہو جائے۔''

''آپ آنا چاہتے ہیں تو آ جائیں۔ میں آپ سے بالکل خوف زدہ نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

''آخر بھتیجے کس کے ہو۔ خیر میں آ رہا ہوں۔''

فرید خان میرے کمرے پر آ گیا مقصود کو دیکھ کر اس نے کہا۔ ''یہ کون ہے؟''

''مقصود۔''

''منزل مقصود، تمہارا روم میٹ ہے۔'' ''خیر، بیٹے تم باہر جاؤ، ہم چچا بھتیجے ہیں۔ کچھ پرائیویٹ باتیں کریں گے۔ مقصود بے چارہ جلدی سے باہر چلا گیا، میں غور سے فرید خان کو دیکھ رہا تھا موٹا ہو گیا تھا گالوں پر گہری سرخی آ گئی تھی، لیکن چہرہ بے حد مکروہ ہو گیا تھا اور اس پر خباثت برسنے لگی تھی۔ مجھے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''صحت کافی اچھی ہو گئی ہے نہیں ہونی چاہئے۔ موٹے ہو کر برے لگو گے، خیر کام کی بات کرتے ہیں، میری پیشکش پر غور نہیں کیا۔''

''کیا ہے، فیصلہ میں نے جو آپ کو بتا چکا ہوں۔''

''یعنی مجھ سے تعاون نہیں کرو گے۔ یقین کرو اشرف، میرے پاس اتنا کچھ ہے کہ میں گجر گھاٹ خرید سکتا ہوں وہاں کے سارے زمیندار اپنی زمینیں اپنی خوشی سے میرے حوالے کر دیں۔ لیکن اس کے باوجود کچھ ایسے معاملات ہیں جن میں تمہارا تعاون ضروری ہے۔ اس لئے میں نے ابھی تک تمہیں چھوٹ دے رکھی ہے۔''

''تو پھر ایک بات میری بھی سن لیں فرید خان صاحب۔ آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے کوشش کریں میں انتظار کر رہا ہوں۔''

''ویری گڈ۔ چچا جان کہنا بھی چھوڑ دیا۔ خیر سنو، ہو سکتا ہے میری قوت برداشت جواب دے جائے اور

میں آپے سے باہر ہو جاؤں، اگر ایسا ہو گیا اور تم مصیبتوں میں گھر گئے تو میں دو بول بتا رہا ہوں انہیں تین دفع دوہرا لینا، تمہارے اندر تبدیلیاں ہوں گی اور ہوسکتا ہے میں تمہیں معاف کر دوں۔"

میں حقارت سے ہنس دیا۔ میں نے کہا۔" سنئے فرید خان صاحب، اگر آپ محسوس کریں کہ آپ کی خباثتوں کو شکست ہوگئی ہے تو پانچوں وقت کی نماز پڑھا کریں اور زیادہ ہو سکے استغفار پڑھ لیں، اللہ بہت بڑا ہے ممکن ہے آپ کی توبہ قبول ہو جائے۔"

فرید خان اچانک اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے خونی نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں پرسکون نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ مقصود کافی دور بیٹھا ایک میگزین پڑھ رہا تھا۔ میں پریشان نہیں تھا دل کو ایک تقویت سی تھی نہ جانے کیوں دل یہ کہتا تھا کہ فرید خان میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ہاں امی جب بھی یاد آتی تھیں اس وقت دل رونے لگتا تھا اور میں کہتا تھا۔ امی اگر آپ میرے سامنے ہوتیں اور کوئی شیطان مجھ سے میرا ایمان چھیننے کی کوشش کرتا تو یقیناً آپ مجھے حتمی روک دیتیں، امی میں آپ کے لئے دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔

رات کو موسم خراب ہو گیا تیز آندھی چلی جو غیر متوقع تھی پھر بارش ہونے لگی مقصود آج بہت اداس تھا۔ میرے پوچھنے پر بولا۔

"گھر والے یاد آرہے ہیں۔"

"کچھ دنوں کے لئے چلے جاؤ۔"

"نہیں یار...... میرے حالت اجازت نہیں دیتے۔ جاؤں گا۔ ابو نے زیادہ پیسے بھیجنے کا وعدہ کیا ہے بس ان کا انتظار ہے۔"

"تم پاگل تو نہیں ہو مقصود، کیا اتنے معمولی سے پیسے، میں تمہیں نہیں دے سکتا۔"

وہ مسکرایا اور بولا۔

" یار تم میرے بہترین دوست ہو، کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہیں ہے کہ تمہارا دوست ایک خوددار آدمی ہے۔ پیسے آجائیں گے تو کچھ دن کے لئے گھر ہو آؤں گا۔"

میں نے اسے بہت متاثر کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ کسی قیمت پر مجھ سے پیسے لینے کے لئے تیار نہیں ہوا تھا۔

رات کو خوب تیز بارش ہوئی بادل گرجے بجلی چمکی، لیکن صبح کو جو طوفان آیا وہ بلاخیز تھا۔ ایک دل دوز نسوانی چیخ نے مجھے جگایا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا میڈم فائقہ تھیں جو پہلی چیخ کے بعد چیخنے کی مشین بن گئی تھیں لیکن ان کے چیخنے کی وجہ نہیں معلوم ہوئی تھی البتہ ان کی ان دہشت ناک چیخوں نے بھگدڑ مچادی اور بہت سے تو میرے کمرے میں گھس آئے میڈم فائقہ ایک طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

میں نے ان کے اشارے کی طرف دیکھا اور سکتے میں رہ گیا۔ مقصود اپنے بستر پر پڑا ہوا تھا اور اس کا بستر خون سے بھیگا ہوا تھا۔ اس کی گردن گدی کی کھال تک لٹکی ہوئی تھی اور چہرہ بھی خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے بعد جو ہونا تھا وہ ہوا، ظاہر ہے مقصود میرے ساتھ رہتا تھا، موت سے پہلے میں آخری شخص تھا جو اس کے ساتھ تھا مجھے گرفتار کر لیا گیا کسی عمل میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی تھی تیز دھار چھری جو خون میں لتھڑی ہوئی تھی میرے بستر کے گدے کے نیچے چھپی ہوئی تھی جسے پولیس نے تلاش کر لیا۔

مجھ سے پوچھا گیا کہ میں نے مقصود کو کیوں قتل کیا تو میں نے سادگی سے کہہ دیا کہ میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ اور اگر پولیس مجھے ہی قاتل سمجھتی ہے تو مجھے سزا دے دے۔ برقی صاحب، نیاز احمد، اور کچھ دوسرے ہمدردوں نے جو کچھ کیا جا سکتا تھا کیا گجر گھاٹ حویلی جو کیا گیا وہ یوں تھا کہ میں اپنے دادا مامون خان کا نہ صرف ہمشکل ہوں بلکہ انہیں کی طرح اوباش طبع ہوں۔ میری بری فطرت کی بنا پر میرے وصیت نامہ کو تبدیل کیا گیا

اور سب کچھ فرید خان کو دے دیا گیا، وغیرہ۔

غرض یہ کہ پولیس میرے سلسلے میں مزید تفتیش کر رہی تھی اور مجھے لاک اپ سے نکال کر جیل بھیج دیا گیا تھا مجھ پر ایک سکوت ایک عجیب سے نشے کی سی کیفیت طاری تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں ایک فلم دیکھ رہا ہوں اور بس ان واقعات سے میرا کوئی تعلق نہ ہو۔

ایک عجیب سی سحیر انگیز کیفیت مجھ پر طاری تھی۔

پھر ایک اور دلچسپ عمل ہوا اس دن مجھے عدالت میں پیش کیا گیا تھا پولیس کے جوان مجھے ہتھکڑیاں لگا کر عدالت کی عمارت میں لائے تھے۔ میں خاموش کھڑا عدالتی کارروائی دیکھ رہا تھا ملزم آ رہے تھے، پیشیاں ہو رہی تھیں ،اچانک میں اس جگہ جہاں میں کھڑا ہوا تھا دھماکے ہوئے اور انتہائی غلیظ دھوئیں کے بادل فضا میں بلند ہو گئے ساتھ ہی کچھ چیخوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور پھر اچانک کسی نے میری ناک پر ایک رومال رکھ دیا میرا سانس رک گیا ایک تیز بو پوری ناک کے راستے دماغ پر چڑھ گئی اور لمحوں میں میرے حواس گم ہو گئے۔

پھر جب ہوش آیا تو میں ایک آرام دہ بستر پر پڑا ہوا تھا۔ بہت موٹا گدا اور بڑا پرسکون ماحول تھا، میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کہاں ہوں، جب غور کیا تو گزرے ہوئے واقعات یاد آ گئے مجھے عدالت کے احاطے سے اغوا کر کے یہاں لایا گیا تھا۔

لیکن کس نے ایسا کیا تھا، میرے کسی ہمدرد نے یا دشمن نے، اور یہ معلوم ہونے میں بھی دیر نہیں لگی دروازے پر آہٹ ہوئی اور کسی نے اندر جھانکا، پھر مجھے جاگتا دیکھ کر اندر آ گیا، میں نے ایک لمحے میں اسے پہچان لیا۔ یہ حویلی کا ایک ملازم رفو تھا۔

''ارے رفو تم؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''جی چھوٹے مالک، ناشتہ لے آئیں۔''

''ناشتہ۔''

''جی مالک۔''

''مگر رفو۔ یہ کون سی جگہ ہے اور تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''ایں؟ حویلی ہے مالک، اور ہم یہاں نوکری کر رہے ہیں۔''

''یہ...... یہ گجر گھاٹ ہے۔''

''سو اور کیا۔''

''ہماری حویلی ہے۔''

''جی مالک......'' رفو نے کہا۔ وہ میرے سوالات پر حیران نظر آ رہا تھا لیکن مجھ پر جو بیت رہی تھی میں ہی جانتا تھا۔ حویلی کے اس کمرے کو میں بالکل نہیں پہچان سکا تھا ویسے بھی حویلی میں دو چار کمرے تو تھے نہیں اور کسی بھی کمرے کی ہیئت تبدیل کرائی جا سکتی تھی مجھے خاموش دیکھ کر رفو پھر بولا۔ ''ناشتہ لے آئیں مالک۔''

''ابھی بیس منٹ کے بعد۔'' میں نے ملحقہ باتھ روم کی طرف دیکھ کر کہا۔ اور رفو سر جھکا کر چلا گیا۔ لیکن میری حیرت کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اسے یاد کر کے میرا دل بیٹھا جا رہا تھا اب اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ صورت حال کی سنگینی کا احساس نہ ہو میں قاتل بن چکا تھا اور ایک مفرور مجرم بھی تھا میرے لئے تو کسی بھی طرح موت سے کم سزا نہیں ہو گی۔ یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ عدالت کے احاطے سے مجھے بے ہوش کر کے لانے والے کون تھے۔ یقیناً یہ انتظام فرید خان نے کیا تھا۔

لیکن پولیس، قانون کچھ نہیں سنے گا۔ کبھی یقین نہیں کرے گا کہ میں نے مقصود کو قتل نہیں کیا، کبھی یقین نہیں کرے گا کہ احاطہ عدالت سے فرار کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا اور یہاں حویلی میں، یہاں کتنے اطمینان سے مجھے رکھا گیا ہے۔ رفو نے باہر سے دروازہ بھی بند نہیں کیا تھا۔

غسل خانے سے باہر نکلا تو رفو ناشتہ لگا رہا تھا۔ ساری چیزیں تھیں اور بہت عمدہ تھیں دل میں ہزاروں وسوسے، بے شمار خیالات تھے میں نے انہیں رد کرنے کا حل یہ نکالا کہ خوب ڈٹ کر کھاؤں۔ اور میں ناشتے پر پل پڑا چائے کے دو تین کپ پینے کے بعد میں سیر ہو گیا۔

رفو وہیں کھڑا تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہوئے

کہا۔" حویلی میں سب خیریت ہے رفو۔ میری امی کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟"

رفو نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا خاموشی سے برتن سمیٹے اور باہر نکل گیا۔ میں نے گہری سانس لی اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے یہاں تو بڑا ڈرامائی ماحول پیدا کر دیا گیا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں باہر نکل آیا لیکن دو قدم چلا تھا کہ سامنے ہی فرید خان نظر آیا مجھے دیکھ کر رک گیا۔

"ہیلو۔ اشرف۔ اس نے آواز لگائی اور میں رک کر اسے دیکھنے لگا۔" میں تمہاری طرف آ رہا تھا ،آؤ میرے کمرے میں آ جاؤ۔"

وہ واپسی کے لئے مڑ گیا۔ میں نے کوئی نخرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا ،صورت حال کا مجھے اچھی طرح اندزہ تھا ان حالات میں خوئی ڈرامہ مناسب نہیں تھا البتہ یہ تھوڑا سا فاصلہ طے کرتے ہوئے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ حویلی میں کافی تبدیلیاں ہوئی ہیں اور شاید اس کے دو حصے کر دیئے گئے ہیں دوسرے حصے میں تایا ابو کلثوم پھوپھی اور دوسرے لوگ منتقل کر دیئے گئے تھے اور یہ حصہ فرید خان نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔

فرید خان ایک کمرے میں داخل ہو گیا اس کمرے کی آراستگی قابل دید تھی۔ سب سے زیادہ سرپرائزنگ بات یہ تھی کہ فرید خان کی انتہائی خوب صورت مسہری پر ایک خوب صورت نوجوان لڑکی انتہائی بے ہودہ لباس میں نیم دراز تھی اور ایک رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی۔

"اوہ سوری بے بی، چلو تم دوسرے کمرے میں جاؤ۔" فرید خان نے کہا۔

لڑکی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوئی، اس نے مجھے دیکھا اور پھر اس کی نظریں جیسے مجھ سے چپک ہی گئیں عجیب بھوکی نظریں تھیں جیسے بلی گوشت کو گھورتی ہے۔ پھر وہ انتہائی اوباش لہجے میں بولی۔

"کون ہے یہ رس گلہ؟"

"بتاؤں ابھی۔" فرید خان نے غصے سے کہا اور مسہری کی طرف بڑھا۔ لیکن لڑکی نے ایک مصنوعی چیخ کے ساتھ مسہری کے دوسری طرف چھلانگ لگائی اس کا لباس کچھ اور بے ترتیب ہو گیا اور میری آنکھیں خود بخود جھک گئیں۔

وہ کمرے کے دوسرے دروازے کو کھول کر اس طرف چلی گئی۔

"بیٹھو" فرید خان نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اور میں بیٹھ گیا، فرید خان کی آوارگی کی بہت سی کہانیاں سنی تھیں آج اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا تھا۔ بدنصیبی سے میری صورت مامون خان سے ملتی تھی لیکن ان کے بیٹے کے لچھن شاید ان سے بھی زیادہ شرمناک تھے۔

فرید خان دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔

"مجھے خوشی ہے اشرف کہ تم زیادہ عمر نہ ہونے کے باوجود بے حد سمجھ دار ہو، میری بدقسمتی ہے کہ ہم تم دونوں دوست نہ بن سکے، پتہ نہیں تمہارے دماغ میں یہ نیکیوں کا خناس کہاں سے گھس گیا چار سانسیں ہیں زندگی کی، انہیں بھی زنجیروں میں قید کر دو۔"

"یہ ہماری حویلی ہے فرید خان صاحب۔" میں نے کہا۔

"ایں، ہاں۔ کیوں۔ ویسے مجھے اس بات پر حیرت نہیں ہے کہ تم نے مجھے چچا کہنا چھوڑ دیا ہے۔"

"کام کی بات کریں فرید خان۔" میں نے بگڑتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"گویا ابھی بل نہیں گئے۔ نکل جائیں گے نکل جائیں گے، بلکہ بل تو نکل جائے لیکن شاید میں اس بات سے متاثر ہوں کہ تم ابا کے ہمشکل ہو اور ابا میرا آئیڈیل تھے۔"

"آپ جیسے ہیں فرید خان صاحب، خیر۔ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں یا میں آپ سے کچھ پوچھوں۔"

"تم پوچھو۔" فرید خان نے شیطانی مسکراہٹ سے پوچھا۔

''جواب دیں گے۔''

''سو فیصدی۔''

''سچا جواب ہوگا۔''

''جھوٹ اس سے بولا جاتا ہے جس سے کوئی خوف ہو اور تم......''

''ٹھیک کیا آپ نے اپنا مذہب بدل لیا ہے؟''

''مذہب۔'' فرید خان نے پرخیال انداز میں کہا۔'' پھر بولا۔'' میں شروع ہی سے کسی سلسلے میں انتہا پسند نہیں ہوں میں نے زندگی کا جو تجربہ کیا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ کائنات میں طاقت کی پوجا، عبادت کی جاتی ہے کھلی آنکھ سے دیکھو دو ہاتھ، دو پاؤں والا انسان ہر جگہ نظر آئے گا، لیکن جو طاقتور ہے وہی راج کرتا ہے میرا مذہب طاقت ہے، اور طاقت کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ دماغ میں ہوتی ہے طاقت بادشاہ ہے اور دولت اس کی خوراک، دولت نہ ہو تو طاقت بھوک سے مر جاتی ہے تم سمجھ تو رہے ہو کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔''

''تو آپ مسلمان نہیں ہیں۔''

''یہ ایک جذباتی سوال ہے جس کا میں جواب نہیں دوں گا۔''

''آپ نے شمشان گھاٹ میں بیٹھ کر گندے علوم سیکھے ہیں۔''

''اوہ، تمہیں معلوم ہے۔''

''جی۔''

''وہ گندے علوم نہیں ہیں، بلکہ وہ طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو، اس وقت کون ہے جو میرے مقابلے پر آ سکتا ہے۔''

''گڈ......! مقصود کو کس نے قتل کیا ہے؟''

''میں نے۔'' فرید خان نے بے خوفی سے کہا۔

''کیوں؟''

''تمہیں اوقات میں لانے کے لئے۔''

''مطلب؟''

''مطلب تمہیں معلوم ہے تم اب قاتل اور مفرور بن چکے ہو۔''

''میں گرفتار ہو جاؤں گا، مجھے سزائے موت ہو جائے گی آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔''

''بتا دوں۔؟'' فرید خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اگر مناسب سمجھیں۔''

''تو سنو، خوش ہو جاؤ گے، مامون خان نے جو کچھ کیا ہے اس کا سب سے بڑا فائدہ تمہیں حاصل ہوا ہے کیونکہ تم ان کے ہمشکل ہو، کالے جادو کی ایک بہت بڑی قوت تمہیں چاہتی ہے، وہ تمہیں ایک مہان شکتی دینا چاہتی ہے، لیکن اس کے لئے تمہیں دین اسلام کے چکر سے نکلنا ہوگا کالے دھرم میں آنا ہوگا اور اشرف خان جب میں نے تمہیں اتنا بتا دیا ہے تو یہ بھی بتا دوں کہ تم کالی طاقت کے حصار میں ہو۔''

''حصار میں ہوں؟''

''ہاں۔ نادیدہ قوتیں تمہاری حفاظت کر رہی ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''تمہارا کیا خیال ہے، عدالت کے احاطے سے میں تمہیں لایا ہوں۔''

''تو پھر......؟''

''معمولی بات نہیں تھی، زبردست خون خرابہ ہو سکتا تھا۔ یہ سب انہیں قوتوں نے کیا ہے۔ گجر گھاٹ کوئی دور کا علاقہ نہیں ہے لاہور یہاں سے دور نہیں ہے اور پھر پولیس کو ایک مفرور قاتل کو تلاش کرنے کے لئے سب سے پہلے اس کے گھر آنا چاہئے تھا لیکن......اور ہاں یہ پورا علاقہ اب ہمارا ہے جہاں چاہو دندناتے پھرو، کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ جائے تو جوتے مارنا فرید خان کو۔''

''مجھے کیا کرنا ہوگا خان صاحب۔'' میں نے کہا اور فرید خان کے چہرے پر اچانک خوشی نظر آئی۔

''کیا تم تیار ہو۔''

''مذاق میں بھی، بڑی سے بڑی ضرورت کے تحت بھی یہ الفاظ نہیں کہہ سکتا۔ میں تم پر اور تمہاری پیشکش پر دونوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

فرید خان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ وہ دیر تک کچھ نہیں بول پایا بمشکل اس نے خود کو سنبھالا، اور بولا۔ ”ٹھیک ہے، جب تمہیں تمہاری ماں سڑکوں پر بھیک مانگتی نظر آئے اس کے بدن پر چیتھڑے جھول رہے ہوں اور وہ لوگوں کی نظروں سے اپنے بدن کو چھپاتی پھرے تو بس یہ سوچنا کہ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔“

”کاش۔ میں تمہارے منہ کو پتھر سے کچل سکتا ،کاش۔“ میں نے کہا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ فرید خان پر حملہ کر دوں، اسے اس کے الفاظ کی سزا دوں۔ لیکن میں نے برداشت کیا، فرید خان اٹھ کھڑا ہوا اور پھر وہ اس کمرے سے باہر نکل گیا۔

میرے تن بدن میں بھی شعلے بھڑک رہے تھے، ماں کے بارے میں اس نے جو الفاظ کہے تھے میں انہیں برداشت نہی کر پا رہا تھا، کیا کروں کیا فرید خان کو قتل کر دوں دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ اسے اذیت دے کر مار دوں اور میں ایسا کر سکتا تھا وہ تن و توش میں میرے مقابلے میں کچھ نہیں تھا، ایک کمزور اوباش آدمی جبکہ میں جنگلی سانڈ کی طرح قد آور اور طاقتور تھا۔

لیکن، دماغ کو قابو میں رکھنا ضروری تھا اگر میں نے اسے بھی قتل کر دیا تو دوہرے قتل کا مجرم بن جاؤں گا جبکہ معصوم مقصود کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔

میرے دل ودماغ میں طوفان آتے رہے، جذباتی عمل ہمیشہ غلط راستہ دکھاتا ہے، میں یہ بھی انتظار کر رہا تھا کہ دیکھوں اس گفتگو کے بعد فرید خان کا کیا ردعمل ہوتا ہے۔ اگر اس نے میرے خلاف کوئی عمل کیا مثلاً اگر اس نے پولیس کو میری یہاں موجودگی کی خبر کر دی اور پولیس آ گئی تو مجھے کیا کرنا چاہئے، نہیں، میں آسانی سے ہار نہیں مانوں گا، میں پولیس سے مقابلہ کروں گا اور یہاں سے فرار ہو جاؤں گا میری زندگی کا صرف ایک مقصد ہو گا ماں کی تلاش، اگر امی مجھے مل گئیں تو پھر ساری جائیداد وغیرہ پر لعنت بھیج کر کہیں گوشہ نشین ہو جاؤں گا اپنی ماں کو اپنی محنت کی کمائی کھلاؤں گا مجھے ماں کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہئے۔

ایسے ہی خیالات میرے ذہن میں آتے رہے۔

فرید خان نے کھلم کھلا اعتراف کیا تھا کہ اس نے اپنا مذہب چھوڑ دیا ہے اور بے دین ہو گیا ہے۔ وہ مجھے بھی اس کی ترغیب دے رہا ہے کہتا ہے کالی کے داسی بن جاؤ، وہ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ میں کالی طاقتوں کے حصار میں ہوں اور کالی طاقتیں اپنے کسی مقصد کے لئے مجھے خود میں شامل کرنا چاہتی ہیں۔

اوہ۔

ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں کوندا۔ جمنا داس نے مجھے کالی ماتا اور بھوانی دیوی کے بارے میں فرق بتایا تھا جب میں نے ان سے کہا تھا کہ مجھے جنتر منتر سکھا دیں تو انہوں نے اور مینکا نے کہا تھا کہ اس کے لئے کچھ ایسے عمل کرنے پڑتے ہیں جو اسلام کے منافی ہیں۔

وہ عمل کیا ہیں؟

اگر کوئی آسان بات ہے تو صرف فرید خان سے مقابلے کے لئے اپنی ماں کی تلاش کے لئے میں یہ عمل رکھو، اور اپنا کام مکمل کر کے توبہ کر لوں تو؟ یہ بات شدت سے میرے ذہن پر سوار ہو گئی کیا کرنا چاہئے اس کے لئے ضروری ہے کہ میں ایک بار جمنا داس سے ملوں مگر کیسے؟ وہاں کیسے جاؤں۔

ابرار بھائی ایک اچھے انسان تھے۔ میرے وفادار بھی تھے، انہیں سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ باہر سے کچھ آوازیں سنائی دیں تو میں چونک پڑا۔ گاڑی کے انجن کی آواز آئی تھی۔

”کیا پولیس آ گئی؟“ بہرحال یہ خدشہ تو ذہن میں تھا، میں برق رفتاری سے کھڑکی کے پاس پہنچ گیا۔

اور میں نے باہر جھانکا۔ پولیس نہیں آئی تھی بلکہ فرید خان اپنی اسی اوپن جیپ میں باہر جا رہا تھا۔ میں ایک گہری سانس لے کر کھڑکی سے ہٹ آیا۔

حالات خراب ہوں تو نہ جانے کیسے کیسے اوٹ پٹانگ منصوبے دماغ میں آتے ہیں۔ فرید خان کا اس

وقت حویلی سے چلے جانا میرے لئے بڑا کارآمد تھا گویا میرے منصوبے کو جلا ملی تھی ویسے بڑی حیرانی کی بات تھی کہ فرید خان جیسے شیطان ذہانت کے مالک شخص نے مجھے اس قدر آزادی دینے کی حماقت کیسے کی تھی اسے یہ اعتماد کیسے تھا کہ میں یہاں سے فرار کی کوشش نہیں کروں گا۔ پتہ نہیں اس اعتماد کی وجہ کیا تھی ہوگی کچھ۔

میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ اور پھر چھپتا چھپاتا فرید خان کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ مجھے یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں فرید خان کے کمرے میں کوئی چھمک چھلو نہ ہو۔ اس لئے میں نے بڑے محتاط طریقے سے کمرے کا دروازے کھولا تھا پھر شکر کیا تھا کہ اس وقت کمرے میں کوئی جل پری نہیں تھی۔

میری نگاہوں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا پھر میں اس الماری کے پاس پہنچ گیا جس میں تجوری موجود تھی فرید خان تو جیسے بادشاہ سلامت بن گیا تھا۔ اسے اس عظیم الشان حویلی میں کسی طرح کا کوئی خدشہ ہی نہیں تھا۔ الماری بھی لاک نہیں تھی نہ ہی اس میں موجود تجوری لاک تھی تجوری میں نوٹوں کی تھپیاں لگی ہوئی تھیں میں نے ان میں سے صرف دو گڈیاں نکالیں ایک بڑے نوٹوں کی دوسری چھوٹے نوٹوں کی۔ یہ دونوں گڈیاں جیبوں میں ٹھونس کر میں باہر نکل آیا مجھے اب بھی فرید خان کی اس لاپرواہی پر حیرت تھی جو اس نے میرے سلسلے میں اور پھر اپنے کمرے کے سلسلے میں برتی تھی اس کی وجہ واقعی میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

اس کے بعد میں نے ابرار بھائی کو تلاش کیا جو اس وقت اپنے کوارٹر میں تھے اور شاید بیمار تھے ان کے چہرے سے پتہ چل رہا تھا مجھے دیکھ کر جلدی سے اٹھ گئے۔

''ارے، چھوٹے مالک آپ یہاں کیوں آ گئے۔ کسی کو بھیج کر مجھے کیوں نہیں بلوا لیا۔''

''اس لئے کہ اب میں چھوٹا مالک کہاں رہا ہوں۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''نہیں مالک، ایسی بات نہیں ہے۔ کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں۔''

''ابھی تو راتیں ہی بڑی ہیں ابرار بھائی۔''

''نہیں مالک وقت کسی کے قبضے میں نہیں رہتا۔''

''دیکھو۔ اچھا ایک بات بتاؤ ابرار بھائی۔''

''جی مالک۔''

''تمہاری طبیعت کیسی ہے۔''

''نزلہ بخار ہو رہا ہے۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''میں یہ پوچھ رہا تھا کہ فرید خان نے تمہیں میرے بارے میں تو کوئی ہدایت نہیں کی۔''

''بالکل نہیں مالک۔''

''میرے کہیں آنے جانے کے بارے میں تو کبھی نہیں پوچھا؟''

''آج تک نہیں۔''

''یہ بھی نہیں کہا کہ میں کہیں جانے کے بارے میں کہوں تو آپ نہ جائیں۔''

''کبھی نہیں کیا۔''

''شکر ہے۔ میں آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔ ابرار بھائی۔''

''چھوٹے سرکار۔''

''مجھے اس دھرم شالہ میں تم چھوڑ دیں۔''

''حاضر مالک۔ مگر آپ نے چھوڑنے کی کیا بات کہی۔''

''میں وہاں کچھ دن رکوں گا۔ آپ صرف مجھے وہاں چھوڑ دیں۔ واپسی کا میں خود انتظام کر لوں گا۔''

''آپ کیوں انتظام کریں گے مالک۔ مجھے فون کر دیں۔ میں آ جاؤں گا۔''

''شکریہ۔ مگر ایک بات بتائیں۔''

''بولیں مالک۔''

''آپ کی طبیعت خراب ہے۔ آپ گاڑی چلا لیں گے۔''

''ارے نہیں مالک، معمولی سا بخار ہے۔ آپ باہر چلیں ہم آتے ہیں۔'' ابرار بھائی نے کہا اور میں ان کے کوارٹر سے باہر نکل گیا اور کوئی انتظام نہیں کرنا تھا۔

ایک ارادہ تھا کہ دل میں بس، کسی طرح جمنا درس تیار ہوجائیں، تو بھوانی کا گیان سیکھوں۔ اور کالی کے گیان کا توڑ کروں۔ بس ایک دھن سوار ہوگیا تھا۔

کچھ دیر کے بعد ابرار بھائی نے گاڑی گیراج سے نکال لی اور میں باہر نکل آیا۔ راستہ خاموشی سے طے ہورہا تھا کہ ابرار بھائی نے کوئی بات کی، نہ میں نے۔ بس سوچوں میں ڈوبا رہا تھا۔

''گاڑی روک دیں ابرار بھائی۔'' میں نے کہا اور ابرار بھائی نے رفتار سست کردی۔ پھر کار سائیڈ کر کے روکی اور میری صورت دیکھنے لگے۔ ''بس میں یہیں اتر جاتا ہوں۔''

''کیوں چھوٹے مالک، وہ سامنے دھرم شالہ ہے۔''

''بس ایسے ہی، یہاں سے پیدل چلا جاؤں گا۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔ میں آپ کے فون کا انتظار کروں گا۔''

''او کے۔ شکریہ۔ میرے لئے دعا کریں ابرار بھائی۔ اچھا برا جو بھی قدم اٹھا رہا ہوں اپنی ماں کے لئے اٹھا رہا ہوں۔ خدا مجھے معاف کرے۔''

''اللہ کی پناہ میں۔'' ابرابر بھائی نے کہا۔ اور میں نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ ابرار بھائی کے آخری الفاظ میرے کانوں میں سسک رہے تھے۔ ''اللہ کی پناہ میں۔ اللہ کی پناہ میں۔ میں اللہ کی پناہ میں کہاں جا رہا تھا۔ میں تو شیطان کی پناہ میں جا رہا تھا۔ میں حواس کھو چکا تھا۔ صحیح یا غلط کی تمیز کھو بیٹھا تھا۔ بھورنی دیوی ہو یا کالی دیوی، سب ذریات شیطان تھیں۔ میرے دین سے ان کا کیا تعلق۔ لیکن فرید خان نے مجھے جس راستے پر لا ڈالا تھا۔ وہاں میرے حواس میرا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

ابرار بھائی کار چھوڑ کر واپس چلے گئے اور اب اس کا نشان بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ میں تیز قدموں سے دھرم شالہ کی طرف جا رہا تھا۔ پھر میں ان ڈھلانوں کے نیچے اترا اور اچانک میرے قدم ٹھٹک کر رک گئے۔ دھرم شالہ کی عمارت اب اینٹوں کے ڈھیر کی شکل میں پڑی ہوئی تھی۔ وہ زمین بوس ہوگئی تھی۔ اینٹیں کالی اور جھلسی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

یہ کیا ہوا۔

قدم آگے بڑھائے تو آس پاس کے پھول پودے اور جھاڑیاں بھی بری طرح آتش زدہ نظر آئیں۔ یہاں خوفناک آگ لگی تھی۔ مگر کیسے؟ لگی تھی یا لگائی گئی تھی اور کیا ممبادوس اور جمنا داس اور مینکا آگ سے بچ سکے تھے۔ کیا مینکا جس نے میرے لئے موت کا سنجوگ لیا تھا۔ خاکستر ہوگئی تھی۔

دل بری طرح دکھ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے قدم آگے بڑھائے اور دھرم شالہ کے پاس پہنچ گیا۔ ایسی عمارت تھی جس میں کسی وجہ سے آگ لگ جاتی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا آگ لگائی گئی ہے۔ کس نے لگائی اور کیوں لگائی۔ کچھ بھی سوچا جا سکتا تھا۔ ہوسکتا ہے یہ سب میری ہی وجہ سے ہوا ہو۔

دھرم شالہ کی خاکستر عمارت میں کسی آوارہ روح کی طرح بھٹکتا رہا۔ جمنا داس کی جھلسی ہوئی لاش تلاش کی۔ لیکن نہ ملی، پھر کوشش کر کے اینٹوں کے ڈھیر میں تہہ خانے کا راستہ تلاش کیا اور اس میں اتر گیا۔ لیکن، مینکا کی لاش بھی نہیں ملی تھی۔

دھت تیرے کی۔ کیا گندہ کھیل ہے۔ میرے خلاف کارروائی ہو رہی ہے۔ گنگا سری اور ہیرا لعل تو گم ہوگئے ہیں۔ تیرہ تاریخ کا منحوس دن حویلی کی زندگی نگل گیا ہے۔ لیکن دوسری نحوستوں نے حویلی کو لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اب تو کوئی ایسا نہیں رہا تھا جس کے لئے جیا جاتا۔ لیکن یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ ان ناپاک روحوں نے اپنے انتقام کے لئے نیا راستہ تلاش کر لیا تھا۔

تبھی فرید خان، انہوں نے حویلی والوں کا دشمن حویلی والوں میں سے تلاش کر لیا تھا اور سکون پذیر ہوگئی تھیں۔ فرید خان ان کے انتقام کی تکمیل کر رہا تھا۔ واہ! کیا عمدہ بات تھی۔ کیا عمدہ چال چلی تھی ان بدروحوں نے۔

لیکن ہیرا لعل، میں زندہ ہوں۔ میں نہیں جانتا

مردہ انسانوں کو کیسے نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔ لیکن میں جدوجہد کروں گا۔ میں پراسرار علوم سیکھوں گا اور۔

بہت سی جذباتی باتیں ذہن میں آئیں اور میں پھر بھنک گیا۔ میں نے فرید خان کے بارے میں سوچا۔ اگر تمہیں ختم کروں تو کھیل ختم ہوجائے۔ لیکن پھر امی کا پتہ کیسے چلے گا۔ ان کے بارے میں تو فرید خان ہی جانتا تھا۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ مسجد میں چلا جائے۔ وہاں کوئی پرسکون گوشتہ اپنا کر تھوڑے دن ذہن کو سکون دیا جائے۔ اور پھر سوچا جائے کہ آگے کیا کرنا ہے۔

جمناداس کے بارے میں آخری فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ وہ اس قدر ناگھانی انسان تھا کہ اسے شکست دینا آسان کام نہیں تھا جس شخص نے اپنی بیٹی کو اتنے علوم سکھا دیئے تھے کہ وہ اپنی مرضی کے روپ دھار سکتی تھی۔ وہ خود کتنے علوم جانتا ہوگا۔

ہاں، مینکا بری طرح ماری گئی تھی۔ عورت تھی اور عورت پن کا شکار ہوگئی تھی۔ عورت کی فطرت میں محبت ہے اور نوجوانی کی عمر ہوتی ہی محبت کے لئے ہے۔ بے چاری، میں نے افسوس سے سوچا اور پھر دھرم شالہ سے نکل آیا۔ لاہور جانے کا اٹل فیصلہ کرلیا تھا۔ چنانچہ سڑک پر پہنچ کر پیدل چلنے لگا۔

اس سڑک سے چار گڑھی سے آگے والا ٹریفک گزرتا تھا۔ خاص طور سے یہاں تانگے چلتے تھے۔ میں نے دوسرے ایک تانگے کو آتے ہوئے دیکھا اور اسے ہاتھ سے رکنے اشارہ کیا۔ کچھ لمحوں کے بعد تانگہ میرے قریب آکر رک گیا۔

”کہاں کی سواریاں ہیں تانگے والے۔“

”موسل پور جارہے ہیں بابوجی۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا اور تانگے پر چڑھ گیا۔ موسل پور بھی ایک گاؤں تھا یہ گجر گھاٹ سے کوئی چھ کلومیٹر دور تھا اور یہاں لاری اڈہ تھا یہاں سے لاہور، گوجرانوالہ اور فیصل آباد، سرگودھا وغیرہ کی گاڑیاں مل جاتی تھیں۔ تانگہ چل پڑا اور پھر کوئی پونے گھنٹے میں موسل پور پہنچ آگیا۔

لاہور جانے والی بس کھڑی ہوئی تھی۔ میں اس میں سوار ہوگیا۔ سواریاں پوری ہونے کے بعد بس چل پڑی۔ اور میں باہر نگاہیں جمائے آئندہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کیا کرنا ہے۔ کہاں سے وہ علوم سیکھوں جو مجھے ان ناپاک روحوں سے مقابلے کے قابل بنا سکیں۔ کوئی فیصلہ نہیں کرسکا۔

بس لاہور پہنچ گئی، بس سے اترنے کے بعد میں لبرٹی مارکیٹ چل پڑا، راستے میں، میں نے جو سوچا تھا اب اس پر پوری توجہ کے ساتھ عمل کرنا تھا لبرٹی مارکیٹ سے میں نے کافی سامان خریدا، ایڈس میڈ جوڑے، شلوار قمیض پینٹ شرٹ، شیونگ سیٹ جوتے وغیرہ، پھر بہت ماڈرن سوٹ کیس، اور ان چیزوں سے میں لیس ہوکر میں نے ایک عمدہ سے ہوٹل کا انتخاب کیا۔ سب سے ذہانت کا کام میں نے فرید خان کی الماری سے کرنسی حاصل کرنے کا کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ نوٹوں کی گڈیاں سب سے بڑا ہتھیار ہوتی ہیں اور میرے پاس کافی کرنسی تھی، ہوٹل کی دوسری منزل پر مجھے ایک کمرہ حاصل ہوگیا جہاں پہنچ کر میں نے سب سے پہلے غسل کیا، پھر شلوار قمیض پہن کر تیار ہوگیا۔ پھر ویٹر کو کہہ کر کھانے پینے کی اشیاء منگوائیں اور کمرے کی اس کھڑکی کے پاس بڑی میز کرسی پر بیٹھ گیا جو باہر چوک کی طرف کھلتی تھی۔ یہ بہت وسیع چوک تھا جن پر زبردست ٹریفک چلتا تھا، میں چوک پر مصروف زندگی کا جائزہ لینے لگا۔ فرید خان نے میری ساری دولت پر قبضہ کرلیا تھا میری ماں کو غائب کردیا تھا اصولی طور پر تو مجھے اس کے خلاف صف آرا ہوجانا چاہئے تھا لیکن، ابھی اتنا تجربہ نہیں تھا زندگی کا کہ صحیح فیصلے کرسکتا۔ بس یہی سوچتا تھا کہ کچھ وقت خاموشی سے گزار لوں۔ اس کے بعد دیکھوں گا کہ کیا کرنا ہے۔

دوسرے دن ناشتے کے ساتھ ویٹر اخبار بھی لے آیا تھا، میں نے ناشتہ کرتے ہوئے اخبار بھی پڑھنا شروع کردیا لیکن پہلے صفحہ پر نظر پڑتے ہی مجھے پھندا لگ گیا اور چائے میرے منہ سے نکل کر پھیل گئی۔ فرنٹ صفحہ پر میری تصویر چھپی ہوئی تھی یہ تصویر میرے کالج کے

کارڈ کی تھی۔

نیچے لکھا تھا۔

مفرور قاتل کی تلاش، اگر یہ نوجوان آپ کو کہیں نظر آ جائے تو اس فون پر اطلاع دیں۔ بعد کی سطروں پر مجھے ایک بدترین مجرم قرار دیا گیا تھا جس نے اپنے روم میٹ کو قتل اور عدالت کی عمارت سے فرار کے جرم کیے تھے۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا چشم تصور سے میں نے خود کو پولیس کے نرغے میں دیکھا پولیس جس طرح تشدد کرتی ہے اس کی بہت سی کہانیاں میرے کانوں میں تھیں، یہ کوئی بات نہیں ہوئی، میں بے گناہ ہوں، نہ میں نے مقصور کو قتل کیا ہے کہ میں عدالت کی عمارت سے فرار ہوا تھا سارے کے سارے مجھ پر الزامات تھے، مجھے بے بس کر دیا گیا تھا، کیا میں اتنا ہی بے بس ہوں۔

میرے پورے وجود میں شدید گرمی سی دوڑ گئی، سارا کیا دھرا میرے چچا کا تھا، اب تک میں نے بڑی شرافت سے کام لیا تھا، لگ رہا تھا اب شرافت سے کام چلے گا نہیں، چچا نے ایمان بیچ کر گندے علوم حاصل کئے تھے اور مجھ سے وہ تعویز بھی چھین لیا گیا تھا، جو میری حفاظت کرتا تھا۔

آخر کار میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے جاگنا پڑے گا۔ شرافت کا خول اتار کر پھینکنا پڑے گا مجھے اس سنگین صورت حال کا احساس تھا۔ پولیس میری تلاش میں تھی بہت سے لوگوں نے اخبار میں میری تصویر دیکھی ہوگی اب خطرہ میرے چاروں طرف منڈلا رہا تھا۔ مجھے زندہ رہنا ہے اپنی حفاظت کرنی ہے اور وہ کرنا ہے جو میں نے اب تک نہیں کیا تھا میں نے سب سے پہلے فرید خان کو کال کی۔ اس کا نمبر میرے پاس موجود تھا۔

دوسری طرف سے فرید خان کی آواز سنائی دی۔

''میں بول رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میں کون۔ کون ہو تم۔''

''تمہارا باپ مامون خان۔'' میں نے غرا کر کہا۔

''کون ہے تو۔ سامنے آ کر بات کر۔''

''مامون خان کا ہمشکل۔''

''اشرف۔'' فرید خان حیرت سے بولا۔

''ہاں، میں نے غلط تو نہیں کہا۔ میں تمہارے باپ کا ہمشکل ہوں۔''

''کیا تو نے نشہ کیا ہوا ہے تو جانتا ہے تو کیا بکواس کر رہا ہے۔'' فرید خان نے غصے سے کہا۔

''ہاں۔'' تھوڑی سی باتیں کرنی تم سے فرید خان۔''

''ضرور تیری شامت آئی ہے۔''

''میں اپنی شامت سے بہت دن سے نمٹ رہا ہوں۔ اصل میں اب تمہاری شامت کے دنوں کا آغاز ہوا ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ، تیار ہو جاؤ۔''

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی چھائی رہی، پھر فرید خان کی آواز سنائی دی۔ ''چوہے بھی نشہ کر کے دم کے بل کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے اشرف خان کہ جائیداد کے سلسلے میں تجھے کچھ عرصہ زندہ رکھنا ضروری ہے، تو اور تیری ماں اس لئے زندہ ہیں ورنہ میں راستہ روکنے والی جھاڑیوں کو صاف کر دینے کا عادی ہوں۔''

''تیرا شکریہ فرید خان۔ تو نے مجھے ماں کی زندگی کی خوش خبری سنا دی۔ اب تو بھی میری سن، میں تجھے اس لئے زندہ رکھوں گا کہ ماں تیرے قبضے میں ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تو میری ماں کے ساتھ اچھا سلوک رکھے تو میں تجھے جینے دوں۔ دوسری صورت میں۔''

میں خاموش ہوا تو فرید خان نے کہا۔

''ہاں۔ دوسری صورت میں کیا۔ آگے بول۔''

''تیرے پورے بدن پر زخم لگاؤں گا۔ اور تجھے حویلی کے باہر والے شمشان گھاٹ میں زندہ جلا دوں گا۔'' میری غراہٹ ابھری۔

''اچھا آئیڈیا ہے تو نے۔ تو اس وقت کہاں مر رہا ہے۔''

''تیری چتا کے لئے لکڑیاں اکٹھی کر رہا ہوں۔ میں دیکھ چکا ہوں کہ تو ان ناپاک روحوں کے درمیان بیٹھا اپنے پاک مذہب کی دھجیاں اڑا رہا تھا اپنا مقدس دین

ترک کر کے تو غلاظت کھا رہا تھا اور اپنے لئے جہنم تیار کر رہا تھا۔“

”ارے واہ، تو بھی چالاک آدمی ہے۔ یہ کہاں سے دیکھ لیا تو نے۔“ فرید خان قہقہہ مار کر ہنسا۔

”لعنت ہے تجھ پر فرید خان، لعنت ہے۔“

”سامنے آجا۔ پھر بات کرنے کا مزہ آئے گا۔“

”بہت جلد سامنے آؤں گا مردود۔ تھوڑا سا انتظار کر لے۔ بس تھوڑا سا۔“

”آخر تجھے ہوا کیا ہے، کیوں مر رہا ہے۔“

”تو جانتا ہے فرید خان، تو نے مجھے قاتل بنا دیا، مفرور بنا دیا کیا زندگی چھوڑی ہے تو نے میری۔“

”پیشکش کی تھی تجھے میں نے، بھول گیا۔“

”کیا پیشکش۔“

”کہا تھا کہ مجھ سے تعاون کر، اور دنیا بھر کے عیش سمیٹ لے۔ تو قاتل ہے، مفرور ہے، اور بھی دل چاہے تو قتل کر لے کوئی تیرا بال بیکا بھی نہ کر سکے گا۔ اور یہ پیشکش اب بھی برقرار ہے۔ ابھی جو تو نے بکواس کی ہے۔ میں اسے معاف کر سکتا ہوں، سڑکوں پر کتے بھونکتے رہتے ہیں اور تھک کر خاموش ہو جاتے ہیں۔“

”اپنے برے وقت کا انتظار کر فرید خان۔“

”ٹھیک ہے۔ انتظار کر رہا ہوں، اب دفع ہو جا۔ ورنہ مجھے غصہ آجائے گا۔“ یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا، میں نے بھی اپنا سیل آف کر دیا تھا۔

نئی مصیبت کھڑی ہوگئی تھی، اخبار میں تصویر چھپ گئی تھی کوئی بھی مخبری کر سکتا تھا کس طرح بچا جا سکتا ہے اور اب کیا کیا جائے۔ پولیس سے بچوں، ماں کو تلاش کروں ایک خوشی کی بات یہ ہوئی تھی کہ ماں کی زندگی کی خبر مل گئی تھی، یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ مشکل ترین حالات میں بھی فرید خان امی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ لیکن فرید خان کو شکست کیسے دی جائے؟

میں نے اپنے پاس موجود کرنسی کا جائزہ لیا کافی بڑی رقم تھی۔ ویسے بار بار اس کا اعتراف کر رہا ہوں کہ دولت بڑی چیز ہوتی ہے۔ انسان کو اس لئے بڑی تقویت حاصل ہوتی ہے، بہت سوچتا رہا، پھر ایک خیال دل میں آیا کیوں نہ گجر گھاٹ واپس چلا جاؤں وہ میرے لئے محفوظ جگہ ہے پرانی حویلی کا ایک بار جائزہ لے چکا تھا وہاں پچاس بندے بھی روپوش ہو جائیں تو پتہ نہ چلے۔ وہاں جا کر پولیس کی نظروں سے تو بچ جاؤں گا ہاں وہ ناپاک روحیں موجود تھیں جو میرا خانہ خراب کر سکتی تھیں۔

لیکن دونوں میں سے ایک رسک تو لینا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے روحوں سے کوئی سمجھوتہ ہو جائے، دلچسپ آئیڈیا تھا وہاں پولیس سے چھپنا تھا وہاں دشمن روحوں سے نمٹنا تھا۔ بات مزے کی تھی یعنی دشمن سے بچنے کے لئے دشمن کی گود میں چھپنا۔

آخری فیصلہ کیا اور اپنا سامان سمیٹ لیا۔ اپنی دانست میں اپنا حلیہ اس طرح تبدیل کیا کہ ایک تبلیغی جماعت کے رکن کی شکل اختیار کر لی۔ بازار سے ایک جبہ اور مخصوص رنگ کی پگڑی، آنکھوں پر موٹی کمانی کا چشمہ، آئینے میں اپنا حلیہ دیکھ کر خود ہنسی آ گئی۔

لاہور سے گجر گھاٹ، اور پھر شمشان گھاٹ۔

شام ہو چکی تھی شمشان گھاٹ ویران پڑا تھا۔ مجھے رات کا انتظار تھا، ابھی روشنی باقی تھی اس لئے حویلی کی طرف جاتے ہوئے دیکھا جا سکتا تھا، لیکن جونہی رات ہوئی میں چوروں کی طرح چھپتا چھپاتا پرانی حویلی کی طرف چل پڑا۔ حویلی کی طرف کوئی نہیں آتا تھا رات میں کسی کے آنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اندر حویلی میں داخل ہو کر میں نے گہرے سانس لے کر کہا۔

”لو بھئی دشمن روحو، تمہاری مشکل ختم ہو گئی، جس وجود سے تمہیں نفرت ہے وہ خود ہی تمہاری کچھار میں آ گیا ہے۔ اب تمہاری مرضی ہے اس کے ساتھ جو سلوک چاہو کرو۔“

میں نے اوپر کی منزل میں ایک ایسے کمرے کا انتخاب کیا جہاں سے دو طرفہ یعنی شمشان گھاٹ اور نئی حویلی کے بہت سے گوشوں کو بیک وقت دیکھا جا سکتا تھا۔ حویلی میں اعلیٰ درجے کا قدیم فرنیچر اور دوسری چیزیں موجود تھیں۔ میں نے اپنے لئے ایک آرام دہ گاہ

تیار کرلی اور کھڑکی کے پاس آ بیٹھا۔

ایک مصرعہ پڑھا تھا کبھی درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا، تو میں نے اتنے خوف زدہ لمحے دیکھے تھے کہ اب خوف ہی میرے دل سے نکل گیا تھا۔ پرانی حویلی بھوتوں کا مسکن سمجھی جاتی تھی، لیکن اب اگر ہزار بھوت بھی آ جائیں تو مجھے ان سے خوف نہ محسوس ہوتا۔

البتہ سوچنے کے لئے یہ بہترین جگہ تھی۔ اور میں آدھی رات تک سوچوں میں ڈوبا رہا۔ بھوتوں یا شمشان گھاٹ کے دوسرے خبیثوں سے اب مجھے کوئی خوف نہیں تھا گنگا سری بھی فرید خان سے سمجھوتے کے بعد غائب ہو گئی تھی فرید خان نے یہ ایک کام خوب کیا تھا ان دشمن روحوں سے دوستی کر کے اس نے حویلی والوں کو تیرہ تاریخ سے محفوظ کر لیا تھا دوسری بات میں نے یہاں قیام کے بارے میں سوچی تھی ملازم سب پرانے دور کے تھے اور حویلی کی سیاست سے دور تھے، کسی نے بھی انہیں اپنے مفاد کے لئے استعمال نہیں کیا تھا نہ انہیں اپنا راز دار بنایا تھا، البتہ وہ بھی بے وقوف نہیں تھے اور سورج پر نگاہ رکھتے تھے کہ کون سا سورج چڑھ رہا ہے اور انہیں، ہوا کے کون سے رخ پر چلنا ہے۔

پھر بھی میں نے کسی کے بندے کو آزمانے کا فیصلہ نہیں کیا تھا ڈرائیور ابرار بھائی قابل اعتماد شخصیت تھی ان سے کام لیا جا سکتا ہے غرض یہ کہ میں نے یہاں پرانی حویلی میں پوری رات گزار دی۔

اس وقت کوئی ساڑھے پانچ بجے ہوں گے میں حویلی سے باہر نکل آیا ہر طرف گہرا سناٹا طاری تھا، ابھی حویلی کے مکین سو رہے تھے میں ملازموں کے کوارٹروں پر پہنچ گیا۔ ابرار بھائی جلدی اٹھ جانے کے عادی تھے وہ نماز پڑھتے تھے اور اس کی تیاری کر رہے تھے۔

مجھے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔

''میں ہی ہوں ابرار بھائی، میرا بھوت نہیں ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''آیئے چھوٹے مالک، اندر آ جایئے۔'' ابرار بھائی نے کہا، میں اندر داخل ہو گیا۔ میں اندر جا کر ایک چار پائی پر بیٹھ گیا۔ ''اتنی صبح کیسے آ گئے چھوٹے مالک؟''

''میں کل سے آیا ہوا ہوں ابرار بھائی۔''

''کل سے۔ مگر میں نے تو نہیں دیکھا۔''

''کسی نے نہیں دیکھا۔''

''اوہ۔ رات کہاں گزاری ہے؟''

''پرانی حویلی میں۔''

''ایں۔؟'' ابرار بھائی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''ہاں دشمن روحوں سے میری دوستی ہو گئی ہے۔ ابرار بھائی،'' میں نے ہنس کر کہا۔ پھر بولا۔ ''چلئے دوسری باتیں بعد میں ہوں گی مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے، کچھ کھانے کو ملے گا۔''

''ارے ابھی لاتا ہوں۔ چائے کا پانی میں نے پہلے ہی رکھا ہوا ہے۔ بس دس منٹ، ابرار بھائی کچن کی طرف چل پڑے۔''

ٹھیک دس منٹ کے بعد وہ ایک بڑی ٹرے لئے اندر داخل ہو گئے۔ اس میں پورا ناشتہ موجود تھا، میں بے تکلفی سے شروع ہو گیا کھانا کھاتے میں چونک پڑا۔ میں نے ابرار بھائی کی طرف دیکھا۔ ارے آپ چائے کی دوسری پیالی نہیں لائے۔ آپ چائے نہیں پئیں گے۔''

''نہیں چھوٹے مالک ہمارے مالک آج بھی آپ ہیں۔ ہم کسی اور کو نہیں مانتے۔ اور مالکوں کی برابری اس حویلی کی روایت نہیں ہے۔ ابرار بھائی نے کہا۔ میں خاموش ہو گیا۔ ابرار بھائی نے کہا۔'' اذان ہو گئی ہے۔ ہم نماز پڑھ لیں۔''

''ہاں ضرور......'' میں نے کہا اور ابرار بھائی چلے گئے۔ میں خوب کھانے پینے کے بعد اس جگہ چار پائی پر دراز ہو گیا۔ آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی حویلی میں ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔

اچانک ابرار بھائی گھبرائے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ ''پولیس چھوٹے مالک، پولیس کی دو گاڑیاں اندر آئی ہیں، بہت سے پولیس والے بندوقیں لئے نیچے کودے ہیں۔''

(جاری ہے)

دشمن روحیں

ایم اے راحت

قسط نمبر:5

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زور قلم سے لکھی شاہکار کہانی

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ فرید خان نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں اس کے ساتھ شامل ہوجاؤں تو گجر گھاٹ میں کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکے گا۔ اس کے علاوہ حویلی کا اپنا ایک وقار تھا۔ پولیس اس طرح درانہ وار یہاں نہیں آسکتی تھی۔ اس کا مطلب صاف تھا کہ پولیس فرید خان کے ایما پر آئی ہے۔

یا پھر کوئی اور قصہ ہے؟ لیکن کیا قصہ ہوسکتا ہے۔

''اب کیا کریں چھوٹے مالک؟'' ابرار بھائی نے پریشان لہجے میں کہا اور مجھے ایک دم احساس ہوگیا کہ ابرار بھائی گھبرا رہے ہیں۔ ظاہر ہے اگر پولیس میری تلاش میں آئی ہے اور میں ابرار بھائی کی رہائش گاہ سے پکڑا گیا تو ابرار بھائی تو گئے بے چارے۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' میں نے کہا اور اپنی جگہ سے باہر نکل آیا۔ کچھ فاصلے پر جامن کا ایک گھنا درخت تھا میں اس کی آڑ میں جا کھڑا ہوا۔ پھر اچانک مجھے کچھ خیال آیا اور میں پھرتی سے جامن کے درخت پر چڑھنے لگا۔ ایک مناسب جگہ رک کر میں نے سامنے کا جائزہ لیا۔ پولیس کے جوانوں نے ادھر ادھر بھاگ دوڑ شروع کردی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کو تلاش کررہے ہیں اور وہ میرے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا۔

لیکن کیسے؟ کسی کو میرے یہاں آنے کا شبہہ کیسے ہوا۔ فرید خان سے تو میں نے لاہور سے فون پر بات کی تھی۔ پھر ایک دم مجھے یاد آیا کہ فرید خان پراسرار قوتیں رکھتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس نے کسی طرح میری یہاں موجودگی کے بارے میں معلوم کرلیا ہو۔

خیر۔ اب اس طرح کے خطرات تو مول لینا ہی پڑیں گے۔ صاف ظاہر ہے کے خیر و شر کا کھیل شروع ہوا تھا۔ فرید خان اپنا ایمان کھونے کے بعد مجھے بھی بے دین کرنا چاہتا تھا۔ انشاء اللہ میرے ابو، میری ماں، میں تمہارا خون ہوں۔ خدا نے مجھے جس ایمان کے ساتھ پیدا کیا ہے اسے میں اپنی لاکھ زندگیوں سے زیادہ عزیز رکھوں گا۔ میں ان ناپاک روحوں کے ارادے خاک میں ملادوں گا۔ کوئی ناپاک بے دین مجھ سے میرا ایمان نہیں چھین سکے گا۔

میرے دل میں ایک نیا حوصلہ بیدار ہوگیا۔ فرید خان نے میرے سارے راستے بند کردیئے تھے۔ لیکن میرے حوصلے بلند تھے۔ اس مہربان درخت نے مجھے چھپائے رکھا اور یہاں سے میں پولیس والوں کی بھاگ دوڑ دیکھتا رہا۔ وہ پرانی حویلی میں بھی گئے تھے اور شمشان گھاٹ بھی۔ البتہ انہیں درختوں کا خیال نہیں آیا تھا۔ ویسے بھی آس پاس اتنے درخت تھے کہ وہ سارے درخت نہیں جھانک سکتے تھے۔

کئی گھنٹے کی بھاگ دوڑ کے بعد وہ تھک کر واپس چلے گئے۔ جب پولیس کی گاڑیاں چلی گئیں تو میں نے اطمینان کی سانس لی۔ اپنے بارے میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔

ابرار بھائی کو نہیں معلوم تھا کہ میں کہاں ہوں۔ ویسے بھی اس غریب آدمی کو اس سے زیادہ تکلیف دینا اس کی زندگی خطرے میں ڈالنا تھا۔ حویلی میں بھی رکنا بے کار تھا۔ اس وقت شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے میں نے چاروں طرف نظر ڈالی پھر درخت سے نیچے اتر آیا۔ سامنے والے حصوں کا رخ کرنا خطرناک تھا چنانچہ میں شمشان گھاٹ کی طرف چل پڑا۔

شمشان گھاٹ سنسان پڑا تھا۔ حال میں کوئی موت نہیں ہوئی تھی اس لئے شمشان گھاٹ میں بالکل خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میں شمشان گھاٹ سے نکل کر کچی سڑک پر آ گیا۔ یہ جی ٹی روڈ تھی اور بہت سے شہروں سے گزرتی تھی۔ اس وقت یہاں بالکل رش نہیں تھا۔ میں میں حسین پور بائی پاس سے گزر رہا تھا کہ مجھے پیچھے سے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی۔

ایک تانگہ آ رہا تھا۔ حسین پور کے علاقے میں تانگے چلتے تھے۔ دوسری سواریاں بھی تھیں لیکن تانگے بھی نظر آ جاتے تھے۔ اس وقت بھی تانگے میں لالٹین لٹکی ہوئی تھی۔

کسی پیدل انسان کو دیکھ کر تانگے والے نے گھنٹی بجائی اور میں کھڑا ہو گیا۔ تانگے والا قریب آ گیا اور بولا۔

''حسین پور جا رہے ہو بھائی جی۔ آ جاؤ۔ تانگے میں بیٹھ جاؤ۔'' نہ جانے کیوں مجھے یہ آواز جانی پہچانی لگی۔ میں غور ہی کر رہا تھا کہ وہ بولا۔ ''ارے آ جاؤ۔ پیسے نہیں مانگے تم سے، ہم بھی حسین پور جا رہے ہیں۔''

''شاہو......'' میرے منہ سے نکلا۔ اور تانگے والا ایکدم خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے لٹکی ہوئی لالٹین ہک سے اتاری اور اسے میرے چہرے کی طرف کرتے ہوئے بولا۔

''کون ہو بھیا۔ ہمیں جانو ہو۔''

''شاہو میں اشرف خان ہوں۔ اشرف خان ملکانی۔''

''ایں۔ جاگیردار جی۔''

''او یار۔ تیرا اشرفی۔ تو یہی کہتا تھا نا مجھے۔'' شاہو کو پہچان کر مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ حسین پور ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور گجر گھاٹ سے بہت قریب تھا۔ اسکول گجر گھاٹ میں تھا اور آس پاس کے علاقوں سے بچے گجر گھاٹ کے اس اسکول میں آتے تھے۔ چنانچہ شہباز جسے سب شاہو کہتے تھے، وہ اپنے گاؤں سے یہاں پڑھنے آتا تھا اور میری اس سے دوستی تھی۔ بعد میں اس نے اسکول چھوڑ دیا تھا۔

شاہو تانگے سے نیچے اتر آیا۔ اور مجھ سے لپٹ گیا۔

''کتنے دنوں کے بعد ملے ہو اشرفی بھیا۔ تم تو بڑے ہو گئے۔''

''اور تو جیسے اتنے کا اتنا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''آؤ تانگے میں آ جاؤ۔ کدھر جا رہے تھے۔ آ جاؤ۔ رات تیزی سے آ رہی ہے جنگل میں کوئی جناور آ گیا ہے تین بندے مار چکا ہے حسین پور کے۔ آ جاؤ۔ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔'' میں تانگے میں شاہو کے پاس بیٹھ گیا اور اس نے تانگہ آگے بڑھا دیا۔

''اتنی رات میں پیدل کہاں جا رہے تھے بھیا۔''

''مصیبت میں گرفتار ہوں شاہو۔ جان بچا کر بھاگ رہا تھا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں چوپال میں گجر گھاٹ حویلی کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ تاؤ رحیم خاں کا کہنا ہے کہ شمشان گھاٹ کی ساری گندی آتمائیں اب ملکھانوں کی حویلی میں گھس گئی ہیں اور آپس میں بڑی پھوٹ پڑی ہے۔''

''اب کوئی رہ نہیں گیا شاہو۔'' آدھے سے زیادہ لوگ تو مر گئے باقی جو رہ گئے ہیں وہ فرید خان کے غلام ہیں۔

''چھوٹے ملکھانی جی۔ انہوں نے تو برائیوں کے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں۔ ساری خبریں کسی نہ کسی کے منہ سے چوپال تک پہنچتی رہتی ہیں۔''

میں نے مختصراً اسے اپنے بارے میں بتایا تو شاہو نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔''ماں جی کے بارے میں سن کر بڑا افسوس ہوا۔ مولا ان کی حفاظت کرے۔ مگر اشرفی اپنا خیال کرنا بڑے آدمیوں کے بڑے چمچے ہوتے ہیں۔ لوگ فرید خان کو خوش کرنے کے لئے تم سے دشمنی کریں گے۔''

''جانتا ہوں شاہو۔ ماں مجھے مل جائے تو کسی بھی کونے میں جا پڑوں۔ لیکن جب تک ماں نہ ملے کیسے چین سے بیٹھ سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''سو تو ہے۔ ماں کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔''

''تم کب سے تانگہ چلا رہے ہو۔''

''ڈیڑھ سال ہو گیا۔ ابا مر گیا، اماں، اور بانسری ہے۔ بس تانہ چلا کر گزارا کر رہے ہیں۔'' شاہو نے کہا۔ بانسری اس کی چھوٹی بہن کا نام تھا۔ پھر اس نے کہا۔''میرے ہاں رہو، ہم تمہاری خدمت کریں گے اشرفی۔ اماں بھی تم سے مل کر خوش ہوگی۔''

''تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے شاہو، میں کوئی ٹھکانہ تلاش کر لوں گا پھر لاہور نکل جاؤں گا۔ لاہور بہت بڑا ہے وہاں پاؤں جما کر ماں کی تلاش کروں گا۔''

''دو چار دن تو رک جاؤ۔ تم نے دیکھا ہے لنک پہاڑ گھر ہے۔ بس چھپے رہنا پولیس کی مصیبت ٹل جائے تو لاہور نکل جانا۔ اماں اور بانسری تمہارے بارے میں کسی کو نہیں بتائیں گی۔''

یہ پیشکش قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ فیصلہ کرنے کا وقت بھی مل جائے گا کہ آگے کیا کرنا ہے۔ اسکول کے دور میں بھی بہت بار شاہو کے گھر آیا تھا۔ بانسری اور اماں مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

رات کے سادہ سے کھانے کے بعد شاہو نے ایک عمدہ جگہ میرے آرام کا بندوبست کیا اور پھر مجھ سے باتیں کرنے بیٹھ گیا۔ گاؤں کے چوپال پر دور تک کی کہانیاں سنائی جاتی تھیں۔ شاہو نے ایک زبردست انکشاف کیا، کہنے لگا۔

''ایک کام ملکھانی جی بڑا خراب کر رہے ہیں۔''

''کیا؟''

''ویسے تو انہوں نے اپنے باپ کی گدی پوری طرح سنبھالی ہوئی ہے اور مامون خان کی طرح آس پاس کی بستیوں کی بہو بیٹیوں کی عزت دو کوڑی کی کر رکھی ہے مگر کومل رانی نے انہیں دھوبی پاٹ لگا دیا ہے۔''

''کومل رانی کون ہے؟''

''رتنا سری کی لونڈیا ہے۔''

''اب میں تم سے پوچھوں رتنا سری کون ہے؟''

''ارے لاہور کی ہیرا منڈی کی جانی مانی مخلوق ہے۔ تمہارے دادا ابو نے اسے ہیرا منڈی سے اٹھا کر ستار کوٹھی میں بسا لیا تھا کروڑوں کی جائیداد اور کوٹھی دی تھی اسے۔ ان کی عیاشیوں میں رتنا سری ان کا پورا ساتھ دیتی تھی۔ اور اب وہ فرید خاں کے لئے کام کرتی ہے لیکن فرید خاں اس کی بیٹی کومل رانی کا دیوانہ ہو گیا ہے اور اس پر جان دیتا ہے۔''

''وہ اس کے ہاتھ نہیں آئی؟''

''نہیں۔ وہ اور مزاج کی ہے۔ پڑھی لکھی ہے۔ ماں کی طرح کسی کی داشتہ بننے کو تیار نہیں ہے۔ حالانکہ فرید خاں نے رتنا سری سے کہہ دیا ہے کہ اگر کومل رانی ان سے شادی کرنے کو تیار ہو تو وہ اس کے لئے بھی تیار ہیں۔''

''شادی۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں۔''

''مگر وہ ہندو ہے اور...... میری زبان خود بخود رک گئی۔''فرید خاں کے دین دھرم کا مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔ پھر میں نے کہا۔

''کومل رانی کیا کہتی ہے۔''

''وہ بہت سخت مزاج ہے۔ اس نے اپنی ماں سے کہہ دیا ہے کہ اگر اس نے فرید خان سے اس کا سودا کیا تو وہ رتنا سری کو ناکوں چنے چبوا دے گی۔ اس نے فرید خان سے بھی کہہ دیا ہے کہ وہ کوئی اور گھر دیکھے۔''

''فرید خان نے اس کے اس انکار پر کوئی سختی نہیں کی۔ وہ تو طاقت کے نشے میں ڈوبا ہوا ہے۔''

''عشق سے گہرا نشہ کسی اور چیز کا نہیں ہوتا ملکھانے۔ وہ کومل رانی کے جوتے کھانے کو بھی تیار رہتا ہے۔ پتہ نہیں کومل رانی کے سامنے وہ اتنا بے بس کیوں ہے۔''

اچانک میں چونک پڑا۔ میں نے غور سے شاہو کو دیکھ کر کہا۔ ''ایک بات بتاؤ گے شاہو۔''

''ہاں بولو۔؟''

''تمہیں یہ باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں۔''

''چوپال سے۔'' شاہو نے کہا اور ہنس پڑا۔

''تمہاری چوال بڑی چوکس ہے۔''

''ہاں۔ رتنا سری کے دو بندے بھی باقاعدہ چوپال میں آ کر بیٹھتے ہیں۔''

''ہوں۔ تب ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔ میرے ذہن میں ایک خیال جڑ پکڑ رہا تھا۔ آج تک بس میں ایک امن پسند بلکہ بزدل انسان کی طرح فرید خان کے مظالم سہتا چلا آ رہا تھا۔ باقی ساری باتوں کو نظر انداز کر بھی دیا جائے تو کم از کم ماں کے معاملے کو نہیں چھوڑ جا سکتا تھا۔ فرید خاں خود اس بات کا اعتراف کر چکا تھا کہ ماں اس کے قبضے میں ہے۔ اگر کومل رانی کو اپنے قبضے میں لے کر فرید خان سے سودا کروں تو ممکن ہے کام بن جائے۔ اگر وہ کومل رانی سے واقعی اتنا پیار کرتا ہے۔

لیکن۔

بعد میں، میں اس بارے میں سوچتا رہا تھا۔ شاہو میرے آنے سے بہت خوش تھا۔ ماں اور بانسری بھی مجھ سے بہت خوش تھیں۔ وہ ملکھانے خاندان کے راجکمار کو اپنے گھر میں ٹھہرنے سے بڑا فخر محسوس کر رہے تھے۔ مجھے لگا تھا کہ اگر میں کسی طرح کومل رانی کو قابو میں کر لوں تو شاید ماں کے بارے میں فرید خاں اپنی زبان کھول دے۔ بس مجھے اس سے زیادہ کسی چیز سے غرض نہیں تھی۔

لیکن یہ سب سوچنا آسان تھا، کرنا مشکل، میرے پاس تو کچھ نہیں تھا۔ کوئی ٹھکانہ نہیں تھا میں کومل رانی کو اگر کسی طرح قبضے میں کر بھی لوں تو اسے کیا چھپاؤں گا۔ کسی اور کو مشکل میں ڈالنا تو کسی طور ٹھیک نہیں ہوگا۔ اور بے چارا شاہو۔ غریب اور شریف بندہ ہے۔ میری وجہ سے کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے۔ جس طرح برقی صاحب کی پوری کوٹھی جل کر راکھ ہو گئی تھی۔ اس طرح شاہو بھی کہیں فرید خاں کے عتاب کا شکار نہ ہو جائے لیکن تھوڑا سا وقت تو یہاں گزارنا ہے۔

میں نے شاہو سے کہا۔

''تمہاری چوپال بہت شاندار ہے شاہو۔ وہاں سے بڑی کام کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔''

''چھوٹا سا گاؤں ہے ہمارا۔ سب ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی ہیں۔ چوپال میں اکٹھے ہونے سے سب کو ایک دوسرے کے بارے میں پتہ چلتا رہتا ہے۔''

''میں کچھ وقت تمہارے ساتھ گزاروں تو تمہیں تکلیف تو نہیں ہوگی۔''

''ارے۔ یہ خیال تمہیں کیوں آیا۔'' شاہو نے چونک کر کہا۔

''بس ایسے ہی یار۔ مصیبت کے وقت میں انسان کا دل بہت نازک ہو جاتا ہے۔ فرید خاں نے مجھے قبضے میں کرنے کے لئے میری ماں کو قبضے میں کیا ہوا ہے۔ میں بس اس کے لئے پریشان ہوں۔''

''شاہو دل جان سے تمہارے ساتھ ہے۔ ماں بس ماں ہوتی ہے۔ میری جان بھی حاضر ہے تمہارے لئے۔''

شاہو کی آواز میں بڑی خود اعتمادی تھی۔ میری ساری رات سوچتے ہوئے گزری، کیا کروں، کیا کرنا چاہئے اور رات کے آخری پہر میں، میں نے ایک فیصلہ کیا، اگر کسی طرح میں کومل رانی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو اسے کہیں نہ کہیں رکھنا تو ہوگا۔ لاہور لے جاؤں تو کسی ہوٹل میں نہیں رکھ سکتا۔ آس

پاس بھی یہ ممکن نہیں ہے۔ لیکن اگر پورے ساہوکاری کرائی جائے تو کبھی کبھی بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ اپنے کام کے لئے اگر ساری آسیب زدہ حویلی کو استعمال کروں تو۔

فرید خاں سوچ بھی نہیں سکتا کہ اتنا خطرناک کام کر کے میں اس کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں، ہاں اس کی کالی طاقتیں اصل صورت حال کی نشاندہی کر دیں تو دوسری بات ہے۔ صبح تک میں اپنے اس منصوبے کی اونچ نیچ سوچتا رہا تھا۔

صبح کو شاہو کے ساتھ چائے پیتے ہوئے میں نے کہا۔

''شاہو...... تم سے ایک اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''بولو۔ راجے۔'' شاہو نے مستی میں کہا۔

''میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے مگر تمہاری مدد کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔''

''میری خوش قسمتی ہوگی اگر میں تمہارے کام آسکوں۔''

''تمہیں خطرے میں پڑنا ہوگا۔''

''میں تیار ہوں۔'' شاہو نے کہا۔ اور میں اسے اپنی رات بھر کی کارستانی بتانے لگا وہ بڑی دلچسپی سے میرا منصوبہ سن رہا تھا۔ پھر اس نے خوشی سے کہا۔

''میں تیار ہوں۔ اور ایک بات کہوں۔ میں نے بچپن سے گجر گھاٹ کے ملکھانوں کی بھوت محل حویلی کے بارے میں سنا ہے میرے دل میں کتنی ہی بار یہ خیال آیا کہ ایک دفعہ میں بھی حویلی کو دیکھوں۔ مجھے بھوت دیکھنے کا بہت شوق ہے۔''

''اچھا اب تم یوں کرنا کہ مجھے گجر گھاٹ چھوڑ کر نکل جانا اور جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ کر کے آنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' شاہو نے کہا۔

''لو یہ پیسے رکھو...... یوں سمجھ لو......'' میں نے کہا اور پھر کہتے کہتے رک گیا۔ پیسوں کا حساب کتاب یا اس کا تذکرہ کر کے میں اس ''بڑے'' انسان کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

ضرورت سے زیادہ احتیاط ہی نقصان کا باعث بنتی ہے۔ یہ حویلی دور دور تک آسیب زدہ مشہور تھی۔ باہر کے لوگوں کا تو خیر ادھر سے گزر ہی نہیں تھا لیکن گھر کے لوگ اور ملازم بھی ادھر سے نہیں گزرتے تھے۔ اب تو خیر اس بڑے خاندان کے بہت کم لوگ رہ گئے تھے۔ لیکن جو تھے ان پر حویلی کا خوف اسی طرح طاری تھا۔

میں نے اس حویلی میں آنکھ کھولی تھی۔ یہاں آنے جانے کے خفیہ راستے جتنے مجھے معلوم تھے اتنے کسی اور کو نہیں معلوم ہوں گے۔

شمشان گھاٹ سے اگر لمبی گھاس میں چھپ کر حویلی کی پشت تک پہنچا جایا جائے تو ایک خشک نالہ آسانی سے حویلی کے اندر پہنچا دیتا تھا۔ چنانچہ میں نے یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ اور حویلی میں داخل ہو گیا تھا۔

پراسرار حویلی اسی شان و شوکت سے کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن اس میں جب بھی داخل ہو جاؤ ہمیشہ یہی لگتا تھا کہ وہ خالی نہیں ہے۔ وہاں لازمی طور پر بہت سے نادیدہ وجود موجود ہیں اور یہاں ان کا بسیرا ہے۔

اس وقت بھی انوکھی سرگوشیاں گردش کر رہی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ کوئی کسی سے کچھ کہہ رہا ہے۔ میرے بارے میں بتا رہا ہے۔

لیکن مجھے ان سے خوف نہیں تھا۔ حویلی کی نچلی منزل کے ایک بڑے ہال میں کھڑے ہو کر میں نے بلند آواز میں کہا۔

''سنو۔ یہاں جو بھی موجود ہے میری بات غور سے سنو۔ میں مشکل کا شکار، لیکن حوصلہ مند ہوں۔ میں تمہاری اس ملکیت کو کوئی نقصان پہنچانے نہیں آیا۔ میں بس تھوڑے وقت تمہارا مہمان رہوں گا۔ میری بہت بڑی مجبوری ہے۔ میں تمہاری اجازت چاہتا ہوں۔ بس میرا کام ہو جائے میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ تمہیں مجھ سے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔''

میری آواز کا ''ایکو'' بن رہا تھا۔ حویلی کے بوسیدہ درودیوار میرے الفاظ نشر کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ خاموشی طاری ہو گئی۔ میں کچھ دیر اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر میں نے اپنے کام کے بارے میں سوچا۔ فرید خان اب باقاعدہ شیطانی قوتوں کا مالک بن چکا تھا۔ اس وقت میں اس کا سب سے بڑا مد مقابل تھا۔ ورنہ اور کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کا راستہ کاٹتا یہ سوچنے کی بات تھی کہ اب وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ میرے باپ کی چھوڑی دولت پوری کی پوری اس کے قبضے میں تھی۔ وصیت نامہ اس نے بدلوا لیا تھا اور اس بارے میں طارق چغتائی بھی میری مدد نہیں کر سکتے تھے۔ پھر فرید خان کا کیا مقصد تھا۔ البتہ اس کی ایک بات مجھے یاد تھی۔

''کالے جادو کی ایک بہت بڑی قوت تمہیں چاہتی ہے۔''

''یہ قوت کون ہے؟''

شیطان۔

کالی دیوی۔

یا کوئی اور...... اس سے زیادہ میں کالی طاقتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

اچانک میں نے ایک بات محسوس کی۔ وہ سرگوشیاں، وہ چلت پھرت جو کچھ دیر پہلے میں محسوس کر رہا تھا، ایک دم بند ہو گئی تھی۔ ایک پر ہول سکوت، ایک جان لیوا، سناٹا پھیل گیا تھا جیسے میری بات مان لی گئی ہو، جیسے میری میزبانی قبول کر لی گئی ہو۔

میں کئی بار پرانی حویلی آ چکا تھا۔ جب بھی میں یہاں داخل ہوتا کچھ پراسرار واقعات ضرور پیش آتے تھے لیکن مجھے یہاں کوئی نقصان کبھی نہیں پہنچتا تھا۔ ہاں اس بات کا اعتراف میں برملا کرتا ہوں کہ میں نے حویلی کے صرف چند حصے دیکھے تھے اور پوری حویلی یا وہ اہم جگہیں اب تک نہیں دیکھ سکا تھا جو تاریخی نوعیت کے حامل تھے۔ یعنی جہاں سے مامون خان کی درندگی کی داستانیں منسوب تھیں اب میرے ذہن میں ایک منصوبہ تھا۔ میں مامون خان کی داستان دہرائے جا رہا تھا بس تھوڑا سا فرق تھا۔ دادا حضور نوجوان کنواریوں کو اپنی ہوس اور درندگی کی بھینٹ چڑھانے کے لئے یہاں لا رہے تھے اور میں۔ ایک نوجوان لڑکی کو اپنی ایک مجبوری کے تحت یہاں لانا چاہتا تھا۔ مجھے اپنی جنت اپنی ماں کی تلاش تھی۔

میں نے شاہو کو پوری طرح سمجھا دیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ چنانچہ اس طرف سے میں مطمئن تھا۔ میں چاہتا تھا کہ آج میں اس حویلی کو اچھی طرح دیکھ لوں۔ ویسے بھی روشن دن تھا۔ اور اسے دیکھنے میں کسی طرح کی مشکل نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے اپنے سفر کا آغاز کر دیا میں آگے بڑھا اور میں نے سب سے پہلے ایک کمرے کا دروازہ کھولا بہت بڑا ہال نما کمرہ تھا۔ اسے ایک وسیع بیڈ روم کہا جا سکتا تھا جس میں ایک بوسیدہ چھپر کھٹ پڑا ہوا تھا اس کے چاروں طرف رنگین پردے پڑے ہوئے تھے۔ چھپر کھٹ کے بستر شکن آلود تھے اور ان کی ہر شکن سے کسی معصوم کنواری کی آبرو ریزی کی تحریر رقم تھی۔ انہیں شکنوں میں گنگا سری کے بدن کی خوشبو بھی چھپی ہوئی تھی۔

اس جگہ کی مجرمانہ خاموشی اور سناٹا بے شمار آہوں اور کراہوں میں لپٹا ہوا تھا۔

کچھ دیر میں اس خاموش سناٹے میں کھڑا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر وہاں سے نکل آیا۔ پھر سامنے والے دوسرے کمرے کے دروازے کو دھکیل کر کھولا۔ دروازہ کے کھلنے کی آواز اس قدر بھیانک تھی کہ دل ڈر گیا مگر میں نے ایک لمحے میں خود کو سنبھال لیا۔

دروازے کے دوسری طرف کا یہ حصہ برآمدے جیسا تھا جسے لکڑی کی دیواریں بنا کر ہال جیسا بنا لیا گیا تھا۔ یہاں دیوار کے ساتھ کرسیاں قطار سے رکھی ہوئی تھیں۔ یہ کرسیاں سیاہ قیمتی لکڑی کی تھیں درمیان میں گول میز رکھی ہوئی تھی جو اوپر سے نیچے تک لکڑی کے باریک کام سے مزین تھی اور چاروں طرف سے بند تھی۔ دائیں جانب کی دیوار کے ساتھ کتابوں کا ایک شیلف رکھا تھا جس میں موٹی موٹی کتابیں سجی ہوئی

تھیں ان کے برابر میں سیمنٹ کا ایک چبوترا سا بنا ہوا تھا جس پر پیتل کا ایک خوب صورت گلدان سجا ہوا تھا۔ یہاں سے ایک دوسرے کمرے کا آغاز ہوتا تھا۔

میں ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہا تھا ہر شے سے ایک کہانی منسلک تھی جسے اپنی مرضی سے بنا جا سکتا تھا۔ پھر میں نے گہری سانس لی اور اس دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے اس کی مخصوص طرز کی کنڈی کھولی جو ایک مکروہ آواز کے ساتھ کھل گئی۔ میں نے دروازے کے پٹ کو کھولا اور میرے حلق سے ایک تیز چیخ نما آواز نکل گئی کوئی بہت بڑا سیاہ پرندہ تھا جس نے تیز نوکیلے پنجے سے میرے سر کے بالوں کو چھوا تھا اور مجھے اپنے سر میں سوئیاں چبھتی محسوس ہوئی تھیں۔

پرندہ میرے سر سے گزر کر باہر نکل گیا۔

میرے دل کو ایک عجیب سے خوف کا احساس ہوا۔ ایک دم دل چاہا کہ تیزی سے باہر نکل جاؤں۔ لیکن اگر ایسا کیا تو اپنا کام کیسے کر سکوں گا۔ مجھے نہیں ڈرنا چاہئے، میری زندگی ایک عام زندگی نہیں ہے حویلی کی روحیں مجھے نہیں ڈرا سکیں۔

میں نے خود کو سنبھالا اور دروازے سے اندر قدم رکھ دیا۔ کمرے میں کسی طرح کی سیلن کی بو نہیں تھی۔ بلکہ کیوڑے جیسی دلکش بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

میں جس پہلے کمرے میں داخل ہوا تھا اسے ہی میں نے مامون خان کی خواب گاہ سمجھ لیا تھا اور وہاں موجود چھپر کھٹ اور اس کے بستر کی شکنوں میں کہانیاں تلاش کر لی تھیں لیکن مامون خان کی اصل خواب گاہ یہ تھی اتنی خوب صورت خواب گاہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔ کمرے کے درمیان گول مسہری رکھی ہوئی تھی جس پر چھت سے لے کر زمین تک انتہائی حسین گولڈن کام کی جھریالی لٹکی ہوئی تھی۔ دیواروں پر خوب صورت عورتوں کی بڑی بڑی عریاں تصویریں منقش تھیں۔ دائیں جانب سیاہ لکڑی کی الماری جس میں کافی بڑا گول آئینہ جڑا ہوا تھا۔ دیواروں پر ذونیعت کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ چھتوں پر بڑے بڑے فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ دیواروں میں بے حد خوب صورت طاقچے بنے ہوئے تھے جن میں رکھے شمعدانوں میں لمبی لمبی شمعیں رکھی ہوئی تھیں ایک طرف مامون خان کی بہت بڑی روغنی تصویر نظر آ رہی تھی۔ اس قدر اعلیٰ کہ لگے ابھی بول پڑے گی۔

میں نے پہلی بار اس تصویر کو دیکھا تھا اور اسے دیکھ کر مجھ پر ایک عجیب تاثر قائم ہوا تھا۔ میں تصویر کے قریب جا کھڑا ہوا۔ یہ زندہ تصویر تھی۔ سو فیصدی زندہ چہرہ تھا۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں موٹے موٹے پرکشش نقوش، سیاہ گھنگھریالے بال، چہرے بلا کا رعب، میں غور سے تصویر دیکھتا رہا۔

پھر اچانک میرے ذہن میں ایک چھنا کہ ہوا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ صرف ایک لمحہ قبل اس تصویر کے چہرے کا تاثر کچھ اور تھا۔ یوں جیسے وہ سنجیدگی سے مجھے دیکھ رہے ہوں۔ او اب، اب ان کی آنکھوں میں ایک پیار بھرا تاثر، اور ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

میں دیر تک اس تصویر کو دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔

"میں آپ کا ہمشکل ہوں دادا ابو۔ میں آپ سے اور کیا کہوں۔" کچھ لمحوں کے بعد میں اس کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر باقی دن میں نے حویلی کے دوسرے حصوں کا جائزہ لیتے ہوئے گزارا تھا۔ اس بات کا بھی خیال رکھا تھا کہ باہر کوئی مجھے دیکھ نہ لے۔ ویسے حویلی دیکھ کر مجھے ایک اور عجیب احساس ہوا مجھے یوں لگا جیسے حویلی کے آسیبوں نے مجھ سے تعاون کیا ہو۔ ایک بھی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جس سے مجھے کوئی تردد ہوتا۔

اس دوران میں نے حویلی کے دوسرے حصوں کا جائزہ بھی لے لیا تھا۔ انتہائی وسیع باورچی خانے دیکھے تھے جن میں قدیم طرز کی الماریاں اور نعمت خانے بنے ہوئے تھے۔ ان چیزوں کو مجھے استعمال کرنا تھا۔

آخر کار شام کا جھٹپٹا پھیل گیا۔ حویلی کا خوف اب میرے دل سے نکل گیا تھا۔ جب مناسب

اندھیرا پھیل گیا تو میں حویلی سے باہر نکل کر شمشان گھاٹ کی طرف چل پڑا۔ نئی حویلی میں بڑی رونق نظر آ رہی تھی ابھی روشنیاں بھی نہیں جلی تھیں دوسرے فرید خان کی مخصوص جیپ بھی کھڑی ہوئی تھی جسے عام طور سے فرید خان استعمال کرتا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ فرید خان حویلی میں ہے کہیں گیا نہیں ہے۔

میں نے فرید خان کے خلاف جو منصوبہ بنایا تھا وہ بے حد خطرناک تھا۔ ابھی تک میں نے اپنے طور پر سوچا تھا فرید خان میرے اس اقدام کا دفاع کس طرح کرتا ہے اس کا کوئی اندازہ میں نہیں لگا سکا تھا۔ بس ایک خیال دل میں ضرور تھا کہ وہ پراسرار قوتیں حاصل کر چکا ہے۔ گندی روحیں اس کے قبضے میں ہیں، کہیں ان کے ذریعے وہ میرے سارے عمل کا پتہ نہ لگا لے۔

اونہہ لگا لیتا ہے تو سو لگا لے۔ کیا کرے گا زیادہ سے زیادہ مجھے قتل کر دے گا۔ خوف کے عالم میں اور کسی کے ہاتھوں کھیلتے ہوئے پسنے سے تو بہتر ہے۔

اپنے دوسرے منصوبے کے تحت میں پرانی حویلی سے باہر نکل آیا میرا رخ شمشان گھاٹ کی طرف تھا حویلی بے حد بدرونق ہو چکی تھی حالانکہ اس میں اب بھی کافی افراد تھے ملازم بھی تھے لیکن زندگی نہیں تھی۔

میں شمشان گھاٹ میں داخل ہو گیا۔ پیپل کے جس پرانے درخت کے پاس مجھے پہنچنا تھا وہ شمشان گھاٹ کے آخری سرے پر تھا اور اس جگہ سے کافی دور تھا اس طرف سے سڑک گزرتی تھی اور ہندو برادری کی مردوں کی ارتھیاں اسی طرف سے لائی جاتی تھیں پیپل کا یہ درخت ہندو برادری کے لئے بڑا متبرک تھا اس کے گرد اونچا چبوترہ بنا دیا گیا تھا جس پر گوبردھن کا مجسمہ بھی بنا ہوا تھا گوبرادھن پوجا کرنے والے یہاں آتے تھے پوجا کرتے تھے مال پوٹے اور دوسری مٹھائیاں گوبردھن کے چرنوں میں چڑھاتے تھے بعد میں چیل کوؤں وغیرہ کی موج لگ جاتی تھی۔

میرے منگوائے ہوئے سامان کے شاپر تھوڑے فاصلے پر رکھے ہوئے تھے۔ انہیں مضبوطی سے پیک کیا گیا تھا اور پھر رات کا وقت تھا اس لئے چیل کوے ان تک نہیں پہنچے تھے۔ ان شاپروں میں ضرورت کی چیزیں تھیں جو میں نے شاہو سے منگوائی تھیں اور اسے ہدایت کر دی تھی کہ انہیں سڑک سے گزرتے ہوئے پیپل کے اس درخت کے نیچے رکھ جائے۔

یہ شاپر لے کر میں حویلی چل پڑا۔

شمشان گھاٹ میں آتماؤں کی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی تھی۔ کئی بار ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے مجھے چھوتے ہوئے گزرے۔ لیکن یہ شمشان گھاٹ میں بچپن سے دیکھ رہا تھا۔ دور سے اور قریب سے آتماؤں کی اٹھکیلیاں بارہا دیکھ چکا تھا اس لئے مجھے ان سے کوئی خاص خوف نہیں محسوس ہوتا تھا۔ اور پھر ان کے لئے بھی میں ''گھر کا بچہ'' تھا اس لئے وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاتی تھیں۔

پرانی حویلی جو گجر گھاٹ کے رہنے والوں اور خود نئی حویلی والوں کے لئے خوف کی علامت تھی۔ اب میرے لئے ایک عام جگہ بن چکی تھی۔ چنانچہ ان اشیا کو لے کر میں واپس حویلی آ گیا۔ ان اشیا کو باورچی خانے میں سجا دیا۔ پھر چائے کا پانی چولہے پر چڑھا کر میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ دوسری چیزیں بسکٹ وغیرہ بھی تھے۔

چائے کے دو کپ پی کر میں کچن سے باہر نکل آیا۔ پھر میں نے ایک بڑی ہمت کی جس کے بارے میں، میں اب کہہ سکتا ہوں، بڑے سے بڑے دل گردے والا نہیں کر سکتا تھا۔ شب بسری کے لئے میں نے دادا جان کی خواب گاہ منتخب کی تھی۔ ان کی مسہری پر لیٹتے ہوئے میں نے ان کی تصویر کی طرف دیکھا تھا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے دادا ابو کے ہونٹوں پر شفقت آمیز مسکراہٹ دیکھی تھی۔

حیران کن بات یہ تھی کہ مجھے آرام سے نیند آ گئی۔ اور صبح ٹھیک پانچ بجے مجھے میرے ہمزاد نے جگا دیا۔

یہ ایک ٹھوس روایت اور آزمودہ عمل ہے کہ ہرانسان کا ایک ہمزاد ضرور ہوتا ہے جو آپ کے ساتھ رہتا ہے بس اس سے واقفیت اور دوستی کا عمل ذرا مشکل ہے لیکن اس سے فاصلے کے باوجود وہ آپ کے کام آتا رہتا ہے اور کبھی کبھی اہم ضرورت پڑنے پر آپ کا ساتھ دیتا ہے۔

سو میں نے اپنے ہمزاد سے کہا تھا کہ مجھے پانچ بجے جگا دے۔ اور میں پانچ بجے جاگ گیا تھا۔ میں نے منہ ہاتھ وغیرہ دھویا صاف ستھرا ہوا اور پھر حویلی سے باہر نکل آیا۔ شمشان گھاٹ سے متصل سڑک پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی اور اس وقت میں بہت متاثر ہوا جب میں نے حسین پور کی سمت سے ایک پیلی روشنی کو سڑک پر دوڑتے ہوئے دیکھا یہ میرا یار شاہو تھا۔

میرے اور شاہو کے درمیان یہ بات طے ہو گئی تھی کہ شاہو علی الصبح مجھے حویلی سے آ کر لے گا اور حسین پور لے جائے گا۔ وہ پوری ذمہ داری میری مطلوبہ اشیا مجھے پہنچا گیا تھا اور اب بھی پوری ذمہ داری سے میرے پاس پہنچ گیا تھا ظاہر ہے وہ کس وقت جاگا ہوگا کس وقت تانگہ جوتا ہوگا اور اس کس وقت اپنے گھر سے نکل آیا ہوگا۔

کچھ دیر کے بعد وہ میرے پاس پہنچ گیا۔ اور بولا۔ ''آ جاؤ بھائی جی ٹھنڈک ہو رہی ہے۔'' اس نے بھائی جی پہلی بار کہا تھا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میں تانگے پر چڑھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ''لو یہ کھیس اوڑھ لو'' اس نے ایک کھیس میری طرف بڑھا دیا۔

''ارے نہیں شاہو۔ تم اوڑھو۔'' میں نے کہا۔

''اماں نے صندوق سے نکال کر دیا ہے تمہارے لئے۔ کہہ رہی تھی باہر سردی ہے۔'' وہ بولا اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے خاموشی سے کھیس اوڑھ لیا تھا۔

تانگہ چل پڑا۔ کچھ دور چل کر میں نے اسے آواز دی۔

''شاہو۔''

''ہاں۔''

''اماں کو تم نے کیا بتایا۔''

''بالکل کچھ نہیں۔ بس اسے اتنا ہی معلوم ہے کہ فرید خان دولت اور جائیداد پر قبضہ کرنے کے لئے تمہارے خلاف سازش کر رہا ہے۔ اور اس نے ملکھانی کو اغوا کر کے کہیں چھپا دیا ہے انہیں تلاش کر رہے ہیں۔''

''کیا بولیں؟''

''کوس رہی تھیں فرید خان کو۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں تمہاری پوری مدد کروں۔''

میں شدت جذبات سے خاموش ہو گیا۔ کافی دیر تک خاموش رہا، پھر شاہو نے کہا۔

''رات حویلی میں گزاری۔''

''ہاں۔''

''پرانی حویلی میں۔''

''ہاں۔''

''ڈر تو نہیں لگا۔''

''نہیں۔''

''بہت بہادر ہو بھائی جی۔ اپنی تو اس سڑک سے گزرتے ہوئے جان نکلتی ہے۔ اور اپنے گھوڑے کی بھی۔ کل تمہارا سامان رکھنے کے لئے رکے تھے۔ سامان لے کر نیچے اترے اور پیپل کے درخت کی طرف بڑھے تو یہ بھوتنی کا بھاگ لیا۔''

''بھاگ لیا۔'' میں ہنس پڑا۔

''ارے بگٹٹ۔ میل بھر دور جا کر پکڑا اس کو۔'' سنا ہے جناور کو بھوت چڑیلیں دور سے نظر آ جاویں ہیں۔''

''تمہیں نظر آئیں۔''

''لو میں کوئی جانور ہوں۔'' شاہو بھی حسن کر بولا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔ ''پھر کیا پروگرام رہے گا۔''

''وہی جو میں تمہیں بتا چکا ہوں۔''

''آپ شام پانچ بجے ڈیرے میں گھسو گے۔

وہاں سے کومل رانی کو اٹھاؤ گے اور سیدھے گجر گھاٹ جاؤ گے۔"

"ہاں۔ سنار کوٹھی سے گجر گھاٹ کا راستہ کتنی دیر میں طے ہو جائے گا۔"

"جو اپنا پرتھوی راج ہے نا۔ مزے میں آ جائے یہ تو راکٹ بن جائے یہ۔"

"پرتھوی راج؟" میں نے کہا۔

"ارے ہاں۔ تمہاری سنجوگتا کو لے بھاگنے کی ذمہ داری اس کی ہے نا۔" شاہو نے گھوڑے کی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا اور میں بری طرح ہنسنے لگا۔ شاہو اپنے گھوڑے کو پرتھوی راج کہہ رہا تھا۔ پھر بولا۔ "بس گھنٹہ لگے گا ویسے بس ایک کسر ہے۔"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"فرید خان جی وہاں نہ پہنچے ہوں۔"

"یہ بات میں نے بھی سوچی ہے شاہو۔ لیکن تقدیر پر بھروسہ کرنا پڑے گا۔"

"ایک بات میں کہوں بھائی جی۔"

"ہاں بولو۔"

"اگر فرید خان وہاں آ جائیں تو ہم یہ کام دوسرے دن پر رکھ دیں گے آج نہ سہی کل سہی۔ خطرہ کیوں مول لیا جائے۔" بات ٹھیک تھی۔ میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ طے یہ تھا کہ میں اور شاہو تانگے میں حسین پور سے سنار گڑھی جائیں۔ شاہو اڈے کے آس پاس تانگہ لئے تیار رہے۔ میں اندر کارنامہ دکھاؤں اور جیسے بھی بن پڑے کومل رانی کو اٹھا کر لے آؤں۔ اور پھر شاہو تانگہ نکالتا ہوا مجھے حویلی پہنچا دے اور خود لاری اڈے نکل جائے۔ بعد میں جو کچھ بھی ہو میری ذمہ داری ہے۔"

میں جو کچھ کر رہا تھا وہ ایک کمزور عمل تھا۔ لیکن جو میرے بس میں تھا کر رہا تھا اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ ہم حسین پور پہنچ گئے اماں اور بانسری گرم ناشتہ لئے انتظار کر رہی تھیں۔ میں ان لوگوں کا بہت احسان مند ہو گیا تھا کیا عمدہ سلوک کر رہے تھے میرے ساتھ۔ میرے پاس کافی رقم تھی۔ میں شاہو کو بہت کچھ دے سکتا تھا لیکن مجھے اندازہ تھا کہ غریب آدمی ہمیشہ بڑے ظرف کا مالک ہوتا ہے یہ ظرف ہی اس کا سرمایہ ہوتا ہے۔ شاہو نے جس طرح جان کی بازی لگا دی تھی اس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا تھا اسے اس طرح کی کوئی پیشکش اس کا دل توڑ سکتی تھی ہاں اگر زندگی نے مہلت دی تو تقدیر نے موقع دیا تو بہت سے ایسے لمحے آئیں گے۔

ناشتہ ختم ہوا تو اماں نے کہا۔

"لے پتر۔ اندر والے کمرے میں بانسری نے بستر کر دیا ہے آرام سے سو جا۔ تین بجے جگا دوں گی۔"

حویلی میں مامون خان کے تاریخی پلنگ پر آرام کی نیند سو گیا تھا لیکن اس وقت اماں کی بات سن کر آنکھوں میں نیند بھرنے لگی۔

میں نے اس کی بات پر عمل کیا تھا۔ اور تین بجے تک سوتا رہا تھا۔ جاگا تو طبیعت پوری طرح چاق وچوبند تھی۔ غسل کا بندوبست تھا نہا کر کپڑے پہنے، شاہو بھی دولہا بنا ہوا تھا خوب بنا ٹھنا تھا۔ میں بھی تیار ہو گیا۔ اماں کی دعائیں اور بانسری کی بلائیں لے کر ہم چل پڑے۔

حسین پور سے سنار کوٹھی جاتے ہوئے میں نے شاہو سے کہا۔ "شاہو مامون خان رتنا سری کو لاہور سے سنار کوٹھی لائے تھے۔"

"ہاں۔"

"تب سے وہ یہیں ہے؟"

"بالکل۔"

"اس نے پیشہ چھوڑ دیا تھا۔"

"مہارانی بنا کر رکھا بڑے ملکھانی جی نے اسے۔ ہاں انہوں نے اسے گانے کی اجازت دے دی تھی۔ ان کے دوست آتے تھے تو ناچ گانا ہوتا تھا۔ رتنا سری نے ان سے اجازت لے لی تھی اس نے سرسوتی کا ویاس کیا تھا جسے وہ نہیں چھوڑ سکتی تھی ویاس چھوڑتی تو اس کا سارا کنبہ بھسم ہو جاتا یہ اس کا عقیدہ تھا جسے بڑے ملکھان جی نے مان لیا تھا۔

''ان کی موت کے بعد۔؟'' میں نے سوال کیا۔

''رتنا سری کا کچھ نہیں بگڑا۔''

''میرا مطلب ہے ڈیرے پر ناچ گانا ہوتا ہے۔''

''معمول کے مطابق۔''

''ایک بات اور شاہو۔''

''جی بھائی جی۔''

''کیا کومل رانی مامون خان کی بیٹی ہے۔''

''نہیں۔ وہ راج پاسن کی بیٹی ہے۔ راج پاسن جنک پور کا رئیس تھا جب رتنا سری کو مامون خان نے لاہور سے اٹھایا تھا تو کومل رانی چار سال کی تھی۔ راج پاسن نے رتنا سری سے کومل رانی کو مانگا اور اس کے بدلے دس لاکھ روپے کی پیشکش کی۔ مگر رتنا سری نے منع کر دیا راج پاسن نے کہا کہ کومل رانی اس کی اولاد ہے وہ اسے طوائف کے کوٹھے پر نہیں رہنے دے گا تو بات بگڑ گئی رتنا سری نے بڑے ملکھان سے مدد مانگی تو انہوں نے راج پاسن کو گجر گھاٹ بلایا اور اسے کہا کہ رتنا سری کو تنگ کرنا چھوڑ دے۔ راج پاسن نے صاف کہہ دیا کہ وہ کومل رانی کو حاصل کر کے چھوڑے گا۔ بس ،راج پاسن جب گجر گھاٹ سے جنک پور چلا تو پرکھو کے پاس ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کیا اور اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ پر بھائی جی وہ ڈاکو، ڈاکو نہیں وہ تو ملکھان جی کے بندے تھے جنہیں راج پاسن کی چھٹی کرنے کا حکم ملا تھا۔

''اوہ، تجھے یہ سب کیسے معلوم ہوا شاہو۔''

''چوپال سے۔'' شاہو نے کہا اور ہنس پڑا۔

''بڑی خطرناک ہے تیری یہ چوپال۔'' میں نے بھی ہنس کر کہا۔

''مگر ہے بڑے کام کی۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' تو اس کا مطلب ہے کہ رتنا سری کے ڈیرے پر اب بھی ناچ گانا ہوتا ہے۔''

''ہاں بھائی جی۔''

''اور فرید خان نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔''

''کی تو ہوگی۔'' پر رتنا سری نے مامون خان کی نہیں مانی۔ فرید خان صاحب کچھ بھی ہیں مامون خان سے زیادہ نہیں ہیں۔'' شاہو نے بتایا۔ پھر بولا۔'' لو بھائی جی ہم سنار کوٹھی آ گئے۔''

میرے ذہن میں ایک گونج سی پیدا ہوگئی۔ حالات نے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ ماں کی تلاش تھی۔ ایک شخص نے سارے رشتے بھلا دیئے تھے اور مجھے دربدر کر دیا تھا قاتل بنا دیا تھا میں نے خود کو سمجھایا۔ اشرف خان چولا بدل دو، خدا نے زندگی دی ہے ایک برا انسان اگر آزاد ہے تو بزدل بن کر خود کو حالات کے حوالے نہ کرو۔ مقابلہ کرو۔

شاہو کی آواز ابھری۔

''وہ لال کوٹھی نظر آ رہی ہے بھائی جی۔''

''ہاں۔''

''وہی ہے اور سنو، اس میں داخلے میں دقت نہیں ہوگی۔ رتنا سری کے مہمان آتے رہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے شاہو۔''

''یہ بہترین جگہ ہے۔ تم جس طرح بھی آؤ گے میں تیار ملوں گا۔''

''ایک بات کہوں بھائی جی۔''

''ہاں پوچھو۔''

''بہت وقت سے دل میں ہے مگر کہہ نہیں پایا۔''

''بولو۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں بھی ساتھ چلوں۔''

''کہاں؟''

''اندر۔''

''کیوں؟''

''کون جانے حالات کیا ہوں۔ ایک سے دو ہوں گے تو زیادہ اچھا ہوگا۔''

''نہیں شاہو۔ میں تمہارا شکریہ نہیں ادا کروں گا ۔ایسے وقت میں جب چاروں طرف اندھیرا تھا تم نے

سگے بھائیوں کی طرح میرا ساتھ دیا ہے۔ کاش وقت مجھے موقع دے اور میں بھی تمہیں بھائی بن کر دکھا سکوں میری ماں گم ہوگئی ہے مگر تمہاری ماں تمہارے پاس ہے۔ بانسری بڑی ہوگئی ہے ان دونوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ جتنا خطرہ تم نے مول لے لیا ہے اتنا کافی ہے۔ حالات میرا ساتھ دیں جو کرنا ہے اس میں کامیاب ہوجاؤں تو بس، مجھے گجر گھاٹ پہنچا دو۔ اتنا ہی کافی ہے۔"

"لیکن بھائی جی۔" شاہو نے کچھ اور کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"بس شاہو۔ اور کچھ نہیں۔"

وہ خاموش ہوگیا۔ میں نے اس سرخ مکان کا جائزہ لیا واقعی ایک محل جیسی حیثیت رکھتا تھا۔ ایک جاگیردار کیا نہیں کرسکتا۔ پہلے مامون خان نے یہ دولت لٹائی اور اب فرید خان یہ کام کر رہا تھا۔ مکان کے اطراف کا جائزہ لیتا ہوا میں آگے بڑھنے لگا۔ میں دیکھتا جا رہا تھا کہ مجھے اپنے کام میں کہاں وقت ہوسکتی ہے لیکن میرے کام کے لئے محفوظ جگہ تھی اگر کومل رانی کو اٹھا کر لانا پڑے تو صرف اندر سے ہی مزاحمت ہوسکتی ہے باہر آس پاس کوئی نہیں تھا۔

کچھ لمحوں کے بعد میں اس محل کے خوبصورت گیٹ سے اندر داخل ہوگیا گیٹ پر بھی کوئی نہیں تھا اور ایک دو افراد ملازم جیسے نظر آرہے تھے لیکن کوئی میری طرف متوجہ نہیں ہوا۔ مجھے یاد آگیا کہ رتنا سری کے مہمان بلا روک ٹوک آتے رہتے ہیں۔

صدر گیٹ کے پاس پہنچ کر میں رکا۔ خود کو سنبھالا اور اندر داخل ہوگیا۔ ایک وسیع ڈیوڑھی تھی جس میں سامنے دروازہ نظر آرہا تھا دروازے کے پاس کئی جوڑی جوتے نظر آرہے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اندر محفل جمی ہوئی ہے۔

میں نے ایک لمحے سوچا۔ اور پھر اندر داخل ہوگیا۔ اندر کا ماحول باقاعدہ مجرے کا تھا۔ ساز والے ساز بجا رہے تھے ایک بے حد خوب صورت لڑکی بڑے فنکارانہ انداز میں گا رہی تھی دو تین خاص طرح کے تماشبین بیٹھے ہوئے تھے۔ فرش پر پھول بکھرے ہوئے تھے ایک طرف بھاری بدن کی ایک خوب صورت لیکن عمر رسیدہ عورت سامنے چاندی کا جگمگاتا پاندان لئے بیٹھی پان بنا رہی تھی۔

اچانک پان بنانے والی کی نگاہ مجھ پر پڑی اور اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے دایاں ہاتھ بلند کیا اور سازندے ایک دم رک گئے۔ اس کی نظریں اب بھی مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔

دوسرے لوگ جو یہاں موجود تھے اور صاحب حیثیت معلوم ہوتے تھے بے چین نظروں سے مجھے دیکھنے لگے پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیا ہوا رتنا دیوی۔ غزل کیوں روک دی۔"

"ایں...... ہاں ریاض خان صاحب۔ ایک ایسے ہی مہمان آگئے ہیں آپ لوگوں سے معافی چاہتی ہوں آپ سے دوبارہ ملاقات ہوگی۔"

"کیا مطلب...... غزل ادھوری رہ جائے گی۔"

"پھر پوری ہوجائے گی۔ آپ سے معذرت۔"

"کمال ہے۔ چلو بھئی۔" اس شخص نے ناگواری سے کہا۔ اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ دوسرے لوگ بھی اٹھنے لگے تھے۔ پان لگانے والی عورت جو سو فیصدی رتنا سری تھی اب بھی مسلسل مجھے دیکھے جا رہی تھی اس کے ساتھ دو لڑکیاں اور بیٹھی تھیں جو اچھی شکل و صورت کی حامل تھیں لیکن جو لڑکی غزل گا رہی تھی وہ بے حد حسین تھی۔

"آیئے۔ بیٹھ جائیے۔" رتنا سری نے کہا۔ لہجہ نرم لیکن کسی قدر طنزیہ تھا۔

"تم رتنا سری ہو؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔ اور تم اشرف خان کیوں ہے نا۔"

"ہاں۔ میں اشرف خان ہوں۔"

"دل ہلا دیا بھگوان کی سوگند۔" سنا ضرور تھا کہ تم

مامون خان کے ہمشکل ہو، لیکن بنے بنائے مامون خان ہو یہ معلوم نہیں تھا۔" رتنا سری نے کہا۔ پھر بولی۔

"مگر یہاں کیوں آئے ہو؟"

"کومل رانی کون ہے۔" میں نے باری باری تینوں لڑکیوں کو دیکھ کر کہا۔

"کیوں، کیوں پوچھ رہے ہو۔" رتنا سری نے غصے سے پوچھا۔

"میں ہوں کیوں۔" اس لڑکی نے آگے بڑھ کر کہا۔ جو گا رہی تھی تیکھے نقوش کی اس لڑکی کی آنکھوں میں بھی بڑا تیکھا پن تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں مجھے شوخی بھی نظر آئی تھی۔

"سنو۔ میری بات سنو، یہاں سے چلے جاؤ۔ حالانکہ بڑے عرصے سے میرے دل میں خواہش تھی کہ تمہیں دیکھوں لیکن تم نے فرید خاں سے جھگڑا مول لے کر برا کیا ہے۔"

"فرید خان نے تمہیں بتا دیا ہے۔"

"ہاں۔ وہ ہمارا اپنا ہے۔"

"ارے۔ تمہارے بھی "اپنے" ہوتے ہیں۔" میں نے طنزیہ کہا۔

"چلو...... اب یہاں سے چلے جاؤ۔ فرید خان تمہارا یہاں آنا پسند نہیں کرے گا۔ ورنہ میرا تو دل چاہ رہا تھا کہ تمہیں پاس بیٹھاؤں، جی بھر کر دیکھوں۔

"تم بھی کھسک گئی ہواماں۔ کوئی تو ڈھنگ کی بات کیا کرو، یہ تو پوچھو یہ یہاں آئے کیوں ہیں اور خاص طور سے مجھے کیوں پوچھ رہے ہیں۔" اس بار خوب صورت لڑکی نے پر کشش آواز میں پوچھا۔

"جاؤ لڑکے یہاں سے چلے جاؤ۔ فرید خان اپنے باپ سے زیادہ خطرناک ہے۔ وہ مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا چکا ہے۔" رتنا سری نے پھر کہا۔

"یہ تو تم نے میری مشکل حل کر دی۔"

"کیسی مشکل؟"

"میں یہاں تمہارے محفل کی رنگ رلیاں دیکھنے نہیں آیا بلکہ کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھو۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ وہ تمہیں میرے بارے میں سب کچھ بتا چکا ہے۔"

"ہاں کہا تھا۔"

"تو پھر اس نے تمہیں یہ بھی بتایا ہوگا کہ اس نے مجھے اپنے گندے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے اور مجھے مجبور کرنے کے لئے میری ماں کو اغوا کر لیا ہے۔"

"ہم ان کے تنخواہ دار ہیں میاں۔ زیادہ منہ لگے نہیں ہیں۔ بس ضرورت کی بات بتا دیتے ہیں اور ہمیں ان باتوں سے لگاؤ بھی نہیں ہے بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔ چلو نکلو یہاں سے، اپنی لڑائیاں خود لڑو ہم امن والے لوگ ہیں۔" رتنا سری نے کہا۔

"میں نے کومل رانی کے بارے میں پوچھا تھا۔ سنا ہے فرید خان کومل رانی پر جان دیتا ہے۔"

"مردود نے اپنی شکل نہیں دیکھی۔ میرے جوتے اٹھانے کے قابل نہیں ہے۔"

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا کومل رانی۔" میں نے کہا۔

"میں۔ کہاں؟" اس کا لہجہ عجیب سا تھا، جسے میں کوئی معنی نہیں دے سکا۔

"فرید خان تمہارے بدلے میری ماں میرے حوالے کرے گا۔ تم اس وقت تک میرے پاس رہو گی جب تک فرید خان میری ماں کو میرے حوالے نہیں کرے گا۔" میں نے کہا۔

"بس!" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولی۔ لیکن رتنا سری غصے سے اپنی جگہ کھڑی ہو گئی۔

"تم کومل رانی کو اغوا کرنے آئے ہو۔"

"ہاں۔ وجہ بتا چکا ہوں۔"

"چلو، چلو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ نکلو ورنہ میں یہ لحاظ نہیں کروں گی کہ تم فرید خان کے بھتیجے ہو۔ وہ چند قدم میری طرف بڑھی پھر بولی۔ "جاتے ہو یا...... میں انتظام کروں۔"

''کومل رانی میرے ساتھ جائے گی۔'' میں غرا کر بولا۔

''کیوں۔ بہن بنا کرلے جاؤ گے اسے۔'' پیچھے سے ایک بھاری آواز سنائی دی اور میں نے گھوم کر دیکھا۔ دو لمبے تڑنگے آدمی تھے۔ چہروں سے غنڈے لگ رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کھیل شروع۔ ان میں سے ایک نے پھر کہا۔''ہاں بتایا نہیں کیا بہن بنا کرلے جاؤ گے کومل رانی کو۔''

''ہاں۔تمہاری بہن بنا کر۔''میں نے جواب دیا۔

''اچھا۔میری بہن بنا کر، تو میں اسے بہنوئی بنادوں رتنا جی۔''اس نے کہا اور آگے بڑھ آیا۔اس نے میرے سامنے آ کر میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے دھکا دیا۔

''فرید خان کا بھتیجہ ہے راجن۔ اس لئے رعایت کر رہی ہوں، ورنہ میں خود اسے ٹھیک کر دیتی۔'' رتنا نے یہ بتانے کی کوشش کی کہ میں فرید خان کا بندہ ہوں۔لیکن راجن طاقت کے نشے میں چور تھا وہ ایک قدم اور آگے بڑھا اور اس نے اپنا ہاتھ دوبارہ میری طرف بڑھایا اور بولا۔

''راجن پنڈت ہے ہمارا نام بھتیجے۔ چلو بھاگ جاؤ......''

''تم یہاں سے دفع ہو جاؤ پنڈت جی ورنہ سارا گیان دھیان خاک میں مل جائے گا۔'' میں نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو پیچھے جھٹک دیا۔

''بچہ جان دار ہے رتنا جی۔ کیا خیال ہے کبڈی ہو جائے بس اس سے زیادہ برداشت اپنے اندر نہیں ہے۔ بعد میں خان صاحب سے معافی مانگ لیں گے۔''

''ابے کیوں موت آئی ہے۔ راجن پنڈت کا نام نہیں سنا کبھی۔'' اس بار دوسرے آدمی نے پہلی بار زبان کھولی۔

''چل پھوٹ تیری۔''راجن نے گالی دینا چاہی لیکن میرا اٹھا ہاتھ پوری قوت سے اس کے منہ پر پڑا اور خوب پڑا اس کی زبان کٹ گئی اور وہ ''اوہا'' کی آواز کے ساتھ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''ابے، ابے، ابے۔'' راجن کے دوسرے ساتھی نے کہا۔اور دونوں ہاتھ پھیلا کر مجھ پر لپکا میں نے جھکائی دے کر اس کا ایک ہاتھ پکڑا اور اس کے پیٹ میں پوری قوت سے گھٹنا مارا۔گھٹنا معدے کے منہ پر لگا تھا راجن کا ساتھی بلبلا گیا اور دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ ادھر راجن پنڈت منہ سے خون تھوک رہا تھا اس لئے مجھے موقع مل گیا میں نے اس کے بیٹھے ہوئے ساتھی کے منہ پر لات ماری اور وہ چت گر پڑا یہ بہت بہتر ہوا تھا کیونکہ اس وقت راجن سنبھل گیا اور اس نے اپنے پاس سے لمبے پھل والا چاقو نکال لیا۔

اسی وقت کومل رانی کے منہ سے ایک سسکاری سی نکلی اور وہ پیچھے ہٹ کر ایک دیوار سے جا لگی۔میں نے اس کی سسکاری کی آواز پر اس کی طرف دیکھا اور اس نے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی تھی اس نے صاف اشارہ کیا تھا پھر وہ زور سے چیخی اور دوسرے دروازے کی طرف بھاگی۔ اسی وقت راجن پنڈت نے مجھ پر چاقو سے وار کر دیا۔

لیکن میں تیار تھا۔میں اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور وہ اپنی جھونک میں دوڑ گیا سامنے ایک سازندے کا بھنورہ آ گیا اور اس کے دونوں پاؤں بھنورے میں الجھ گئے۔سازندہ تو اس کی زد سے بچ گیا لیکن راجن بری طرح نیچے گرا تھا۔میرے لئے ضروری تھا کہ میں کومل رانی کے پیچھے بھاگوں کہیں وہ نہ نکل جائے وہ مجھے اشارہ کر کے جس دروازے کی طرف بھاگی تھی میں نے بھی اسی طرف چھلانگ لگا دی۔ اور غڑاپ سے دروازے سے اندر داخل ہو گیا دوسری طرف اندھیرا تھا مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ دوسری طرف کیا ہے لیکن اسی وقت کسی نے دروازہ اندر سے بند کر دیا وہ کومل رانی تھی جو دروازے کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔

''آ جاؤ۔ جلدی آ جاؤ۔'' کومل رانی کی سرگوشی

ابھری اور میرے سر میں کھلبلی ہونے لگی دماغ چکرا گیا یہ کیا چکر ہے...... ''ارے سو رہے ہو کیا'' آؤ! اس نے دوبارہ کہا اور لپک کر میرا ہاتھ پکڑ لیا پھر وہ آگے کی سمت دوڑنے لگی۔

یہ کوئی پانچ چھ فٹ کی گلی جیسی جگہ تھی جس کے دوسری طرف دروازہ تھا وہ مجھے ساتھ لئے اس دروازے سے دوسری طرف پہنچ گئی یہ ایک وسیع کمرہ تھا جو بالکل خالی تھا البتہ اس میں ایک اور دروازہ تھا وہ اس دروازے کی طرف چل پڑی۔ اس نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔

''تیز قدم اٹھاؤ۔ کہیں انہیں عقل نہ آ جائے۔ '' وہ بولی۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے دیوتا کوچ کر گئے تھے سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہوگئی تھیں تاہم میں اس کے ساتھ اس دوسرے دروازے سے بھی باہر نکل گیا۔

جونہی میں نے اس دوسرے دروازے سے باہر قدم رکھا، میں نے عمارت کا عقبی حصہ دیکھا، یہ بھی میرے لئے حیرانی کی بات تھی۔ کومل رانی احاطے کی دیوار کے پاس پہنچی اور پھر مجھے دیکھ کر بولی۔

''گھوڑا بنو۔''

''ایں؟'' میں نے منہ پھاڑ کر کہا۔

''گھوڑا بنو یار...... میں نے گدھا بننے کے لئے نہیں کہا۔'' وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولی اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نیچے دبایا۔ تب میری سمجھ میں آیا کہ وہ مجھے جھکنے کے لئے کہہ رہی ہے۔ شاید میرے اوپر پاؤں رکھ کر احاطے کی دیوار پر چڑھنا چاہتی تھی۔

لیکن میں خالص مرد بن گیا، یعنی وہ مرد جو ہمیشہ عورت پر اپنی برتری رکھنا چاہتا تھا میں نے پورے اعتماد کے ساتھ اس کی پتلی کمر کو دونوں طرف سے پکڑا اور اسے کسی نازک پھول کی طرح اٹھا کر سر سے بلند کر دیا۔

اس کے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکلی لیکن اس نے احاطے کی دیوار کی کگر پکڑ لی اب باقی کام اس کا تھا وہ اپنی قوت بازو سے اوپر پہنچ گئی اور دیوار پر بیٹھ گئی پھر اپنا ہاتھ نیچے لٹکا کر بولی۔

''آؤ۔''

میں مسکرا دیا۔ اس کے پاس سے تھوڑا سا ہٹ کر میں اچھلا اور احاطے کی دیوار پکڑ لی۔ پھر کسی بندر کی طرح اوپر اٹھتا چلا گیا اور دیوار کے اوپر پہنچ گیا دوسری طرف چھوٹا سا میدان تھا ہم دونوں اس میدان میں کود گئے اور پھر تیزی سے دوڑنے لگے۔

''کدھر؟ کدھر جانا ہے۔''

''وہ سامنے۔ پیلے گھر کے دوسری طرف۔''

میں نے دوسری طرف اشارہ کیا جسے اس نے پہچان لیا تھا اور ہم نے اس پیلے گھر کی طرف رخ کر لیا۔ پیلے گھر کے دوسری طرف شاہو تانگہ لئے تیار تھا۔ ایک لمحے کے لئے یہ منظر دیکھ کر اس کا منہ حیرت سے کھلا پھر بند ہو گیا اس کی حیرت بجا تھی عموماً اغوا کے کھیلوں میں اغوا ہونے والا یا تو بے ہوش ہو کر کندھے پر پڑا ہوتا ہے یا اس کے کی کمر سے پستول لگا ہوتا ہے اور وہ اڑیل گھوڑے کی طرح چل رہا ہوتا ہے لیکن یہاں معاملہ دوسرا تھا۔ یہ تک پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کون کسے اغوا کر کے لا رہا ہے۔ تاہم کومل رانی نے میرا سہارا لیا اور تانگے پر چڑھ گئی میں بھی تیزی سے آگے شاہو کے ساتھ بیٹھ گیا اور شاہو نے تانگہ آگے بڑھا دیا۔

کومل خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اور شاہو بھی خاموش تھے لیکن کومل کے طرز عمل نے مجھے بری طرح الجھا رکھا تھا۔ میں تو خیر شاہو پر مکمل بھروسہ رکھتا تھا لیکن کومل کی وجہ سے میں نے خاموشی میں ہی اختیار کئے رکھی۔ اور تانگے کا سفر جاری رہا۔ وہاں رتنا سری کی حویلی میں جو تماشہ ہو رہا ہو گا مجھے اس کا تھوڑا بہت اندازہ تھا۔ واقعی اگر کومل رانی اس حیرت انگیز طریقے سے میرا ساتھ نہ دیتی تو میرا اتنی آسانی سے اپنا کام کر کے نکل آنا ممکن نہیں تھا۔

شاہو بھی پورے راستے خاموش رہا۔ آخر کار ہم گجر گھاٹ میں داخل ہو گئے شاہو سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے شمشان گھاٹ کے ساتھ

سڑک پر تانگہ روک دیا۔
''اتروں۔؟'' کومل رانی نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔
''ہاں۔'' میں نے کہا۔ شاہو نے بڑی حیرت سے ہمیں دیکھا تھا۔ میں نے کہا۔ ''میں تم سے رابطہ رکھوں گا شاہو اپنا خیال رکھنا۔''
''جاؤں؟'' شاہو نے کہا۔ اس نے کومل کی نقل اتاری تھی۔ میں مسکرا دیا۔ کومل رانی تانگے سے اتر گئی تھی۔ شاہو نے تانگہ آگے بڑھا دیا۔
''آؤ کومل۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ اور وہ میرے ساتھ چل پڑی۔ میں شمشان گھاٹ میں داخل ہو گیا تو کومل نے کہا۔
''ہم گجر گھاٹ میں ہیں نا؟''
''ہاں۔''
''اور وہ مامون خان کی حویلی ہے۔''
''ہاں۔''
''میں دو دفعہ یہاں آ چکی ہوں۔ مگر اس طرف سے نہیں۔'' سامنے کے راستے سے۔
''کس کے ساتھ۔ میرا مطلب ہے۔'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
''اماں کے ساتھ۔ خاں صاحب نے بلایا تھا۔ یہاں دو حویلیاں ہیں نا۔؟''
''ہاں۔''
ایک بھوت نگری ہے۔''
''لوگ یہی کہتے ہیں۔''
''اور تم......؟'' وہ بولی۔
''میری بھوتوں سے دوستی ہے۔'' میں نے کہا۔
''اور چڑیلوں سے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔
''اب کوشش کروں گا۔'' میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ میرا مطلب سمجھ گئی اور بولی۔
''دوستی کرنا۔ دشمنی مت کرنا، سمجھائے دے رہی ہوں۔''
''ٹھیک ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ تھوڑا سا محتاط تھا دوسری حویلی سے ہمیں دیکھا بھی جا سکتا تھا غرض یہ کہ ہم حویلی کے پاس پہنچ گئے۔ پھر حویلی کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔
''بڑی زبردست جگہ ہے۔ میں نے اس کے قصے سنے ہیں۔ ماں بھی اس کے بارے میں کئی بار بتا چکی ہے وہ مامون خان کو اکثر یاد کرتی رہتی ہے سنا ہے اسی حویلی کی روحوں نے مامون خان کی جان لی تھی۔'' وہ میرے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی لیکن اس کے لہجے میں خوف کی کوئی جھلک نہیں تھی اس لڑکی نے مجھے متاثر کیا تھا۔
میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں میں نے اپنے قیام کا بندوبست کیا تھا۔
''واہ کتنا خوب صورت بیڈ روم ہے۔'' اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن مجھے یہاں آ کر ایک شاک لگا تھا میری نظریں مامون خان کی تصویر کے فریم پر پڑی تھیں اور میرا دل زور سے اچھل پڑا تھا مامون خان فریم میں نہیں تھے تصویر کا فریم خالی تھا کسی فریم سے تصویر کا غائب ہو جانا عام بات نہیں تھی کومل نے بھی اس فریم کو دیکھ لیا۔
''خالی فریم۔'' وہ بول پڑی۔
''ہاں اس میں تمہاری تصویر لگانی ہے۔''
''گڈ...... جھوٹ بول رہے ہو، مگر صحیح طریقے سے بول نہیں پا رہے۔'' وہ اچھل کر مسہری پر بیٹھ گئی اور بچوں کی طرح اچھلنے لگی۔'' پھر بولی۔'' آؤ باتیں کریں۔''
میں نے ایک آرام چیئر پر بیٹھ کر پاؤں پھیلا دیئے وہ بولی۔ ''تم نے راجن پنڈت کو خوب سبق سکھایا۔ زندگی میں پہلی بار وہ کسی سے پٹا ہے۔''
''مجھے اپنے بارے میں بتاؤ کومل رانی۔'' میں نے کہا۔
''تم مجھے اغوا کرنے آئے تھے۔''
''ہاں۔ بتا چکا ہوں۔ فرید خان کے بارے میں سنا ہے کہ وہ تمہیں بہت چاہتا ہے۔ تمہارے بغیر زندہ

نہیں رہ سکتا۔ اس نے میری ماں کو قید کر رکھا ہے میں تمہارے ذریعے اسے مجبور کرنا چاہتا ہوں کہ وہ میری ماں کو مجھے واپس کر دے۔''

''اس نے تمہاری ماں کو کیوں قید کیا ہے؟'' وہ بولی اور جواب میں، میں نے اسے مختصراً پوری تفصیل بتادی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ''یقین کرو تم مجھے کبھی اغوا نہ کر پاتے۔''

''کیا مطلب؟''

''اگر میں خود نہ چاہتی۔''

''ہاں۔ تمہارا کردار حیرت انگیز رہا ہے۔''

''میں اس ماحول سے نفرت کرتی ہوں۔ مجھے اپنی ماں سے بھی نفرت ہے جو ہر قیمت پر مجھ کو فاحشہ آبرو باختہ طوائف بنانا چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میں فرید خان کی داشتہ بن جاؤں اور اس سے خوب دولت بٹوروں۔ طوائف بن کر اس کی راتیں سجاؤں اور اس کے بچوں کی ماں بنوں لیکن مجھے فرید خان کی صورت سے گھن آتی ہے۔ فرید خان کے لئے مجھ پر سختی بھی کی جاتی ہے۔ ایک دن راجن پنڈت نے ماں کے کہنے پر مجھے مارا بھی تھا۔''

''راجن پنڈت نے؟''

''ہاں۔''

''فرید خان کو اس کا علم ہوا تھا۔''

''ماں نے میرے پیروں پر سر رکھ دیا تھا کہ میں فرید خان کو اس بارے میں نہ بتاؤں ورنہ وہ یہاں قتل عام کر دے گا مگر میرے دل میں ایسی کوئی بات بھی نہیں تھی۔ میں اس سے بات بھی کرنا پسند نہیں کرتی۔''

''ایسا کیوں ہے کومل رانی۔''

''مجھے اپنے ماحول سے، اپنی ماں سے نفرت ہے۔ میں طوائف نہیں بننا چاہتی، مجھے یہ بھی حسرت نہیں ہے کہ میں کسی شریف گھرانے کی عزت بنوں۔ بس میں آزاد زندگی چاہتی ہوں۔ میں نے کسی چھوٹے گاؤں کے کسی ایسے اسکول میں بچوں کو پڑھانے کے خواب دیکھے ہیں جہاں بچے زمین پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں میں نے خود کو ان بے شمار بچوں کی ماں کی طرح دیکھا ہے جو انہیں ماں کی طرح پیار کرتی ہے۔''

''اوہ......'' میرے منہ سے نکلا۔

''میں نے بارہا آرزو کی تھی کہ کاش کوئی مجھے اغوا کر لے۔ بس مجھے یہاں سے نکال لے۔ اب تم میرے تعاون کی وجہ سمجھ گئے ہوگے۔''

''ہاں۔ تم عجیب ہو۔''

''ایک بات کا جواب دو گے۔''

''ہاں بولو۔''

''کیا تم یہاں اس تنہا حویلی میں مجھے عورت سمجھنے کی کوشش تو نہیں کرو گے۔''

''نہیں۔ کبھی نہیں۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''تب میں تمہارے ساتھ ہر تعاون کے لئے تیار ہوں۔ تم کہو گے تو میں تمہاری ماں کے حصول کے لئے فرید خان سے خوب ڈرامہ کروں گی۔''

''شکریہ۔'' میں نے کہا۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' اس نے کہا۔

''آؤ کچن میں چلیں۔'' میں نے کہا، کچن دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی۔

''یہاں تو ہر چیز موجود ہے۔ کیا بھوت یہ سارا بندوبست بھی رکھتے ہیں۔ تم ہٹو میں ناشتہ بناتی ہوں۔ مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

''تم یہاں ڈرو گی تو نہیں۔'' میں نے کہا اور وہ فلمی قہقہے لگانے لگی پھر بولی۔

''تم دیکھ لینا خود بھوت مجھ سے ڈر کر بھاگ جائیں گے، جاؤ آرام کرو۔ میں چائے وغیرہ لے کر آتی ہوں۔'' میں کچن سے واپس بیڈ روم کی طرف چل پڑا۔

اچھی لڑکی تھی مجھے پسند آئی تھی لیکن میں اس کے لئے کیا کر سکتا تھا۔ البتہ ایک الجھن مجھے ضرور تھی اگر فرید خان اس کے بدلہ ماں کو میرے حوالے کرنے پر تیار ہو گیا تو کیا کروں گا۔ کیا اس اچھی لڑکی

کو فرید خان جیسے شیطان کے حوالے کر دوں گا۔ کیا میرا ضمیر اس کی اجازت دے گا۔ اگر وہ غلط ہوتی تو مجھے کوئی تر دد نہ ہوتا۔

تب میں نے فیصلہ کیا کہ فرید خان سے بدعہدی کروں گا۔ اسے دھوکہ دوں گا اس کے لئے پلاننگ کروں گا اسے فرید خان کے قبضے میں نہیں جانے دوں گا۔

یہ تمام باتیں سوچتا ہوا میں بیڈ روم میں داخل ہوگیا دادا جان کی تصویر کے قد آور فریم پر پر نگاہ پڑی اور میں اسے غور سے دیکھنے لگا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے پہلی بار جب اس تصویر کو دیکھا تھا تو دادا جان کا چہرہ سپاٹ اور سنجیدہ نظر آ رہا تھا بعد میں ان کے چہرے کے نقوش بدلے تھے اور وہ مسکرائے بھی تھے اور اب وہ اپنی تصویر کے فریم سے نکل گئے تھے۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔

کومل رانی چائے لے کر آئی یہ کام بڑی نفاست سے کیا گیا تھا میرے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”تم یہاں رہتے ہوا شرف خان۔“

”نہیں۔ اب تو میں کا غاں برباد ہوں۔“

”تم اچھے انسان ہو، ایک بات کرنا چاہتی ہوں تم سے۔“

”ہاں بولو۔“

”جیسا کہ تمہارا پروگرام ہے کہ تم ماں کے حصول کے لئے اسے میرے نام پر تیار کرو گے ، اگر وہ تیار ہوگیا تو کیا تم مجھے اس کے حوالے کر دو گے؟“

”نہیں ،بھروسہ رکھو۔ میں تمہارے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتا۔“

وہ خاموش ہوگئی کچھ دیر خاموش رہی ،پھر بولی۔ ”بس تم مجھے شمالی علاقے میں نکال دینا۔ میں اپنی جگہ خود بنالوں گی میں نے اس طرف کی فلموں میں وہاں کے خوب صورت محنت کش بچوں کو دیکھا ہے۔“ وہ جیسے خوابوں میں کھوگئی تھی۔

بہت دیر تک خاموشی طاری رہی۔ وہ اپنے طور پر سوچ رہی تھی میں اپنے طور پر۔ پھر اس نے کہا۔ ”تم فرید خان سے ملو گے۔“

”کام کی بات ہونے پر۔“

”کیسے ملو گے۔“

”اس کے پاس میرا فون نمبر ہے رتنا سری اسے ان حالات کے بارے میں بتائے گی اور وہ مجھ سے فون پر بات کرے گا۔“

”ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ ابھی رتنا سری کا اس سے رابطہ قائم نہیں ہوسکا۔“ میں نے کہا۔ وہ خاموش ہوگئی۔ دیر تک خاموش رہی، پھر اس نے کہا۔

”مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے۔ نہ جانے کب سے یہ آرزو میرے دل میں چل رہی تھی کہ میں اس جہنم سے نکل جاؤں۔ مجھے وہاں کی ہر شے سے نفرت تھی۔ آج وہ سب میری نظر کے سامنے نہیں ہے تو یہ لمحے خواب خواب لگ رہے ہیں۔“

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بھی سوچوں میں گم رہی، پھر بولی۔ ”مجھے ایک بات بتاؤ اشرف، خدانخواستہ اگر وہ تمہاری ماں کو تمہارے حوالے کرنے پر تیار نہ ہوا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔ مجھے اپنے قبضے میں رکھو گے یا؟“

”نہیں میری تم سے کیا لڑائی ہے۔ میں نے تو تمہیں صرف اس پر قابو پانے کے لئے اغوا کیا ہے۔ اگر وہ ماں کو میرے حوالے کرنے پر تیار نہ ہوا تو بھی میں تمہاری خواہش پوری کر دوں گا۔ میں تمہیں کسی پہاڑی شہر پہنچا دوں گا وہاں تم اپنے لئے جگہ خود بنالینا۔“

”آہ کاش۔“ اس نے اتنا کہا اور خاموش ہوگئی۔

”کچھ اور کہنا چاہتی تھیں۔“

”ہاں آج تک خوابوں میں جیتی رہی ہوں۔ مجھے معاف کرنا دل میں جو آ رہا ہے کہہ رہی ہوں ،اس کے پس منظر میں کچھ اور نہیں ہے۔“

”ہاں کہو۔“

”میں نے کسی ایسے مرد کے بارے میں بھی سوچا ہے جیسے تم ہو،مضبوط، ضدی،ہمت والے

اورخوب صورت، میں نے اپنے خوابوں میں دیکھا ہے کہ اس نے مجھے رتنا سری کے قبضے سے نکال لیا۔ اورخوب صورت برف پوش پہاڑوں سے گھرے ایک چھوٹے گاؤں لے گیا۔ گاؤں میں پہاڑوں کے دامن میں ایک چھوٹا سا گھر، گھر کے آگے ایک وسیع احاطہ جس میں بہت سی بھیڑیں بندھی ہوئی ہیں بھیڑوں کے چھوٹے چھوٹے بچے اور، اور میں، میں۔'' اس کی آنکھیں خوابوں میں ڈوب گئیں۔

لیکن میں۔ اس کا یہ خواب پورا نہیں کرسکتا تھا۔

کچھ دیر کے بعد وہ ہوش میں آ گئی۔ اور عجیب سی نظروں مجھے دیکھنے لگی۔

وقت گزر رہا تھا مجھے بے چینی سے فرید خاں کے فون کا انتظار تھا۔ لیکن دوسری طرف خاموشی ہی طاری رہی سب اپنے طور پر سوچتا رہا۔ فرید خان کیا کر رہا ہوگا۔ رتنا سری نے فوری طور پر اسے کومل رانی کے اغوا کی خبر تو دی ہوگی۔ میرے بارے میں بھی بتا دیا ہوگا اس کے لئے مامون خان کے ہمشکل کا حوالہ ہی کافی تھا۔ ممکن ہے فرید خان فوراً حویلی سے چل پڑا ہو، میں نے بعد میں اس کے ٹریڈ مارک یعنی اس کی جیپ پر غور نہیں کیا تھا ورنہ پتہ چل جاتا کہ وہ حویلی سے نکل گیا ہے، یا ابھی حویلی میں ہی ہے۔ اگر وہ حویلی سے نکل گیا ہے تو ازلی طور پر تحقیقات کر رہا ہوگا کہ میں اب کہاں ہوں۔

رات ہوگئی۔ ابھی تک کچھ نہیں ہوا تھا جبکہ مجھے فرید خان کے فون کا بے چینی سے انتظار تھا۔ کومل رانی اس طرح مطمئن نظر آ رہی تھی جیسے پکنک منانے آئی ہو۔ اس نے کچن میں جا کر رات کے کھانے کا بھی انتظام کیا تھا۔ حالانکہ اسے اس حویلی کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ آسیب زدہ ہے لیکن اس کے انداز میں خوف کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

کھانا کھاتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔

''تم تو بڑے آرام سے اس حویلی میں گھومتی پھر رہی ہو کومل۔''

''ہاں تو پھر۔''

''ڈر نہیں لگتا۔''

''بھوتوں سے اور چڑیلوں سے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''ہاں۔''

''نہیں۔ بھگوان کی سوگند مجھے تو ان کی تلاش ہے۔''

''کیوں؟''

''بس سوچتی ہوں جیتے انسان تو میرے کام نہیں آئے کوئی آتما ہی میری مدد کر دے۔''

میں خاموش ہوگیا کافی رات ہوگئی تھی ہم مامون خان کی خواب گاہ میں تھے۔ کومل رانی اس مسہری پر بیٹھ کر اچھل رہی تھی جس پر نہ جانے کتنی کنواریوں کو پامال کیا گیا ہوگا۔ اس نے مامون خان کی تصویر کے بڑے فریم کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ خالی فریم یہاں کیوں لگا ہوا ہے۔''

''پتہ نہیں۔''

''لو تمہارا گھر ہے تمہیں نہیں معلوم۔'' وہ بولی۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ویسے واقعی تصویر کے فریم کا خالی ہوجانا بھی بے حد حیرت انگیز بات تھی۔ لیکن میں نے اپنا دماغ اس میں نہیں کھپایا تھا۔ میں تو بس فرید خان کے فون کے لئے بے چین تھا۔

''مجھے اب نیند آ رہی ہے۔ میں سونا چاہتی ہوں۔''

''سو جاؤ۔''

''ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گے۔''

''نہیں بولو۔''

''میں یہاں تنہا سونا چاہتی ہوں۔''

''اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔

''اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے، بس مجھے اکیلے سونے کی عادت ہے۔''

''ٹھیک ہے تم آرام سے سو جاؤ۔ میں برابر

کے دوسرے کمرے میں موجود ہوں۔ اگر ڈر لگے یا کوئی اور بات ہو تو مجھے آواز دے لینا۔''

''شکریہ۔'' اس نے کہا اور میں خواب گاہ سے باہر آ کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔

کیا قصہ ہے۔ فرید خان حیرت انگیز طور پر خاموش ہے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ رتنا سری نے اسے کومل کے اغوا کے بارے میں نہ بتایا ہو۔ فرید خان جس طرح کومل پر مٹا ہوا تھا اس کے تحت اسے کومل کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر دینا چاہئے تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ وہ دین دھرم کھو کر گندی قوتوں کا آلہ کار بن چکا تھا۔ کیا وہ ان قوتوں کے ذریعے کومل کا پتہ نہیں لگا سکتا تھا۔

اس دوسرے کمرے میں بیٹھ کر میں یہی باتیں سوچتا رہا تھا عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ حویلی کا ماضی یاد آ رہا تھا کتنی پرسکون زندگی تھی بھرا ہوا خاندان تھا سب تتر بتر ہو گئے تھے گنگا سری بھی غائب ہو گئی تھی فرید خاں نے ان سب سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اور پھر مینکا۔ ''حقیقت یہ ہے کہ میرے دل میں اگر کسی کے لئے جگہ تھی تو وہ مینکا تھی۔ اس نے میرے لئے زندگی تیاگ دی تھی لیکن فرید خان نے انہیں جیتے جی چتا میں جلا دیا تھا فرید خان تجھے اگر ہلاک بھی کر دیا جائے تو دل مطمئن نہیں ہو گا۔ تجھے تو اتنی بدترین سزا ملنی چاہئے کہ تو موت کی آرزو کرے اور تجھے موت نہ ملے۔

حویلی سے باہر نکل آیا۔ تاحد نگاہ بیکراں سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ شمشان گھاٹ تاریک تھا۔ اچانک سیل فون پر اشارہ موصول ہوا اور میں اچھل پڑا۔ میں نے جلدی سے نمبر دیکھا۔ فرید خان ہی کا نمبر تھا۔ میں فون آن کر دیا اور فرید خان کی آواز سنائی دی۔

''اشرف۔''

''جی۔ بول رہا ہوں۔''

''یہ کیا حرکت کی ہے تو نے؟''

''زبان سیدھی رکھو فرید خان۔'' میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

''زیادہ پر نکل آئے ہیں تیرے۔''

''ہاں۔ ایسی ہی بات ہے۔''

''مجھے جانتا ہے۔''

''ہاں۔ ایک نیک نام خاندان کے بدنما انسان کی حیثیت سے۔''

''کومل رانی کہاں ہے۔''

''موت کی آغوش میں۔''

''کیا مطلب؟''

''بڑے مجبور ہو کر میں نے یہ قدم اٹھایا ہے فرید خان ورنہ کسی عورت کا سہارا لے کر میں کوئی کام کرنا شان نہیں سمجھتا ہوں۔''

''شان۔ واہ۔ کیا شان ہے تیری بھئی۔''

''فرید خان۔ مجھے باتوں میں لگا کر اگر کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو تمہاری بے وقوفی ہے۔ میں نے زندگی کے راستے بدل دیئے ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''راجن پنڈت کو اس لئے زندہ چھوڑ دیا کہ اس نے ہاتھ جھوڑ کر زندگی کی بھیک مانگی تھی۔ اور کومل کی زندگی سے بھی مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تمہیں کسی بھی جگہ اس کی لاش دستیاب ہو سکتی ہے خود تمہاری حویلی میں بھی۔''

دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔

''ہیلو......'' میں نے کہا۔

''ہاں...... میں سوچ رہا ہوں۔ خیر کومل کہاں ہے۔''

''جہاں بھی ہے تو اس تک نہیں پہنچ سکتا فرید خان۔''

''تجھے پسند نہیں آئی وہ۔''

''نہیں۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''مجھے واپس دے دے۔ بول سودا کرے گا۔''

''ہاں۔''

''بتا کیا چاہتا ہے۔''

''میری ماں واپس کر دے۔''

''وہ دوسرا کیس ہے۔''
''کیا مطلب؟''
''تو جائیداد کے کاغذات پر دستخط کردے۔ ہر چیز سے دست بردار ہوجا۔ اور میری دوسری پیشکش قبول کرلے۔''
''کون سی دوسری پیشکش۔''
''کالی شکتی میں شامل ہوجا۔''
'اس سے تجھے کیا حاصل ہوگا۔''
''مجھ پر شرط لگادی گئی ہے۔ اگر تجھے میں کالی کا داس بنادوں تو مجھے سنتھالی شکتی حاصل ہوجائے گی۔ یہ بہت بڑی طاقت ہوگی میرے منہ سے نکلا ایک لفظ میرے اور مقابل کے لئے حکم ہوگا۔ میں جو کہوں گا وہ آنکھیں بند کرکے مانا جائے گا۔ تو سوچ کیا زندگی ہوگی دور تک کی۔''
''مگر اس سے میرا کیا تعلق۔''
''تعلق ہے بے وقوف۔ میں نے تجھے پیشکش کی تھی کہ تو کالی دھرم میں شامل ہوجا میرا ساتھی ہوگا دنیا تیرے قدموں میں ہوگی یہ پیشکش اب بھی ہے کالی شکتی کی مالک ایک بہت بڑی قوت تجھے چاہتی ہے وہ تجھے کیا سے کیا بنادے گی تو نہیں جانتا۔''
''ایک بات بتاؤ فرید خان۔ تم اپنا ایمان بیچ کر گندی قوتیں حاصل کرچکے ہو۔ دولت تمہارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی پھر یہ تم میرے حصے کی جائیداد کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔''
''بہت سی باتوں کے بتانے کا وقت ہوتا ہے اشرف۔ اس کی وجہ میں تجھے ابھی نہیں بتا سکتا۔ کومل رانی کہاں ہے؟'' فرید خان نے کہا۔
''ابھی وہ محفوظ ہے لیکن اگر تو نے میری بات نہ مانی تو اسے قتل کردوں گا۔''
''کیا بات منوانا چاہتا ہے۔''
''ماں کو میرے حوالے کردے۔''
''یہ ابھی ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تو کالی شکتی حاصل کرلے۔ یہ میری نہیں کسی اور کی مانگ ہے۔''
''مگر ماں کو تو نے اغوا کیا ہے۔''
''وہ بھی کالی شکتی کے کہنے پر لیکن تمہاری ماں محفوظ ہے اور تم بھی۔ البتہ اگر تم نے مجھ سے سمجھوتہ نہیں کیا تو تمہاری ماں زندہ نہیں رہے گی میں اسے ختم کردوں گا تم مجھ سے فوراً مل لو، کومل رانی کو میرے حوالے کردو، ہم دوست بن جائیں گے میں کہہ چکا ہوں میری مان کر دیکھو تمہاری تقدیر کے دروازے کھل جائیں گے۔''
''تم کومل کو بہت چاہتے ہو۔''
''ہاں وہ میری پسند ہے۔''
''کیا وہ بھی تمہیں پسند کرتی ہے۔''
''وہ ایک طوائف کی بیٹی ہے۔ ان کے ہاں پسند ناپسند کچھ نہیں ہوتی انہیں صرف دولت پسند ہوتی ہے لیکن میں اسے چاہتا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرکے ہی اس پر ہاتھ ڈالا ہے۔ یہ معلومات تمہیں کہاں سے ہوئیں میں یہ بھی معلوم کرلوں گا اس کے بعد۔''
وہ خطرناک انداز میں خاموش ہوگیا۔
''کافی باتیں ہوگئیں ہماری۔ میرا فیصلہ سنو، کل دن کی روشنی میں ماں کو کوٹھی پہنچادو یہ کام صبح نماز سے پہلے ہوجانا چاہئے ماں کو حویلی پہنچا کر ان سے میری بات کراؤ میں تمہیں کومل کا پتہ بتادوں گا تم اسے حاصل کرلینا۔''
''گویا تم مجھ سے تعاون پر تیار نہیں ہو۔''
''اور کیا تعاون چاہتے ہو؟''
''کومل کو کسی شرط کے بغیر میرے حوالے کردو۔''
''زندہ؟'' میں نے طنزیہ پوچھا۔
''بکواس مت کرو، اگر تم نے اسے میرے حوالے نہ کردیا تو میں نہیں جانتا میں کیا کر بیٹھوں گا۔''
''اور اگر تم نے کل صبح نماز سے پہلے ماں کو حویلی نہ پہنچادیا تو کومل کی لاش تمہیں پیش کردی جائے گی۔'' میں نے کہا اور فون بند کردیا۔

مجھے فرید خان کے فون کا انتظار تھا۔ اور یہی توقع تھی اس سے کہ وہ اسی طرح کی بات کرے گا۔ بظاہر تو کوئی اور بات نہیں تھی پتہ نہیں وہ امی کو قبضے میں رکھ کر کیا مفادات چاہتا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ماں کو مجھ تک پہنچانے کے لئے وہ تیار نہیں تھا گویا وہ کومل کو رکھنا نہیں چاہتا تھا جتنا اس بارے میں سنا تھا جبھی میری یہ کوشش بیکار گئی۔

دل میں ایک حسرت پیدا ہوگئی کاش بزرگ محبوب الٰہی مل جاتے تو میں ان کی خدمت کر کے کچھ علوم حاصل کر لیتا۔ بہت دیر تک میں فون ہاتھ میں لئے بیٹھا سوچتا رہا فرید خاں کو کس طرح ماں کی رہائی پر تیار کیا جائے اور جہاں تک رہی بات کومل کی۔ تو اسے فرید خاں کے حوالے تو مر کر بھی نہیں کروں گا۔ اس کے دل میں بھی تو آگ لگے کومل کو اس کی خواہش کے مطابق شمالی علاقے میں پہنچا دوں گا میں اس کی خواہش سمجھ چکا تھا۔ بیشک ایک طوائف کی بیٹی تھی لیکن دل میں نیک جذبات رکھتی تھی اس کی خواہش ضرور پوری ہونی چاہیے۔

دل میں خیال تھا کہ شاید فرید خاں سوچے اور ماں کو میرے حوالے کرنے پر راضی ہو جائے۔ لیکن اس کا فون دوبارہ نہیں آیا پھر نیند آنے لگی اور میں اٹھ کر اندر آ گیا۔ اس دوسرے کمرے کے بستر پر بیٹھ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور نہ جانے کب سو گیا۔ البتہ زیادہ دیر نہیں سویا گھڑی میں پانچ بج رہے تھے میں دوبارہ جاگ گیا ایک عجیب سی بے کلی دل ودماغ پر طاری تھی اٹھ کر بیٹھ گیا میرے دل میں خوف کا شائبہ بھی نہیں تھا یہ وہ حویلی تھی جسے خوف ناک قوتوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا لیکن میں اور کومل یہاں آرام سے سو رہے تھے۔

کومل کا خیال آیا تو میں نے سوچا کہ دیکھوں وہ سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے۔ بلکہ اسے تفصیل بتاؤں کیوں کہ وہ تیار ہو جائے۔ میں اسے شمالی علاقہ میں کسی بھی جگہ چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ اس کمرے کے دروازے پر پہنچ کر میں نے دروازہ بجایا۔ پھر تھوڑا سا پٹ کھول کر کہا۔

''کومل اگر تم جاگ رہی ہو تو باہر آ جاؤ۔ باہر کا موسم بے حد خوشگوار ہے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ جاگ رہی ہو تو آواز دو۔''

لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آئی تھی شاید وہ اب بھی گہری نیند سو رہی تھی میں نے زور زور سے اسے دو تین آوازیں دیں لیکن پھر بھی کوئی آواز نہیں آئی۔ اب مجھے تشویش ہوئی اور دوسرے لمحے میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

کومل رانی شاندار بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ لیکن ...... وہ نیم برہنہ نظر آ رہی تھی لباس جگہ جگہ سے نچا اور پھٹا ہوا تھا اور اس پر خون کے بڑے بڑے دھبے نظر آ رہے تھے۔

میرا دل ہول گیا۔ میں بے اختیار اس پر جھک گیا اس کی حالت سے سب کچھ پتہ چل گیا اس کے ساتھ بدسلوکی کی گئی تھی لیکن ...... یہاں ...... اس آسیب زدہ حویلی میں۔

اس وقت مجھے ایک اور شدید ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔ میری نگاہ مامون خان کی تصویر کے فریم پر پڑی تھی رات تک یہ فریم خالی پڑا تھا اور تصویر اس میں موجود نہیں تھی لیکن اس وقت تصویر فریم میں موجود تھی اور تصویر پہلی تصویر سے مختلف تھی یہ وہ پوز نہیں تھا اور اس تصویر میں مامون خان کے لباس پر خون کے دھبے نظر آ رہے تھے اور ان کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

میرے خدا تو کیا مامون خان بھی بدروح بن چکے ہیں۔ اور ان کے شیطانی عمل جاری ہیں یہ تو برا ہو گیا بے چاری کومل رانی، میری حماقت کی نذر ہو گئی۔ میں اسے اس کے گھر سے اٹھا لایا اور اس کی حفاظت نہیں کر سکا فرید خان یہی سوچے گا کہ کومل کو میں نے قتل کر دیا ہے۔

اب کیا کروں؟

سارا کھیل ہی بگڑ گیا تھا۔ سوچا تھا فرید خان

کو ایک بار اور فون کروں گا کومل سے اس کی بات کراؤں گا اس سے کہلواؤں گا کہ وہ میری ماں کو آزاد کردے میں اسے لے کر کہیں دور چلا جاؤں گا وہ آرام سے جائیداد پر قبضہ کرلے میں اس کا راستہ نہیں روکوں گا لیکن اب اس کے امکانات نہیں رہے تھے۔

ایک بار پھر میں نے کومل کو دیکھا۔ مجھے اس پر بہت رحم آیا۔ بے چاری اپنے تصور میں ایک دنیا بسائے جی رہی تھی اپنے حق کے لئے لڑ رہی تھی۔ ہار گئی، بے کسی کی موت مرگئی اور اب وہ بے یارومددگار اس ویران حویلی میں پڑی رہے گی۔ پھر ایک اور خیال میرے دل میں آیا کم ازکم اس کا آخری حق تو ملنا چاہئے یہاں حویلی میں تو وہ یونہی پڑی سڑتی رہے گی یہاں کون آتا ہے۔

میں جذبات میں آکر یہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار ہوگیا ابھی اندھیرا ہے میں اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ بس ایک جذباتی فیصلہ تھا ورنہ فرید خان کو یہ اطلاع بھی دے سکتا تھا کہ کومل کی لاش حویلی میں ہے اسے وہاں سے نکال لیا جائے۔ لیکن بس۔

کومل کو بستر سے اٹھایا پھول جیسی نازک تھی میں اسے ہاتھوں میں سنبھالے باہر آگیا۔ نئی حویلی میں سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی میں جانتا تھا کہ ابھی وہاں کوئی نہیں جاگا ہوا گ۔ چنانچہ میں کومل کی لاش اٹھائے ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے حویلی کے دروازے سے باہر نکلنے والا ہر شخص اسے دیکھ لے۔ میں نے لاش وہاں رکھی اور افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

”کومل...... میں تمہیں اس لئے نہیں لایا تھا میں تمہارے لئے دکھی ہوں۔ بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

میں وہاں سے واپس اپنی جگہ آگیا حویلی کی اوپری منزل میں ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں سے وہ جگہ نظر آتی تھی جہاں لاش پڑی ہوئی تھی اس جگہ بیٹھ گیا طبیعت پر شدید بوجھ تھا۔ کومل کی موت صرف میری وجہ سے ہوئی تھی۔ نہ میں اسے اس طرح لاتا نہ اس پر یہ ظلم ہوتا لیکن دادا ابو کیا وہ شیطان بن چکے ہیں کیا وہ بھی اپنا دین دھرم چھوڑ چکے ہیں اور ان کی آوارہ روح اب بھی ایسی حرکتیں کرتی پھر رہی ہے۔

ایک بار دل میں جنون ابھرا جی چاہا کہ کوئی نوکدار چیز لے کر ان کی تصویر کے پرزے پرزے کردوں۔ شدید غصہ آیا۔ اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ مجھے ایک نوکدار ازوار مل گیا اور میں غصے سے کھولتا ہوا ان کی خواب گاہ میں داخل ہوگیا میں نے خونی نظروں سے تصویر کو دیکھا اور میرا منہ حیرت سے کھول گیا۔

”یہ آپ نے اچھا نہیں کیا دادا جان۔ بدترین موت سے مرے تھے آپ، مرنے کے بعد بھی آپ کو عبرت نہ ہوئی۔ آپ کی وہ حرکتیں جاری ہیں مجھے اپنے آپ سے غیرت آتی ہے کہ میں آپ جیسے برے انسان کا ہم شکل ہوں۔ آپ نے کومل کو ہلاک کرکے میرے دل میں نفرت کا پہاڑ کھڑا کرلیا ہے۔ آپ اگر بھاگ نہ جاتے تو میں آپ کی اس زندہ تصویر کو ریزہ ریزہ کردیتا۔ لیکن میں اب بھی آپ کے لئے...... یہ کہہ کر میں لوہے کا وہ قدنی ازوار اٹھا کر فریم کے پاس پہنچ گیا اور پھر میں نے اس پر ضربیں لگانی شروع کردیں۔ انتہائی مضبوط اور قیمتی فریم تھا۔ میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کردیا پھر اس نوکدار آلے کو لے کر میں دادا جان کی لاکھوں کی مالیت کی مسہری پر پل پڑا۔

”آپ کو اب یہ سیج نہیں مل سکے گی جس پر نہ جانے آپ نے کتنی عصمتوں کو پامال کیا ہے۔ میں نے مسہری کے بھی پرخچے اڑا دیئے پھر مجھے جو بھی آرائشی چیز نظر آئی میں نے اسے برباد کردیا وہ خوب صورت خواب گاہ آرائشی اشیاء کا قبرستان بن گئی مجھے شدید غصہ تھا پھر میں واپس اپنی جگہ آگیا۔

وہاں کام شروع ہوگیا تھا کومل کی لاش کے پاس حویلی کے ملازم اور دوسرے لوگ کھڑے ایک طرف فرید خان بھی کھڑا نظر آرہا تھا۔

وہاں سے اس کے چہرے کے تاثرات تو نہیں نظر آرہے تھے لیکن انداز سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ بہت

غم زدہ ہے۔فرید خان کے دکھ سے خوشی بھی ہو رہی تھی لیکن مظلوم کومل رانی پر ہونے والے ظلم سے دکھی بھی تھا۔

میرا خیال تھا کہ فرید خان کومل کی لاش لے کر سنار کوٹھی جائے گا۔اس لئے ابھی وہ یہ نہیں سوچے گا کہ میں کہاں ہوں۔ ویسے بھی بھیڑیئے کی بھینٹ بھیڑیئے سے بچنے کے لئے محفوظ ہوتی ہے اس لئے پرانی حویلی میں کچھ وقت گزار لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

میں اپنی جگہ بیٹھا دیکھتا رہا حویلی میں چہل پہل تھی ۔پھر ایک بڑی ایمبولینس آ گئی اور لاش اس میں رکھوا دی گئی ۔فرید خان اپنی جیپ میں گیا تھا میرے ذہن پر مسلسل بوجھ تھا کومل کی جان صرف میری وجہ سے گئی۔کاش میں اسے لے کر حویلی میں نہ آتا۔

دن کے ڈھائی بجے کے قریب مجھے فرید خان کا فون موصول ہوا۔میں نے جلدی سے فون اٹینڈ کر لیا۔

''ہیلو۔''میں نے کہا۔

''میری طرف سے مبارک باد قبول کرو، مجھے بہادر لوگ پسند ہیں۔کیونکہ میں خود بہادر ہوں۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو۔''میرا لہجہ بھی سرد تھا۔

''میں نے تمہاری ماں کو تمہیں نہیں دیا اور تم نے کومل کی لاش مجھے پیش کر دی۔''

''تمہارے خیال میں، میں بہادر ہوں، فرید خان۔''میں نے کہا۔

''ہاں، تم نے جو کچھ کر دکھایا وہ معمولی بات نہیں ہے۔''

''تو پھر یوں سمجھ لو کہ بہادر جھوٹ نہیں بولتے۔''

''مطلب؟''

''کومل کو میں نے قتل نہیں کیا۔''

''تو پھر......؟''فرید خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''مامون خان اس کا قاتل ہے۔''

''مامون خان؟ کیا تم پاگل ہو گئے۔''

''پوری تفصیل بتاتا ہوں غور سے سنو۔''میں نے کہا اور پھر میں نے الف سے لے کر''ے'' تک اسے پوری کہانی سنا دی۔

دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ پھر آواز آئی۔''تم کہاں ہو؟''

''اب میرے خیال میں تم پاگل ہو گئے ہو۔''

''بتاؤ۔جو میں پوچھ رہا ہوں بتاؤ۔''

''کتنی خوش فہمی کے شکار ہو تم۔کیا میں اتنا بے وقوف ہوں کہ خود کو تمہارے حوالے کر دوں۔''

''مجھ سے ملو، میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔''

''امی کو حویلی میں لے آئے فرید خان صاحب۔چند روز انہیں وہاں رہنے دیں، مجھے آپ کی نیت پر اعتبار ہو جائے گا پھر میں آپ سے مل لوں گا۔''

''کمال ہے ،کل کے لونڈے ہو۔ مجھ سے چالاکی کر رہے ہو، میں انہیں حویلی لے آؤں اور تم آرام سے انہیں لے کر چمپت ہو جاؤ۔نہیں میرے بچے یہ ممکن نہیں ہے زیادہ وقت نہیں جا رہا، میں تم دونوں ماں بیٹوں کو اپنے پیروں کے تلوے چاٹنے پر مجبور کر دوں گا۔کومل کے بارے میں تم نے جو کہانی سنائی ہے اس کی تصدیق بھی کر لوں گا۔ اور رہی تمہیں تلاش کرنے کی بات تو حقیقت یہ ہے کہ تمہارے بارے میں ،ایک بار بھی سنجیدہ نہیں ہوا ہوں۔ اب کومل کی موت کے بعد مجھے تمہاری طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔ بہت جلد تم کسی چوہے کی طرح میرے چوہے دان میں پھنسے نظر آ ؤ گے۔''

''تم مجھے کل کا لونڈا کہہ رہے ہو، اس حساب سے تم پرانے بابا جی ہو چکے ہو، ہم نوجوانوں سے پنگا مت لو،سر بازار رسوا ہونا پڑے گا۔ ''میں نے کہا اور دوسری طرف سے فون بند ہو گیا، میں نے ٹھنڈی سانس لے کر اپنا سیل بھی آف کر دیا،اب آگے دیکھنا تھا کہ فرید خان کتنا خطرناک ہو جاتا ہے۔ کوئی نئی سوچنا ہو گی۔

(جاری ہے)

دشمن روحیں

ایم اے راحت

قسط نمبر: 6

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زور قلم سے لکھی شاہکار کہانی

فرید خان پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ایک طرف تو اس نے اپنا ایمان دھرم بیچ کر کالی دیوی کا کالا دھرم اپنا لیا تھا اور جادو ٹونے سیکھ رہا تھا۔ دوسری طرف میرے حصے کی جائیداد ہڑپ کرنے کے لئے ہر طرح کے مجرمانہ کام کر رہا تھا۔ اگر اس نے جادو سیکھ لیا ہے تو پھر اپنے جادو کے ذریعہ وہ جائیداد پر قبضہ کیوں نہیں کر لیتا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ میں حماقت کر رہا ہوں۔ فرید خان کا ذہن اس حویلی کی طرف بھی جاسکتا ہے کسی بھی طرح اپنے جادو کے زور سے یا پھر عقل کے زور سے وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ میں نے اتنی آسانی سے کومل رانی کی لاش کیسے حویلی پہنچادی۔ وہ یہاں آکر مجھے تلاش کرسکتا ہے اس کے پاس ذرائع کی کمی نہیں ہے۔

پھر کیا کروں...... حویلی سے نکل بھاگوں۔ کہاں جاؤں، فرید خان کیا نہیں کرسکتا۔ ایک اور خیال دل میں آیا۔ فرید خان عقل مند ہے تو یہ نہیں سوچے گا کہ میں پرانی حویلی میں ہوں کیونکہ اس طرح وہ مجھے آسانی سے گھیر سکتا ہے۔

اس وقت پرانی حویلی سے محفوظ جگہ میرے لئے اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن کوئی ایسی جگہ تلاش کی جائے جو محفوظ ہو۔ حویلی لنک پہاڑ ہے بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں چھپا جاسکتا ہے میں ایسی کسی جگہ کی تلاش میں نکل پڑا۔

گراؤنڈ فلور پر ہی بالکل اندرونی حصے میں مجھے ایک بند کمرہ نظر آیا اس کے پاس پہنچ کر میں رکا اور پھر دروازے کو کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ آسانی سے کھل گیا۔ اندر سے سیلن کی بدبو کا بھپکا گرم ہوا کے ساتھ نکلا اور میرے قدم رک گئے۔ پھر میں کمرے میں داخل ہوگیا حیرت کی بات تھی کمرہ تاریک نہیں تھا۔ لیکن دوسرے لمحے ہی حیرت رفع ہوگئی۔ پرانی طرز کی بنی حویلی میں چھت کے قریب روشندان بنے ہوئے تھے جن سے روشنی اندر آرہی تھی اس سے کمرہ روشن ہوگیا تھا۔

پورا کمرہ قدیم فرنیچر سے بھرا ہوا تھا۔ یہ ٹوٹا پھوٹا فرنیچر بھی بے حد قیمتی تھا۔ ایک کونے میں لکڑی کا ایک بہت بڑا صندوق رکھا ہوا تھا جس کے کنڈے میں بہت بڑا تالا لٹکا ہوا تھا لیکن یہ تالا کھلا ہوا تھا میں نے پورے کمرے کا جائزہ لیا کسی خطرے پر اس کمرے میں چھپا جاسکتا تھا بڑے بڑے فرنیچر کے پیچھے کافی جگہ تھی جہاں ایک شخص آرام سے چھپ سکتا تھا لیکن میری نظر صندوق پر جا ٹکی۔ یہ صندوق بھی چھپنے کے لئے بہترین تھا میں اس کے قریب پہنچ گیا دیکھوں تو سہی اس صندوق میں کیا ہے؟

وزنی ڈھکنا کافی طاقت لگانے سے کھلا تھا۔ میں نے اندر جھانکا صندوق بالکل خالی تھا۔ اس میں داخل

ہو کر ڈھکن بند کر لیا جائے تو کوئی مشکل تو نہیں ہوتی۔ یہ جاننے کے لئے میں صندوق میں داخل ہو گیا کافی جگہ تھی بڑے صندوق کی ایک دیوار میں عجیب سی کھونٹیاں نظر آئیں اور میں بے مقصد انہیں ٹٹولنے لگا لیکن اچانک میں ایک کھونٹی دبانے سے صندوق کی ایک دیوار اپنی جگہ سے سرک گئی اور میں اچھل پڑا۔ میں نے حیران نظروں سے ہٹ جانے والی دیوار کو دیکھا اس کے دوسری طرف سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔

تہہ خانہ۔ میرے ذہن نے نعرہ لگایا ہاں وہ تہہ خانہ ہی تھا اس عظیم الشان حویلیوں میں بڑے بڑے راز پوشیدہ ہوتے ہیں یہ تہہ خانہ کسی خاص مقصد کے لئے بنایا گیا تھا دیکھوں تو سہی اس میں کیا ہے؟

میں اللہ کا نام لے کر اس خلا میں داخل ہو گیا۔ اور پھر بڑی احتیاط سے ایک ایک سیڑھی اترنے لگا۔ بارہ سیڑھیاں تھیں اور ان کے بعد ایک کافی بڑا ہال۔ یہ ہال بھی تاریک نہیں تھا اور اندر موجود ایک ایک چیز صاف نظر آ رہی تھی اس کی وجہ بھی روشندان ہی تھے مگر نہ جانے یہ روشندان حویلی کی کون سی جگہ کھلتے تھے اس کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا۔

ہال میں کچھ بھی نہیں تھا۔ بس ایک طرف پتھر کی ایک بڑی سل پڑی ہوئی تھی اور اس سل پر ایک انسانی ہڈیوں کا پنجر پڑا ہوا تھا۔ میں وہیں کھڑے ہو کر اسے دیکھتا رہا۔ پھر ہمت کر کے آگے بڑھا اور ڈھانچے کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے جھک کر اسے دیکھا اچانک ڈھانچے کا سوکھا ہوا ہاتھ اوپر اٹھا اور اس نے میری گردن پکڑ لی۔

میرے حلق سے چیخ نکل گئی تھی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے ڈھانچے کے ہاتھ کو اپنی گردن سے ہٹانے کی کوشش کی اور کافی طاقت لگانے کے بعد اپنی گردن اس کی گرفت سے چھڑا سکا۔ اسی وقت ڈھانچے کی دونوں آنکھوں سے نیلی روشنی پھوٹ پڑی۔ میں پیچھے ہٹا تو ڈھانچہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تم ابھی تک جیتے ہو میاں جی کتنا سمے ہو گیا۔" ڈھانچے کے منہ سے پھٹی پھٹی آواز نکلی۔

جن حالات سے میں گزر چکا تھا ان کی وجہ سے میرا دل پتھر کا ہو چکا تھا۔ اور اب کسی بھی چیز سے خوف زدہ نہیں ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود انسان تھا۔ اور انسان کا ڈر اور خوف سے چولی دامن کا رشتہ ہے۔ ایک انسانی ڈھانچہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ ایک ہلکا سا خوف تو بیدار ہوا تھا لیکن دوسرے لمحے میں نے خود کو سنبھال لیا۔

"کون ہے تو؟" میں نے کہا۔

"نا پہچانے۔" ڈھانچے کی پھٹی پھٹی آواز ابھری۔

"میری بات کا جواب دو، کون ہو تم؟"

"کبھی کے دن بڑے مہاراج، کبھی کی راتیں کل تمہارا راج تھا اور آج تم ہمارے پھیر میں آئے ہو۔"

"بکواس کئے جاؤ گے تم کون ہو؟"

"وہ جس سے تم نے جیون چھین لیا تھا۔"

"کون۔"

"رام سروپ ہیں ہم، اب پہچانا۔"

میں نے اسے پہچان لیا۔ گنگا سری کا محبوب رام سروپ جسے مامون خان نے رقابت میں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور اس کی لاش کے بارے میں بہت سی افواہیں گشت کرتی تھیں گنگا سری اس کی لاش تلاش نہیں کر سکی تھی اور وہ ایک ہی بات کرتی تھی کہ اس کے پریمی کی لاش تلاش کر دو۔ وہ اس کا کریا کرم کرنا چاہتی تھی۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ ایک آتما ہونے کے باوجود وہ اس کی لاش کیوں نہیں تلاش کر سکی۔

"تو تم رام سروپ ہو۔"

"ہاں، کہے تو رام سروپ، پر کیا کریں تم نے ہمیں راون سروپ بنا دیا۔" ڈھانچے کے منہ سے آواز نکلی۔

"زندگی میں بھی تم اتنے ہی بے وقوف تھے جتنے اب ہو۔" میں نے کہا اور ڈھانچہ کی آنکھوں کی نیلی روشنی آہستہ آہستہ سرخ ہو گئی۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ مرنے کے بعد بھی تمہیں آٹے دال کا بھاؤ نہیں معلوم۔"

"کیا بک رہے ہو۔ ہماری سمجھ میں نا آوے۔"
اس کی آواز میں غراہٹ تھی۔
"کون ہوں میں۔"
"راجہ ہو گجر گھاٹ کے، پاپی، نردوئی ہو، ہماری پریمیکا چھینی تم نے اور ہم سے ہمارا جیون بھی چھین لیا اور ہمارا اُتم سنسکار بھی نہ ہونے دیا۔"
"اسی لئے تمہیں بے وقوف کہہ رہا ہوں۔"
"زیادہ چترائی نہ کرو میاں جی۔ تم ہم سے جھوٹ بول رہے ہو۔"
"میرا نام بتاؤ۔" میں نے کہا۔
"مامون خان ہو تم۔"
"نہیں رام سروپ۔ میں مامون خان کا پوتا اشرف خان ہوں۔"
"جھوٹ۔"
"بے وقوف ہی نہیں گدھے بھی ہو تم۔"
"بے وقوف کہہ لو، گدھا کہہ لو پر اندھے نہیں ہیں ہم۔"
"اندھے بھی ہو۔"
"گردن دبا دیں گے تمہاری، جیسے تم نے ہمارا ٹیٹوا دبا دیا تھا۔" وہ غصے سے بولا۔
"ایک بات بتاؤ، تمہیں پتہ ہے کہ تم کتنے عرصے پہلے مرے تھے۔"
"بہت سے بیت گیا۔"
"مامون خان اس وقت جوان تھا یا زیادہ عمر کا تھا۔"
"ایں......؟" اس بار وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ دیر تک خاموش رہا۔ شاید اپنی اور مامون خان کی عمر کا اندازہ لگا رہا تھا۔ پھر بولا۔ تو پھر تم کون ہو۔
"مامون خان کا پوتا اشرف خان۔"
"ہرے رام، ہرے رام۔" بالکل اس کی شکل ہو۔"
"ہاں۔ اور اس کا ہم شکل ہونے کی سزا بھگت رہا ہوں۔"
"تم نے ایک آتما جگا دی ہے۔" "ہم نے تو اپنے جیون میں کچھ بھی نہیں کیا جوان ہوئے تو ہیرالعل کی چھوکری سے پریم ہو گیا۔ بس وہ پریم ہی ہمارا انت بن گیا مار دیا تمہارے دادا نے ہمیں۔ پتہ نہیں بے چاری گنگا سری کا کیا حال ہوگا۔"
"میں تمہیں اس کے بارے میں بتا سکتا ہوں۔"
"گنگا سری کے بارے میں۔" وہ بولا۔
"ہاں۔"
"اب کیا فائدہ۔" اب تو ہم اس سے مل بھی نہیں سکتے۔ وہ بھی ہم سے بڑا پریم کرتی تھی پتہ نہیں کس حال میں ہوگی تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو۔
"بہت کچھ بتا سکتا ہوں اس کے بارے میں۔ لیکن کیا تم اس تہہ خانے سے نکلنا چاہتے ہو۔؟"
"مامون خان نے ہماری لاش اس پتھر پر رکھ دی تھی اور پھر جنتر منتر پڑھ کر یہ دروازہ بند کر دیا تھا۔ ہماری آتما دروازہ نہیں کھول سکتی تھی ورنہ ہم کب کے باہر نکل گئے ہوتے۔ اب تم نے یہ دروازہ کھول دیا تو ہم یہاں سے باہر نکل سکتے ہیں، ہماری آتما آزاد ہو گئی ہے۔"
"تو پھر آؤ، باہر چلیں۔"
"ایں، تم تو ہمارے دوست بننے کی کوشش کر رہے ہو۔"
"ہاں۔ اس لئے کہ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اور میں تمہاری گنگا سری سے بھی مل چکا ہوں۔" میں نے کہا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اب میرے دل میں اس کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ یہاں اس تہہ خانے میں کافی گھٹن تھی پہلے محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن اب کچھ دیر یہاں رکنے کے بعد گھٹن ہونے لگی تھی۔
بڑا دلچسپ منظر تھا۔ ایک گوشت پوست کا جیتا جاگتا انسان۔ دوسرا ہڈیوں کا ڈھانچہ صرف ایک آتما اور وہ بھی دوست جیسی۔ مزے کی بات تھی۔ میرے ذہن میں اب بھی یہی خیال تھا کہ شاید فرید خان کو پرانی حویلی میں میری موجودگی کا خیال آجائے۔ اور اس وقت وہ یہیں حویلی میں ہو۔ لیکن باہر آ کر حویلی میں بدستور پراسرار سناٹا پھیلا نظر آیا۔

میں اسے مامون خان کے کمرے میں لے گیا۔

اور میں نے دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”دیکھو یہ ہے مامون خان کی تصویر۔“ رام سروپ کی گردن گھوم گئی لیکن میکرا اپنا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا کیونکہ تصویر کا فریم بالکل خالی تھا۔ اس میں کوئی تصویر نہیں تھی۔

”کون سی تصویر مہاراج۔“ رام سروپ بولا۔ لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا یہ سب کچھ بہت حیرت انگیز تھا۔ تصویر کے اس فریم میں مامون خان نے گویا اپنا گھر بنا رکھا تھا۔ البتہ مجھے ایک خیال ضرور آیا۔ ہمارے مذہب میں روح کا تصور ضرور موجود ہے لیکن موت کے بعد بھی کوئی اتنا باعمل ہو یہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا، خاص طور سے ایک بدکار شخص جس نے موت کے بعد بھی اپنی برائی کا دامن نہ چھوڑا ہو۔ مامون خان میرے دادا تھے میرے باپ کے باپ لیکن جس طرح انہوں نے کومل رانی کو قتل کیا تھا اس سے مجھے ان کے نام سے نفرت ہو گئی تھی اور میرا خیال تھا کہ ایک بدکار اور ظالم انسان کو برائیوں کی دنیا میں واپس بھیج دیا گیا ہے۔

میں اس کمرے سے نکل کر اس جگہ آ گیا جہاں سے نئی حویلی کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ نئی حویلی پر اب خاموشی طاری تھی اور کوئی تحریک نہیں نظر آ رہی تھی۔ رام سروپ کا ڈھانچہ میرے پاس کھڑا تھا۔ اسکی تمام حرکتیں زندہ انسانوں جیسی تھیں۔

جب مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ نئی حویلی کی طرف سے کوئی تحریک نہیں ہے تو میں نے رام سروپ سے کہا۔ ”تم کہیں جانا تو نہیں چاہتے۔“

”بعد میں سوچوں گا۔ پہلے تم مجھے اپنے بارے میں، مامون خان کے بارے میں اور گنگا سری اور اس کے پتا ہیرا لعل کے بارے میں بتاؤ۔“

”مجھے حیرت ہے رام سروپ کہ ایک آتما ہونے کے باوجود تمہیں کچھ بھی نہیں معلوم۔“

”حالانکہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ مامون خان نے نہ جانے کون سے اشلوک پڑھ کر میرے قید خانے کا دروازہ بند کیا تھا کہ میری آتما بھی قید ہو گئی۔ جبکہ آتمائیں تو آزاد ہوتی ہیں۔“

”کیا مامون خان بھی گندے علم جانتے تھے۔“

”اوش جانتے ہوں گے۔ مجھے ٹھیک سے نہیں معلوم۔ تم مجھے وہ باتیں بتاؤ جو مجھے نہیں معلوم۔ میں گنگا سری کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔“

میں اسے بتانے لگا کہ کس طرح گنگا سری کی جان چلی گئی تھی اور مامون خان نے اس کے سارے پریوار کو ختم کرا دیا تھا وہ خاموشی سے ساری باتیں سنتا رہا۔ پھر جب میں خاموش ہوا تو وہ بھی دیر تک خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ میری گنگا سری ”آتما بھون“ میں میرا انتظار کر رہی ہوگی۔“

”آتما بھون؟“ میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”ہاں۔ آتما بھون میں پیاسی آتمائیں رہتی ہیں۔ وہ جنہیں کسی کا انتظار ہوتا ہے۔ اگر مامون خان میری آتما کو قید نہ کر دیتا تو میں بھی آتما بھون میں گنگا سری کا انتظار کرتا۔ لیکن میں یہاں قیدی بن گیا تھا۔ اب میں آتما بھون جا کر گنگا سری کو تلاش کروں گا۔“

میں خاموش ہو گیا۔

رام سروپ میرے لئے ایک بے کار وجود تھا۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میرے لئے خطرات ہی خطرات تھے ایک طرف فرید خان تھا جس نے میری ماں کو قید کر رکھا تھا۔ دوسری طرف قانون تھا، پولیس تھی جو بڑی سرگرمی سے مجھے تلاش کر رہی تھی۔

”مجھے آ گیا دو گے مہاراج۔“ رام سروپ کی آواز ابھری۔

”ٹھیک ہے رام سروپ جاؤ۔ تم اپنی گنگا سری کو تلاش کرو، میں دیکھوں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔“

”دھن وارد مہاراج۔“ رام سروپ نے کہا۔ اور اس کے بعد وہ ڈھانچے کی شکل میں آگے بڑھ گیا۔ میں نے اس کی طرف سے رخ بدل لیا تھا۔ فرید خان اب تک مجھے تلاش نہیں کر سکا تھا اس کا مطلب ہے کہ اپنا ایمان بیچ کر اس نے جو قوت حاصل کی تھی وہ اتنی نہیں تھی کہ وہ اپنے دشمن کو تلاش کر سکے۔ بے چاری کومل رانی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی جس میں میرا قصور نہیں تھا مجھے خود اس

کی موت کا افسوس تھا۔

اب میرے سامنے کوئی راستہ نہیں تھا کیا کروں کہاں جاؤں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا شاہو کا گھر تھا جو میرے اپنے گھر کی طرح تھا۔ وہاں جاسکتا تھا اور اپنے گھر کی طرح رہ سکتا تھا لیکن اچھی طرح علم تھا کہ فرید خان پراسرار قوتوں کا مالک ہے اگر اس نے پتہ چلا لیا کہ میں کہاں ہوں تو وہ شاہو اور اس کے چھوٹے سے خاندان کو نہیں چھوڑے گا۔ اگر اس کی نظر بانسری پر پڑ گئی تو وہ اسے اٹھا لے جائے گا۔ اس لئے ادھر کا رخ کرنا مناسب نہیں تھا پھر کیا کروں میری زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی ایک مینکا تھی جس سے دل لگتا تھا لیکن نہ جانے ان باپ بیٹی کا کیا ہوا تھا۔ کچھ خبر نہیں تھی۔

ابھی میں انہیں سوچوں میں گم تھا کہ میں نے ایک بار پھر پولیس کی گاڑیاں حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہوتی دیکھیں پہلے بھی میرے باپ دادا کے لگائے ہوئے ان درختوں نے میری مدد کی تھی۔ اس وقت بھی میں ایک گھنے درخت کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ یہاں سے رام سروپ مجھ سے جدا ہوا تھا۔

درخت پر چڑھنے میں، میں نے ایک لمحہ ضائع نہیں کیا اور اچھی طرح چھپ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لی فرید خان کو پرانی حویلی کا خیال آ ہی گیا تھا۔ پولیس نے پرانی حویلی چاروں طرف سے گھیر لی۔ نئی حویلی سے فرید خان اور دوسرے لوگ بھی باہر آ گئے تھے پولیس پرانی میں داخل ہو گئی تھی۔

ویسے میرا اندازہ تھا کہ فرید خان کو اب فوراً پتہ چل جائے گا کہ میں نے پرانی حویلی کو ہی اپنا مسکن بنایا تھا وہ مجھے چپے چپے میں تلاش کرے گا۔ تقدیر ہی خراب ہے اس کی یہ کام کچھ وقت پہلے کر لیتا تو شاید میں اس کے ہاتھ لگ جاتا مگر اب مشکل تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک پولیس پرانی حویلی میں گھسی رہی، وہاں کچن سے انہیں جو چیزیں ملی ہوں گی اس سے انہیں پتہ چل گیا ہوگا کہ میں نے وہاں وقت گزارا ہے۔ پھر میں نے پولیس کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا کافی افراد واپس چلے گئے۔ باقی چھ سات پولیس والوں کی وہاں ڈیوٹی لگا دی گئی تھی لیکن بے وقوف صرف گیٹ تک ہی محدود رہے تھے۔ یہاں سے باہر نکلنے کے لئے شمشان گھاٹ کا راستہ بالکل کھلا ہوا تھا اور میں وہاں سے جاسکتا تھا۔

درخت ہی بہتر جگہ تھی۔ چنانچہ میں وہیں رکا رہا۔ پھر میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ زندگی سے تو مجھے اب کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی کچھ بھی ہو جائے ماں کے علاوہ میرا دنیا میں تھا ہی کون۔ ان کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا چنانچہ میں ہر طرح کا خطرہ مول لے سکتا تھا۔ میں نے فرید خان کے موبائل کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے فرید خان نے فوراً فون ریسو کیا تھا۔

''میرے نمبر سے تمہیں پتہ چل ہی گیا ہوگا فرید خان کہ میں بھی یہاں رہتا ہوں۔'' میں نے کہا لیکن دوسری طرف سے کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ ''ہیلو فرید خان۔''

''ہاں سن رہا ہوں بھتیجے، بولو۔'' اس کی آواز ابھری۔

''بولتی کیوں بند ہو گئی تمہاری۔'' میں نے کہا۔

''تم پر پیار آ رہا ہے۔''

''ارے کیوں۔'' میں نے کہا۔

''آخر خون تو تم میرا ہی ہو۔''

''اب بھی نہیں سمجھا۔'' میں نے مزے لیتے ہوئے کہا۔

''تم جتنے ذہین ہو، جس قدر چالاک ہو، اس پر یہ سوچ کہ مجھے عجیب لگ رہا ہے کہ تم میرے اپنے ہی ہو، اگر تم مجھ سے تعاون کرتے تو ایک نئی تاریخ جنم لے سکتی تھی۔''

''نئی تاریخ؟'' میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''ہاں۔ ایک دلچسپ تاریخ۔ تم مامون خان کے ہم شکل ہو۔ اور مامون خان کا نام نہ صرف گجر گھاٹ بلکہ آس پاس کے دوسرے علاقوں میں کتنا مشہور تھا۔ ہم ایک انوکھا کھیل کھیلتے۔''

''وہ کیا۔''

''دنیا کہتی کہ مامون خان نے دوبارہ جنم لے لیا ہے۔''

''تھو ہے تمہاری شکل پر فرید خان۔ تم نے اپنا

مذہب کو چھوڑا ہی تھا ان کے عقائد سے بھی اتفاق کر لیا۔ ہمارے ہاں دوسرے جنم کا تصور بالکل نہیں ہے سوائے روز قیامت کے۔"

"تم زبان سنبھال کر بات نہیں کر سکتے۔" فرید خان بھاری لہجے میں بولا۔

"ایک مرتد کے لئے میرے الفاظ مناسب ہیں۔"

"فون کیوں کیا ہے؟" اس کی آواز سنائی دی۔

"تمہاری خیریت معلوم کرنے کے لئے۔ دل پر چھریاں چل رہی ہیں نا؟ کہا تھا ماں کو نئی حویلی لے آؤ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن تم نے نہیں مانا اور بے چاری کومل رانی تمہاری ضد کا شکار ہو گئی۔"

"بہت برا کیا تم نے۔ میں نے اپنے دماغ پر قابو رکھا ورنہ کومل رانی کی لاش کے ساتھ تمہاری ماں کی تدفین بھی کی جا سکتی تھی۔"

"ایسا کبھی نہ کرنا فرید خان۔ میری زندگی میں میری ماں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر اس کے ناخن کو بھی نقصان پہنچا تو تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں تمہارا کیا حال کروں گا۔"

"نہیں پہنچے گا نقصان لیکن میں تمہارا انتظار کروں گا۔ میں تو اپنے کام کر ہی رہا ہوں۔ کومل رانی مجھے پسند ضرور تھی۔ لیکن بہت سی کومل رانیاں ہیں کسے کسے ختم کرو گے۔ البتہ میرے پاس تمہاری ماں ہے جس طرح تم نے چچا بھتیجے کا رشتہ ختم کر کے صرف فرید خان کہنا شروع کیا ہے۔ میں بھی اب انہیں بھابھی کہنے کے بجائے صرف تمہاری ماں کہتا ہوں۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ میرے دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں۔ میں گزرے ہوئے لمحات کو بھلا سکتا ہوں اور جب میرے پاس آؤ گے تو میں تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔ اور تمہیں تمہاری ماں کے ساتھ ایک اعلیٰ ترین زندگی گزارنے کا موقع دوں گا۔"

"ایک شرط پر فرید خان۔" میں نے کہا۔

"کیا......؟"

"تم اپنے گناہوں سے توبہ کر لو پھر سے کلمہ طیبہ پڑھو گے اور نیک انسان بن جاؤ گے۔" میں نے کہا اور فرید خان قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"یہ شرط میں مذاق میں بھی نہیں مان سکتا۔ میرے پاس آؤ، بیٹھو مجھ سے بات کرو، میرے مسلک کے قائل ہو جاؤ یا مجھے قائل کرو جو کہو گے مان لوں گا۔"

"تو میں سمجھوں کہ تم مکمل طور پر گمراہ ہو چکے ہو۔ مجھے اللہ پر بھروسہ ہے تم میری ماں کو نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور میں نے انہیں اللہ کی امان میں چھوڑ دیا ہے۔"

"تم ہو کہاں یہ تو بتاؤ۔" فرید خان نے کہا۔

"وہیں جہاں سے تم تھوڑی دیر پہلے جھک مار کر آئے ہو۔"

"کیا۔ کہاں۔"

"پرانی حویلی میں۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے تم پولیس فورس کے ساتھ مجھے تلاش کر رہے تھے۔ حالانکہ تم کئی بار میرے قریب سے گزرے۔ لیکن مجھے نہ دیکھ سکے۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر فرید خان کا فون آن رہا۔ پھر اس نے اسے بند کر دیا۔ شدید حیرت اور غصے نے اس کی آواز بند کر دی تھی۔ میں نے بھی اپنا سیل بند کر دیا اور درخت کی ٹوٹی شاخ سے کمر لگا دی۔ ایک عجیب سی تھکن سوار ہو گئی تھی، دل پر بوجھ تو مستقل رہتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ممکن ہے فرید خان پرانی حویلی میں جانے کی کوشش کرے۔ لیکن ایسا نہ ہوا اور وقت گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ پورا دن گزر گیا۔ کھانے پینے کی چیزیں پرانی حویلی میں موجود تھیں۔ لیکن ادھر جانا سخت خطرناک تھا اس لئے میں نے یہ خیال چھوڑ دیا۔ رات ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ پھر جب پوری طرح تاریکی پھیل گئی تو درخت سے نیچے اترا اور ابرار بھائی کے کوارٹر کی طرف چل پڑا۔ یہ خیال بھی ذہن میں تھا کہ فرید خان بھی رات ہونے کا انتظار کر رہا ہو۔ اسے اس بات پر یقین نہیں آیا ہو گا کہ میں پرانی حویلی میں موجود ہوں۔ ورنہ وہ دوبارہ حویلی کو تلاش کرتا لیکن اگر اسے یہ پتہ ہو کہ میں ہوں یہیں کہیں موجود تو میری تلاش کے لئے رات کا وقت بہترین تھا اس لئے میں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھ رہا تھا۔

ابرار بھائی سخت بخار میں پھنک رہے تھے مجھے دیکھ کر اٹھ گئے۔ ''آپ کو بخار کیوں چڑھ آیا ابرار بھائی؟''میں نے پوچھا۔

''بس۔عمر کا تقاضہ ہے۔ ویسے دل یہاں سے بھر گیا ہے چھوٹے ملکھان جی۔کوئی ہے ہی نہیں سارے نوکر بدل ہو گئے ہیں۔''

''تنخواہ وغیرہ وقت پر مل جاتی ہے؟''

''ہاں۔اس میں دقت نہیں ہوتی۔سب لوگوں کو پیسے وقت سے مل جاتے ہیں۔''

''آپ کے کچن کا جائزہ لے لوں ابرار بھائی سخت بھوکا ہوں۔''

''ارے میرے سرکار۔ابھی کھانا نکالتا ہوں۔''ابرار بھائی سب کچھ بھول گئے کچھ دیر کے بعد، میں شکم سیر ہو گیا۔ ابرار بھائی تشویش بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔میں نے مسکرا کر کہا۔

''کیا بات ہے ابرار بھائی۔آپ کچھ پریشان ہیں؟''

''بس چھوٹے صاحب۔آج خوب ہنگامہ آرائی ہوئی ہے۔ایک لاش بھی نئی حویلی کے دروازے پر ملی ہے آپ کے بارے میں بھی بہت سی باتیں سنی ہیں۔میں کچھ نہیں کہوں گا۔ہم نوکر لوگوں کے سینے میں بھی دل ہوتا ہے مالکوں کے ساتھ رہتے ہیں ان سے محبت بھی ہو جاتی ہے ہم نے بھی اس حویلی کو خوشیوں کا جھولا جھولتے دیکھا ہے۔ یہاں کے رہنے والے ہر موسم مناتے تھے۔ درختوں میں جھولے پڑتے تھے پکوان چڑھتے تھے مگر اب کیا ہے دل اکتا گیا ہے یہاں سے۔''ابرار بھائی کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''میں آپ کو صورت حال سے آگاہ کروں ابرار بھائی، مجھے مشورہ دیں میں کیا کروں۔''میں نے کہا ،میرا دل بھی بوجھل تھا کسی سے دل کی بات ہی نہیں ہوتی تھی۔ابرار بھائی ہمہ تن گوش ہو گئے اور میں نے انہیں الف سے لے کر ے تک پوری کہانی سنا دی۔

''ان میں سے بہت سی باتیں ہمیں معلوم ہیں۔ ہمیں کیا دوسرے نوکر بھی جانتے ہیں۔سب کو معلوم ہے کہ فرید خان بے دین ہو چکا ہے اور دوسرے لوگ اس سے آگے بے بس ہیں۔''

''مجھے اب کیا کرنا چاہئے ابرار بھائی، میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا۔''

''آپ حکم کریں تو میں سوچوں۔''

''اس لئے آپ کو پوری کہانی سنائی ہے ابرار بھائی۔''

''دیکھئے چھوٹے ملکھان۔فرید خان چاہتے ہیں کہ آپ جائیداد سے دست برداری کے کاغذات پر دستخط کر دیں اور سب کچھ ان کے قبضے میں چلا جائے۔ بس یہی ان کی مشکل ہے۔''

''ہاں۔''

''اللہ آپ کا نگہبان ہو۔ایسا ہونے کے بعد جانتے ہیں وہ کیا کرے گا۔''

''کیا کرے گا؟''

''میرے منہ میں خاک ۔آپ کو اور مالکن کو ختم کر دے گا تا کہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے نمٹ جائے۔''

''کیوں۔یہ کام وہ اب بھی کر سکتا ہے۔''

''نہیں کر سکتا۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ اس کے بعد ساری دولت اور جائیداد ٹرسٹ میں چلی جائے گی۔اسے نہیں ملے گی جب تک آپ کی اس کے حق میں دست برداری نہ ہو۔''

''مگر اس نے جعلی وصیت نامہ تیار کرا لیا ہے۔''

''پھر بھی کورٹ میں آپ کی اور بیگم صاحبہ کی حاضری ضروری ہے۔''

''اوہ آپ ٹھیک کہتے ہیں ،ابرار بھائی۔''میں نے کہا۔

''میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔''

''ہاں۔بتایئے۔''میں نے کہا۔

''آپ کچھ دنوں کے لئے بالکل روپوش ہو جائیں۔کسی طرح کی سرگرمی نہ دکھایئے۔فرید خان یہی سوچے گا کہ آپ کچھ کرنے والے ہیں اور الجھن کا

شکار رہے گا۔ مگر آپ کسی طور اس کے سامنے نہ آئیں۔ وہ پریشان ہو جائے گا اور بس دیکھیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔''

''ہوں۔ مگر ایک بات اور ہے ابرار بھائی۔''

''کیا......؟''

''وہ میری ماں کو تنگ کرے گا وہ انہیں عدالت لے جا کر ان سے اپنے حق میں بیان دلوا دے گا۔''

''کوئی فائدہ نہیں ہوگا اسے۔''

''کیوں؟''

''وارث تو آپ ہیں۔ جب تک آپ اس کے بتائے ہوئے وصیت نامے کی تصدیق عدالت میں کھڑے ہو کر نہیں کریں گے وصیت نامہ کارآمد نہیں ہوگا۔''

میں سوچ میں ڈوب گیا۔ ابرار بھائی ٹھیک کہہ رہے تھے۔ فرید خان ایک طرح سے تنہا تھا اسے کسی سے نہ کوئی رغبت تھی نہ کسی رشتے کا خیال تھا۔ کومل رانی بے چاری بلاوجہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی فرید خان کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی تھی ایسا کوئی نہیں تھا جسے قبضے میں کر کے فرید خان سے ماں کا سودا کیا جا سکے۔ اور ماں کو اس نے کہاں رکھا ہے اس بارے میں کہیں سے نہیں معلوم ہو سکتا تھا ان حالات میں ابرار بھائی کی بات مان لینا ہی زیادہ بہتر تھا۔

''ٹھیک ہے ابرار بھائی آپ کا کہنا ٹھیک ہے۔ میں کچھ عرصہ کے لئے منظر عام سے ہٹ جاتا ہوں۔''

''بہت اچھا رہے گا یہ، وہ اس ادھیڑ بن میں رہے گا کہ آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔''

''لاہور بہت بڑا شہر ہے وہیں کے گلی کوچوں میں گم ہو جاؤں گا۔''

''اچھا رہے گا کراچی چلے جائیں۔''

''کراچی......؟ کبھی گیا نہیں ہوں میں۔ وہاں کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے۔''

''یہ تو اور اچھی بات ہے۔''

''ٹھیک ہے ابرار بھائی۔ آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔''

''حکم کریں۔''

''میرا فون نمبر اپنے پاس رکھ لیں۔ ماں کے بارے میں اگر معلومات ملے تو فوراً مجھے آگاہ کریں۔''

''ٹھیک ہے۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔'' ابرار بھائی نے کہا۔ کچھ دیر ان کے پاس رہا پھر ان سے اجازت لے کر باہر آ گیا۔ دل پر ایک بوجھ طاری تھا گجر گھاٹ، اس کے آس پاس کے علاقے میرا گھر تھے۔ میری بچپن کی تمام یادیں، یہیں سے وابستہ تھیں۔ لیکن اب یہ دشمن علاقہ تھا۔ یہاں میرا کوئی نہیں تھا سارے رشتے ختم ہو گئے تھے۔ یہاں سے چلا جاؤں تو کیا فرق پڑے گا۔

پیسے کافی موجود تھے۔ چنانچہ ابرار بھائی کے مشورے کے مطابق میں نے کراچی جانے کا فیصلہ کر لیا ابرار بھائی سے اجازت لی اور موقع ملتے ہی میں حویلی سے باہر آ گیا۔ پہلے لاہور ہو جانا تھا پھر وہاں سے کراچی کے لئے چل پڑوں گا۔ فرید خان کے بارے میں سوچتا ہوا میں سڑک کے کنارے کنارے چل رہا تھا میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فرید خان نے ایمان کھونے کے باوجود کیا پایا۔ میری اب اس سے پکی دشمنی تھی۔ اس کا دشمن اس کے سینے پر مونگ دل رہا تھا اور وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ پا رہا تھا۔ اب تک میں اس کے چرکے لگا تا رہا تھا اور وہ تلملاتا رہا تھا حالانکہ وہ میرے خلاف کوئی بھی بڑا قدم اٹھا سکتا تھا پھر مجھے اس کی بات یاد ئی کہ گندے علوم کی ماہر کسی بڑی شخصیت کو میری ضرورت ہے اسی لئے وہ میری زندگی ختم نہیں کر سکتا۔

لیکن وہ بڑی شخصیت کون تھی۔

کیا کالی دیوی۔

لیکن کالی دیوی کو میری کیا ضرورت تھی۔

اپنی ان احمقانہ سوچوں پر مجھے ہنسی آنے لگی۔ میں پیدل چل رہا تھا راستے کا تعین کر لیا تھا وہاں سے سیدھا حسن پور جاؤں گا حسن پور سے لاری پکڑ کر لاہور، اور پھر کراچی۔ میں نے آج تک کراچی نہیں

دیکھا تھا صرف اس کی طلسمی کہانیاں سنی تھیں حالانکہ کراچی جانے کی وجہ اپنی زندگی کی حفاظت تھی لیکن پھر بھی میرے دل میں کراچی دیکھنے کا شوق کروٹیں لے رہا تھا۔

چلتے چلتے مجھے خیال آیا کہ یہاں میں احمقانہ لاپرواہی سے کام لے رہا ہوں۔ مجھے اس طرح آزادی سے سڑک پر نہیں چلنا چاہئے۔ فرید خان ایک ناپاک دشمن ہے دوسری طرف پولیس کو ایک قاتل کی حیثیت سے میری تلاش ہے۔ بیشک یہ راستے میرے جانے پہچانے ہیں پھر بھی یہ دونوں میری طرف سے غافل نہیں ہوں گے۔

ہر سمت گہرا اندھیرا چھا چکا تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس طرح حسن پور تک کا سفر کیسے طے ہوگا۔ حویلی سے نکل آیا تھا یہ ضروری تھا کیونکہ وہاں میری تلاشی ہوسکتی تھی لیکن اب مجھے وہی کرنا تھا جو ابرار بھائی کے سامنے طے ہوا تھا۔

میں حویلی سے کافی دور نکل آیا تھا۔ لیکن سڑک سے زیادہ دور نہیں جاسکتا تھا۔ کیونکہ یہی حسن پور تک جانے کی نشانی تھی۔ سڑک کے کنارے کنارے درخت تھے کیکر کی جھاڑیاں تھیں جن کی شاخیں پیلے پیلے پھولوں سے لدی ہوئی تھیں گندم اور جو کی فصلیں بھی کھڑی تھیں جہاں فصلیں کٹ چکی تھیں وہاں اجاڑ کھیت دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ میں ایسی مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا کہ جہاں سے سڑک چھوڑ کر نیچے اتر جاؤں کہ اچانک میری چھٹی حس نے مجھے کچھ احساس دلایا۔ مجھے یوں لگا جیسے کچھ انسانی آوازیں ابھری ہوں۔ میں ٹھٹھک کر رک گیا۔ مگر میں نے دیر کردی تھی اچانک ہی دو تین ٹارچوں کی روشنیاں مجھ پر پڑیں اور میری آنکھیں چکا چوندھ ہوگئیں اسی وقت ایک آواز سنائی دی۔

"وہ رہا۔"

"وہی ہے۔" دوسری آواز ابھری اور پھر کسی نے چیخ کر کہا۔

"رک جا۔ نہیں تو گولیوں سے بھون دیں گے۔ رک جا۔"

سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ فوری عمل کرنا تھا یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ آواز بائیں سمت سے آئی تھی اسی سمت سے جدھر میں چل رہا تھا چنانچہ ایک لمحہ کے اندر میں نے دائیں سمت چھلانگ لگادی۔ مگر ان لوگوں نے بھی کام دکھا دیا تھا پتہ نہیں کون سی بندوقیں استعمال کی گئی تھیں اور شاید کئی آدمی تھے جنہوں نے مشترکہ طور پر مجھ پر فائر کئے تھے۔ سڑک کے نشیب میں اترتے اترتے ایک گولی میرے شانے میں لگی اور میں گرتے گرتے بچا۔ بازو میں دہکتے ہوئے انگارے اتر گئے تھے۔ ایک لمحے کے لئے آنکھوں میں اندھیرا اتر آیا تھا لیکن پھر کئی آوازیں ابھریں ساتھ ہی فائر ہوئے اور چنگاریاں میرے سر سے گزر گئیں۔ وہ جو کئی بھی تھے انہیں میری سمت کا پوری طرح اندازہ تھا۔ اور وہ بہ آسانی مجھے نشانہ بنا سکتے تھے اس وقت برق رفتاری ہی سے زندگی بچ جانے کا امکان ہوسکتا تھا ورنہ صورت حال سامنے تھی۔

اس وقت ایک بے حد ذہانت کی بات میرے ذہن میں آئی۔ وہ مجھے داہنی سمت کے نشیب میں نشانہ بنائیں گے کیونکہ انہوں نے مجھے اس طرف اترتے دیکھ لیا ہے، اگر تھوڑا سا آگے چل کر میں سڑک عبور کرلوں اور بائیں سمت اتر جاؤں تو وہ دھوکا کھا سکتے ہیں گہرا اندھیرا میرا امدد کرسکتا ہے۔ چنانچہ میں آگے کی سمت تھوڑا سا دوڑا اور پھر سڑک کا نشیب عبور کرکے کنارے پر آگیا۔

میرا اندازہ ٹھیک تھا۔ تین چار سائے دائیں سمت سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے نیچے ٹارچوں کی روشنیاں ڈال رہے تھے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں کیا کررہا ہوں۔ میں نے موقع غنیمت دیکھا اور پھرتی سے سڑک پر آگیا پھر تیزی سے سڑک عبور کرکے دوسرے کنارے پر پہنچا اور نیچے اتر گیا۔ بازو کی تکلیف پاگل کئے دے رہی تھی لیکن اس وقت زندگی بچانے کی یہی ترکیب تھی کہ اس تکلیف کو نظر انداز کردیا جائے سڑک سے نیچے اتر کر میں اندر کٹے ہوئے کھیتوں میں گھس گیا۔ آگے صورت حال میرے لئے کارآمد تھی کیونکہ ان کھیتوں کے خاتمے کے بعد کچی سڑک آجاتی تھی۔ یہ کچی سڑک چک باون کی طرف جاتی تھی

اور وہاں سے بھی حسن پور کا راستہ تھا۔
کئی بار مجھے گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔
لیکن ان کا رخ دوسری طرف ہی تھا جس کا مطلب تھا کہ انہیں میری چال کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ لیکن اب میرا کچی سڑک پر پہنچنا ضروری تھا۔ تقدیر کبھی کبھی ایسے کارنامے سرانجام دیتی ہے کہ عقل چکرا کر رہ جائے اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں نے کچی سڑک پر قدم رکھا ہی تھا کہ مخالف سمت سے ایک پیلی سی مدھم روشنی آگے بڑھتی نظر آئی۔ ساتھ ہی گھوڑے کی ٹاپیں بھی سنائی دیں۔ میں اپنی جگہ ساکت ہوگیا۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ تانگہ ہے۔ میں دھڑکتے دل سے اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ ذہن میں کچھ نہیں تھا سوائے اس کے کہ کاش تانگے والا تانگہ روک لے یہ بھی اندازہ تھا کہ یہ غلط لوگ نہیں ہوں گے۔
لیکن تقدیر کی بات میں نے اس لئے کی کہ وہ شاہو کا تانگہ تھا۔ میں اندھیرے میں اسے نہیں پہچان سکا تھا لیکن میں نے سڑک کے نیچے آ کر اسے روکا تو تانگہ رک گیا تانگے کے آگے والے حصے میں مٹی کے تیل کی لالٹین لٹکی ہوئی تھی تانگے والے نے تانگہ روکا لالٹین اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر اس کی دہاڑ نما چیخ ابھری۔
"اشرف۔ اشرف۔" ساتھ ہی اس نے تانگے سے نیچے چھلانگ لگادی۔ لالٹین اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی تھی۔ وہ بھاگ کر میرے پاس پہنچا۔ "اشرف چھوٹے ملکھان۔"
"میں زخمی ہوں اشرف۔" میں نے کپکپاتی آواز میں کہا۔
"ارے میرے بھائی۔ ارے میرے بھائی۔ اماں، بانسری اشرف بھائی ہے جگہ بناؤ۔" شاہو بحرانی کیفیت میں تھا وہ مجھے سہارا دے کر تانگے میں لایا۔ پھر لالٹین کی روشنی قریب کر کے مجھے دیکھا۔ میرا شانہ خون سے تر بتر تھا۔
"اماں۔ خون نکل رہا ہے۔" شاہو عجیب سے لہجے میں بولا۔

ماں تو کچھ نہ کہہ سکی۔ بانسری نے اشرف سے لالٹین مانگی میرا زخم دیکھا اور بولی۔" میں اپنا دوپٹہ باندھے دیتی ہوں۔ لو اماں لالٹین پکڑو۔" اس نے لالٹین ماں کے ہاتھ میں دے دی۔
"شاہو۔ فرید خان کے آدمی مجھے سڑک کے دوسری طرف تلاش کر رہے ہیں انہوں نے مجھ پر گولی چلائی ہے۔ یہاں سے نکل چلو۔ کہیں ان کا رخ اس طرف نہ ہو جائے۔"
"اچھا بھائی۔" شاہو نے کہا اور تانگہ چلانے لگا۔ ادھر ماں نے لالٹین پکڑی ہوئی تھی اور بانسری میرے زخم پر دوپٹہ کس رہی تھی۔
میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ غیبی امداد کیسے آ گئی۔ شاہو کے اس طرح آنے کا خواب بھی نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔ پتہ نہیں وہ اس کچی سڑک پر کیسے آ گیا۔ اس نے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد خود ہی بتایا۔
"اماں اور بانسری کوٹ رانی شادی میں گئے تھے۔ پھر وہاں سے آ رہے تھے۔"
کوٹ رانی اسی راستے پر تھا چھوٹا سا گاؤں تھا۔ میں نے کچھ نہ کہا۔ بانسری مجھے سہارا دیئے ہوئے تھی اس کے انداز میں بڑی اپنائیت تھی۔
شاہو بدحواس نظر آ رہا تھا وہ گھوڑے کو تیز تیز بھگا رہا تھا۔ اس کے علاوہ وہ لوگ جو بھی تھے دھوکہ کھا گئے تھے اور ادھر متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ مگر وہ کون تھے۔ کیا پولیس والے۔ یا پھر فرید خان کے آدمی لیکن فرید خان تو میری موت نہیں چاہتا تھا۔ بقول اس کے کسی شیطانی قوت کو میری ضرورت تھی اس لئے وہ مجھے زندہ رکھنے پر مجبور تھا۔ پھر اس طرح مجھ پر اندھا دھند گولیاں برسانے والے کون تھے میں ان گولیوں کا شکار بھی ہوسکتا تھا۔
غرض یہ کہ جو کچھ بھی تھا سمجھ میں آنے والا نہیں تھا۔ ادھر زخم تھا کہ آگ لگائے ہوئے تھا۔ تانگہ شاہو کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے سہارا دے کر مجھے نیچے اتارا، بانسری سگی بہنوں کی طرح مجھے سہارا دیئے ہوئے تھی۔ ماں بے چاری تھر تھر کانپ رہی تھی۔

وہ لوگ مجھے لئے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ شاہو نے کہا۔

"بانسری تو اس کے زخم پر باندھنے کے لئے کپڑا لے آ۔ میں ان کا زخم دیکھتا ہوں۔" بانسری چلی گئی اور شاہو نے میری قمیض اتار دی۔ اس نے زخم دیکھا اور خوش ہو کر بولا۔ "چھوٹے ملکھا نے گولی ہڈی میں نہیں لگی گوشت کو پھاڑتی نکل گئی ہے۔ پر زخم گہرا ہے۔ میں اسے صاف کر دوں پھر میں اس کے لئے کوئی بندوبست کرتا ہوں۔ بانسری ضرورت کی چیزیں لے کر آ گئی اور شاہو میرا زخم صاف کرنے لگا۔ شاہو نے اپنی بساط بھر جو کچھ کر سکتا تھا کیا۔ زخم پر گرم گرم راکھ رکھ کر پٹی باندھ دی گئی دونوں بڑے خلوص سے میری تیمارداری کر رہے تھے۔ پھر وہ مجھے سہارا دے کر دوسرے کمرے میں لے آئے۔ بانسری نے یہ کمرہ میرے آرام کے لئے تیار کیا تھا۔ کافی کشادہ اور ہوا دار تھا۔ ایک طرف پرانے طرز کا چھپر کھٹ نما پلنگ پڑا ہوا تھا اس پر اجلا بستر لگا ہوا تھا۔

"لیٹ جاؤ ملکھا نے۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔" شاہو نے کہا اور باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے بانسری بھی باہر نکل گئی تھی۔ میرے ذہن میں پھر چرخہ چلنے لگا مجھے شاہو کا بھی خیال آ رہا تھا۔ دوستی نبھا دی تھی اس نے اس سے زیادہ بے چارہ کیا کر سکتا تھا۔ لیکن میں اس کے لئے فکر مند تھا اگر فرید خان کو یہ پتہ چل جائے کہ اس نے میرے لئے کیا کیا ہے تو وہ۔ شاہو کو زندہ جلا دے گا اتنا ہی ظالم انسان تھا۔ میں انہیں سوچوں میں گم تھا کہ بانسری آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں کانسی کا بڑا سا گلاس تھا جس میں گاڑھا دودھ تھا۔ اس نے میرے سامنے گلاس کر دیا۔

"دودھ پی لو بھیا جی۔" اس نے بڑی چاہ سے کہا۔ مجھے اس کا لہجہ اور الفاظ بہت اچھے لگے تھے۔ میں نے دودھ کا گلاس اس سے لے لیا۔

"ارے۔ یہ پیلا کیا ہے۔؟" میں نے کہا۔

"اماں نے اس میں ہلدی ملائی ہے۔" وہ بولی۔

"ارے واہ۔" میں نے دودھ کا بڑا سا گھونٹ لیا۔

"یہ تو بڑے مزے کا ہو گیا ہے۔ ہلدی ملانے سے۔"

"تمہاری چوٹ کا درد کم ہو جائے گا۔"

"وہ تو پہلے ہی کم ہو گیا ہے۔"

"کیسے ہوا۔" وہ بولی۔

"اس لئے کہ میری بہن، بھائی اور میری ماں جو میری دیکھ بھال کر رہے ہیں۔" میں نے خلوص سے کہا اور بانسری مسکرا دی۔

ان لوگوں پر میں نے کبھی کوئی احسان نہیں کیا تھا۔ شاہو بچپن میں میرے ساتھ پڑھتا تھا اور بس۔ لیکن ان لوگوں نے میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا اسے میں زندگی بھر نہیں بھول سکتا تھا البتہ کبھی کبھی دل میں بڑی کسک ہوتی تھی میں اب وہ نہیں رہا تھا جو تھا۔ اگر وہ ہوتا تو انہیں اس احسان کا صلہ دیتا۔ لیکن اب...... تین چار دن گزر گئے۔ بانسری میری اس طرح دیکھ بھال کر رہی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ شاہو تانگہ لے کر نکل جاتا۔ اور شام کو واپس آتا۔ پھر ہم بیٹھ کر باتیں کرتے۔ میرا زخم بھی حیرت انگیز طور پر بھر گیا تھا۔

اس دن شاہو جلدی واپس آیا۔ وہ کچھ متفکر تھا۔ میرے ساتھ چائے پی رہا تھا۔ تو میں نے اس کا فکر مند چہرہ محسوس کیا۔

"شاہو۔" میں نے اسے پکارا اور وہ جیسے کسی سوچ سے نکل آیا۔

"جی چھوٹے ملکھا ن۔"

"کیا بات ہے۔"

"کہاں؟"

"تم پریشان لگ رہے ہو۔"

"ہاں۔ کچھ ہوں۔"

"کیوں۔ خیریت؟"

"آپ کو وہ بندے یاد ہیں جنہیں آپ نے کومل رانی کے گھر پر مارا تھا۔"

"ہاں۔ یاد ہیں۔"

"ان میں سے ایک کا نام کما لو تھا۔"

"مجھے یاد نہیں۔شاید ہو۔"
"وہ رتناسری کا محافظ تھا۔"
"ہاں۔میں نے وہاں اس کی پٹائی کی تھی۔"
"آج وہ اڈے پر نظر آیا تھا۔"
"اچھا،تو پھر۔"
"تانگوں کو چیک کرتا پھر رہا تھا۔"
"چیک کرتا پھر رہا تھا۔"
"ہاں۔"میرے تانگے کے پاس بھی آ کھڑا ہوا۔ دیر تک اسے دیکھتا رہا۔پھر میرے پاس آ گیا اور بولا کہ "سنار کوٹھی چلے گا۔"میں نے ہامی بھر دی تو میرے تانگے میں بیٹھ گیا۔میں نے اسے پہچان لیا تھا میں خاموشی سے تانگہ ہانکنے لگا۔راستے میں وہ بولا۔
"کیا نام ہے تیرا۔"
"شہباز۔"میں نے کہا۔
"کہاں رہتا ہے۔"
"حسن پور میں۔"
"پہلے کبھی سنار کوٹھی گیا ہے۔"
"ہمارا تو کام ہی ہے سرکار جی بہت بار گئے ہیں۔"
"گجر گھاٹ بھی جاتا ہوگا۔"
"ہر جگہ جاتے ہیں۔"
"مامون خان کو جانتا ہے۔"
"انہیں کون نہیں جانتا سرکار جی۔بڑے مائی باپ تھے۔"
"ہاں۔"ان کے پوتے اشرف خان کو جانتا ہے۔"
"نہیں۔ہمارا کبھی واسطہ نہیں پڑا۔"
"تو نے ان کے گھر کے حالات کے بارے میں سنا ہوگا۔"
"نہیں سرکا...... ہمارا کیا کام...... وہ راجہ بھوج اور ہم گنگو تیلی۔"میں نے کہا۔اور وہ خاموش ہو گیا دیر تک خاموش رہا،پھر بولا۔
"منگل کا ایک دن یاد ہے تجھے جب تو ایک بندے کو لے کر سنار کوٹھی گیا تھا۔وہ بندہ رتناسری دیوی جی کے گھر گیا تھا اور تجھے وہیں کھڑا کر گیا تھا۔بعد میں تو نے اسے کہاں چھوڑا تھا۔"
"منگل کے دن ،سنار گڑھی۔"میں نے خوب سوچنے کی اداکاری کی۔ پھر گردن ہلا کر بولا۔"نہیں سرکار جی کوئی اور تانگہ ہوگا۔ ہم تو بڑے دنوں سے سنار گڑھی نہیں گئے۔
"یاد کر۔"وہ بولا۔
"نہیں گئے مائی باپ۔"
"اچھا کچھ دن پہلے ایک رات کو تو گجر گھاٹ سے آ رہا تھا۔تو کوئی تیرے تانگے میں بیٹھا تھا۔"
"ہاں۔ادھر تو گئے تھے۔مگر ہمارے تانگے میں کوئی نہیں بیٹھا کیونکہ ہماری زنانیاں ہمارے ساتھ تھیں۔" میں نے جواب دیا۔
"کہاں سے آ رہا تھا تو۔"
"شادی میں گئے تھے کوٹ رانی۔وہاں سے اماں کو لے کر آ رہے تھے۔"
"کوٹ رانی میں کس کی شادی تھی۔"
"ہمارے دوست دلاور کی بہن کی شادی تھی۔ مگر بھائی جی آپ اتنی باتیں کیوں پوچھ رہے ہو۔؟"
"بس ایسے ہی۔راستہ کاٹنے کے لئے۔"اس نے کہا۔پھر وہ خاموش ہو گیا۔
شاہو نے جو کچھ بتایا تھا وہ میرے لئے بے حد تشویشناک تھا۔اس کا مطلب ہے فرید خان میرے بارے میں جاسوسی کر رہا ہے۔کسی طرح اسے رتناسری کے اڈے پر شاہو کے تانگے کے بارے میں پتہ چل گیا کسی نے نشاندہی کی ہوگی۔اور پھر اس رات جب مجھے گھیرا گیا تھا میرے خیال میں شاہو خطرے میں تھا۔فرید خان بے حد چالاک تھا اور پھر وہ پراسرار قوتوں کا مالک بھی تھا۔
"کیا سوچنے لگے چھوٹے ملکھان؟"
"نہیں واقعات کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ فرید خان کو کس طرح تمہارے تانگے کے بارے میں خبر مل

گئی ہے۔اوروہ تفتیش کررہا ہے۔"

"اللہ مالک ہے ملکھانے۔ ہم نے اسے تو یقین دلا دیا ہے باقی آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" شاہو نے کہا۔ لیکن مجھے سکون نہیں ملا تھا۔ اب گڑبڑ ہو جائے گی میں تو خیر تھا ہی مشکلوں کا شکار لیکن بات پھر وہی شاہو کی آ گئی تھی۔ شاہو تو بری طرح مارا جائے گا کچھ کرنا ہوگا۔

فرید خان بے وقوف نہیں تھا۔ اسی رات کوئی دو بجے کے قریب اس نے شاہو کے گھر پر چھاپہ مارا بہت سے لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔ ایک بڑی سی جیپ تھی ایک ویگن بھی تھی خوش قسمتی یہ تھی کہ اس وقت میں بے چین ہو کر گھر سے باہر نکل آیا تھا۔ اس رات بڑا حبس تھا اور مجھے بہت سے خیالات نے گھیرا ہوا تھا ماں کے بارے میں سوچ رہا تھا ان سے معذرت کر رہا تھا کہ ان کا بیٹا ان کی بازیابی کے لئے کچھ نہیں کر سکا بس اسی الجھن میں باہر نکل آیا اور گھر کے دروازے سے کچھ دور ایک املی کے پرانے درخت کے نیچے بیٹھ گیا تب میرے کانوں نے گاڑیوں کی آوازیں سنیں اور انہیں دیکھا۔ یہ بھی اتفاق کی بات تھی کہ دونوں گاڑیاں املی کے درخت کے نیچے آ کر کھڑی ہوئی تھیں۔

میرا ماتھا ٹھنکا۔ یقیناً یہ فرید خان کی کارروائی تھی اور یہ اسی کے آدمی تھے۔ میں نے سانس روک لیا اور درخت کی آڑ میں سمٹ گیا۔ پھر میں نے فرید خان کو دیکھا۔ وہ اپنی مخصوص جیپ سے نیچے اترا تھا۔ دوسری طرف ویگن سے کئی افراد نیچے اترے ان کے چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے۔ اور وہ شلوار کرتے میں ملبوس تھے۔ فرید خان کی آواز سنائی دی۔

"چار بندے گھر کے چاروں طرف پھیل جاؤ۔ جو ہے کے بچے کو بھی باہر مت نکلنے دینا۔ کوئی خطرہ ہو تو ٹانگوں میں گولی مار سکتے ہو۔"

"جی ملکھانے جی۔" ایک آواز نے کہا۔

"چلو۔ تم دیوار سے اندر جاؤ۔ اور دروازہ کھول دو۔" فرید خان نے دوسروں کو ہدایت کی۔

ایک آدمی اچھل کر دیوار پر چڑھا اور اس نے دوسری طرف کود کر دروازہ کھول دیا۔ فرید خان دوسرے لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

میرے پورے بدن میں چنگاریاں دوڑ رہی تھیں۔ دل چاہ رہا تھا کہ ہر احتیاط بالائے طاق رکھ کر اندر گھس جاؤں فرید خان کے کسی آدمی سے اسلحہ چھینوں اور قتل عام کر دوں۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنے سلگتے ہوئے ذہن پر قابو پایا اور دانت بھینچتے ہوئے اندر کی سن گن لینے لگا۔ اندر سے کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی۔

اچانک میں نے ایک فیصلہ کیا اور چاروں طرف کا جائزہ لے کر درخت کے اوپر چڑھنے لگا۔ ویگن کی چھت پر کپڑا لگا ہوا تھا میں آسانی سے وہاں چھپ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور ویگن کی چھت پر پہنچ گیا۔ میری نظریں اب شاہو کے صحن کو دیکھ سکتی تھیں۔ شاہو وغیرہ جاگ گئے تھے۔ جو کارروائی ہو رہی تھی اندر ہی ہو رہی تھی۔

لیکن میں نے دل میں ایک فیصلہ کر لیا تھا اگر شاہو کے اہل خاندان کو یا اس کی بہن کو کوئی نقصان پہنچایا گیا تو زندگی قربان کر دوں گا کم از کم فرید خان کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کوئی پچیس منٹ تک اندر مذاکرات ہوتے رہے پھر فرید خان دو بندوں کے ساتھ اندر سے باہر آیا شاہو اس کے پیچھے تھا وہ ان کے ساتھ دروازے تک آیا اور مجھے شاہو کی آواز سنائی دی۔

"ہمارے پرکھوں نے ملکھانوں کا نمک کھایا ہے مالک جی ملکھانوں سے وفاداری ہمارے لئے زندگی کی طرح ہے۔ آپ ہمیں جو حکم دیں گے وہ ہم پر فرض ہوگا۔"

"میں تمہیں بہت کچھ دوں گا شہباز خان لیکن جو میں نے کہا تمہیں پوری ذمہ داری سے کرنا ہے۔"

"تابعدار ہوں مالک جی۔" شاہو نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک کر کہا۔ اور فرید خان جیپ کی طرف بڑھ گیا۔ دوسرے لوگ بھی سمٹ کر ویگن کی طرف آ گئے تھے۔ میں دم سادھ کر لیٹ گیا۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ کسی طرح شاہو تک پہنچ جاؤں اور اس سے پوچھوں کہ اس نے

فرید خان جیسے شیطان صفت انسان کو کیسے بے وقوف بنا دیا۔ فرید خان بہت مطمئن نظر آ رہا تھا لیکن اس وقت ویگن کی چھت سے اترنے کی کوشش موت کو دعوت دے سکتی تھی۔

چنانچہ میں ویگن کی چھت پر لیٹا رہا۔ اور ویگن اسٹارٹ ہو کر چل پڑی اس سے آگے فرید خان کی جیپ جا رہی تھی۔ ایک طرح سے اچھا ہی تھا۔ بے چارے شاہو اور اس کے چھوٹے سے خاندان کے لئے میں زبردست خطرہ تھا انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ بہت تھا۔

تاروں کی مدھم روشنی میں رات کا سفر جاری تھا اور میری نظریں بھٹک رہی تھیں جگہ جگہ کھلیانوں میں گندم اور چنے کی ڈھیریاں نظر آ رہی تھیں کہیں کہیں ڈھیریوں پر مٹی کا لیپ چڑھا دیا گیا تھا۔

میں ان تمام مناظر کو دیکھتا رہا آگے فرید خان کی جیپ جا رہی تھی پھر آگے چل کر ایک دوشاخہ سڑک آ گئی ان میں سے ایک گجر گھاٹ جاتی تھی دوسری جاگیر کوٹ، جو یہاں سے کافی دور تھا۔ یہاں گاڑیاں رک گئیں اور وہ لوگ نیچے اترنے لگے۔ میں گھبرا گیا تھا۔ اب یہاں کیا ہوگا مجھے معلوم نہیں تھا۔

فرید خان اپنی جیپ سے نیچے اتر آیا تھا اس کی آواز ابھری۔ ''شیراز ے۔''

''جی ملکھانے۔'' ایک آدمی نے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''اسے تلاش کرنا میری ڈیوٹی ہے۔ تجھے کس نے خبر دی تھی کہ وہ اس تانگے والے کے پاس ہے۔''

''خبر تو کسی نے نہیں دی تھی مالک۔''

''پھر؟''

''بس ایک شبہ ہوا تھا۔''

''کیا۔''

''جب کومل رانی کو اغوا کیا گیا تھا تو وہ تانگہ سنار کوٹھی میں دیکھا گیا تھا اور پھر اسے اس رات گجر گھاٹ سے گزرتے ہوئے دیکھا گیا۔

''الو کے پٹھے تو جاسوس بن گیا اور سب کو خوار کر دیا''

''غلطی ہو گئی مالک۔''

''تجھے پتہ ہے میرا دماغ خراب ہے۔ مارا جائے گا میرے ہاتھوں۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہونی چاہئے۔''

''نہیں ہو گی مالک۔'' وہ کپکپاتی آواز میں بولا۔

''اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ تم اس کی تلاش چھوڑ دو۔ مگر ذرا احتیاط سے۔'' فرید خان نے کہا۔

پھر بولا۔ ''چلو واپس چلو۔ رات کالی کر دی اور تم بھی جا کر آرام کرو۔'' فرید خان نے کئی گالیاں بکیں پھر واپس جیپ میں جا بیٹھا۔ یہاں سے ان کے راستے الگ ہو گئے یعنی جیپ ایک طرف چل پڑی اور ویگن دوسری طرف۔ میں بدستور ویگن کی چھت پر تھا اور دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ جس کی تلاش میں وہ آئے تھے وہ ان کے پاس تھا لیکن ان کے فرشتوں کو بھی ان کے بارے میں پتہ نہیں تھا۔

لیکن اب یہ کہاں جا رہے ہیں کچھ اندازہ نہیں تھا۔ میں ویگن کی چھت پر لیٹ گیا آسمان پر ستارے چمکے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور میں ان ستاروں کو دیکھتا ہوا سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ فطرتاً میں مجرم نہیں تھا سنگدل بھی نہیں تھا۔

کسی کو نقصان پہنچانا میری فطرت نہیں تھی لیکن بدنصیبی نے مجھے گھیر گھار کر یہاں تک پہنچا دیا تھا۔ فرید خان نے اس پورے خاندان کو ختم کر دیا تھا۔ حویلی بالکل خالی نہیں ہو گئی تھی۔ وہاں میرے دوسرے رشتے بھی موجود تھے لیکن سب کے سب سحر زدہ۔ کوئی بھی فرید خان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ فرید خان نے ان کی زندگیوں تک پر قبضہ جما رکھا تھا۔

بارہا میرے دل میں خیال آیا کہ فرید خان کا قصہ ہی ختم کر دوں۔ حویلی میں داخل ہونے کے بہت سے خفیہ راستے میرے علم میں تھے اور فرید خان اگر اپنی شیطانی قوتوں سے کام نہ لیتا تو میرے سامنے کچھ نہیں تھا۔ میں اسے توڑ مروڑ کر رکھ سکتا تھا۔ لیکن ماں کا کیا ہوتا۔ یہ بات مجھے معلوم تھی کہ میری ماں زندہ ہے۔ اور فرید خان کے

قبضے میں ہے۔ میرا فرض تھا کہ میں اپنی ماں کو اس کے چنگل سے نکالوں۔

کس قدر ہیجانی کیفیت سے گزر رہا تھا لیکن قدرت کے اصول اپنا کام کر رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے آنکھیں بند کر دیں اور گہری نیند آ گئی۔

رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ سفر نہ جانے کب تک جاری رہا، ویگن میں موجود لوگ کہاں کہاں اترے کون کہاں گیا، مجھے کچھ معلوم نہیں تھا نیند اتنی ہی گہری آئی تھی لیکن اب آنکھ کھل گئی ابھی کافی رات باقی تھی اس کا مطلب ہے کہ سفر زیادہ طویل نہیں رہا۔ آسمان پر گاڑھا گاڑھا غبار چھایا ہوا تھا ہوا بھی دھیمی دھیمی چل رہی تھی۔

میں نے ویگن کی چھت پر لگے ہوئے کٹہرے سے تھوڑی سی گردن اٹھا کر ماحول کا جائزہ لیا۔ ویگن ایک گھر کے اندرونی حصے میں کھڑی ہوئی تھی گھر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا لیکن ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ میں ابھی گھر کا جائزہ لے رہا تھا کہ چونک پڑا۔ ایک عجیب منظر نظر آیا تھا۔

وہ انسان ہی تھا جو چار دیواری کی بلندی سے آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ صحن میں اتر گیا اور پھر دبے قدموں بڑے پھاٹک نما دروازے پر پہنچا پھر اس نے بڑی آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔ جونہی دروازہ کھلا چار آدمی اس کے اندر داخل ہو گئے۔ لمبے تڑنگے آدمی تھے ان کے ہاتھوں میں رائفلیں نظر آ رہی تھیں۔ میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

ڈاکو۔ میں نے دل میں سوچا ڈاکہ ڈالنے آئے ہیں۔ لیجیے یہ نئی کہانی شروع ہو گئی میں محتاط ہو گیا اور میں نے آہستہ سے گردن اٹھا کر انہیں دیکھا۔ وہ خاموش صحن میں کھڑے ہوئے تھے۔

شاید سن گن لے رہے تھے پھر انہوں نے آپس میں کچھ کھسر پھسر کی اور ان میں سے تین واپس دروازے پر چلے گئے۔ باقی دو گھر کے اندرونی دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔

میرے اندر شدید بے چینی پیدا ہو گئی۔ نہ جانے کیا ہو رہا ہے۔ جس جگہ ویگن کھڑی ہوئی تھی وہاں سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر اوپر کی منزل کی بالکونی تھی جس پر ذرا سی کوشش سے چڑھا جا سکتا تھا۔

اندر نہ جانے کیا ہو رہا تھا۔ ایک عجیب سی بے چینی دل میں پیدا ہو گئی۔ اور اس وقت یہ بے چینی شدید ہو گئی جب ایک گھٹی گھٹی نسوانی چیخ فضا میں بلند ہوئی۔ میرے اندر ایک وحشت سی بیدار ہو گئی کسی کو میری مدد کی ضرورت تھی۔ زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نہ کسی عمل کے لئے عطا کی جاتی ہے۔ اگر عمل آواز دے اور اس سے گریز کیا جائے تو گناہ اور نافرمانی ہے اور پھر مجھ جیسا انسان جو خود بھی اپنی ماں کی بازیابی کے لئے دربدر مارا، مارا پھر رہا تھا چنانچہ مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں یہ خطرے کو بالائے طاق رکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور بالکونی کا کنارہ پکڑ کر بندر کی سی پھرتی سے اوپر چڑھ گیا۔ کچھ فاصلے پر اس کمرے کی کھڑکی نظر آ رہی تھی جس سے روشنی چھلک رہی تھی۔

میں بلی کی طرح پاؤں دبائے کھڑکی کے قریب پہنچا اور میں نے اندر جھانکا۔ جو دو افراد اندر داخل ہوئے تھے ان میں سے ایک دیوار سے ٹیک لگا کے کھڑا تھا لیکن اس کے سامنے جو عورت کھڑی تھی اسے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ گوندی تھی۔ گوندی حویلی کی ایک لڑکی کہیں سے تایا ابو کے ساتھ لگ گئی تھی اور وہ اسے لے آئے تھے۔ دادی اماں کو وہ اتنی پسند آئی تھی کہ انہوں نے اسے بیٹی بنا لیا تھا۔ گوندی کے بارے میں پتہ چلا تھا کہ وہ ہندو تھی کسی مسلمان کے عشق میں گرفتار ہو گئی تھی اور سرحد پار آ گئی تھی۔ دادی اماں کے پاس اس نے اسلام قبول کر لیا تھا بعد میں اسے شیر نواز مل گیا تھا شیر نواز فرید خان کا دوست تھا چنانچہ دادی اماں کے ہاتھوں ان دونوں کی شادی کر دی گئی اس کے بعد گوندی کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔

آج وہ میرے سامنے تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ میں گجناری میں ہوں گجناری ایک سرحدی گاؤں ہے اور شیر نواز اس گاؤں کا چھوٹا موٹا زمیندار ہے یہ بات مجھے معلوم تھی اس سے زیادہ میں گوندی یا شیر نواز کے بارے

میں نہیں جانتا تھا۔
مجھے اس شخص کی آواز سنائی دی جو دیوار سے ٹکا کھڑا تھا۔ ”میری بات مان لے گوندی۔ بڑی مانی ہے ہم نے تیری بات، سرحد پار کر کے دوسرے ملک کی سرحد میں گھسنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔“
”میں جانتی ہوں بھیا جی۔ کتنی بار کہا ہے کہ یہ خطرہ مول مت لیا کرو۔ آتے ہو اور جب یہاں سے جاتے ہو تو کتنے دنوں تک تڑپتی ہوں، تمہیں کیا معلوم۔“
”چھاتی پر بیٹھا کر پالا ہے تجھے۔ سولہ سال چھوٹی ہے مجھ سے۔ کوئی اور بھائی ہوتا تو میں شاید تجھے بھول جاتا۔“
”مجھے پتہ ہے بھیا جی۔“ گوندی کی آواز بھرا گئی۔
”کچھ پتہ نہیں تجھے۔ مجھے پتا جی کی موت کبھی نہیں بھولے گی۔ تیرے لئے تڑپتے ہوئے چلے گئے۔ پتہ ہے ان کے آخری جملے کیا تھے۔“
”نہیں بھیا جی۔“
”پوچھتے ہر ایک سے۔ کیا بٹیاں اتنی کٹھور ہوتی ہیں۔ پھر لوگ کیوں کہتے ہیں کہ بٹیاں پتا سے اتنا پریم کیوں کرتی ہیں۔“
گوندی سسکنے لگی۔ میری سمجھ میں بہت کچھ آ رہا تھا۔ اگر گوندی کے بارے میں نہ جانتا ہوتا تو بات مشکل سے سمجھ میں آتی۔ مرد نے پھر کہا۔ ”ماتا جی کا بھی سمجھ لے چل چلاؤ ہے۔ تیرے لئے روتے روتے اس کی آنکھوں کی روشنی اتنی کم ہوگئی ہے کہ ٹھیک سے دیکھ بھی نہیں سکتی۔ بس کہتی ہے ایک بار میری گوندی مجھے نظر آ جائے پھر آرام سے مر جاؤں گی۔“
”نہیں بھیا جی۔ اب میں نہیں جا سکتی۔ اب میں دو بچوں کی ماں ہوں۔ پانچ ٹیم کی نماز پڑھتی ہوں۔ روزے رکھتی ہوں اب میں تمہارے کام کی نہیں رہی۔“
”زیادہ بکواس مت کر۔ میں ماتا جی کو وچن دے کر آیا ہوں کہ تجھے ساتھ ہی لے کر آؤں گا تو میرے ساتھ چلے گی اچھا ہے تیرا پتی یہاں نہیں ہے ورنہ میں سوچ کر آیا تھا کہ اسے ختم کر کے یہ کھیل ہی ختم کر دوں گا۔ تو میرے ساتھ چلے گی تیرا راستہ کوئی نہیں روک سکتا۔“
یہ کہہ کر اس شخص نے پستول نکال لیا اور بولا۔
”چل اٹھ۔ اگر تو چاہتی ہے کہ میں یہاں دو چار لاشیں گرا دوں تیرے بچوں کو گولی مار دوں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں میرے ساتھ کافی بندے ہیں مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔“
”واہ بھیا جی واہ۔ اپنی ماتا کو خوش کرنے کے لئے میرے بچوں کو مار دو گے۔ بڑے ویر جوان ہو۔ پھر ایسا کرو اپنی بندوق کی ساری گولیاں میرے سینے میں اتار دو، اور میری لاش ماتا جی کے پاس لے جاؤ۔ پھر میری ارتھی کو شمشان میں اپنے ہاتھوں سے آگ لگا دینا۔ میرے بچوں کی طرف یا میرے پتی کی طرف بری آنکھ سے بھی دیکھا تو۔“
اچانک اس کا لہجہ غضبناک ہوگیا۔
میں احمقوں کی طرح یہ ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔ یہاں تو کہانی ہی بدل گئی تھی۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ اب میں کیا کروں۔
مرد جس کا نام مجھے نہیں پتہ تھا اسے دیکھتا پھر اس کے چہرے کے نقوش مدھم پڑ گئے اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔
”تو نہیں چلے گی میرے سنگ۔“
”کس کی بات کر رہا ہے۔ میں تیری گوندی کہاں ہوں۔ ایک لاش ہوں میں، ماتا پتا کی غدار ہوں۔ اپنی خوشی کے لئے سب کو قتل کر دیا تھا۔ میرا سزا پوری ہونے دے۔ یہ سزا اب زندگی کے ساتھ ہے۔ مجھے بھول جانے دے سب کو۔“
”بھول جائے گی۔“ مرد نے پوچھا۔
”نہیں۔“
”تو پھر؟“
”بس سزا پوری کروں گی۔“
”نہیں گوندی بھگوان کے لئے سوچ لے۔ چل میرے ساتھ، تیرے بچوں کو بھی لے چلتا ہوں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“

"نہیں بھیا جی۔ تو نہیں جانتا میں کتنا آگے بڑھ چکی ہوں۔"

"واپسی مشکل نہیں ہوگی۔ اپنوں میں جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"جہاں میں پہنچ چکی ہوں۔ وہاں سے واپس نہیں آسکتی۔"

"آخر کیوں؟"

"میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ میری سب سے بڑی لگن یہ ہے۔" مرد خاموش ہو گیا۔ پھر ایک دوسرے آدمی نے کہا جو قریب ہی تھا۔

"اور کچھ ہے تیرے پاس کہنے کے لئے پرنامے۔ وہ نہیں جائے گی۔ زیادہ دیر رکنا خطرناک ہے۔" پرنامے نے آنسو بھری نظروں سے اسے دیکھا اور ٹوٹی ہوئی آواز میں بولا۔

"گوندی۔"

"جی بھیا جی۔"

"میں جاؤں۔"

"اللہ تمہاری حفاظت کرے۔"

"میرا مان ایک بار پھر ٹوٹ گیا۔ ماں کے پاس ایک بار پھر خالی ہاتھ جاؤں گا۔ ٹھیک ہے تو جو بن کر بھی رہے میری بہن ہی رہے گی۔ بس ایک بات تجھ سے کہوں۔"

"ہاں بھیا جی۔"

"گھر کے دروازے تیرے انتظار میں کھلے رہیں گے۔ تو جانتی ہے میرے بندے تجھ سے دور نہیں ہیں۔ جب چاہے مجھے سندیس بھیج دینا۔ اسمگلروں کا کوئی دھرم نہیں ہوتا۔"

اچانک مجھے یوں لگا جیسے کوئی ویگن کے پاس آیا ہو۔ میں جلدی سے کپڑے کے نیچے ہو گیا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی میں سیدھا لیٹ کر سن گن لینے لگا۔ پھر مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے ویگن میں اور بھی لوگ آکر بیٹھے ہوں۔ پھر ویگن اسٹارٹ ہوئی اور ریورس ہونے لگی۔

کچھ دیر کے لئے عقل چکرا کر رہ گئی تھی۔ دوسری روشنی بھی قریب تھی یعنی ویگن کے ساتھ کوئی اور گاڑی بھی تھی۔

رات زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔ میں ویگن کی چھت پر لیٹا اجڑی ہوئی رات کو گزرتے دیکھتا رہا۔ ویگن کے ساتھ ایک جیپ تھی۔ لیکن کوئی بیس منٹ کے بعد ایک اور جیپ ساتھ ہو گئی۔ ویگن کچھ دیر کے لئے رکی تھی اور بہت سے لوگوں کے بات کرنے کی آوازیں آئی تھیں۔

"ہاں جی۔ کام ہو گیا۔"

"جی اسنت جی۔" دوسری آواز نے کہا۔

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں۔"

"مال کدھر ہے۔"

"بڑی جیپ میں ہے۔"

"آج مال بہت کم ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ بڑی جیپ بھری ہوئی ہے۔"

"چلو پھر جلدی کرو، سویرا ہونے والی ہے۔"

گاڑیاں پھر چل پڑی تھیں۔ اس کے علاوہ چارہ کار نہیں تھا کہ خاموشی سے ویگن کی چھت پر پڑا رہوں۔ اور صبح ہونے سے پہلے اسے چھوڑ دوں۔ اب تک کی کارروائی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ سب اسمگلنگ کا چکر ہے کوئی پورا گروہ مصروف عمل ہے۔ لیکن میں کہاں پہنچ گیا، کس جگہ ہوں۔

اور اب مجھے کیا کرنا چاہئے ویسے بھی بے دست و پا تھا۔ کوئی منزل سامنے نہیں تھی کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا اب تک خود کو تقدیر کے دھارے پر چھوڑ رکھا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میری زندگی میں کچھ نہیں تھا۔ اتنا نالائق ہوں کہ ماں کے لئے بھی کچھ نہیں کر سکا تھا۔ کیا زندگی ہے۔ کیا ایسی زندگی جینا چاہئے۔

ایک بار پھر اپنا جائزہ لیا، کیا کیا ہے میں نے اب تک۔ اگر فرید خان کی بات مان کر جائیداد سے دستبرداری

کے کاغذات پر دستخط کر دوں تو کیا وہ ماں کو میرے حوالے کر دے گا۔ مشکل تھا اس کے بعد وہ ہم دونوں کو ختم کر دے گا۔ ہماری زندگی اسے ہمیشہ خطرہ محسوس ہوگی اس سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ میں خود کوشش کر کے اسے ختم کر دوں۔

کیا یہ ممکن تھا۔ وہ شیطانی قوتیں حاصل کر چکا ہے۔ اتنی آسانی سے قابو میں نہیں آئے گا۔ ویسے یہ دلچسپ بات تھی کہ اس کی ساری قوتیں مجھے بھی قابو میں کرنے میں ناکامی ہوئی تھیں اور وہ ماں کے ذریعہ مجھے قابو میں کرنا چاہتا تھا۔

گاڑیوں کا سفر جاری رہا اور اس کے ساتھ میرے ذہن کا سفر بھی۔ پھر آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔ اور پھر میں گہری نیند سو گیا۔ نیند بھی بڑے مزے کی چیز ہوتی ہے۔ سارے غم اور پریشانیاں بھلا دیتی ہے۔ مجھے بھی کچھ یاد نہیں آیا۔ جاگا تو خوب دن چڑھ چکا تھا لیکن بادل چھائے ہوئے تھے۔

میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ویگن رکی ہوئی تھی اور ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ نہ جانے کون سی جگہ تھی۔ رات کے سارے واقعات یاد آ گئے پہلے تو دل پر خوف سا طاری رہا۔ پھر خود پر ہنس پڑا۔ میں کچھ تھا ہی کہاں جو اپنے لئے خوف زدہ ہوتا۔ وقت کی ہواؤں کے ساتھ خشک پتے کی طرح لڑ رہا تھا۔ یہ ہوا جہاں چاہے لے جائے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

ویگن کی چھت پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بڑی سرسبز و شاداب جگہ تھی۔ ایک طرف عمارت نظر آ رہی تھی باقی چاروں طرف ہریالی تھی۔ عمارت کے پاس ایک آدمی نظر آیا تو میں نیچے جھک گیا وہ اندر چلا گیا تو میں پھرتی سے ویگن کی چھت سے نیچے اتر آیا۔ عمارت بالکل سنسان تھی جیسے کوئی یہاں نہ رہتا ہو۔

مگر یہ ہے کون سی جگہ؟ میں آگے بڑھ کر عمارت کی طرف چل پڑا۔ احتیاط برت رہا تھا پہلے دیکھ لوں کہ ہوں کہاں اس کے بعد آگے کا فیصلہ کروں گا۔ لیکن عمارت کے اندر پہلا قدم میں نے رکھا تھا کہ وہی شخص سامنے آ گیا جسے میں نے پہلی بار دیکھا تھا اب میں نے اسے قریب سے دیکھا ادھیڑ عمر کا آدمی تھا رنگ گہرا سانولا تھا۔ سادہ سے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ میں ٹھٹھک کر رک گیا۔

تو اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے۔ اور بولا۔

"جے رام جی کی مہاراج۔"

میرے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی تو اس نے پھر کہا۔ "جنگل پانی ہو آئے مہاراج۔"

"ہاں۔" نہ جانے کس طرح میرے حلق سے آواز نکلی۔

"آپ کمرے میں جاؤ۔ ہم آپ کے لئے بھوجن لاتے ہیں۔" اس نے کہا اور پورے اطمینان سے مڑ کر ایک طرف چل پڑا۔

یا مظہر العجائب، یہ کیا ہے۔ اس شخص نے میرے اجنبی ہونے پر حیرت کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس طرح پیش آیا جیسے اسے کسی اجنبی کی موجودگی پر کوئی حیرت نہ ہوئی ہو۔

اب کیا کروں۔ یہاں سے بھاگ جانے کی کوشش کروں یا۔ اور پھر میرے اندر سے کچھ آوازیں آئیں۔ اس نے لفظ بھوجن کہا ہے جسے وہ لینے گیا ہے یعنی کھانا، یعنی ناشتہ، اس نے میری موجودگی پر حیرت کا اظہار کیوں نہیں کیا یا مجھے اجنبی کیوں نہیں سمجھا۔ یہ سب بعد میں سوچنے کی باتیں تھیں۔ پہلے پیٹ بھرا جائے اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

پھر جب باہر قدموں کی چاپ سنائی دی تو میں سیٹی بجانے لگا تا کہ وہ ادھر متوجہ ہو جائے۔ یہاں بھی کوئی مشکل نہ پیش آئی اور وہ کسی تردد کے بغیر اندر داخل ہو گیا اس کے ہاتھوں میں بڑی سی ٹرے تھی جس میں تازہ گرم گرم پوریاں، کدو کی ترکاری، سوجی کا حلوہ، اور چائے تھی دیکھ کر مزہ آ گیا۔ اور میں خاموشی سے کھانے میں مصروف ہو گیا اول الطعام، بعدہٗ کلام والا مقولا مناسب تھا یوں بھی ہو سکتا تھا کہ طعام سے پہلے اگر کلام ہو جائے تو طعام میں سامنے سے اٹھا لیا جائے کیونکہ صاف ظاہر تھا کہ وہ کسی

غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے۔

”خوب پیٹ بھرا۔ چائے پی اور سیر ہو گیا۔ وہ پھر ادب سے ایک طرف کھڑا رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر کہا۔ ”ارے تم کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھو۔“

”نوکر ہیں مہاراج آپ کے۔“ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”کیا نام ہے تمہارا۔“

”چھاجو۔ اصل نام شام سندر ہے۔ یہ سب چھاجو کہتے ہیں۔“

”میرا نام جانتے ہو۔“

”نہیں مہاراج۔“

”پھر میری اتنی سیوا کیوں کر رہے ہو؟“

”آپ مہمان جو ہیں ہمارے۔ بنسی راج جی نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ کو کوئی کشٹ نہ ہو۔“

”بنسی راج کون ہیں؟“

”مالک ہیں ہمارے۔ راج نگری کے زمیندار ہیں۔ پر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔“

”تم سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”اچھا مہاراج۔“

”ہیں کہاں بنسی راج۔“

”مال پہنچانے گئے ہیں۔“

”مال؟“

”ہاں رات کو مال جو آیا ہے۔ آپ ہی لوگ تو لے کر آئے تھے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر پہنچانے کہاں گئے ہیں۔“

”ہمیں کیا معلوم۔“ اس نے کہا۔

”یہاں اور کون رہتا ہے۔“

”کہاں۔“

”اس گھر میں۔“

”گھر تو کیداری مہاراج کا ہے۔ بس وہی رہتے ہیں۔ ہاں سرحد پار سے مال آتا ہے تو یہاں اترتا ہے اور پھر بنسی راج کے آدمی لے جاتے ہیں۔“

”کیداری مہاراج کی گھر والی اور بچے کہاں رہتے ہیں۔“

”لو۔ وہ تو جوگی مہاراج ہیں، ان کا کوئی نہیں ہے۔ ہاں ضرورت ہوتی ہے تو کوئی آ جاتا ہے اب دیکھو نا جی ضرورت تو ضرورت ہوتی ہے۔“ چھاجو ہنسنے لگا۔

”کیداری جی کب آتے ہیں۔“

”من موجی ہیں۔ سادھو سنتوں کا کیا ہے۔ جب من چاہا آ گئے۔ پر لگتا ہے آپ کا من اکیلے نہیں لگ رہا۔“ وہ پھر معنی خیز انداز میں ہنسا۔

”تو ہے نا۔ تجھ سے باتیں کر کے اچھا لگ رہا ہے۔“ میرے ان الفاظ نے چھاجو کو خوش کر دیا تھا۔ اس نے کہا۔

”کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بتا دینا۔“ چھاجو بڑے کام کی چیز ہے۔“

”وہ تو مجھے لگ ہی رہا ہے۔ اچھا یہ بتا بنسی راج اور کیداری جی کا کیا رشتہ ہے۔“

”دونوں اسمگلر ہیں۔ کیداری جی سادھو سنت بن کر سودے کرتے پھرتے ہیں۔ اور بنسی راج جی مال اکھاڑ کر کے سرحد پار سے اور دوسری جگہوں سے لاتے ہیں۔“

دفعتاً پہلی بار میرے ذہن پر بچھو نے ڈنک مارا۔ ہر جگہ کوئی ہے۔ بنسی راج، کیداری، راج گڑھی، اوہو، سرحد پار سے؟ مطلب یہ تو نہیں کہ میں ہندوستان آ گیا ہوں۔ دماغ میں شدید ہلچل مچ گئی ہو سکتا ہے ایسا ہو سکتا ہے آثار بتا رہے ہیں۔

پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔ پھر کیا ہوا۔ میں اسمگلروں کی وین میں بیٹھ کر سرحد پار آ گیا تھا۔ دیر تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے چھاجو کو دیکھتا رہا۔ چھاجو اچھا انسان تھا بہت دیر تک الٹی سیدھی باتیں کرتا رہا۔ یہ عقدہ نہیں کھولا تھا کہ وہ کون مہمان تھا جس کے دھوکے میں میری یہ خاطر مدارت ہو رہی ہے اور وہ اصلی مہمان کہاں ہے؟

اب کیا کروں۔ یہاں سے بھاگنے کی کوشش کروں۔ وہاں اپنے وطن میں قتل کا مجرم تھا اب یہاں بغیر

پاسپورٹ اور ویزا کے گھس آنے والا بن گیا تھا۔ یعنی مجھے جاسوس بھی سمجھا جاسکتا ہے اور جاسوسوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے مجھے معلوم تھا۔

دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ چھاجو کے چلے جانے کے بعد میں بستر پر جالیٹا۔ بدن میں اینٹھن ہو رہی تھی قوت فیصلہ ختم ہو گئی تھی اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ چھاجو مجھے ضرورت کی چیزیں پہنچاتا رہا۔ اس نے میری خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ پورا دن گزر گیا چھاجو کے سوا اور کوئی نظر نہیں آیا۔ رات کے کھانے کے بعد بستر پر لیٹ کر بہت سی یادوں میں گم ہو گیا۔

اچانک گہری خاموشی میں کمرے کا دروازہ ہولے سے چرچرایا اور میں چونک پڑا۔ لیمپ کی دھندلی روشنی میں سامنے دیوار پر ایک پرچھائیں لہرائی۔ میں نے چونک کر دیکھا لیکن وہ چھاجو نہیں تھا بلکہ کوئی عورت تھی جس کی پشت میری طرف تھی۔ وہ دروازہ بند کرنے کے لئے مڑی تھی۔ پھر اس نے رخ بدلا۔ لیکن اس کا چہرہ صاف نہیں نظر آ رہا تھا۔ وہ سرو قامت تھی جسم گداز اور کسی قدر بھاری تھا۔ نچلا بدن خاصا پھولا ہوا تھا۔

میں بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ آہستہ سے چلتی ہوئی میرے قریب آ گئی۔ اور پھر میرے بستر کے پائنتی بیٹھ گئی۔ اس کا سانس تیز چل رہا تھا جیسے کہیں دور سے آئی ہو۔ میرے منہ سے آواز نہیں نکلی البتہ میں سے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا رنگ گورا آنکھیں کالی تھیں سر کے بال بتہ لمبے اور گھنے تھے۔ دیہاتی طرز کا لباس تھا جو اس کے بدن پر سج رہا تھا کنگھی چوٹی بھی اس نے خوب کی تھی ہونٹوں پر لالی لگی ہوئی تھی۔ غرض یہ کہ حیرت کے دورے نکلا تو میری آواز ابھری۔

"کون ہو تم؟"

"کرن۔" وہ خوبصورت آواز میں بولی۔

"کیوں آئی ہو؟" میں نے بے تکا سوال کیا۔

اور وہ میرے اس احمقانہ سوال پر مسکرا دی۔

کم بخت کی مسکراہٹ بھی خوبصورت تھی۔

"تیرا خون پینے۔" اس نے شوخی سے کہا۔

"کک کیا مطلب؟" میں نے کہا تو وہ خوب ہنسی پھر بولی۔

"اب اتنا چھوٹا بھی نہیں ہے کہ تجھے پتہ نہ ہو۔"

"کیا؟"

"یہی کہ میں کیوں آئی ہوں۔"

"تم آخر ہو کون؟"

"پاگل ہے کیا۔ یا بن رہا ہے۔" اس بار اس نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا۔ اور پھر کچھ سوچ کر آگے بڑھی۔ اب میں سمجھ گیا کہ وہ کون ہے اور کیوں آئی ہے۔

"جاؤ۔" میں نے پتھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ایں؟" وہ حیرت سے بولی۔

"تمہیں کس نے بلایا ہے۔ کون لایا ہے تمہیں۔" میں نے غصے سے کہا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا آنکھیں غصے سے دہکنے لگیں۔ ایک لمحے وہ سوچتی رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور میری طرف دیکھے بغیر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ یہ سب کچھ میرے لئے عجیب تھا۔ کیا ہو رہا ہے یہ سب بڑی بات یہ تھی کہ میں کسی اور کے دھوکے میں یہاں موجود تھا۔

ابھی اتنا ہی سوچا تھا کہ باہر سے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ پھر دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھل اور چھاجو اندر آ گیا۔ میں نے دیکھا تھا کہ اس عورت نے اسے لات مار کر اندر پھینکا تھا۔ اور پھر غصے سے واپس چلی گئی تھی۔

چھاجو اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

"کیا ہوا مہاراج؟"

"یہی میں تجھ سے پوچھ رہا ہوں۔"

"وہ بہت غصے میں تھی۔"

"کون تھی وہ؟"

"کرنا رتی ہے۔ ودھوا ہے اس کا پتی مر چکا ہے۔ کیداری مہاراج کی سیوا کرتی ہے وہی اس کا خرچہ اٹھاتے ہیں میں انہیں کے نام پر اسے لایا تھا بڑی مشکل سے آنے پر تیار ہوئی تھی مگر بڑے غصے میں واپس میرے

پاس پہنچی اور مجھے مارنا شروع کر دیا۔ سسری نے میری نئی قمیض بھی پھاڑ دی۔ یہ دیکھو۔"

چھاجو نے مظلومیت سے اپنی قمیض مجھے دکھائی اور مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا۔

"تیری بے وقوفی تھی چھاجو۔"

"کیوں جی؟"

"میں نے تجھ سے ایسی کوئی فرمائش تو نہیں کی تھی۔"

"ایں۔" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا کچھ لمحے سوچتا رہا پھر گرن ہلاک کر بولا۔ "ہاں...... سو تو ہے۔"

"وہ چلی گئی۔"

"ابھی تو مجھے یہاں پھینک کر گئی ہے چلی ہی گئی ہوگی۔ ویسے ایک بات کہو مہاراج۔"

"ہاں۔"

"وہ تو بڑی سندر بستی کے بڑے لوگ اس پر مرتے ہیں پر کسی کو منہ نہیں لگاتی۔ تبھی تو اس نے مجھے مارا ہے کہ میں نے اسے ایسے بندے کے پاس کیوں پہنچایا۔ جس نے اس کی قدر ہی نہیں کی، ویسے مہاراج عورت بھی نہ جانے کیا چیز ہوتی ہے۔"

"کیوں؟"

"بس نہ مانے تو راجوں مہاراجوں کو بھی نہیں مانتی اور مٹے تو...... مرضی کی مالک ہے۔"

"جا آرام کر چھاجو۔ میرے بارے میں کسی کو مت بتانا، میں تجھے تاکید کرتا ہوں۔"

"وہ تو ہمیں بنسی مہاراج نے بھی کی تھی۔ مگر اس کی اور بات ہے وہ کیداری مہاراج کی داسی ہے۔ ان کے ہر حکم کو مانتی ہے جا کر دیکھتا ہوں کہ چلی گئی۔" چھاجو نے کیا اور ڈرتے ڈرتے باہر نکل گیا۔ اس دلچسپ واقعہ نے طبیعت میں تھوڑی سی شگفتگی پیدا کر دی تھی ورنہ دل پر بوجھ ہی بوجھ تھا۔ ویسے یہ جو کچھ ہوا تھا میری توقع کے خلاف ہوا تھا۔ میں بالکل غلطی سے ہندوستان میں داخل ہو گیا تھا پہلے کبھی یہاں آنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔ مجھے ہندوستان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی میں نے اخبارات میں پڑھا تھا ٹی وی دیکھا تھا کہ اگر غلطی سے بھی کوئی سرحد عبور کر لیتا ہے تو اس کی کیا درگت بنتی ہے۔ زندہ بچ جائے تو بڑی بات ہے۔ ورنہ گیا کام سے اور اب میرے ساتھ بھی یہی سب ہو رہا تھا۔

تھوڑی سی عقل سے کام لینا تھا۔ زندگی ایسے تو نہیں کھونا چاہتا تھا۔ نہ جانے کب تک اس دلچسپ واقعہ اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اور پھر سو گیا تھا۔ اس عمارت میں چھاجو کے علاوہ کوئی نہیں تھا لیکن دوسری صبح جاگا تو ایک دم احساس ہو گیا کہ اب یہ عمارت خالی نہیں ہے۔

کچھ دیر بستر پر لیٹا آوازیں سنتا رہا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکلا۔ قدم باہر ہی رکھا تھا کہ چھاجو نظر آیا اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے پھر بولا۔

"مہاراج آئے ہیں۔ آتے ہی تمہارے بارے میں پوچھا۔ میں نے بتا دیا ہے کہ سب ٹھیک ہے۔ ایک بات بتائیں مہاراج۔"

"ہوں۔"

"ہم سے کوئی شکایت تو نہیں ہے۔"

"مجھے؟"

"ہاں۔"

"لو۔ مجھے تم سے کیا شکایت ہوگی۔"

"پوچھ رہے تھے۔ بنسی مہاراج۔"

"بنسی راج آئے ہیں یا۔"

"نہیں کیداری مہاراج بھی ہیں۔ کہا ہے آپ جاگ جائیں تو ناشتے کے بعد آپ کو ان کے پاس لے آیا جائے۔" چھاجو نے کہا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر میں چھاجو کے ساتھ اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں وہ دونوں موجود تھے۔ بنسی راج لمبے قد و قامت کا ایک شاطر سی شکل کا آدمی تھا۔ دوسرا دبلے پتلے لان اور چھوٹے قد کا ادھیڑ عمر آدمی تھا اس نے جوگیانہ حلیہ بنایا ہوا تھا۔ دھوتی کرتے میں ملبوس تھا گلے میں بے شمار قیمتی مالائیں پڑی تھیں۔ ہاتھوں کی دسوں انگلیوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔

"آؤ اشرف خان، آؤ بیٹھو۔ تمہیں یہاں کوئی

تکلیف تو نہیں ہوئی۔" بنسی راج نے خوش اخلاقی سے کہا۔اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کر دیا۔ میں خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا تو بنسی راج نے کہا۔

"مہاراج تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

میں نے کیداری کی طرف دیکھا تو کیداری نے بھاری آواز میں کہا۔" میرا نام تمہیں پتہ چل گیا ہوگا اشرف خان ۔ہم تمہیں تمہارے نام سے پکار رہے ہیں تو سمجھ لو کہ ہم تمہارے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔ یہ بھی کہ تم کب اور کہاں سے اس ویگن کی چھت پر سوار ہوئے سرحد پار کی اور یہاں تک آ گئے اصل میں یہ سب سوچ سمجھ کر ہوا ہے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے بے خوفی سے پوچھا۔

"زیادہ پیچھے کی بات نہیں کروں گا۔ سنسار میں بہت سے کھیل ہوتے ہیں۔ ہر منش اپنے آپ کو بڑا گیانی سمجھتا ہے۔کوئی کسی فن والا کوئی کسی فن والا۔کوئی انجینئر ہے ،کوئی ڈاکٹر ہے کوئی سائنسدان ہے اور کوئی اور کچھ۔ سب کے اپنے راستے ہیں اور وہ انہیں دوستوں کو بڑا سمجھتا ہے۔ اسی طرح جادو پنتھ ہے۔ جادو کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں جو تم نہیں سمجھ سکتے۔نہ ہی تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ ہاں وہ جنہیں اس کی ضرورت ہے انہیں تمہاری ضرورت ہے۔ جادو سنسار میں بہت سے پنتھ ہیں۔ کنیشی، پنتھ، بھوانی پنتھ، درگا پنتھ، اور کالی پنتھ، ان سب کی بڑی شکتی ہے اور سب کے بڑے بڑے سنسکار ہیں اور جو یہ شکتی حاصل کرنے کے پھیر میں پڑ جاتے ہیں انہیں کچھ ضرورتیں ہوتی ہیں میں زیادہ لمبی چوڑی بات نہیں کروں گا تمہارے پریوار میں یوں تو تمہارے دادا نے ایک بار کالی پنتھ کے ایک شکتی مان سے کچھ سنسکار لئے تھے پر وہ پورے نہیں تھے اسی طرح تمہارے پریوار کا ایک اور منش بھی کالی کا وردان لینے کے پھیر میں پڑا ہوا ہے آدھا ادھر آدھا ادھر وہ جو چاہتا ہے ابھی تک اس کے آدھار پورے نہیں کر سکا۔ اس لئے ادھورا ہے۔ وہ تمہارا جانی دشمن ہے لیکن چونکہ تمہیں ایک مہا شکتی مان نے سہارا دیا ہوا ہے وہ تم سے ایک بہت بڑا کام لینا چاہتا ہے اس لئے تمہارا دشمن یعنی تمہارا چاچا فرید خان تمہیں ختم نہیں کر سکتا جبکہ وہ تمہیں ختم کر دینا چاہتا ہے اور اب تم ہمارے پاس آئے ہو۔ اس بڑے شکتی مان نے ہماری کچھ ذمہ داریاں لگائی ہیں ہمیں وہ پوری کرنی ہیں۔"

کیداری نے بڑی لمبی چوڑی کہانی سنائی۔ پھر بولا۔"تم کوئی سوال کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔"

"بولو۔"

"وہ شکتی مان کون ہے؟"

"ہم نہیں بتا سکتے۔"

"کیوں؟"

"اس کا حکم نہیں ہے۔"

"وہ کون سے پنتھ میں ہے۔" میں نے پوچھا اور وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے بنسی راج کی طرف دیکھا اور بولا۔

"کیوں بنسی راج۔"

"جی مہاراج۔"

"کیا اسے پنتھ بتانا ہے۔"

"اس کی منادی نہیں ہے گرو دیو۔"

"ہوں۔" وہ راج کر رہتی ہے۔ اشیش پرلو کتا۔ ایک نیا کھیل ہے یہ جس کے بارے میں تمہیں بتانے کے لئے منع نہیں کیا گیا ہے۔"

"تو بتاؤ۔"

"یہ ایک نیا پنتھ ہے۔ یوں سمجھ لو تمہیں مہا کالی کے خلاف کام کرنا ہے لیکن کالی کا داس بن کر اسے دھوکہ دینا ہے ہندو دھرم کا کوئی منش یہ کام نہیں کر سکا اس لئے اشیش پرلوکھا نے تمہارا چناؤ کیا ہے کیونکہ تمہارے من میں نہ کالی دیوی کا سبھاؤ ہے نہ کسی اور کالے دھرم کا اس لئے تم صرف مجبوراً اشیش پرلوکتا کے لئے کام کر سکتے ہو۔"

"مجبوراً کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"اس لئے کہ تمہاری ماں تمہارے چاچا کے قبضے میں ہے۔" اس نے کہا اور ایک بار پھر میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا اب مجھے اندازہ ہوا تھا کہ یہ تو ایک پورا نیٹ ورک چل رہا ہے ایک اور اندازے کی تصدیق ہوئی تھی وہ یہ کہ

شیطان نے بھی جدید ہتھکنڈے ایجاد کر لئے تھے وہ قدیم طریقہ کار پر کاربند نہیں تھا بلکہ اس نے بھی شیطانیت کے نئے نئے شعبے بنائے تھے پنتھ بھی کسی بھی نام سے ہوں، تھے سب شیطانیت کے مظہر، برائی پھیلانے اور نقصان پہنچانے کے کارخانے، جن کا سربراہ شیطان ہی ہے۔ اور اب اس کے کام کرنے کا انداز بھی بدل گیا ہے گویا انسان کو ایمان قائم رکھنے کے لئے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

غرض یہ کہ کوشش کروں گا کہ اللہ پاک سے کیئے ہوئے عہد کو اسی کی مدد سے پورا کروں انشاء اللہ۔

کیداری کہہ رہا تھا۔

"زندگی ایک بار ملتی ہے بالک۔ مگر منش دین دھرم کے پھیر میں پڑ کر اسے کھو دیتا ہے بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اب تم ایک دشمن ملک میں داخل ہو چکے ہو، داخل کیا ہو چکے ہو تمہیں یہاں لایا گیا ہے جو کچھ تم سے کہا جائے وہی کرو گے تو جیون بھی پاؤ گے اور شکتی بھی اور اگر دماغ میں وہی سب کچھ ہے تو تم جانتے ہو کہ ہندوستان میں پاکستانی جاسوسوں کے ساتھ کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"چاہے وہ جاسوس ہوں نہ ہوں۔" میں نے کہا اور کیداری ہنس پڑا۔

"ہاں۔ ایسا ہی ہے۔"

میں خاموش ہو گیا۔ کچھ لمحے کے بعد بنسی راج نے کہا۔ "تیار ہو جاؤ۔ ہمیں ریل سے سفر کرنا ہے کہاں۔ یہ مت پوچھنا۔"

اس کے بعد مجھے واپس میرے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ میرا دماغ ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔ میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اتنی پر اسرار اور انوکھی قوتیں میرے اردگرد بکھری ہوئی ہیں اور میرے لئے کام کر رہی ہیں ایسی کون سی خوبی تھی مجھ میں۔ کیداری نے جو بکواس کی تھی اس کا کوئی سر پاؤں میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ پتہ نہیں یہ پنتھی و نتھی کیا تھی۔ نہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی تھی نہ میں کوئی گندی قوت چاہتا تھا، ہاں محبوب الٰہی سے مجھے جو تعویز دیا تھا اس پر مجھے بڑا ایمان تھا مجھ سے ہی غلطی ہو گئی تھی کہ میں اس کی حفاظت نہ کر سکا۔ تب میں نے دل میں سوچا تھا کہ میں کچھ ایمانی علوم سیکھوں جو میرے کام آئیں لیکن وہ کالے علم نہ ہوں۔ اگر ایسا ہی تھا تو بے چارے جمنا داس مجھے بہت کچھ سکھا سکتے تھے۔ مگر انہوں نے میرے مذہب کا پورا اہتمام کیا اور صاف انکار کر دیا۔

اور مینکا جو میرے دل میں آج تک کسکتی رہتی تھی۔ دونوں باپ بیٹی نے میرے لئے جان دے دی۔ اور اب یہ نیا کھیل۔

لیکن اے خبیث ارواحوں، بے فکر رہو انشاء اللہ تم میرا ایمان نہیں چھین سکو گی۔ زندگی کچھ بھی نہیں ہے۔ انسان ایک سانس اپنی مرضی سے نہیں لے سکتا۔ اسی طرح کوئی انسان یا انسان نما شیطان کسی کی زندگی نہیں لے سکتا۔ چنانچہ مجھے اس کی کیا پرواہ۔ ہاں شیطان سے جنگ کے لئے ذرا احتیاط برتنی ہو گی۔

وقت گزرتا رہا۔ پھر دوسرے دن وہی جیپ مجھے لے کر چل پڑی جو اسمگلنگ کا سامان لے کر آئی تھی یہ مزے کی بات تھی یہ لوگ شیطان کے شاگرد بھی تھے اور کالے علم کرتے رہتے تھے۔ ساتھ میں اسمگلر بھی تھے پتہ نہیں کم بختوں کے اور کون کون سے روپ تھے۔

جیپ کا سفر ایک اچھے خاصے شہر تک آ کر ختم ہوا تھا۔ یہ شاید دھام پور تھا جس کے ریلوے اسٹیشن پر جیپ رکی تھی۔ اس کے بعد مجھے ایک ٹرین میں منتقل کیا گیا کمپارٹمنٹ میں کیداری اور بنسی راج بھی میرے ساتھ تھے ٹرین کا سفر جاری رہا۔ میں بہت سے اندازے لگا رہا تھا پورے دن کے سفر کے بعد رات کے کوئی دو بجے ہوں گے کہ ٹرین کی رفتار سست ہونے لگی کوئی اسٹیشن آ رہا تھا۔ بنسی رام نے کہا۔

"ہمیں یہاں اترنا ہے اشرف خان صاحب۔"

میں نے باہر جھانکا۔ کچھ پتہ نہیں چلا کہ کون سی جگہ ہے۔ لیکن بہر صورت ابھی ان کے لئے ہر عمل کرنا تھا۔ میرا کام بعد میں شروع ہو گا۔ اور میں تیار ہو گیا۔

(جاری ہے)

دشمن روحیں

قسط نمبر: 7

ایم اے راحت

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زور قلم سے لکھی شاہکار کہانی

ثرین کو یہاں چند لمحوں کے لئے ہی رکنا تھا۔ جوں ہی ہم نیچے اترے اس نے وصل دی۔ ابھی کچھ قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ وصل ہوئی اور وہ رینگنے لگی۔ پھر اس کی رفتار تیز ہوگئی۔

بہت دور تک اندھیرا پھیلا ہوا تھا کافی دور کے بعد کچھ روشنیاں ٹمٹماتی نظر آرہی تھیں۔ ہمارا رخ انہیں روشنیوں کی جانب تھا۔ وہ یہاں اتفاقیہ طور پر نہیں اترے تھے بلکہ یہ جگہ ان کی جانی پہچانی تھی کیونکہ وہ بڑے آرام سے آگے بڑھ رہے تھے جبکہ مجھے جگہ جگہ ٹھوکریں لگ رہی تھیں غرض یہ کہ تھوڑی دیر کے بعد ہم آبادی کے قریب پہنچ گئے۔ کچے پکے مکانات تاریکی میں لپٹے گہری نیند سو رہے تھے یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ کتنی بڑی جگہ ہے۔ کوئی گاؤں ہے قصبہ ہے یا شہر ہے۔

کچھ ہی لمحوں کے بعد بنسی راج اور کیداری ایک بڑے سے گھر کے دروازے پر رک گئے۔ بس ایک لمحے وہاں کھڑے ہوئے اور دروازہ کھل گیا۔ یہ اندازہ بھی نہیں ہوسکا کہ دروازہ انہوں نے خود کھولا ہے یا اندر سے کسی نے کھولا ہے۔

ہم مکان میں داخل ہوگئے۔ دیہاتی طرز کا کچا پکا مکان تھا جن کا ابھی پوری طرح جائزہ نہیں لیا جاسکتا تھا۔ آخر کار وہ ایک کمرے کے سامنے رکے۔ کیداری نے دروازہ کھول کر کہا۔

''یہ تمہارے آرام کا کمرہ ہے خان صاحب، اندر بستر لگا ہوا ہے ایک دروازہ پیچھے بھی کھلتا ہے اس کے دوسری طرف دوسری ضرورتیں پوری کرنے کی جگہ ہے اسے استعمال کرسکتے ہو اور سنو کوئی چنتا مت کرنا آرام سے پیر پھیلا کر سو جاؤ۔ اب تم ہمارے آدمی ہو کوئی ٹیڑھی آنکھ سے تمہیں نہیں دیکھ سکتا سمجھ گئے۔''

''ہاں......!'' میں نے گردن ہلادی۔ اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ وہ دونوں وہاں سے چلے گئے تھے۔

میں نے گہری سانس لی اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کافی کشادہ صاف ستھرا تھا۔ آرام دہ اور نرم گدے والا بستر بھی وجود تھا۔ جن حالات سے مسلسل گزر رہا تھا ان کے بارے میں آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہوگی۔ سارے رشتے ختم ہوگئے تھے کوئی والی وارث نہیں تھا۔ ماں بے چاری تھی جو دشمنوں کی قیدی تھی نہ جانے اس پر کیا بیت رہی ہوگی کسی کے لئے کچھ بھی تو نہیں کرسکتا تھا میں۔

وہ دادا جان واہ۔ کیا ورثہ چھوڑ گئے آپ ہمارے لئے، اور پھر بدنصیبی یہ کہ میں ہی رہ گیا تھا آپ کا ہم شکل ہونا۔ ویسے آپ کتنے چالاک ہیں مرنے کے بعد بھی

آپ بڑی چالاکی سے خود کو بچائے ہوئے ہیں۔ بار بار تصویر کے فریم سے نکل بھاگتے ہیں۔ اگر آپ بھی شیطانی قوتوں کو قبول کر چکے ہیں تو اپنے حالات کو خود بھگتیں۔ مجھے کیوں مصیبت کا شکار کر رکھا ہے۔

کتنے کردار آئے زندگی میں، گنگا سری سے آغاز ہوا تھا مگر وہ تو خود مامون خان کا شکار ہوئی تھی پھر بے چاری مینکا آئی اور وہ بھی میری وجہ سے ماری گئی۔ وہ دونوں باپ بیٹی میرے لئے اچھے تھے وہ مجھے جادو منتر سکھا سکتے تھے لیکن جمنا داس نے مجھ سے میرا ایمان نہیں چھیننا تھا۔

دفعتاً میرے اندر پھر ایک لہر سی اٹھی۔ میں نے عہد کیا ہے۔ اپنی ماں سے، اپنے اللہ سے وعدہ کیا ہے کہ کچھ بھی ہو جائے اپنا ایمان ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا انشاء اللہ۔ اس احساس کو دل میں دہرانے سے میرے اندر سکون ابھرنے لگا۔ اور میں نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی نیند آہستہ آہستہ آنکھوں کو بوجھل کر رہی تھی کہ اچانک میرا بستر زور سے ہلا اور میری آنکھیں کھل گئیں یوں لگا تھا جیسے کوئی بستر سے ٹکرایا ہو۔

”کون؟“ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اور میں بستر پر تھوڑا سا اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کوئی بھی نہیں تھا پھر یہ پلنگ کیسے ہلا۔ لیکن پھر صورت حال میں نمایاں تبدیلی ہوئی مجھے یوں لگا جیسے کوئی میری مسہری کے پیچھے سے نکلا ہو اور میرے برابر سے ہوتا آگے بڑھ گیا ہو۔ پہلے تو وہ ایک ہوا کا جھونکا سا تھا۔ لیکن چند قدم آگے بڑھ کر اس نے ایک ہیولے کی شکل اختیار کر لی اور اس کے ہیولے نے ایک انسانی شکل اختیار کر لی۔

میرے خدا۔ وہ کوئی عورت تھی، نسوانی لطافتوں سے مالا مال، سلگتا ہوا سا حسین چہرہ، بڑی بڑی بے حد حسین لیکن قہرناک آنکھیں، دلکش نقوش، چہرے کا رنگ بالکل نامانوس، اورنج اورنج سا، کالے کالے گھٹاؤں جیسے بال اس نے دروازے کے پاس رک کر مجھے دیکھا ان آنکھوں میں غصے کی سی کیفیت تھی ساتھ ہی ایک عجیب سی خوشبو کمرے میں پھیل گئی ایک میٹھی میٹھی سی خوشبو جیسی چمپا کے پھولوں میں ہوتی ہے۔

اچانک وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑائی۔ الفاظ میری سمجھ میں نہیں آئے لیکن انداز سے پتہ چلتا تھا جیسے کچھ ناخوشگوار جملے کہے گئے ہیں۔ پھر وہ دروازے سے باہر نکل گئی میں برق رفتاری سے اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کی طرف لپکا یہ ایک اضطراری عمل تھا۔ لیکن اس کا انجام اچھا نہیں نکلا۔ میں نے دروازے سے باہر قدم رکھا تھا کہ اچانک میرے بائیں سمت سے ایک زوردار گھونسہ میرے منہ پر پڑا اور مزہ ہی آ گیا جبڑا ٹیڑھا ہو گیا اور میں گرتے گرتے بچا۔

بس اتفاق ہی سے حملہ آور کی شکل دیکھ لی تھی۔ ہماری دنیا کا ایک بدصورت سا آدمی تھا جو شرربار نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میری کیفیت کچھ بحال ہوئی تو میرے اندر بھی غصہ ابھرا۔ میں نے اس کی طرف لپکنے کی کوشش کی لیکن وہ دھوئیں میں تبدیل ہو کر گم ہو گیا۔ اور میں سر پکڑ کر رہ گیا اب نہ عورت کا پتہ تھا اور نہ اس مردود کا۔ ”غائب نہ ہوتا تو بتاتا۔“

میں نے کہا اور واپس کمرے میں آ گیا۔ میں بہت پریشان تھا زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ میں ان کم بخت اسمگلروں کے ساتھ سرحد عبور کر کے آ گیا تھا۔ ہندوستان اور پاکستان کے آپس کے معاملات جو چل رہے تھے وہ بھی بڑے پریشان کن تھے کسی بھی غلطی کی کوئی معافی نہیں تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ میں اگر ہندوستانی پولیس کے ہاتھ لگ جاؤں تو مجھے اپنے منہ سے اعتراف کرنا پڑے گا کہ ”ہاں میں پاکستانی جاسوس ہوں۔“ آخر میں میں بغیر اجازت ان کے ملک میں گھس آیا تھا۔

اور پھر اب یہ دونوں۔ یعنی کیداری اور بنسی راج۔ اف، میں سر پکڑ کر بستر پر لیٹ گیا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ خوش نصیبی تھی کیونکہ نیند آ گئی تھی میرا سونا بھی کمال تھا ان حالات میں بھلا کہیں نیند آتی ہے لیکن سو گیا اور خوب سویا جاگا تو کمرے کے کئی رخنوں سے دھوپ آ رہی تھی۔

اچانک کسی نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور ایک آواز سنائی دی۔ ''جاگ گئے۔'' دو آدمی اندر گھس آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

''پیچھے غسل خانہ ہے مہاراج چاہے تو اشنان کرلیں۔ یا منہ ہاتھ دھولیں۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس دوسرے دروازے کے بارے میں رات کو کیداری نے بھی مجھے بتایا تھا۔ میں خاموشی سے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ دن کی روشنی میں، میں نے اس گھر کا منظر دیکھا دیہاتی طرز کا بڑا اچھا مکان تھا کمرے میں واپس آیا تو ناشتہ رکھا تھا گرم گرم پوریاں، بھاجی اور چائے۔ خاموشی سے کھانے بیٹھ گیا۔ مجھے صاف اندازہ ہورہا تھا کہ کچھ پراسرار آنکھیں میرا جائزہ لے رہی ہیں۔

پیٹ بھر گیا۔ ابھی چائے کے آخری گھونٹ لے رہا تھا کہ دروازہ پھر کھلا اور اس بار بنسی راج اندر داخل ہوا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے اور بولا۔ ''جے اشیش پرلوکتا۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ میرے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور پھر بولا۔ ''کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ مہاراج۔''

''میں جانتا ہوں تم میری ضرورت پوری نہیں کرسکتے۔'' میں نے کہا۔

''بتادو مہاراج۔ ہوسکتا ہے پوری کردیں۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ میں اسمگلروں کے جال میں پھنس کر ہندوستان کی سرحد میں آگیا ہوں۔ اس میں میرا قصور نہیں تھا۔''

''آپ کی بدھی بڑی کمزور ہے۔ آپ کو بتایا جاچکا ہے کہ یہ سب پورا جال پھیلایا گیا تھا آپ خود یہاں نہیں آئے آپ کو لایا گیا ہے۔''

''وہی سہی۔ کیا تم مجھے واپس میری سرحدوں تک پہنچاسکتے ہو۔''

''نہیں۔''

''وہی میں کہہ رہا تھا کہ تم میری ضرورت پوری نہیں کرسکتے۔''

''کام کی باتیں کریں مہاراج۔ ہمیں آپ کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے گجر گھاٹ سے لے کر یہاں تک کی کہانی ایک عجیب پھیر ہوگیا ہے آپ کہیں تو میں آپ کو پوری بات بتاؤں۔''

''ہاں۔ وہی میں چاہتا ہوں۔''

''آپ کے دادا جی مامون خان تھے۔ گجر گھاٹا اور اس کے آس پاس کے سب سے بڑے زمیندار، انہوں نے آس پاس کے انسانوں پر بڑے ظلم ڈھائے ہندو، مسلمانوں کو کسی کو نہ چھوڑا، کنواری کنیاؤں کی عزت لوٹی۔ جس نے ان کا راستہ کاٹا اسے موت کا مزہ چکھادیا۔ تب ایک ہندو گھرانے نے ''کرواپاٹ'' کیا۔

''کیا کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''کرواپاٹ۔''

''یہ کیا ہوتا ہے؟''

کالے دھرم کا ایک شردھنک، بہت بڑا کام ہوتا ہے یہ۔ اپنے پورے پریوار کی بلی دینی ہوتی ہے۔ پنڈت شری ناتھ بہت شریف آدمی تھا۔ اس کے دادا پردادا مندروں کے پجاری رہے تھے۔ ایک ہی پتری تھی اس کی سرودھنا جس پر وہ جان دیتا تھا۔ پاپی مامون خان کے ہاتھ لگ گئی اس نے سرودھنا کی عزت لوٹی اور پھر اسے جان سے ماردیا کہ وہ کسی سے ان کا نام نہ لے دے۔ پر شری ناتھ کو معلوم ہوگیا وہ جانتا تھا کہ وہ مامون خان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا مگر وہ اپنی پتری کی موت کو بھی نہیں بھول سکتا تھا اس نے اپنے گھر والوں سے بات کی اور وہ کرواپاٹ کے لئے تیار ہوگئے۔ اس کے تین بیٹے اور دھرم پتنی تھی تینوں نے آتما ہتھیا کرلی تاکہ ان کی آتمائیں مامون خان سے بدلہ لے سکیں اس کے لئے انہوں نے کالی دیوی کا سہارا لیا تھا۔ مگر جب پاپی مامون خان کو معلوم ہوا تو اس نے ایک اشیش پرپرلوکتا کرم چاری کا سہارا لیا اور اپنا دھرم اس پروار دیا۔ اس نے اپنا دھرم چھوڑ دیا۔

''میرے دادا جی نے؟'' میں نے حیرت

سے پوچھا۔

''ہاں، کالی دیوی کے کرودھ سے بچنے کے لئے اس نے دھرم دان کردیا۔ پر ایک بار کالی کا وار چل گیا اور اس نے مامون خان کو نرکھ جل دے دیا۔ مامون خان تڑپ تڑپ کر مر گیا مگر مرتے ہوئے اس نے اپنے پران اشیش پرلوکتا کے حوالے کردیئے اور اپنی آتما کو آزادی دلادی۔ شری ناتھ نے اپنا کام شروع کردیا اس بیچ اس کی بھینٹ ہیرالعل سے ہوئی جس کی بیٹی گنگا سری کے ساتھ بھی وہی انیائے ہوا تھا اور وہ مامون خان پریوار سے بدلہ لینے کی سوگند کھا چکا تھا۔ اس نے اپنا کام شروع کررکھا تھا اور ایک ایک کرکے مامون خان پریوار کو ختم کررہا تھا کہ بیچ میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔ اب صورت یہ ہے کہ اشیش پرلوکتا اور کالی کے ماننے والوں میں چل رہے ہیں کارن مامون خان تھا جس کی شکل والے تم ہو تمہارا کسی ایک دھرم میں آنا ضروری ہے اگر تم کالی دھرم میں آجاتے ہو تو ہیرالعل کی چڑھ جاتی ہے اور اگر اشیش پرلوکتا میں آجاتے ہو تو انہیں مات ہوجائے گی تمہاری اشیش پرلوکتا میں آنا ضروری ہے اسی طرح کالی دھرم والے ہار سکتے ہیں۔ تمہارا چاچا فرید خان اشیش پرلوکتا کا سنساری بن چکا ہے اور اسے کافی شکتی مل گئی ہے مگر اتنی نہیں کہ وہ ساری من مانی کرسکے ہاں اگر تم بھی اس کے ساتھی بن جاؤ تو اسے بڑی شکتی مل سکتی ہے۔''

یہ ساری بکواس سن کر میرا سر چکرانے لگا تھا۔ وہ خاموش بیٹھا میری شکل دیکھ رہا تھا پھر اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''جوش سے نہیں ہوش سے کام لو، جذباتی بے وقوفیوں سے کچھ نہیں ملتا۔ تمہاری ماں ان کے قبضے میں ہے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

''میرے دین کے بارے میں کچھ معلوم ہے بنسی راج۔''

''ہاں کیوں نہیں۔''

''کیا معلوم ہے؟''

''یہی کہ تم مسلمان ہو۔''

''مسلمان کسے کہتے ہیں جانتے ہو؟''

''کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''میں ایک گنہگار مجرم ہوں اپنے دین کا۔ اللہ کی عبادت نہیں کرسکا جیسی مجھے کرنی چاہئے لیکن میں اپنے دین پر لاکھ بار قربان ہونے کو تیار ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تم نہیں جانتے ہوگے۔ اللہ نے ان سے ان کے لخت جگر کی قربانی مانگی تو اللہ اکبر کہتے ہوئے اسے قربان کرنے چل پڑے۔ ہم اپنے مذہب پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ جب بھی تم لوگوں نے ہمیں دین کے نام پر للکارا ہم نے تمہاری زبان اس طرح بند کی کہ تم دوبارہ اسے نہ کھول سکے۔ ایسا ہی اب بھی ہے۔ ایک لفظ میرے دین کے خلاف نہ کہنا ورنہ ابھی اسی لمحے میرا مذہبی فرض شروع ہوسکتا ہے۔'' میری آنکھوں میں خون اتر آیا اور وہ بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔

''ارے ارے...... دماغ خراب ہوگیا ہے کیا...... میں...... چلو ٹھیک ہے۔ پھر ملتا ہوں تم سے۔ ابھی تو تم......'' اس نے جملہ پورا نہیں کیا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔

کافی دیر تک میرا خون کھولتا رہا تھا۔ پھر میں اس بکواس پر غور کرنے لگا جو اس نے کی تھی۔ یہ کالے جادو کا کھیل تھا جس میں فرید خان بھی پر چکا تھا۔ لیکن میں جان چکا تھا کہ شیطانی قوتوں نے اسے صرف اپنا آلہ کار بنایا ہے اور اسے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔

کئی دن گزر گئے ایک تنہا انسان پر جو گزرتی ہے وہ مجھ پر گزر رہی تھی۔ سوچیں گزری ہوئی یادیں، سینہ چیرتی تھیں وقت کیسا بدل جاتا ہے پیارے کتنی دور چلے جاتے ہیں یاد کرو اور آنسو بہاتے رہو۔ زندگی مصروف ہو تو بھی دل بہل جاتا ہے اور زندگی اگر ساکت ہوجائے تو قیامت بیت جاتی ہے۔

یہ قیامت مجھ پر بیت رہی تھی۔

پھر ایک دن کھوپڑی گھوم گئی۔ میں غیر قانونی

طور پر ہندوستان میں داخل ہوا ہوں۔ میرا قصور نہیں تھا۔ ناپاک قوتیں مجھے گھیر کر یہاں لائی ہیں۔ یہ بات کوئی نہیں مانے گا مجھے پاکستانی جاسوس سمجھ کر جیل میں ڈال دیا جائے گا۔ یا سزائے موت دے دی جائے گی کیا کروں کیسے زندگی بچاؤں اگر قدرت کو اسی طرح میری موت منظور ہے تو یہی سہی میں گھر سے باہر نکل آیا۔ سڑکوں پر مارا مارا پھرنے لگا۔ کوئی پرسان حال نہیں تھا کوئی میری طرف متوجہ نہیں تھا۔

پھر دوسرے ریلوے اسٹیشن نظر آیا اور میرے قدم اس طرف اٹھ گئے۔ بس جنونیوں جیسا انداز تھا۔ نہ جانے کہاں سے ٹرین آئی اسٹیشن پر رکی مسافر اترے، مسافر چڑھے، میں بھی ایک ڈبے میں چڑھ گیا۔ اور خاموشی سے ایک سمت بیٹھ گیا۔ ریل چل پڑی چلتی رہی، رات ہوگئی اور میں سوگیا۔ ریل کا سفر کافی لمبا تھا۔ دوسری صبح میں ایک بہت بڑے اسٹیشن پر جا کر رکی۔ نئی دہلی کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔

واہ خوب ہندوستان گھومنے کو مل رہا تھا ٹرین کے سارے مسافر اتر گئے میں بھی اتر کر اسٹیشن سے باہر آ گیا۔ حالانکہ زیادہ دن نہیں چڑھا تھا لیکن خوب رونق تھی ایک خاص ماحول، ایک خاص ثقافت بھوک سے جان نکل رہی تھی کھانے پینے کی چیزیں نظر آ رہی تھیں لیکن میرے پاس پیسے نہیں تھے۔

اس وقت ایک سڑک عبور کر رہا تھا کہ عقب سے ایک کار آئی اور اس نے مجھے زور سے ٹکر ماردی کتنے فاصلے پر جا کر گرا اس پر سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ شاید بے ہوش ہوگیا تھا۔

لیکن زندہ تھا۔ اور زندہ تھا تو ہوش آنا بھی ضروری تھا۔ لیکن ہوش میں آ کر جو چیز نظر آئی اسے دیکھ کر ذہن پر بہت خوش گوار اثر ہوا تھا نرس تھی دھلا دھلا سفید چہرہ سفید مخصوص لباس جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ نرس ہے۔ سب سے زیادہ خوب صورت اس کے سفید دانت تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی تھی اور اس کا پورا چہرہ مسکرانے لگا تھا۔

''ہیلو......!'' اس کی آواز بھی اسی جیسی تھی۔

''جی۔''

''کیسے ہو۔''

''میں نے غور نہیں کیا۔'' میں نے کہا۔

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ کیسا ہوں، ابھی پتہ نہیں ابھی آنکھ کھلی ہے ہوش کہاں آیا ہے۔'' میں نے کہا اور وہ ہنس پڑی۔

''پوری طرح ہوش میں ہو، بلکہ بہت سے ہوش مندوں سے زیادہ ہوش میں ہو۔'' نرس نے معنی خیز لہجے میں کہا اور مجھے واقعی ہوش آ گیا۔ نرس غلط سمجھ رہی تھی۔ واقعی میرے الفاظ ایسے تھے کہ کوئی بھی غلط فہمی کا شکار ہوسکتی تھی میں ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔

''میرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا سسٹر۔'' میں نے کہا اور اس بار نرس کے ہوش کچھ بگڑے تھے۔ اسے امید نہیں تھی کہ میں اسے سسٹر کہوں گا۔

''ہاں۔'' وہ مختصراً بولی۔

''میں کہاں کہاں سے ٹوٹا ہوں؟''

''صرف دماغ خراب ہوا ہے اور کچھ نہیں۔'' اس نے کسی قدر منہ بنا کر کہا۔

اسی وقت ایک دوسری نرس اس کے پاس پہنچ گئی۔

''ڈاکٹر کھوسلا بلا رہے ہیں جیوتی۔'' اس نے کہا۔

''چلو۔'' نرس نے کہا اور دونوں باہر چلی گئیں۔

تب میں نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا یہ کسی پرائیویٹ جیسا وارڈ تھا۔ بڑی سی جگہ تھی جہاں پردوں سے پارٹیشن کئے گئے تھے میرے آس پاس کئی اسٹینڈ لگے ہوئے تھے جن میں ڈرپس کی خالی بوتلیں لٹکی ہوئی تھیں ان میں موٹی موٹی نلکیاں لگی ہوئی تھیں جنہیں بوتلیں خالی ہونے کے بعد لپیٹ دیا گیا تھا ڈرپس کی بوتلوں میں سیالوں کی تلچھٹ نظر آ رہی تھی ایک بوتل پر نظریں جم گئیں۔ اس میں خون جیسا کوئی سیال تھا جو جمع نظر آ رہا تھا۔

''خون...... کیا یہ خون مجھے چڑھایا گیا ہے لیکن کیوں میرے بدن کو خون کی ضرورت کیوں پیش آ گئی

جبکہ میرے اندر تو کوئی ٹوٹ پھوٹ نہیں ہوئی تھی کوئی زخم نہیں لگا تھا۔ اس وقت تو مجھے بس بھوک لگ رہی تھی اور بری طرح چکر آرہے تھے۔ لیکن اب اس وقت تو مجھے بھوک بھی نہیں لگ رہی تھی۔

بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ اسی وقت ایک تیسری نرس اندر آگئی وہ شاید مجھے کوئی انجکشن لگانے آئی تھی جس کا سامان اس کے پاس تھا۔

''ہاتھ سیدھا کرلو۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''جی سسٹر۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''جی بولیں۔''

''سسٹر مجھے کچھ بیرونی زخم آئے ہیں۔''

''نہیں۔ کوئی خراش تک نہیں آئی۔'' آپ کو کسی کار نے ٹکر ماری تھی مگر بھگوان نے آپ کو بچالیا آپ بس بے ہوش ہوگئے تھے۔''

''مجھے یہاں کون لایا۔''

''یہ مجھے نہیں معلوم۔''

''یہ ساری ڈرپس مجھے لگائی گئی ہیں۔''

''ہاں۔''

''یہ خون کی ڈرپ ہے۔ مجھے خون کیوں لگایا گیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔ نرس اس ڈرپ کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

''یہ بات تو ڈاکٹر ہی بتا سکتے ہیں۔ یہ طاقت کی ڈرپ تھی جس سے تمہاری بھوک کی کسر پوری کی گئی لاؤ ہاتھ سیدھا کرو۔'' نرس نے میرے ہاتھ میں انجکشن لگایا اور وہاں سے چلی گئی۔ میں گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔ بات اب بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔

کافی دیر گزر گئی پھر کچھ لوگ اندر آئے۔ ان میں ایک ڈاکٹر بھی تھا جس کا اندازہ اس کے لباس سے ہوا تھا۔ دو اور افراد تھے وہ میرے قریب پہنچ گئے ڈاکٹر نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیسی طبیعت ہے دوست؟''

''ٹھیک ہوں ڈاکٹر صاحب۔''

''کوئی کمزوری تو نہیں محسوس ہو رہی۔''

''نہیں۔''

''او کے!'' ڈاکٹر نے کہا۔ پھر آگے سے میرے سینے وغیرہ کا معائنہ کیا پھر بولا۔ ''یہ ٹھیک ہیں۔'' ''آپ ڈسچارج سلپ بنوالیں۔ آپ انہیں لے جاسکتے ہیں۔''

''تھینک یو ڈاکٹر۔'' دوسرے دونوں افراد میں سے ایک نے کہا۔ پھر دوسرے آدمی سے بولا۔'' گردھر، تم نے ڈسچارج سلپ بنوالو اور پے منٹ وغیرہ کردو، میں انہیں لے کر جارہا ہوں۔''

''او کے سر......'' دوسرے آدمی نے ادب سے کہا۔

''آیئے۔'' اس شخص نے بڑی نرمی سے مجھ سے کہا اور میں بستر سے نیچے اتر آیا۔ میرے جوتے نیچے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے جوتے پہنے اور اس شخص کے ساتھ چل پڑا۔ سرکاری اسپتال تھا باہر آکر اس شخص نے ایک کار کا دروازہ کھولا اور مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی، میں خاموشی سے اندر بیٹھ گیا۔ اور اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی کار آگے بڑھ گئی کار کی کھڑکیوں سے باہر دیکھ کر مجھے اندازہ ہوگیا کہ میں دہلی میں ہوں۔ دکانوں کے سائن ہندی اور انگریزی میں لکھے ہوئے تھے۔

وہ شخص خاموشی سے کار چلا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''آپ نے مجھے کتنے پیسوں میں خریدا ہے سر۔''

''ایں؟'' وہ چونک پڑا۔ میری بات اس کو سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''آپ مجھے اس طرح لے جارہے ہیں جیسے، میں آپ کا زرخرید ہوں۔''

''نہیں خان صاحب۔ آپ ہمارے زرخرید نہیں ہمارے دوست ہیں۔ ہمارے معزز مہمان ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''میں آپ کا مہمان ہوں۔ دوست ہوں لیکن مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ کون ہیں اور مجھے کہاں لے جارہے ہیں۔''

''بس جہاں میں آپ کو لے جارہا ہوں وہ جگہ

آ گئی۔ آپ کو ابھی پتہ چل جائے گا۔" اس شخص نے نرمی سے کہا۔ کار اس وقت دہلی کے مضافات میں پہنچ گئی تھی ایک اجاڑ سی جگہ تھی جہاں اکا دکا مکین بڑے بڑے گھر بنے ہوئے تھے یہ گھر بھی پرانے طرز کے تھے وسیع وعریض احاطے اور آخر میں لکھوری اینٹوں سی بنی عمارتیں، ایسے ہی ایک گھر کے ٹوٹے پھوٹے گیٹ سے کار اندر داخل ہوگئی اور پورچ ٹائپ کی جگہ رک گئی۔

اس شخص نے نیچے اتر کر دروازہ کھولا اور مجھے اترنے کا اشارہ کیا۔ میں خاموشی سے اس کے ساتھ اندر داخل ہوگیا تھا۔ عمارت اندر سے بہت ٹھنڈی اور پرسکون تھی۔ ایک چوڑی راہ داری سے گزار کروہ مجھے ایک بڑے سے ہال کمرے میں لایا جہاں قدیم طرز کا فرنیچر پڑا ہوا تھا۔

"آپ بیٹھیں خان صاحب، بس دومنٹ۔" وہ یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔ اور میں تھکے تھکے سے انداز میں میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں اندازے لگا رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہوسکتے ہیں۔ اس نے جس انداز سے مجھے خان صاحب کہہ کر پکارا تھا اس سے مجھے کچھ کچھ اندازہ ہورہا تھا کہ کون ہیں اور دومنٹ کے اندر اس کی تصدیق ہوگئی۔

چند افراد اندر داخل ہوئے تھے ان میں سب سے آگے بنسی راج، پھر کیداری اور آخر میں وہی تھیکے نقوش والی عورت جو ایک بار مجھے نظر آئی تھی اور اس نے بڑی تلخ نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔ تینوں اندر داخل ہوگئے۔ میں نے کسی حیرانی کا مظاہرہ نہیں کیا تو کیداری بولا۔

"بڑا لمبا سفر کرڈالا خان صاحب۔"

"ہاں۔ مگر تم نے اب بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔"

"ایک بات کہیں برا تو نہیں مانو گے۔"

"برا مانوں بھی تو تمہارا کیا بگاڑ لوں گا۔" میں نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ آپ ہمارا مان ہیں۔ بڑا رتبہ ہے آپ کا، بس سمجھ کا پھیر ہے ہمیں تھوڑا سا غلط کرنا پڑا ہے۔ مگر آپ دیکھیں گے کہ آپ کو کتنا بڑا مان ملا ہے۔" کیداری ہی بول رہا تھا۔

"تو تم نے میرا پتہ لگالیا۔" میں نے کہا۔

"پوری بات بتاتا ہوں۔ کنتی کوئی شربت منگاؤ۔" کیداری نے کہا۔

"آرہا ہے۔" عورت بولی جس کا نام کنتی لیا گیا تھا۔

"پوری بات یہ ہے مہاراج کہ آپ کو ہر قیمت پر اشیش پرلوکی بننا ہے یہ بات بڑوں کے بیچ طے ہوئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے آپ کو تیار کیا جائے۔ تو مہاراج آپ کو پاکستان کی سرحد سے ہندوستان لایا گیا۔ ہم یہ طے کررہے تھے کہ آپ کو کس طرح اشیش پنتھ میں لایا جائے کہ آپ وہاں سے نکل بھاگے ہمیں پتہ چل گیا کہ آپ ریل میں بیٹھ کر چل پڑے ہیں۔ پھر آپ اسٹیشن پر اترے اور پیدل چلے تو سارا پلان تیار کرلیا گیا آپ کو ایک موٹر کار سے دھکا مار کر بے ہوش کیا گیا اور اسپتال لایا گیا یہاں سارا انتظام کرکے آپ کے شریر میں اشیش امرت اتارا گیا۔

"کیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں۔" الو کا خون جس پر منتر پڑھے گئے تھے۔

"الو کا خون؟" میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

"ہاں۔" جی آپ کو راہ راست پر لانے کے لئے ضروری تھا۔

"کیا بکواس کررہے ہو؟" میں غرایا۔

"دھیرج مہاراج۔ دھیرج۔ کوئی معمولی چیز نہیں ہوتی وہ۔"

"مگر۔ مگر یہ تم نے کیسے کیا؟" مجھے اپنی آواز خود کمزور محسوس ہوئی تھی۔ "یہ تم نے کیسے کیا۔"

"اسپتال میں آپ کو اس کے خون کی بوتل لگوائی تھی۔ اسی لئے آپ کو دھکا دے کر گرایا گیا تھا کہ آپ اسپتال پہنچ جائیں وہاں یہ کام کرادیا جائے، آپ خود تو کبھی یہ کام نہ کرتے۔"

"تو میرے بدن میں وہ ناپاک محلول اتر چکا ہے۔" میں نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ اسے ناپاک کہہ کر ہمارے من میں برائی پیدا کررہے ہیں۔ آپ کو ساری باتیں بتادی گئی ہیں۔ آخری بار آپ سے کہا جارہا ہے کہ ساری باتیں بھول جائیں آپ خان بہادر اشرف خان ہی رہیں گے بس آپ کے سنسکار بدل جائیں گے آپ راج کروسنی کے پیروکار رہیں گے اور اس سے کئے وچن کو پورا کریں گے۔ اب آپ آرام کریں ہم آپ کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا انتظار کریں گے اور مہاراج آخری بار آپ کو ایک چیتاونی دی جارہی ہے۔"

"کیا؟"

"سات دن خاموشی اور آرام سے گزار دیں۔ آٹھویں دن آپ کو آزادی ہوگی جو من چاہے فیصلہ کریں، لیکن سات دن کے اندر اگر آپ نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی یا کسی کو نقصان پہنچایا تو ہم آپ کی مدد نہیں کریں گے اور پھر ہندوستان پولیس آپ کے ساتھ جو بھی برتاؤ کرے گی وہ اس کا کام ہوگا۔"

میں نے خاموشی سے گردن جھکادی۔

مجھے ایک جگہ منتقل کردیا گیا یہ کوئی مندر نما جگہ تھی۔ پرانی اور ٹھنڈی عمارت، جس میں بے حد بڑے بڑے ہال تھے اور ان میں پتھر اور کانسی کے بت ایستادہ تھے۔ عجیب عجیب بت مجھے ڈر تو نہیں لگا تھا لیکن میں ایک عجیب سی سنسنی محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میرے آرام کے لئے ایک بڑا کمرہ رکھا گیا تھا جو پرآسائش تھا ایک بہت بڑا قدیم طرز کا چھپرکھٹ پڑا ہوا تھا۔ اور بھی ضرورت کی چیزیں۔

یہاں پہلی شام ہوئی تو کنتی میرے پاس آئی۔

"مہاراج کا بھوجن تیار ہے، حکم ہو تو لے آؤں۔"

"کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بھاجی پوری۔" ماس بھی مل سکتا ہے پر ہمیں ماس پکانا نہیں آتا۔

"جو ہے لے آؤ۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" میں نے کہا۔ درحقیقت مجھے بڑی بھوک لگ رہی تھی وہ واپسی کے لئے مڑ گئی اس نے راجستھانی انداز کی دھوتی باندھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے عقب سے دیکھا بے حد حسین بدن کی مالک تھی آنکھوں میں بسی جارہی تھی۔ میں اسے دیکھتا رہا، وہ نگاہوں سے اوجھل ہوئی تو میں چونکا اور میں نے لاحول پڑھی۔ اس انداز میں، بالکل پہلی بار میں نے کسی کو دیکھا تھا۔

وہ کھانا لے آئی۔ کمال کا لذیذ کھانا تھا۔ میں ضرورت سے زیادہ کھا گیا۔ وہ خاموشی سے کچھ فاصلے پر بیٹھی مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ برتن اٹھا کر چلی گئی اور میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ لیٹنے کے بعد میرے دل میں عجیب عجیب خیالات آنے لگے۔ سارا کیا دھرا میرے دادا جان کا تھا۔ انہوں نے اپنی جوانی میں جو کچھ کیا تھا اس کا خمیازہ پورے ملکھان خاندان کو بھگتنا پڑا تھا اور اب میں اس کا شکار تھا۔

میں نے اپنا ایمان نہ چھوڑنے کی قسم کھائی تھی لیکن مجھ پر بڑے کٹھن حالات بیت رہے تھے کیا کروں، کیسے اپنے عہد پر قائم رہوں۔ اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ جان دے دوں۔ کیداری اور بنسی راج نے کتنی ہی بکواس کی ہو، مجھے یہاں سے نکلنا ہوگا۔ باہر جاؤں گا اور ظاہر ہے پاکستانی جاسوس کی حیثیت سے پکڑا جاؤں گا کیونکہ کوئی نہیں مانے گا کہ میں کس طرح یہاں آیا ہوں۔ اور پھر، میری جو درگت بنے گی وہ بڑی عبرتناک ہوگی۔

ٹھیک ہے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ قسمت کے لکھے کو کون بدل سکتا ہے۔ پھر میں اس ہولناک جگہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ باہر ہال میں کیسے کیسے بھیانک مجسمے ایستادہ ہیں کوئی اور ہوتا تو اس تصور ہی سے مرجاتا کہ باہر ماحول کتنا خوف ناک ہے۔ نہ جانے کتنی دیر جاگتا رہا۔ پھر نیند آ گئی۔

رات آدھی کے قریب گزری ہوگی کہ باہر کچھ آہٹیں سنائی دیں۔ میری آنکھ کھل گئی پہلے میں لیٹے لیٹے یہ آہٹیں سنتا رہا پھر کچھ لوگوں کے بولنے کی آوازیں ابھریں جو کافی واضح تھیں کون آیا ہے میرے دل میں شدید تجسس ابھرا اور میں خود کو باز نہ رکھ سکا۔ اپنی

جگہ سے اٹھا دبے پاؤں چلتا ہوا دروازے تک آیا۔ دروازے میں ہلکی سی جھری پیدا کرکے باہر جھانکا۔ دروازہ کھولتے ہوئے بھی میں نے باتیں کرنے کی آوازیں سنی تھیں تو الفاظ میری میں سمجھ میں نہیں آئے تھے لیکن مختلف آوازیں نمایاں تھیں لیکن جونہی دروازہ کھلا ایک دم خاموشی طاری ہوگی۔ بالکل ایسے جیسے کسی کو میرے باہر جھانکنے کا احساس ہوگیا ہو۔

لیکن کسے؟ کون باتیں کررہا تھا۔

میں باہر نکل آیا۔ مجسمے خاموشی سے کھڑے تھے لیکن نہیں ایک تبدیلی رونما ہوئی تھی مجسموں کی جگہ میں تبدیلیاں ہوئی تھیں کئی مجسموں کو میں نے پہلے غور سے دیکھا تھا ان میں کچھ ایسی خصوصیتیں نمایاں تھیں کہ میں انہیں غور سے دیکھنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ وہ جہاں تھے اس جگہ کو بھی میں نے اچھی طرح دیکھا تھا اس وقت وہ مجسمے اس جگہ نہیں تھے جہاں میں نے انہیں دیکھا تھا ان کی جگہ بدل گئی تھی کیسے؟ کیا وہ چل پھر رہے تھے واقعی میرے باہر جھانکنے سے پہلے وہ متحرک تھے وہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔

میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہورہی تھیں۔ کیسا خوف ناک تصور تھا۔ ان مجسموں میں زندگی تھی اور وہ اس طرح خاموش تھے جیسے آپس میں اشارے کررہے ہوں۔

میرا وہاں کھڑے رہنا بے معنی تھا چنانچہ اندر آکر بستر پر لیٹ گیا۔ لیکن پھر باقی رات نیند نہیں آئی تھی سوچوں نے دماغ پر یلغار کیے رکھی تھی۔ صبح ہوگئی۔ سورج کچھ چڑھا تو بیرونی دروازے پر دستک ہوئی اور ایک نغمہ بار آواز سنائی دی۔

''میں اندر آجاؤں۔''

صاف پہچان لیا۔ کنتی ہی تھی۔ اس وقت وہ ایک نئے لباس میں تھی۔ خالص ہندو دیوکیناؤں کا لباس جو بڑا ہیجان خیز تھا۔ نہا کر آئی تھی۔ لمبے سیاہ بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

''جے مہان پرلوکی۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے۔

مین خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا تو وہ مسکرا دی۔

''اشنان کریں گے مہاراج۔''

''یہاں انتظام ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، پیچھے ہی تو ہے۔ آیئے۔'' اس نے کہا اور میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ ایک بڑا سا کنواں تھا جس کے پاس ڈول اور رسی رکھی ہوئی تھی۔ ایک طرف پتھر کی ایک موٹی سل پڑی ہوئی تھی اس کے قریب ایک خوب بڑی کنڈیلی اونچے پتھروں پر رکھی تھی جس میں کئی نلکے برابر برابر لگے ہوئے تھے۔ بڑا عجیب انتظام تھا۔ وہ بولی۔

''بیٹھ جائیے میں پانی کھینچتی ہوں۔''

''ارے نہیں۔ میں بھرلوں گا۔'' میں نے کہا۔

''بیٹھ جایئے آپ کی کرپا ہوگی۔''

''مگر میرے کپڑے۔''

''وہ رکھے ہیں۔ آپ بدل لیں، میں منہ پھیرلوں گی۔'' اس نے کہا اور پھر ہنس پڑی۔ مجھے اس کی ہنسی بڑی عجیب لگی تھی۔

''تم یہاں سے جاؤ۔'' میں نے کہا اور وہ خوب ہنسی پھر ہنستی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ میں نے غسل کرکے دوسرے کپڑے پہنے جوانہوں نے پہنا دیئے تھے پھر کمرے میں پہنچا تو گرم گرم ناشتہ رکھا ہوا تھا اور کنتی وہیں بیٹھی انتظار کررہی تھی۔

بڑا عجیب سا انداز تھا اس کا۔ جیسے کوئی بہت ہی اپنا ہوتا ہے۔ بڑی ذمہ داری تھی اس کے اندر، اس نے مجھے ناشتہ کرایا، پھر بولی۔ ''جارہی ہوں، دوپہر کو راگھو تمہیں کھانا دے گا۔ میں رات کو آؤں گی۔'' ایک دم میرا دل چاہا کہ اس سے پوچھوں کہ تم کہاں جارہی ہو۔ لیکن پھر خاموش ہی رہا۔

دن بڑا عجیب گزرا تھا، بے کیف، بوجھل بوجھل، راگھو بس ایک ملازم قسم کا آدمی تھا۔ رات کا کھانا بھی وہی لایا تھا مگر میں نے اس سے کنتی کے بارے میں نہیں پوچھا۔ البتہ میری سوچیں جوں کی توں رہی تھیں میں کوئی

فیصلہ ہی نہیں کر پارہا تھا۔ ان لوگوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر میں نے یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کی تو وہ میری کوئی مدد نہیں کریں گے۔ بہت کچھ سوچ رہا تھا میں۔ اگر ان کی پرواہ کئے بغیر نکل بھی جاؤں تو چھپ چھپ کر ہی جینا پڑے گا۔ اس کے علاوہ اگر پاکستان بھی نکل جاؤں تو بھی وہاں بھی میرے لئے پھانسی کا پھندہ تیار ہے، میری کوئی دادرسی نہیں ہوگی۔

رات ہوگئی، نیند آ گئی۔ اس مندر نما جگہ جہاں بت ایستادہ تھے ان کے بارے میں مجھے یقین ہوگیا تھا کہ آدھی رات کو ان کی صبح ہوجاتی ہے۔ وہ جاگ جاتے ہیں چلتے پھرتے ہیں آپس میں بات کرتے ہیں۔ اور روشنی ہوتے ہی خاموش ہوجاتے ہیں۔ لیکن میں جب بھی انہیں متحرک دیکھنے کی کوشش کرتا وہ خاموش ہوجاتے۔ ساکت ہوجاتے اس وقت بھی آنکھ کھل گئی تھی میرا ابھی خیال تھا کہ یہ آہٹ باہر ہی ہوئی ہے جس سے میری آنکھ کھلی تھی۔ لیکن کمرے کے ایک گوشے میں مدھم سی نیلی روشنی نظر آتے ہی میں چونک پڑا۔ اس روشنی میں مجھے ایک سایہ نظر آیا تھا جبکہ کمرے کا دروازہ بند تھا۔

''کون......؟'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اور سایہ میری طرف چل پڑا۔ خوشبو کا ایک مسحور کن جھونکا میرے قریب آ گیا۔

''میں ہوں۔'' ایک نشہ آلود آواز سنائی دی۔

''کنتی۔''

''ہاں۔''

''آ گئیں تم۔''

''ہاں۔ تم میرا انتظار کررہے تھے۔'' وہ میرے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ کمرے میں کوئی روشنی نہیں تھی لیکن کنتی کے بدن کے گرد ایک ہالہ کھنچا ہوا تھا اور اس سے خارج ہونے والی مدھم روشنی میں اس کا بدن چمک رہا تھا۔ میرے سانس بوجھل ہونے لگے۔ ''بتاؤ......میرا انتظار کررہے تھے۔؟'' اس نے کہا۔ میں نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ میں نے اس سے دور ہٹنے کی کوشش کی لیکن اس میں بھی کامیاب نہیں ہوسکا۔ میں نے خود کو بتایا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں ایک اجنبی خواب، جو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ایک ایسا خواب جس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا تھا، لیکن سب کچھ جانتا تھا۔ فطرت کا رہنما خواب، اور پھر لذت خواب، سحر سورج کی روشنی لوٹ لے گئی۔ نہ جانے کون سے کونے کھدروں سے گھس آئی تھی بدبخت، ایسی راتوں کی سحر تو بڑی بدنما ہوتی ہے۔

اگر کنتی کا سحر خیز وجود میرے بدن سے لپٹا گہری گہری سانسیں نہ لے رہا ہوتا تو میں ان گزرے لمحات کو خواب ہی سمجھتا۔ لیکن وہ بے خود مجھ میں سمائی سو رہی تھی۔ گویا آدھی رات کا خواب صرف خواب نہیں تھا۔

میں سخت الجھن کا شکار ہوگیا۔ یہ کیا ہوگیا۔ اب کیا کروں۔ بمشکل تمام کھسک کھسک کر اس سے علیحدہ ہوا۔ پلنگ سے نیچے اترا اور پھر باہر نکل کر کنوئیں کی طرف چل پڑا۔ خود پر منوں پانی گرا کر جب واپس کمرے میں داخل ہوا تو کنتی بنی سنوری ناشتے کے ساتھ تیار بیٹھی تھی اس کے چہرے پر بڑی تازگی بڑی بشاشت تھی۔

''ناشتہ تیار ہے مہاراج۔'' اس کی محبت بھری آواز ابھری۔ اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ دیکھتا رہا اور پھر ناشتہ کرنے لگا۔

اس کے بعد کنتی سارا دن میرے ساتھ رہنے لگی۔ وہ میرے سارے کام کرتی۔ اس نے مجھے اس پورے مندر کی سیر کرائی۔ پتھروں کے یہ بات صرف اس ہال میں ہی نہیں تھے بلکہ پورے مندر کے مختلف کمروں اور ہالوں میں تھے۔ کنتی مجھے لڑکیوں کے بارے میں بتاتی اور میں حیرت سے اس کی سنائی ہوئی مضحکہ خیز کہانیوں پر غور کرتا اور دل میں سوچتا کہ یہ سب بکواس ہے۔ لیکن کبھی کبھی میری ذہنی رو بھٹک جاتی اور میں خود کو بھول جاتا۔

کنتی کو بھی اب میرے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ وہ میرے لئے طرح طرح کے بھوجن تیار کرتی۔ میں اس سے یہ بھی نہیں پوچھتا تھا کہ یہ کیا ہے۔ پھر ایک صبح کنتی نے مجھ سے کہا۔

''آج کون سا دن ہے مہاراج یاد ہے۔''

''دن......؟'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔!''

''مجھے یاد نہیں۔''

''منگل وار ہے۔ اور آج آپ کو اشیش بھون چلنا ہے۔''

''اشیش بھون کہاں ہے؟''

''وہی گھر جہاں سے آپ یہاں آئے تھے۔ آج راج کردھنی مندر میں آپ کا سمے پورا ہو گیا ہے۔ اب آپ یہاں نہیں رہیں گے۔''

''ہوں۔ٹھیک ہے۔تو اب میں کیا کروں۔'' میں نے پوچھا۔

''تیار ہو جائیں۔ ہمیں چلنا ہے۔'' وہ کسی قدر اداسی سے بولی۔ میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا اور اس کے ساتھ چلتا ہوا اس گھر میں پہنچ گیا یہاں کیداری اور بنسی راج بیٹھے ہوئے تھے۔

''جے اشیش پرلوکتا جے راج کراہنی۔'' دونوں نے کہا۔ میں خاموشی سے ان کی صورت دیکھتا رہا۔

''جب ہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو اس طرح ایک دوسرے کو پرنام کرتے ہیں۔'' کیداری بولا۔

''ہوں۔ تو پھر۔'' میں نے کہا اور وہ دونوں اچھل پڑے۔ انہوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر حیرت سے کنتی کی طرف۔ کنتی گردن لٹکا کر باہر چلی گئی۔ بنسی راج نے کہا۔

''ہم نے تمہارا نیا نام رکھ لیا ہے۔ تمہارا نیا نام ہے شکتی آنند۔ کیسا نام ہے؟''

''میں نے بھی تم دونوں کے نام بدل لئے ہیں اور ایک ہی نام رکھا ہے تمہارا۔''

''ایں......کیا؟''

''الو کے پٹھے۔'' تم دونوں پر یہ نام خوب جچتا ہے۔ میں نے کہا۔ اور دونوں کے چہرے غصے سے سرخ ہو گئے ان کی آنکھیں بھی سرخ ہو گئی تھیں۔ وہ دیر تک کچھ نہ بولے۔ اور خود کو متعدل کرنے لگے۔ پھر کیداری نے کہا۔

''تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو۔''

''ناموں کی بات ہو رہی ہے۔ تم نے میرا نام شکتی آنند رکھا ہے میں نے بھی تمہارا نام رکھ لیا۔ ویسے تم اس غلط فہمی کا شکار کیسے ہو گئے کہ میں نے تمہارا دھرم سویئکار کر لیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''غلط فہمی کا شکار تو تم ہو بالک۔ دھرم تو تمہارا بھی گیا اب تم نام کے مسلمان ہو۔ وہ سب کچھ کر لیا گیا ہے جس سے تمہارے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ وہ ساری چیزیں تمہارے شریر میں اتر گئی ہیں جس سے تم دھوبی کے کتے ہو گئے ہو، گھر کے نہ گھاٹ کے۔''

''وہ کیسے؟''

''کنتی نے تمہیں جو کچھ کھلایا ہے وہ تمہارے دھرم میں ناپاک ہے لیکن وہی اشیش پرلوک جانے کا راستہ ہے۔ ویسے تعجب کی بات ہے کہ تمہارا شریر ان چیزوں سے بھر گیا ہے مگر تم ابھی تک اپنے دھرم سے دور نہیں ہوئے جبکہ تمہارا چاچا فرید خان آسانی سے کالی دیوی کا داسی بن گیا۔''

''اس کی وجہ ہے کیداری جی۔'' میں نے کہا۔

''بتاؤ گے۔''

''میرا خدا میرے دل میں ہے۔ میرے مذہب میں بڑی چھوٹ ہے۔ جس طرح پیدا ہونے والے بچے کے بازو میں بی سی جی کا ٹیکہ لگایا جاتا ہے جو ساری زندگی اس کی قوت مدافعت کا ساتھ دیتا ہے اسی طرح میرے دھرم میں پیدا ہونے والے بچے کے کان میں اذان دی جاتی ہے اسے بتایا جاتا ہے کہ ''اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ واحد لاشریک ہے۔'' اور ساری زندگی کے لے ہماری ویکسینیشن ہو جاتی ہے۔ ہمارے اوپر کنتی میں ناپاک بیماریاں حملہ کریں وہ کالی دیوی کی ناپاک بیماری ہو یا اشیش پرلوکتا اور راج کراہنی کی۔ ہم اگر کچھ لمحوں کو بھٹک بھی جاتے ہیں تو ہماری ویکسینیشن ہماری مدد کر کے ہمیں ٹھیک کر دیتی ہے۔''

کیداری کے چہرے سے نظر آ رہا تھا کہ وہ غصے سے کھول رہا ہے۔ پھر اس نے خود کو سنبھالا اور لڑا کا عورتوں کی طرح بولا۔ ''تو کیا تمہارے چاچا فرید خان کی ویلکسنیشن نہیں ہوئی تھی۔؟'' اس کے انداز پر میں ہنس پڑا۔

''میں نے دوسری بات کہی وہ تم نے نہیں سنی۔''

''کیا؟'' وہ بولا۔

''میں نے کہا اگر ہم کچھ لمحوں کے لئے بھٹک بھی جائیں تو ہماری ویلکسنیشن ہماری مدد کر کے ہمیں ٹھیک کر دیتی ہے۔''

''تیرا مطلب ہے کہ یہ تیرا چاچا بھی ٹھیک ہو جائے گا، اور کالی دیوی کے جال سے نکل کر اپنے دھرم میں واپس آ جائے گا۔''

''مجھے پورا یقین ہے۔'' میں نے کہا۔

''تب تو پاگل ہو گیا ہے۔ جس نے تجھے کہیں کا نہ چھوڑا، تیرا سب کچھ چھین لیا، تجھے دربدر کر دیا، تیری ماں کو قیدی بنا لیا تو اس سے یہ امید رکھتا ہے کہ وہ ٹھیک ہو کر اپنے دھرم میں آ جائے گا۔''

''یہ بھی ہمارے دین کا سبق ہے کیداری۔''

''کیا؟''

''یہ کہ اللہ کی قدرت سے کبھی مایوس نہ ہو۔ وہ جب چاہے ساری کائنات کا نقشہ بدل دے۔ ایک بھٹکا ہوا انسان کیا حیثیت رکھتا ہے۔''

''مگر تیرا شریر کالے دھرم کے لئے تیار کیا جا چکا ہے۔ اب تو اپنے دھرم میں دل سے واپس جانا چاہے تب بھی نہیں جا سکتا۔''

''تیری بات ہی بے وقوفی کی ہے۔'' میں نے کہا۔

''کون سی۔''

''تو نے کہا ہے ناں کہ میں اپنے دھرم میں واپس جانا چاہوں تو۔''

''بے وقوف کے بچے میں اپنے دھرم سے نکلا کب ہوں۔ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔''

''ٹھیک ہے کچھ دن کے لئے ہم تجھے آزاد چھوڑتے ہیں جا اس دھوکے کے مزے چکھ۔'' کیداری نے کہا۔ وہ زچ ہو گیا تھا۔ پھر وہ وہاں سے چلا گیا مجھے آزاد چھوڑ دیا گیا تھا اور اب میں سوچ رہا تھا کہ یہ مزہ میں کیسے چکھوں جن کی دھمکی کیداری دے کر گیا ہے۔

میں نے اپنے اطراف میں نگاہ ڈالی بڑی عجیب سی جگہ تھی۔ دور دور تک ویرانہ نظر آ رہا تھا میں نے ایک گہری سانس لے کر قدم آگے بڑھا دیئے اور میں بے اختیاری سے چلتا رہا۔ میرے ذہن میں کوئی احساس نہیں تھا کہ کہاں جاؤں بس چل رہا تھا کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد ڈھلان نظر آئے۔ ان ڈھلانوں کے اختتام پر آبادی اور سرسبز و شاداب کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ آبادی کے مکانات نظر آ رہے تھے۔

میں نے یہ فاصلہ طے کیا اور آبادی کے قریب پہنچ گیا۔ ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں رک کر میں اس آبادی کا جائزہ لینے لگا اچانک میری نظر درخت سے کچھ فاصلے پر اٹھ گئی تو میں چونک پڑا۔ کلام پاک کا ایک پھٹا ہوا ورق تھا جو تھوڑے فاصلے پر پڑا ہوا نظر آ رہا تھا اس پر مقدس آیت لکھی ہوئی تھی، بے اختیار میرے دل میں احترام کا جذبہ ابھرا۔ یہ ورق ہوا سے اڑ کر اس طرف آ گیا تھا۔ میں جلدی سے آگے بڑھا اور میں نے ورق کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے میرے ہاتھ میں آگ لگ گئی ہو۔

اتنی شدید تپش اور جلن تھی جیسے جہنم کی آگ کو چھو لیا ہو۔ میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اتنے میں ہوا کا ایک جھونکا آیا اور کلام مقدس کا وہ ورق ہوا میں اڑ گیا۔ میرے ہاتھ میں اب بھی شدید جلن تھی اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں نے دہکتا ہوا لوہا چھو لیا ہو۔ میں کرب کے عالم میں اپنا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا۔ کلام پاک کا ورق اڑ کر کہیں سے کہیں چلا گیا تھا۔ اس بات نے دل پر شدید دباؤ ڈالا مجھے یوں لگا جیسے مجھے بتایا گیا ہے کہ میں اپنا مقام کھو چکا ہوں اور اس آیت مقدس کو چھونے کے قابل نہ رہا ہوں۔ آنکھوں

میں آنسوؤں کی نمی آ گئی۔

اب کیا کروں...... میرا تو قصور نہیں تھا۔لیکن۔ دل کوشدید صدمہ ہوا۔

دل ودماغ سخت اضطراب کا شکار ہوگئے۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں جیسے سلب ہوگئی تھیں ذہن پر دباؤ شدید ترین ہوگیا اور مجھے یوں لگتا جیسے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ اور پھر مجھ پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور میں وہیں گر پڑا۔

پھر جس جگہ جاگا وہ ایک خوبصورت گھر تھا میں ایک بستر پر تھا اور میرے بستر کے برابر ایک بڑی کھڑکی کھلی ہوئی تھی جس کے دوسری طرف کا منظر کھلا نظر آ رہا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور بادلوں کے نیچے ایک خوب صورت باغیچہ پھیلا ہوا تھا دور ایک لکڑی کا پرانے طرز کا پھاٹک نظر آ رہا تھا باغیچے میں خوب صورت درخت جھوم رہے تھے درمیان میں ایک روش تھی جو بہت پیاری لگ رہی تھی۔

پھر دو شوخ سی لڑکیاں اندر داخل ہوگئیں بالکل جوان تھیں اور جوانی لازمی طور پر خوب صورت ہوتی ہے اس لحاظ سے وہ خوب صورت تھیں۔ان میں سے ایک نے آنکھیں مٹکا کر شوخ لہجے میں کہا۔

''اب اٹھ بھی جایئے مہاراج، بادل چھلکنے کو تیار ہیں۔''

''اشنان کرلیں، ناشتہ تیار ہے۔'' دوسری بولی۔

''کپڑے بدلیں گے آپ؟'' پہلی نے پوچھا۔

''لو...... یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔''

وہ باتیں کرتی رہیں میں نے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ دماغ دکھ رہا تھا اس وقت کسی بات پر غور کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ جو کچھ کہتی رہیں میں کرتا رہا، غسل کیا دوسرا لباس پہنا پھر ناشتہ کیا کسی بتا پر میں نے تعرض نہیں کیا تھا طبیعت کافی ہلکی ہلکی لگ رہی تھی میں خود کو بہلانا چاہ رہا تھا ذرا سی سوچیں اجاگر ہوئیں تو دل اٹنے لگتا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے اور مجھے کیا کرنا چاہئے۔

ان دونوں لڑکیوں سے میں نے ان کے نام بھی نہیں پوچھے تھے۔ لیکن وہ مجھ سے کافی بے تکلف ہوگئی تھیں۔ پورا دن گزر گیا۔ میں اسے بے کیف نہیں کہہ سکتا تھا ان دونوں نے مجھے بور نہیں ہونے دیا تھا۔

ویسے میں ذہنی طور پر حاضر تھا۔ مجھے سب کچھ یاد تھا لیکن اسے خود پر مسلط کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ گویا خود کو بھلانے کی سی کیفیت تھی۔ یاد کرتا تو دل بیٹھنے لگتا تھا۔ اتنا ضرور جانتا تھا کہ یہ سب کیداری اور بنسی راج کا کیا دھرا تھا۔ وہ لوگ مجھے اپنے جال میں پھنسانے کے لئے یہ سب کر رہے تھے۔ اور میں ایک طرح سے بے بس ہوگیا تھا۔ خاص طور سے کلام پاک کے اس ورق والے واقعہ نے مجھے بہت دکھی کر دیا تھا لیکن میں ایسی کوئی بات ذہن میں نہیں لانا چاہتا تھا جو مجھ سے میرا بچا کھچا ایمان بھی چھین لے۔

پورا دن گزر گیا۔ بادلوں نے سارا دن آسمان پر گشت کیا تھا اور موسم بے حد حسین رہا تھا۔ اس عمارت میں مرد بھی تھے اور دو تین مزید عورتیں بھی۔ شام کو باغیچے میں کرسیاں لگا دی گئیں۔ اور وہیں میرے لئے چائے کا بندوبست کیا گیا۔

پھر ایک کار عمارت میں داخل ہوئی اور میری نظریں اس طرف اٹھ گئیں۔ کار تھوڑے فاصلے پر آ کر رک گئی۔ پچھلا دروازہ کھلا اور اس سے کوئی نیچے اترا۔ گولڈن کلر کی انتہائی قیمتی جھلمل کرتی ساڑھی میں ملبوس ایک عورت نیچے اتری اور میں اسے دیکھنے لگا۔ میں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور اچانک میرے حواس پر ایک بجلی سی گری۔ یہ عورت...... یہ عورت...... یہ چہرہ...... اوہ میرے خدا۔ ناقابل یقین تھا۔ یہ گنگا سری تھی ہیرالعل کی بیٹی گنگا سری جسے مامون خان نے پامال کیا تھا اور اس نے خودکشی کرلی تھی اور وہ جو میرے خاندان کی دشمن تھی اور میرے آدھے خاندان کو ہلاک کر چکی تھی۔

یہ وہی گنگا سری تھی۔ ایک روح ایک گندی آتما، لیکن بڑی شان سے وہ میری طرف آ رہی تھی۔ گندی

آتماؤں کا گورکھ دھندا۔ میں اسے دیکھ کر شدید حیران تھا۔ بنسی راج، کیداری کو خود کو اشیش پر لوکتا کا داسی کہتے تھے وہ مجھے کالی دیوی کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے اور میں انہیں کے قبضے میں تھا۔ اور اب یہ گنگا سری، یہ تو خالص کالی دیوی کے گروپ سے تھی یہ یہاں کیسے۔ کمال کی بات تھی۔

وہ میرے قریب پہنچ گئی۔ اور پھر وہ بڑے دلربا انداز میں مسکرائی۔ اور بولی۔

''کیسے ہیں اشرف خان مہاراج۔''

''جیسا ہوں تمہارے سامنے ہوں۔''

''تم سے بھاری دشمنی ہے میری۔ اگر نہ ہوتی تو......'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔''

''دشمنی نکالنے آئی ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں۔''

''خاص طور سے دوستی کرنے آئی ہوں۔''

''خاص طور سے کیوں؟''

''تم نے میرا رام سروپ مجھے دے دیا ہے۔'' وہ بولی اور میں چونک پڑا۔ مجھے رام سروپ یاد آ گیا جو اس کا محبوب تھا۔ اور جس کا ڈھانچہ میں نے پرانی حویلی کے تہہ خانے سے نکالا تھا۔ مجھے یاد تھا کہ یہ ہمیشہ مجھ سے دو ہی باتیں کرتی تھی میرا سروپ تلاش کردو، میرا زیور مجھے دے دو۔ اور بالکل اتفاقیہ طور پر رام سروپ مجھے مل گیا تھا خود اس نے بھی میرا شکریہ ادا کیا تھا۔

''رام سروپ تمہارے پاس پہنچ گیا۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، تمہاری مہربانی سے۔''

''چلو اچھی بات ہے۔ ویسے تم جانتی ہو گنگا سری کہ تمہارا مجرم میں نہیں تھا۔ مامون خان بیشک میرے دادا تھے لیکن میرا قصور یہ تھا کہ میں ان کا ہم شکل تھا۔''

''بس۔ خرابی یہ تھی کہ تم اس پاپی کے پریوار کے تھے۔''

''کہاں ہے رام سروپ؟''

''آرام کررہا ہے۔''

''اب تم یہ بتاؤ کہ تم میرے پاس کیسے آئی ہو۔''

''کھیل بدل گیا ہے۔''

''کیسا کھیل؟''

''بتاتی ہوں۔'' اس نے کہا اور سوچ میں ڈوب گئی لیکن میرے ذہن میں نہ جانے کیا کیا آنے لگا تھا۔ کیسی عجیب بات ہے، آج بھی لوگ بھوت پریت کے نام سے کانپتے ہیں گندی روحوں کی کہانیاں عام ہیں جادو ٹونوں، تعویز گنڈوں کے کھیل الگ ہوتے ہیں ویران کھنڈرات اور پرانی عمارتوں کے قریب سے بھی لوگ گزرنے سے کتراتے ہیں سڑکوں پر جادوگری ہوتی ہے کالے جادو کے ''توڑ'' اور ''جوڑ'' کے ماہر لاکھوں کماتے ہیں ناپاک روحوں کا تصور آج بھی پوری آب وتاب سے زندہ ہے۔ دادی امائیں لڑکیوں بالیوں کو کھلے بال چھتوں پر جانے سے منع کرتی ہیں کہ کہیں کوئی سایہ نہ چمٹ جائے خوف ناک کہانیوں کے لے تصویریں بنانے والے مصور بدروحوں کی بھیانک تصویروں میں لمبے دانت اور خون میں ڈوبے چہرے، سر پر سینگ جیسی تصویریں بناتے ہیں۔ انہوں نے اپنی سوچ نہیں بدلی جبکہ گندی روحوں نے اپنی سوچ بدل دی ہے۔ وہ بھی وقت کے ساتھ بدل گئی ہیں اب وہ ویران کھنڈرات میں رہنے کے بجائے گھروں کوٹھیوں میں رہتی ہیں کاروں میں گھومتی ہیں، کیا خیال ہے میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔ ''ناپاک اور گندی'' روحوں کی بات کررہا ہوں۔

اور اس وقت جو گندی روح میرے پاس بیٹھی تھی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اس نے جو ساڑی باندھی ہوئی تھی وہ کم ازکم دو لاکھ روپے سے کم نہیں ہوگی اور اس نے جو جیولری پہنی ہوئی تھی وہ بالکل نقلی نہیں بلکہ اصلی سونے کی اور بے حد نفیس میچنگ تھی بس یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ آج کل یہ گندی روحیں ہی خوشحال ہیں زندہ لوگ تو بے چارے مردہ ہی نظر آتے ہیں۔ گنگا سری نے کہا۔

''آتماؤں کی سیاست بھی بدل گئی ہے۔ کال

منڈل میں نئے نئے پنتھ جنم لے رہے ہیں جس طرح سائنس ترقی کررہی ہے اسی طرح آتما بھون میں بھی نئے نئے کام ہورہے ہیں پہلے بھی دوتین پنتھ جیوت تھے کالی پنتھ، گروشکتی، درگاشکتی، اشیش پرلوکتا، اب یوں ہوا کہ جیتے جاگتے انسانوں نے بھی آتماؤں کی شکتی حاصل کرنا شروع کردی ہے وہ آتما شکتی کو اپنی مٹھی میں لے کر آتماؤں پر حکمرانی کرنے کی کوشش کررہے ہیں جیسے تمہارے دھرم کے عالم، جنوں اور بھوتوں کو منتر پڑھ کر قبضے میں کرتے ہیں اسی طرح آتماؤں کے شکاری نئے جال لے کر نکل پڑے ہیں اور بڑے اندھیر مچارہے ہیں۔"

بڑے مزے دار جملے تھے۔ مجھے ہنسی آنے لگی لیکن میں سنجیدہ رہا۔ اور اس کے آگے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

"نہ صرف کال دھرم بلکہ اشیش پرلوکتا بھی اس دھگدا میں پڑ گیا ہے اس کی تفصیل تمہیں بعد میں پتہ چل جائے گی۔"

"ٹھیک۔ آگے کہو۔"

"عارضی طور پر مہا کالی کنڈل اور اشیش پرلوکتا نے آپس میں سمجھوتا کرلیا ہے یہ دونوں مل کر ایک تیسرے دشمن کے خلاف کام کریں گے اور اس میں تم پیش پیش ہوگے خان صاحب۔"

"اب میں ہنسی نہ روک سکوں گا۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"لے دے کر تمہاری تان مجھی پر ٹوٹتی ہے میں کیوں پیش پیش ہوں گا تمہارے پنتھ میں اور کوئی اس قابل نہیں ہے۔"

"اس میں ایک راز ہے۔" وہ بولی۔

"کیا راز ہے۔"

"راز بتائے نہیں جاتے۔"

"خیر مجھے اتنی دلچسپی بھی نہیں ہے۔"

"ایسا مت کہو، تمہیں سچے من سے ہمارے لئے کام کرنا ہوگا۔ تمہیں راج کردھنی کے حکم پر ہر وہ چیزیں استعمال کرادی گئی ہیں جن سے تمہارا دھرم تو تم سے چھن گیا ہے اب وہ کرو جو اشیش پرلوکتا یا کالی دھرم کے لوگ تم سے کہیں۔"

"ویری گڈ اور میں تمہاری بات مانوں گا۔" میں نے کہا۔

"ماننی پڑے گی۔ ایک منش کا جیون لینا ہمارے کالے دھرم میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ مہا کالی کے چرنوں میں سنسار بھر میں بے شمار انسانوں کی بلی دی جاتی ہے تمہیں بھی بکری کے بچے کی طرح اس کے چرنوں میں ذبح کیا جاسکتا ہے لیکن تم خوش نصیب ہو کہ "میورسنکھٹ" ہو بہت سے جادو کا توڑ تمہارے شریر میں ہے یہ شکتی ان لوگوں میں ہوتی ہے جو چاند گرہن کے سائے میں جنم لیتے ہیں۔ کھلے آسمان کے نیچے ایسے لوگ لاکھوں کروڑوں میں ایک ہوتے ہیں اور سارے پنتھ انہیں ساتھ رکھنا چاہتے ہیں بس اس لئے کوئی پنتھ تمہارا جیون نہیں لینا چاہتا۔ تمہیں یاد نہیں تمہاری حویلی میں ہمارے بدلے کی آگ پھیلی ہوئی تھی اس آگ کو کیوں روکا گیا۔"

"کیوں روکا گیا؟"

"کیونکہ جمنا داس نے ایک جاپ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ تم میوسنکھٹ ہو۔"

"جمنا داس کون......؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہی جو تمہارا سسر تھا۔"

"مینکا کا باپ؟"

"ہاں۔ بڑی یاد آتی ہے مینکا۔" گنگا سری نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے اس کے بارے میں بتا سکتی ہو۔"

"جیوت ہے کلنکنی۔" گنگا سری نے جلے کٹے لہجے میں کہا اور میرے اندر خوشی کی لہر پھوٹ پڑی۔ میں نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"وہ زندہ ہے۔"

"ہاں۔ کہانا جیوت ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

''میری جیب میں رکھی ہے، لوگے۔''
''بتاؤ گی نہیں اس کے بارے میں۔'' ان دونوں کو تو جلا کر ختم کر دیا گیا تھا۔
''درگا پنتھ کے لئے دونوں اور یہ کام بھی تمہارے چاچا نے کیا تھا۔''
''فرید خان نے۔''
''ہاں۔''
''تو پھر وہ بچ گئے۔''
''ہاں۔ جمنا داس بھی بڑا شکتی مان ہے۔'' اس نے وہ جگہ چھوڑ دی، چاہتا تو اینٹ سے اینٹ بجا سکتا تھا، فرید خان کی حویلی کی۔ مگر وہ دوسرے سنسکار رکھتا ہے۔
''وہ ہے کہاں؟''
''جاننا چاہتے ہو اس کے بارے میں؟'' اچانک گنگا سری مسکرا دی۔
''ہاں۔''
''تو سودا کرلو۔'' اس نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
''وہ کیسے؟''
''کھل کر ہمارے ساتھی بن جاؤ۔ ہم تمہیں ایک موقع دیں گے۔''
''کیسا موقع؟''
''مینکا پسند ہے تمہیں؟''
''آگے بکو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔
''اس میں جمنا داس کی جان ہے، اپنی بیٹی کے لئے جی رہا ہے وہ۔''
''ہوں۔ پھر؟''
وہ درگا پنتھ میں ہے۔ اور بڑا شکتی مان ہے اسے کالی پنتھ میں لے آؤ۔ تمہیں مینکا مل جائے گی۔'' گنگا سری نے کہا اور میں اسے گھورنے لگا۔ اچانک ایک خیال میرے دل میں کوندا۔ میں نے فوراً کہا۔
''ایک اور سودا کر سکتا ہوں میں گنگا سری۔''
''بولو۔'' اس نے امید بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔
''فرید خاں کالی پنتھ میں ہے۔''
''ہاں۔ کہہ لو۔''
''کہہ لو کیا مطلب؟'' وہ تو کھل کر اپنے دین ایمان کا سودا کر چکا ہے۔
''کسی بھی پنتھ کو اس پر اعتماد نہیں ہے۔ وہ مفاد پرست ہے، مفاد پر دوسری طرف لڑھک جاتا ہے صرف اپنے مطلب کی بات کرتا ہے بہت لالچی ہے اور کسی سے مخلص نہیں ہے خیر مگر تم جو کہنا چاہتے ہو کہو۔''
''میری ماں اس کے قبضے میں ہے۔''
''ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔''
''اسے آزادی دلا دو۔''
''تم ہمارے ساتھی بن جاؤ گے؟''
''اگر ماں مل گئی۔''
''اس پاپی کے من کی بات ہمیں معلوم ہے۔ اس نے تمہاری جائیداد پر قبضہ کرنے کے لئے تمہاری ماں کو قید کر رکھا ہے وہ صرف اس شرط پر تیار ہوگا کہ تم ماں بیٹے ساری جائیداد اس کے نام کر دو۔''
''مجھے علم ہوا ہے کہ اس کے بعد وہ ہم دونوں کو قتل کر دے گا۔'' میں نے کہا۔
''اگر تم کالی پنتھ میں سچے من سے شامل ہو جاؤ تو وہ تمہیں نہیں مار سکے گا۔ ہاں تمہاری ماں کے بارے میں نہیں کہہ سکتی۔ نہ ہی ہم اسے مجبور کر سکتے ہیں۔ ویسے تم کہو تو کوشش کی جاتی ہے۔''
''تم کوشش کرو، میری ماں کو میرے سامنے لے آؤ، شاید میں تمہاری بات مان لوں۔''
''ٹھیک ہے، ہم جلد ہی دوسری ملاقات کریں گے۔'' اس نے کہا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، بہت سے سوال چھوڑ گئی تھی روحوں کی سیاست، مرنے کے بعد بھی ایک کھیل شروع ہو گیا لیکن میں اسے بالکل نہیں مانتا غلیظ روحیں ہی موت کے بعد بھٹکتی پھرتی ہیں۔ یا پھر یہ جادو وغیرہ کے کھیل میرے دین میں روحوں کا یہ تصور

نہیں ہے۔"

دل کو ایک دھکا سا لگا۔ میں کیا رہ گیا ہوں۔ مجھے کیوں راندۂ درگاہ کردیا گیا ہے میں نے اپنے دین کے خلاف ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے مجھے تو دھوکے سے ناپاک کیا گیا ہے۔ مجھ سے تو دھوکے سے میرا ایمان چھینا گیا میرا قصور تو نہیں تھا لیکن مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اب میں ناپاک ہوچکا ہوں، میں مقدس آیات کو چھونے کے قابل نہیں رہا ہوں۔

دوسری بات خوشخبری تھی یعنی مینکا اور جمنا داس جی زندہ ہیں، یہ خوشی کی بات تھی شاید کبھی ان سے بھی ملاقات ہوجائے۔ نہ جانے کتنی دیر، میں سوچتا رہا تھا فیصلے کرتا رہا تھا۔ اور پھر میں نے ایک گہری سانس لی میں ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا برائی کے جواب میں برائی، چالاکی کے جواب میں چالاکی۔

☆......☆......☆

کیداری جھینپتا جھینپتا میرے سامنے آیا تھا۔

"جے اشیش پرلوکتا مہاراج۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے۔ میں ہنس پڑا تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

"ہنسے کیوں مہاراج۔" اس نے کہا۔

"بس ایسے ہی، دشمن دوست بن گئے یہ خبر مجھے گنگا سری نے دی ہے، حالانکہ میں تمہارا مہمان تھا۔"

"بس مہاراج۔" اب لوک اور پرلوک میں بھی سنسار کی سیاست جاگھسی ہے، گنگا سری نے یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ ہم تیسرے دشمن کے خلاف متحد ہوئے ہیں۔

"نہیں۔" مجھے اس تیسرے دشمن کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔

"وہ آپ کو میں بتاؤں گا، ویسے آپ نے اپنا نام شکتی آنند تو سویکار کرلیا ہے۔

"نہیں۔" میں نے گنگا سری سے اپنی کچھ شرطیں بتائی ہیں۔

"میں ان شرطوں کا جواب لایا ہوں۔"

"تم؟"

"ہاں۔"

"گنگا سری کیوں نہیں۔"

"وہ کہتی ہے تم اس کی بات نہیں مانو گے۔ ہم اگر خود ہی اس کے بارے میں فیصلہ کریں، میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں مہاراج۔"

"ہوں کہو۔!"

"کچھ بندوقیں دوسروں کے کندھوں پر رکھ کر چلائی جاتی ہیں لیکن ہتھیار ہمیشہ اپنے ہاتھوں میں، اپنے بس میں ہو تو زیادہ مزہ آتا ہے۔"

"واہ واہ، ہزاروں بار کی گھسی پٹی بات کہی ہے تم نے۔" میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"کیسی ہی ہو، لیکن ہے سولہ آنے کھری۔ تمہیں خود بڑی شکتی مل رہی ہے کس کی مجال ہوگی جو تمہارے سامنے ٹکے، اب بات تمہارے کانوں تک پہنچ گئی ہے تو مجھے بھی بتانے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے۔ تم میور سنکھٹ ہو، میور سنکھٹ کالے گیان کی آخری منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ میور سنکھٹ وہ ہوتا ہے جو پورے چاند گرہن میں کھلے آسمان کے نیچے پیدا ہوتا ہے، چاند گرہن کالے علم والوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے اور میور سنکھٹ جادو کا وردان ہے۔ چلو چھوڑو ان باتوں کو اب بتاؤ کیا چاہتے ہو؟"

"میرے چاہنے سے کیا ہوگا؟"

"کیوں؟ مطلب۔" وہ بولا۔

"مطلب تم جانتے ہو تم لوگوں نے دھوکے سے مجھے نہ جانے کیا پلا دیا ہے اچھا خیر تم مجھے بتاؤ تم نے اپنے اپنے پنتھ چھوڑ کر آپس میں اتحاد کیوں کیا ہے جبکہ کچھ ہی وقت پہلے تم بری طرح ایک دوسرے کے خلاف تھے۔"

"چندر کانتا پھر سے جاگ گئی ہے۔"

"یہ کون ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"وہ پاپن صدیوں پرانی آتما ہے جنم جنم کی آگ میں سلگ رہی ہے اگر سنسار کے سارے کالے جادو والے اس کے خلاف نہ ہوجاتے تو اس وقت اس کا جادو سب سے بڑا ہوتا۔ کامل دیوی اس کے سامنے کچھ

نہ ہوتی مگر یہ اس سے کرنے کی بات نہیں ہے۔"
"مجھے کیا کرنا ہے؟"
"تم ایک طرف کی بات کرو تو میں بات آگے کروں۔"
"میں نے کب منع کیا ہے؟" میں نے اپنے نئے منصوبہ کے تحت کہا۔
"کیا مطلب؟"
"میں تمہارے ساتھ کام کرنے کو تیار ہوں۔" میں نے کہا اور وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ "اب مجھے یہ بتاؤ مجھے کرنا کیا ہے؟"
"بس مہارج۔ آپ کو تھوڑے دنوں کی سیکھ دی جائے گی اور اس کے بعد آپ کو باندی پور، جانا ہوگا۔ ہاں آپ تلک رام پانڈے جی سے ملیں گے۔ پانڈے جی کے باپ دادا راجہ تھے۔ باندی پوران کی راجدھانی تھی۔ لیکن انگریزوں نے ان سے ان کی ریاست چھین لی۔ ان کے راجہ کا خطاب بھی چھین لیا گیا بس اب انہیں ایک بھاری وظیفہ ملتا ہے پانڈے جی بڑے دل والے ہیں۔ آج بھی ان کی راجہ والی شان نہیں گئی۔ ایک ماہر شکاری ہیں اور ہمیشہ درندوں کا شکار کرتے ہیں۔ بہت سی کہانیاں مشہور ہیں ان کے بارے میں۔ سنا ہے شکار کی آڑ میں انہوں نے کئی انگریز شکار کر ڈالے جن کے بارے میں انہیں معلوم تھا کہ وہ ان دشمنوں میں شامل تھے جنہوں نے باندی پوران کے پرکھوں سے چھین لیا۔
"ارے واہ۔ پھر تو وہ مزے کی چیز ہوں گے۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔
"آپ کو وہاں جا کر مزہ آجائے گا۔ بڑے دل لگی والے لوگ ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ شکاریوں کی بڑی عزت کرتے ہیں آپ کو ایک بڑے شکاری کے طور پر وہاں جانا ہوگا۔"
"شکاری کے طور پر۔" میں ہنس پڑا۔ پھر بولا۔" میں نے تو صرف مچھلیوں کا شکار کیا ہے اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں ماری۔"
"کیوں مہاراج۔" ہیں تو آپ بھی نوابی خاندان سے۔"
"تو پھر؟"
"مطلب یہ کہ رئیسوں اور نوابوں کا تو شوق ہی سیر و شکار ہوتا ہے۔ پھر آپ سے داداجی مامون خان تو بہت بڑے جاگیردار تھے۔"
"وہ شکاری بھی تھے۔" میں نے کہا۔
"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔"
"لیکن وہ خوب صورت لڑکیوں کا شکار کھیلتے تھے اور...... سارا بگاڑ اسی وجہ سے پیدا ہوا۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
"اوہ ہاں۔ ہیرالعل مجھے بتا چکا ہے۔ انہوں نے اس کی بیٹی ماردی تھی خیر تو میں کہہ رہا تھا کہ وہ شکاریوں کی بڑی عزت کرتے ہیں اور آپ ایک شکاری کی طرح ان کے پاس جائیں گے اور آپ کو ایک بڑا شکاری بننے کی سیکھ دی جائے گی۔"
"یعنی مجھے نشانہ بازی کی مشق کرائی جائے گی۔"
"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔"
"تو پھر؟"
"راج کردھنی راج جاتا ہے۔ بس ایک پھونک مارے گی اور آپ کا نشانہ جیون بھر خالی نہیں جائے گا۔"
"ارے واہ، یہ تو بڑا آسان طریقہ ہے۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔ میری یہ دلچسپی جعلی نہیں تھی میں جس جمود کا شکار تھا وہ میری جان لئے لے رہا تھا پاکستان چھوڑ کر بس اسمگلر کا شکار ہو کر یہاں ہندوستان میں آگھسا تھا اور ایک بے گناہ مجرم بن گیا تھا۔ لیکن میرے پاس اپنی بے گناہی کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ اور یہ لوگ اسی بنا پر مجھے بلیک میل کر رہے تھے۔
"کس سوچ میں پڑ گئے مہاراج۔" کیداری نے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔ میں تمہارے کہنے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔"
وجے اسٹیشن پر لوکتا۔ تو پھر آپ کا کام ٹھیک ہے

؟ میرا مطلب ہے شکتی آنند؟'' کیداری نے خوش ہوکر کہا۔
''تم میرا نام دھوبی کا گدھا بھی رکھ سکتے ہو۔ کیا فرق پڑتا ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔
''آپ کی یہ بیزاری بے وقت ہے۔ باندی پوجائیں گے تو آتما خوش ہوجائے گی۔ خاص طور سے میں آپ کو جیوتی رائے کے بارے میں خبر دیتا ہوں۔ وہاں آپ کو وہ ملیں گی۔
''جیوتی رائے۔ یہ کون شریمتی ہیں؟''
''بس آپ کو دیکھ کر ہی اندازہ ہوگا۔ وہ آپ کے من کو مٹھی میں لے لیں گی۔ اورانہیں کی مدد سے آپ کو سارے کام کرنے ہوں گے۔ ہمارے گردجودشمن آتمائیں پھیل گئی ہیں ان کی سربراہ چندرکانتا ہے، آپ کو کالی دیوی اورراج کردھنی کے لئے اس کے خلاف کام کرنا ہے۔ اوراس کا آغاز مہاراج باندے کی حویلی سے ہوگا۔
''چلوٹھیک ہے۔ اب مجھے کیا کرنا ہے؟''
''بس تھوڑی سی کاریگری سیکھنی ہے آپ کو۔''
''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔
''تنہائی میں سوچوں کے سوا اور کیا تھا۔ جن حالات سے واسطہ پڑا تھا ان میں سب سے بڑا دکھ کا پہلو یہ تھا کہ ماں فرید خان کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی۔ اورفرید خان کا کردار سب سے عجیب تھا۔ بد بخت ایمان کھوچکا تھا مگر کیا ملا تھا اسے، اپنی شیطنت کے ذریعہ وہ جائیداد تک پر قابو نہیں جاسکا تھا اس سے زیادہ بدنصیب اورکون ہوسکتا تھا وہی بات کہ'' کہ قدرہی ملا، کہ وصال صنم'' جہنم تیار کرلیں اپنے لئے۔ میری بات اورتھی۔ اللہ جانتا تھا کہ میں آپ تک دل سے اس ناپاک جادوگروں کو قبول نہیں کرسکا تھا۔ میرے دل میں آج بھی یہی خیال تھا کہ ماں مل جائے تو کوئی گوشہ اپنالوں۔ ہر چیز پر لعنت بھیج دوں بس فرید خان سے مل کراس کی مانگ بھی پوری کردیتا اور جائیداد کے کاغذات پردستخط کردیتا۔ لیکن فرید خان جس کے لئے میرے دل سے تصورتک نکل گیا تھا کہ وہ میرا چچا ہے۔ اس کے بارے میں بتادیا گیا تھا کہ کاغذات کی تکمیل کے بعدوہ ہمیں ایک لمحے کے لئے زندہ نہیں چھوڑے گا۔
مجھے ایک بالکل نئی اوربے حد وسیع عمارت میں پہنچادیا گیا یہاں بہت سے لوگ موجود تھے میرے لئے بہت اعلیٰ درجے کی بندوقیں رکھی گئیں اور مجھے ان کا استعمال سکھایا جانے لگا۔ اپنی نشانہ بنازی پر مجھے خود حیرت ہوئی تھی کیداری کئی بار میرے پاس آیا تھا اوراس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔
''آپ کو پتہ ہے شکتی آنند راج کمار کہ آپ کتنے ہارس پاور کے ہیں۔''
''کیا بکواس ہے۔''
''نئے دور میں طاقت کا اندازہ گھوڑوں کی طاقت سے ہی لگایا جاتا ہے۔''
''میں نہیں سمجھا؟''
''آپ نے اپنا نشانہ دیکھا ہے۔'' وہ بولا۔
''ہاں۔ مگروہ میرا کہاں ہے۔ تم مجھے بتاچکے ہو کہ وہ پوشیدہ آتماؤں کی شکتی ہے۔'' میں نے کہا۔
''اس طرح پوشیدہ آتمائیں آپ کے شریر کی شکتی بھی بن گئی ہیں۔ اگر شیر بھی آپ کے سامنے آجائے تو آپ اس کی ٹانگیں چیرکر پھینک سکتے ہیں۔''
''بکواس کررہے ہو۔'' میں نے پھیکی سی ہنسی سے کہا۔
''اب تجربہ تو کرا نہیں سکتا۔ میری بات ہی مان لیں تو کرپا ہوگی۔'' کیداری نے ہنس کرکہا۔ بعد میں بھی ہنس کرخاموش ہوگیا۔ لیکن اس دوران چھوٹے موٹے واقعات سے مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ میرے بدن میں بھی بے پناہ قوت آگئی ہے۔
بہت سی خواہشیں میرے دل میں پیدا ہوئی تھیں۔ مینکا کی زندگی کی بھی خبرمل چکی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ اس سے ملاقات کروں، لیکن ایسا ممکن نہیں تھا کیونکہ وہ درگا پنتھ سے تھی۔ اوردرگا پنتھ ان لوگوں کا

ناپسندیدہ پنتھ تھا بلاوجہ اس کی زندگی خطرے میں پڑجائے گی۔

کیداری اکثر میرے پاس آتا رہتا تھا اور بتاتا تھا کہ اب میری روانگی کے سلسلے میں کیا ہورہا ہے۔تلک رام بانڈے کے بارے میں اس نے کہا۔''بانڈے ایک جنونی شکاری ہے۔ اس کا زیادہ وقت جنگلوں میں شکار کرتے گزرتا ہے ایک شکاری کی حیثیت سے بانڈے کا نام پورے ہندوستان میں گونجتا ہے۔لیکن ان دنوں ایک نئے نام کی بڑی جے جے کار ہورہی ہے۔''

''کس سلسلے میں؟''میں نے پوچھا۔

''شکاری کے سلسلے میں۔''

''کوئی اور شکاری ہے۔اوراس کا نام پتہ ہے کیا ہے؟''

''مجھے کیا پتہ؟''میں نے سادگی سے کہا۔

''شکتی آنند۔''کیداری نے کہا۔

''کیا......''یہ تو تم نے میرا نام بھی رکھا ہے۔''

''اس نام کی جے جے کار ہورہی ہے۔''شکاریوں کے ٹولے جنگلوں میں اسے تلاش کرتے پھررہے ہیں۔ اس کے شکار کی کہانیاں تو خوفناک جنگلوں کے کنارے آباد بستیوں میں مل جاتی ہیں وہ خود نہیں ملتا۔

''مگر وہ ہے کون؟''

''شکتی آنند۔''کیداری نے مسخرے پن سے کہا۔میں نے اسے گھورا تو وہ جلدی سے بولا۔''آپ مہاراج۔آپ۔''

''اوہ۔بہت بڑا جال پھیلا ہے تم لوگوں نے۔'' میں نے کہا۔

''شکار بھی اتنا ہی خطرناک ہے مہاراج۔''

''یعنی چندرکانتا؟''

''ہاں شکتی آنند جی۔جوں جوں آپ ہم میں شامل ہوتے جائیں گے آپ پر بہت سے بھید کھلتے جائیں گے چندرکانتا اس سے تمام پنتھ والوں کے لئے بھینکر روگ نہیں ہوئی ہے اتنے نقصان پہنچانے ہیں اس نے سب کو کہ نہ پوچھو۔اسی لئے سارے پنتھ اکھٹے ہوگئے ہیں اس بات سے سمجھو کہ آپ پر کتنا بڑا بھروسہ کیا گیا ہے۔اور آپ کو کتنا بڑا کام کرنا ہے۔

''اوراگر میں نہ کروں تو؟''میں نے مسکرا کر کہا۔اور کیداری سنجیدہ ہوگیا۔پھر بولا۔

''دیکھو مہاراج۔سنسار میں سارے کام ہو ہی جاتے ہیں لیکن یہ بات آپ خود ہی سمجھ لیں کہ آپ کو اس کے بدلے کتنی بڑی شکتی مل رہی ہے۔فرید خان آپ کی ماں کو ساتھ لے کر خود آپ کے چرنوں میں آئے گا۔اور اپنے جیون کی بھیک مانگے گا۔''

میں خاموش ہوگیا۔ماں کے نام کے ساتھ ہی میری ساری شوخی ختم ہوجاتی تھی بعد میں خود کو دنیا کا سب سے ناکام انسان سمجھنے لگتا تھا جو اپنی ماں کو ایک دشمن کے چنگل سے نکالنے میں ناکام رہا تھا۔ایک اور ملاقات میں، میں نے کیداری سے پوچھا۔

''مجھے کب تک روانہ ہونا ہے کیداری؟''

''میں آج تمہارے پاس اسی کام سے آیا ہوں۔''

''ہوں......بتاؤ۔''

''کچھ سوالات ہیں شکتی جی۔اگر آپ کو کسی خطرناک درندوں بھرے جنگل میں چھوڑ دیا جائے تو کیا آپ پورے بھروسے کے ساتھ شکار کرسکتے ہیں۔''

''میں نہیں جانتا۔''

''نہیں......میرا مطلب ہے آپ خوف زدہ تو نہیں ہوں گے۔''

''شاید نہیں۔''

''لنگاسری کا یہی کہنا ہے۔''

''لنگاسری کا؟''میں نے چونک کر کہا۔

''ہاں، وہی تمہاری نگرانی کرتی رہی ہے۔اصل میں وہ خود بھی تمہاری بستی گجر گھاٹ کی رہنے والی ہے اور تمہیں خوب جانتی ہے۔''

''مجھے ایک بات بتاؤ کیداری۔''

''ہوں پوچھو۔''

''یہ کیا الگ پھیر ہے۔ گنگا سری تو ایک آتما ہے وہ تو اب اس سنسار کی باسی نہیں ہے چندر کانتا جو کچھ بھی کرے گی گنگا سری کو بھلا اس سے کیا نقصان پہنچے گا۔ پھر وہ کیوں اس کام سے اتنی دلچسپی لے رہی ہے۔''

''یہ سب جادو کے کھیل ہیں مہاراج، کون کیا کر رہا ہے کون جانے...... ہم اس پر غور نہیں کرتے۔''

''میں تمہاری بات نہیں مانتا۔ لیکن اگر تم نہیں بتانا چاہتے تو خاموش ہوا جاتا ہوں۔ لیکن ایک سوال مجھے مسلسل پریشان کررہا ہے۔'' میں نے کہا اور کیداری خود پریشان ہوگیا پھر بولا۔

''جو مرتبہ آپ کو کالی دھرم میں مل چکا ہے وہ بہت بڑا ہے۔ اور سب کو حکم ہے کہ آپ کو پریشان نہ رہنے دیا جائے کیونکہ آپ کو بہت بڑا کام کرنا ہے۔ آپ کیوں پریشان ہیں مہاراج۔''

''آخر یہ چندر کانتا کون ہے۔ کالی دیوی تو تمہارے دھرم میں جادو کی سب سے بڑی طاقت سمجھی جاتی ہے اس کے نام سے کالے جادو کا نام ہے پھر یہ چندر کانتا کون ہے جس کے سارے کالے دھرم خوف زدہ ہوگئے ہیں۔'' کیداری نے سر جھکا لیا۔ ''کیا ہوا، خاموش کیوں ہوگئے؟''

''اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''کیوں؟''

اس سوال کا جواب خود سے تمہیں دے گا ہاں اگر تم ہمارے دھرم کے ہوتے۔ اور ''وید، برہما، گیتا اور رامائن تم نے پڑھی ہوتیں تو تمہیں خود اس سوال کا جواب معلوم ہوتا۔'' میں خاموش ہوگیا میں نے دوبارہ اس بارے میں پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میرے ساتھ کام جاری تھا مجھے ہندوستان میں بکھرے ہوئے جنگلوں کے بارے میں تفصیلات بتائی جارہی تھیں یہ بڑے نامی گرامی جنگل تھے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تلک رام بانڈے شکاریوں کی دنیا میں بہت بڑا نام ہے اور یورپ کے انگریز شکاری اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔

غرض یہ کہ میری زندگی میں ایک نیا کھیل شروع ہوگیا تھا۔ یہ کھیل اس لحاظ سے بے حد سنسنی خیز تھا کہ خوف ناک کالی دیوی کا مقابلہ چندر کانتا سے تھا اور اس کے لئے تمام کالے قبیلے جنگل میں شریک ہوگئے تھے اور مجھے اس کالی فوجوں کا سالار بنادیا گیا تھا مجھے تلک رام بانڈے کے بارے میں پوری تفصیل بتادی گئی تھی۔ یہ بھی بتادیا گیا تھا کہ چندر کانتا بھی اس کے پاس موجود ہے ایک اور کردار کا نام بھی خاص طور پر لیا گیا تھا یہ تھا جیونی رائے، اس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہ بانڈے کی بہن ہے جسے بانڈے بہت چاہتا ہے۔ اور اس حویلی میں اس کی بڑی حیثیت ہے۔

کئی دن کے بعد انتظار ختم ہوا۔ اس کی خبر بھی مجھے کیداری نے ہی دی تھی۔

''بس مہاراج۔ آپ کے روانہ ہونے کا سمے آگیا ہے اس کے لئے ایک منصوبہ بنالیا گیا ہے اور اس کی تیاری پوری ہوگئی ہیں۔''

''کیا منصوبہ ہے؟''

''آپ سونا کماری کے جنگلات میں اس سے ملیں گے۔ آپ کی ملاقات شکار کے دوران ہوگی اس سمے آپ کے ساتھ دو دو شکاری ہوں گے۔''

''وہ کون ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''پیدا کئے گئے ہیں آپ کے لئے، ایک علاقہ ہے دریا گنج، وہاں کے جاگیردار بنائے گئے ہیں اور وہی سپورٹ کریں گے آپ کو۔ اس کے بعد ضروری ہوا تو انہیں آپ سے الگ کردیا جائے گا۔ لیکن یہ اس سمے ہوگا جب آپ کو تلک رام بانڈے کا ساتھ حاصل ہوجائے گا۔''

کیداری نے مجھے بہت سی ضروری باتیں بتائیں۔ اس کے جانے کے بعد میں اس کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ مجھے ایک دلچسپی کا احساس ہوا تھا حالانکہ سب کچھ حالات کی وجہ سے ہورہا تھا کھیل کہاں سے بگڑا تھا اور کہاں تک پہنچ گیا تھا۔ میں گجر گھاٹ کے ایک زمیندار خاندان کا فرد تھا دادا ابو روایتی زمیندار تھے، ظالم، اوباش، دوسروں کی

بہو، بیٹیوں پر بری نگاہ رکھنے والے۔ ان کی مکاریاں اس نیک نام ملکھان خاندان کو لے ڈوبیں، بہت سے مارے گئے اور بہت سے زندہ درگور ہوئے۔

اور اب میں جو کٹی پتنگ کی طرح ڈول رہا ہوں ان ناپاک قوتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہوں سانپ کے منہ میں چھچھوندر اٹکی ہوئی ہے نگلی جائے نہ اگلی جائے۔ اور اب ایک نیا کام شروع ہو رہا ہے جو میرے لئے تو بے معنی ہے لیکن یہ گندے علوم کے نیولے اس بارے میں بڑے جذباتی ہیں۔

تیاریاں مکمل ہوگئیں اور مجھے اس ناپاک مہم پر روانہ کردیا گیا۔ میں شکاری شکتی آنند کی حیثیت سے جنگلوں میں روشناس ہونے جارہا تھا۔ مجھے بہت ہی اعلیٰ رائفل دی گئی تھی جس پر میں نشانہ بازی کے ایسے کمالات رکھا سکتا تھا کہ عقل دنگ رہ جائے۔

ہم باندی پور کے حدود میں نکل آئے۔ پھر اس کی سرحدیں بہت پیچھے رہ گئیں جن شکاریوں کو میرے ساتھ کیا گیا تھا وہ دونوں درمیانی عمر کے لیکن کافی چاق وچوبند تھے۔ ان میں سے ایک کا نام سری سنگھ تھا۔ دوسرے کا گووند چاڑی، دونوں کافی خوش مزاج بھی تھے۔

''پڑاؤ کی پہلی رات ہمارا تفصیلی تعارف ہوا۔''

''اپنے بارے میں بتاؤ سری سنگھ۔''

''رانا سانگا کی سنتان میں سے ہوں مہاراج۔ پتاجی اس کی فوج کے افسر تھے۔ بڑے بہادر مانے جاتے تھے۔ سمے بدلتا گیا ہم بہت سے بھائی تھے۔ مجھے شکار کا شوق تھا پہلے ایک رئیس زادے کی حیثیت سے شکار کھیلتا رہا۔ اور جب برا سمے آگیا تو پیشہ ور شکاری بن گیا گوروں کو شکار کھلانے لگا اور اسے روزی بنالیا۔

''بنسی راج اور کیداری سے کیا تعلق ہے۔''

''راج کردھنی کا داسی ہوں اشیش پر لوکتا پنتھ سے تعلق رکھتا ہوں۔ بنسی راج جی نے آپ کے بارے میں بتایا اور میں ان کی آگیا پر آپ کے پاس آگیا۔''

''میرے بارے میں کیا جانتے ہو۔''

''یہی مہاراج کہ آپ بہت بڑے راج کمار ہیں شکار کے رسیا، ہمیں آپ کے ساتھ رہنا ہے اور آپ کو تلک رام باندے جی تک پہنچانا ہے۔''

''اوہ، مجھے وہاں کیوں پہنچانا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ ہمیں نہیں معلوم۔''

''اور تم گووند چاڑی۔'' میں نے دوسرے شکاری سے پوچھا۔

''کچھ ایسی ہی کہانی میری ہے مہاراج۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں کالی پنتھ سے ہوں۔ میں کالی کا داس۔'' گووند نے جواب دیا۔

''ارے واہ۔ دو دشمن، دو دوست۔'' میں نے دلچسپی سے کہا۔'' اس بات کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

جیپوں کا سفر جاری رہا۔ شکاریوں کی ڈیوٹی تھی کہ مجھے اسی انداز میں باندی پور پہنچایا جائے جس طرح وہ لوگ چاہتے ہیں۔ میں نے ہری سنگھ سے پوچھا۔

''تلک رام کے بارے میں معلوم ہے وہ اس وقت کہاں ہے۔''

''جنگلوں میں شکار کھیل رہا ہے۔''

''ہمارا یہ سفر کتنا طویل ہے۔''

''ابھی فاصلہ ہے مہاراج۔''

''کتنا۔''

''کافی زیادہ ہے۔ ہمیں گھوڑا پانڈی پہنچنا ہے، اس کے بعد جیپیں چھوڑنی پڑیں گی۔''

''اوہو۔ کیوں؟''

''آگے گھنے جنگل شروع ہوجاتے ہیں جن میں جیپیں سفر نہیں کرسکتیں۔''

''پھر؟''

''نہیں مہاراج۔ گھوڑوں کا انتظام ہے۔''

''او گڈ۔'' میں نے کہا۔ واقعی اب مجھے مزہ آرہا تھا یہ دونوں بھی بہت اچھے تھے۔ احترام کرنے والے ہمارا یہ سفر ایک بستی پر ختم ہوا۔ یہ ان آبادیوں کی آکری بستی تھی نہ جانے کس طرح ہر جگہ بندوست کیا گیا تھا اس بستی کے ایک بڑے کشادہ گھر میں ہم نے رات گزاری، وسیع گھر تھا جس کے بڑے بڑے برآمدے

میں کالی کا ہیبت ناک مجسمہ ایستادہ تھا، یہاں اعلیٰ پیمانے پر کالی پوجا ہوتی تھی جس کے اثرات نظر آرہے تھے۔ ہیبت ناک مجسمے کے پیروں کے پاس ایک بڑا سا کنڈل بنا ہوا تھا جس میں خون کے تھکلے کے تھکلے جمع تھے۔ یہاں کالی کے چرنوں میں قربانیاں دی جاتی تھیں اب یہ پتہ نہیں کہ انسانوں کو یا جانوروں کو۔

گوند جاڑی وہاں آتے ہی کالی کے چرنوں میں بیٹھ گیا تھا۔ جبکہ سری سنگھ منہ بنا کر ایک طرف ہٹ گیا۔ بہت سے لوگ آجا رہے تھے کچھ پوجا کے لئے اور کچھ ایسے ہی درشن کرنے کے لئے۔

میں خاموشی سے یہ تماشہ دیکھتا رہا میں نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا تھا اور اس پر کوئی سوچ نہیں آنے دی تھی جو کچھ ہو رہا تھا مجبوری کے عالم میں ہو رہا تھا اور میں نے خود کو تقدیر کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔

دوسری صبح ہمیں یہاں سے آگے جانے کے لئے تیار ہوگئے یہاں میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس سے مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ سب کالی کے پجاری ہیں اور اس لحاظ سے ہمارے ساتھ تعاون ہو رہا ہے یہاں ہمارے لئے عمدہ گھوڑوں کا بندوبست کیا گیا تمام تیاریوں کے بعد جیپیں یہیں چھوڑ دی گئیں اور ہم ان شاندار گھوڑوں پر بیٹھ کر چل پڑے۔

یہ جنگلوں کے سرے کی آخری بستی تھی اس لئے زیادہ سفر نہیں کرنا پڑا۔ اور کچھ دیر کے بعد ہم جنگلوں میں داخل ہوگئے۔ بے حد خوب صورت مناظر ہمارے سفر میں بکھرے ہوئے تھے۔ کافی لمبا سفر کیا گیا اس میں بڑا مزہ آیا تھا راستے میں ہم نے کوئی شکار نہیں کیا آخر کار ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور کھانے پینے کی تیاریاں کرنے لگے۔

جنگل میں داخل ہوتے ہی جانوروں کی بھرمار نظر آئی۔ دوبار چیتے بھی نظر آئے اور میں نے گووند سے پوچھا۔

”یہاں خطرناک درندے بھی ہیں، میں نے چیتے دیکھے ہیں۔“

”سارے درندے موجود ہیں۔ یہ جنگل ہندوستان کے بڑے جنگلوں میں سے ہے۔“

”یہاں ہندوستان میں اور بھی ایسے جنگل ہیں۔“

”ہاں، کئی۔“

”جس بستی سے ہم یہاں آئے ہیں وہ ان جنگلوں سے زیادہ دور تو نہیں ہے۔“

”جی مہاراج۔“

”یہ درندے بستی والوں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔“

”یہ مہا کالی استھان ہے کالی مہارانی اس کی حفاظت کرتی ہے۔ اول تو درندے اس بستی میں گھستے ہی نہیں اور اگر کوئی بھولا بھٹکا گھس بھی آئے تو کسی بکری کے بچے کو بھی نقصان نہیں پہنچاتے۔“ گوند نے عقیدت سے کہا۔

سفر کرتے ہوئے سارا دن گزر گیا۔ ہمارے دائیں طرف خوب صورت پہاڑی سلسلے دور دور تک پھیل گئے تھے ن کے دامن میں پہاڑی خچروں کے قافلے گھنٹیاں بجاتے ہوئے سفر کر رہے تھے پہاڑیوں کے دامن میں ایک بہت بڑا چوڑا دریا بہہ رہا تھا جو روانی رکھتا تھا اکثر جانور اس کے کنارے پانی پیتے نظر آجاتے تھے۔

آخر کار ایک بستی کے آثار نظر آئے جھکتی ہوئی شام کے سائے میں بستی کے کچے پکے مکان بڑے اچھے لگ رہے تھے۔

ہری سنگھ نے بستی سے دور ہی قیام کے بارے میں مجھ سے اجازت مانگی اور میں نے گردن ہلا دی۔

”یہ تمہارا کام ہے جیسے مناسب سمجھو۔“ میں نے کہا۔

قیام کا بندوبست کرلیا گیا۔ موسم بے حد خوشگوار ہو رہا تھا۔ آسمان پر گہرے کالے بادل جمع ہونے لگے تھے۔ یہ خدشہ تھا کہ شاید بارش ہوجائے۔ بارش سے بچنے کے لئے بھی معقول انتظام کرلیا گیا۔ لیکن بارش نہیں ہوئی جنگلی جانوروں کی بھاگ دوڑ ہو رہی تھی اور شکاری محتاط تھے۔

رات کے دو بجے ہوں گے کہ گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ ہم اس وقت نیم خوابیدہ کیفیت میں تھے لیکن گولی کی آواز نے ہمیں ہوشیار کردیا۔

''لگتا ہے مہاراج کہ ہم یعنی مندل کے قریب آ گئے۔ بانڈے جی مہاراج آس پاس ہی کہیں موجود ہیں۔'' ہری سنگھ نے کہا۔

''گولی کی آواز پر کہہ رہے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''جی مہاراج۔''

''کیا ضروری ہے کہ وہ بانڈے جی ہی ہوں۔ کوئی اور شکاری بھی ہوسکتا ہے۔''

''میں معلوم کرتا ہوں۔'' ہری سنگھ نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ گووند میرے پاس خاموش بیٹھا ہوا تھا ہم دونوں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتے رہے۔ بادلوں سے کبھی کبھی کوئی بوند ٹپک جاتی تھی۔ کچھ دیر کے بعد ہری سنگھ کا ہیولا نظر آیا۔ پھر وہ قریب آ گیا۔

''بالکل ٹھیک فیصلہ نکلا مہاراج۔ تھوڑے فاصلے کے بعد گہرائیاں ہیں اور ان گہرائیوں میں نیچے لگے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف جنگلوں میں ہانکا ہو رہا ہے۔ شاید شیر کو گھیرا گیا ہے وہ دیکھئے ہانکے کی آواز۔'' ہری سنگھ نے کہا اور میں نے ڈھول کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ ہی انسان ایک مخصوص دھن میں چیخ رہے تھے ہانکے کے بارے میں بچپن میں، میں نے سنا تھا ڈھول بجا کر اور شور مچا کر خوف زدہ کیا جاتا ہے اور پھر کسی مخصوص اینگل پر لا کر اس پر گولی چلا دی جاتی ہے۔''

''آگے چلیں مہاراج۔'' گووند کی شکاری حس جاگ گئی تھی۔

''چلو۔'' میں تیار ہو گیا۔

ہم نے گھوڑوں کی رسیاں کھول دیں جنہیں درختوں سے کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا...... چھوڑ کر ان کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالی جاسکتی تھی کیونکہ شیر ادھر بھی آسکتا تھا کھلے رہ کر گھوڑے اپنی جان بچانے کی جدوجہد کر سکتے تھے۔

ہم چل پڑے۔ ہم نے رائفلیں سنبھال رکھی تھیں۔ دونوں شکاری بھی صحت مند شکاری نہیں تھے ہم صرف شکار کرنے نہیں آئے تھے بلکہ ایک خطرناک جادوئی مہم درپیش تھی۔ یہ دونوں بھی کالی قوتوں سے آراستہ تھے جسے میں نے محسوس کر لیا تھا۔

دونوں طرح کی طاقتیں استعمال ہو رہی تھیں۔ ایک طرف کالی شکتی اور رراج کر دھنی کی طاقت کام کر رہی تھی تو دوسری طرف دو ماہر شکاریوں کی مہارت۔ ہم نے ڈھلان نہیں طے کئے بلکہ گووند کی رہنمائی میں ایک اور راستہ اختیار کیا اور اس طرف پہنچ گئے جہاں سے ہانکے کی آواز آ رہی تھی۔

اچانک سناٹا چھا گیا۔ ہانک رک گیا۔ ہری ناتھ کے ہاتھ کے اشارے سے ہمیں آگے بڑھنے سے روک دیا اور سرگوشی میں بولا۔ ''شیر زیادہ دور نہیں ہے۔''

ان لوگوں کے ساتھ میں نے بھی رائفل سنبھال لی تھی اور تاریکی میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ دفعتاً ایک سرسراہٹ سی سنائی دی اور میں نے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک شخص کو اونچے درخت سے نیچے اترتے دیکھا۔ اس نے ایک ہاتھ میں رائفل سنبھالی ہوئی تھی اور بہت احتیاط سے نیچے اتر رہا تھا۔ یہ بھی بڑا سنسنی خیز منظر تھا لیکن دوسرا خوف ناک منظر جو میں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ اس شخص سے کوئی پندرہ فٹ پیچھے ایک خوف ناک شیر زمین سے چپکا اس شخص پر چھلانگ لگانے کی گھات میں تھا۔ اور صاف ظاہر تھا کہ اس شخص کو شیر کی وہاں موجودگی کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔

میرے خوف کی روانی تیز ہوگئی یہ تو شکاری کے شکار ہونے کی تیاری تھی۔ میں نے رائفل سنبھال لی اور ایک دلچسپ شکار کے لئے تیار ہو گیا۔ اچانک جنگل شیر کی دہاڑ سے گونج اٹھا۔ اس نے اپنی مخصوص آواز نکال کر فضا میں چھلانگ لگائی تھی اور رائفل والا آدمی ساکت رہ گیا تھا۔

میری رائفل سے گولی نکلی۔ شیر اس وقت فضا میں تھا اور بالکل سچی بات کہہ رہا ہوں کہ اس وقت میں نے گولی ہوش و حواس میں نہیں چلائی تھی بس کسی غیر مرئی قوت نے سارا عمل کیا تھا اور شیر گولی کھا کر نیچے گرا تھا۔

(جاری ہے)

دشمن روحیں

قسط نمبر: 8

ایم اے راحت

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زور قلم سے لکھی شاہکار کہانی

ہر چند کہ ایک ماہر شکاری ہونے کی تلک رام کی بہت سی داستانیں میرے کانوں تک پہنچ چکی تھیں۔ لیکن انسان، انسان ہی ہوتا ہے۔ اس کے چہرے کے تاثرات کا بھی مجھے اندازہ نہیں ہوسکا تھا لیکن اس کا بدن خوف سے جس طرح ساکت ہوگیا تھا وہ میں بخوبی دیکھ رہا تھا۔ اصل میں وہ ایک تجربے کار شکاری تھا اور اسے اپنی اس وقت کی غلطی کا پوری طرح اندازہ ہو چکا تھا۔

اچانک ہی وہ تیز روشنیوں میں نہا گیا۔ یہ اس کے ساتھی جو اس بھیانک سچویشن سے آگاہ ہوگئے تھے اور سب کچھ دیکھ رہے تھے، اسے روشنیوں کے گھیرے میں لے کر اس کی طرف دوڑ پڑے۔ ان کی تعداد کافی تھی۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ تلک رام پانڈے کے پاس پہنچ گئے جو ابھی تک اپنے زندہ بچ جانے کے بارے میں حیران تھا۔

انہوں نے اور شاید خود پانڈے نے بھی ابھی مجھے نہیں دیکھا تھا۔ پھر وہ حیرانی کے خول سے نکل آیا۔ اور بولا۔

''تم میں سے کس نے گولی چلائی تھی۔ آج میرا جیون اس نے بچایا ہے۔ ورنہ شاید آج پانڈے کا انت تھا۔ میں اسے دھن واد دینا چاہتا ہوں۔

وہ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ ایک آدھ ہوتا تو شاید یہ سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کرتا لیکن اس وقت یہ ممکن نہیں تھا۔ اس کے ساتھی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''نہیں مہاراج۔'' ہم میں سے کسی نے نہیں چلائی۔

''ایں۔ پھر کس نے۔ اتنا کہتے ہوئے اس کی نگاہ اس طرف اٹھ گئی جہاں سے ماری موجودگی کا احساس ہوا تھا۔'' کون۔ کون ہے وہاں۔ وہ دور سے بولا اور میں ہری سنگھ اور گووند چاڑی کے ساتھ درختوں کی آڑ سے باہر نکل آیا۔

''ارے کون ہو تم لوگ بھائی۔ کیا شیر پر گولی تم میں سے کسی نے چلائی تھی۔

''بھگوان نے یہ سیوا ہمیں ہی سونپی تھی مہاراج۔ ہماری طرف سے جیون بچ جانے کی بدھائی ہو۔''

ہری سنگھ نے کہا۔ اور پانڈے ہی نہیں، دوسرے بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں دیکھنے لگے۔ پھر پانڈے بولا۔

''بہت دھن واد، سچ ہے کہ آج کا جیون بھگوان کے بعد تم نے مجھے دیا ہے۔ ورنہ آج پانڈے کی کہانی ختم ہوگئی تھی۔ تم نے چلائی تھی گولی؟'' اس نے ہری سنگھ سے پوچھا۔

''نہیں۔ ہمارے مہاراج نے۔'' ہری سنگھ نے

میری طرف اشارہ کیا۔
پانڈے نے گہری نظر سے مجھے دیکھا۔ اور پھر شیر کی طرف پھر وہ دوقدم آگے بڑھا اور مجھے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''بھگوان جب کوئی بڑا آدمی بناتا ہے تو اس کی صورت کا بھی بڑا خیال رکھتا ہے۔ اتنا سندر چہرہ، اتنی سندر جوانی اور اتنا بھرپور نشانہ۔ گولی رائفل سے چلتی ہے لیکن اعصاب پر قابو رکھنا اور صحیح فیصلہ کرنا ایک ایک شکاری کے لئے جیون کا سندیس ہوتا ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں ناکام ہوچکا تھا اور اس پاپی کے ہاتھوں جیون کھوچکا تھا۔ چھوٹی سی عمر ہے تمہاری مگر بھگوان نے کیا تیور دیئے ہیں۔ کیا جوانی دی ہے۔ بھگوان ہزار سال کا جیوان دے۔ نام بتاؤ گے اپنا۔''
''آپ نے میری بہت تعریف کردی ہے مہاراج۔ میں اس کا شکر گزار ہوں۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ میں آپ کے کام آ گیا۔''
''کیا نام ہے تمہارا؟''
''شکتی آنند۔'' میں نے کہا اور وہاں موجود سارے شکاری اچھل پڑے۔ یہ بات میں جانتا تھا کہ کیداری اور بنسی راج نے میرا نام ایک بڑے شکاری کی حیثیت سے دور دور تک پھیلا دیا تھا اور خاص طور سے شکاریوں کی دنیا میں یہ نام بڑے غور سے سناجارہا تھا۔ اس وقت پانڈے ہی نہیں اس کے دوسرے ساتھی شکاری بھی آنکھیں پھاڑ کر مجھے غور سے دیکھ رہے تھے۔
''شش۔ شکتی آنند۔ ہے بھگوان۔'' پانڈے نے کہا اور پھر بے اختیار ہوکر آگے بڑھا اور مجھ سے لپٹ گیا۔
''تم شکتی آنند ہی ہوسکتے ہو۔ ماتا پتا نے تمہارا نام بھی سوچ سمجھ کے ہی رکھا تھا۔ بڑی خواہش تھی تمہیں دیکھنے کی۔ ایک بات کہوں مہاراج۔''
''جی!''
''مجھے کچھ سمے دیں گے۔''
''ہاں۔ بتایئے کیا کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔ سب کچھ منصوبے کے مطابق ہی ہورہا تھا۔
''میرے ساتھ چلنا ہے۔ بس وہ اس طرف ترائی میں میرا کیمپ لگا ہے۔ تھوڑا سمے مجھے دیجئے۔ مجھے خوشی ہوگی۔ آپ کا کیمپ کہاں ہے؟''
''ان میں سے کسی پیڑ کے اوپر۔ ہم آوارہ گرد ہیں۔'' میں نے ہنس کر کہا۔
''آیئے میرے ساتھ کیمپ چل کر باتیں کریں گے۔''
''جیسے آپ حکم دیں۔'' میں نے کہا۔
''ایک بڑے مزے کی بات ہے۔ میں نے تمہارے بارے میں جان لیا۔ پر تم نے مجھ سے میرا نام بھی نہیں پوچھا۔'' پانڈے اور اس کے ساتھیوں نے ہمارے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ اور میں ہنس پڑا۔ میں نے کہا۔
''شکار کے لئے اس سے خوب صورت جنگل شاید پورے ہندوستان میں کہیں نہ ہو۔ اور یہ بات کون نہیں جانتا کہ یہ تلک راج پانڈے کی راج دھانی ہے۔ پھر آپ نے ایک بار، ابھی کہا تھا کہ ''راج پانڈے کی کہانی ختم ہوگئی ہوتی۔''
''اوہ۔ وہاں سے تم نے میرا نام اچک لیا۔'' پانڈے ہنس کر بولا۔ میں بھی ہنسنے لگا۔ اب تک سارے کام نہایت خوش اسلوبی سے ہوئے تھے۔ شیر والا معاملہ محض اتفاق تھا ورنہ پروگرام یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح ایک شکاری کی حیثیت سے اس کے سامنے آنا ہے۔ یہ مزے کی بات ہے کہ اس ڈرامے میں ایک مرحوم شیر کی بھی انٹری ہوگئی تھی۔
میں پوری سنجیدگی سے ان لوگوں کے ساتھ کام کرنے پر تیار ہوگیا تھا۔ میرے دل کے اندر کیا تھا۔ میرا اللہ جانتا تھا۔ اپنا ایمان میں کبھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ لیکن حالات کے دھارے مستقل میرے مخالف چل رہے تھے اور میں بے بس ہوگیا تھا اس لئے میں نے اس حد تک فیصلہ کرلیا تھا کہ کالی دیوی، اور راج کردھنی کے، چندر کانتا کے خلاف گٹھ جوڑ کا پوری طرح مزہ لوں گا اور دیکھوں گا ان کالے جادو کے ماہروں کے ہتھکنڈے، اس لئے میں بڑی محنت سے پانڈے کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔

ایک راجاؤں جیسی حیثیت رکھنے والے شکاری کا کیمپ جیسا ہوسکتا تھا، پانڈے کا کیمپ ایسا ہی تھا۔ یہاں اور بھی لوگ تھے جو خدمتگار تھے۔ میری ایسی آؤ بھگت ہوئی کہ میں شرمندہ ہوگیا۔ پانڈے نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا۔

''آپ کے پیچھے کی کہانی نہیں معلوم ہوسکی شکتی جی۔''

''بس ایک چھوٹے موٹے زمیندار کا بیٹا ہوں۔ شکار کے شوق نے ماتا پتا کو ناراض کردیا۔ انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا اور میں جنگلوں میں آبسا۔ بس میرے یہ دونوں ساتھی ہیں اور میں۔''

''ماتا پتا نے پھر آپ کو نہیں بلایا۔''

''کبھی نہیں۔ وہ مجھے بھول گئے اور میں انہیں۔''

میں نے کہا اور میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ امی یاد آگئی تھیں جن کے لئے میں کچھ نہیں کرسکا تھا۔ پانڈے سمجھا میں انہیں یاد کرکے آبدیدہ ہوگیا ہوں۔ کہنے لگا۔

''مجھے اس جگہ کا نام بتایئے جہاں وہ رہتے ہیں۔ میں ان سے مل کر انہیں سمجھاؤں گا۔''

''جس دن آپ نے ایسی کوئی کوشش کی۔ اس دن کے بعد میں دوبارہ آپ کو کبھی نہیں نظر آؤں گا نہ ہی میں اپنے گھر کے بارے میں آپ کو بتاؤں گا......! میں نے کہا اور پانڈے ہنس پڑا۔

''یہ ہوتی ہے ہانک ہٹ۔ زمینداروں کے بیٹا ہونا۔ وہی ضدی دماغ پایا ہے۔ اچھا ایک بات کہوں مان لوگے۔''

''بتایئے!''

''میرے ساتھ باندی پور چلو۔ کچھ سے میرے ساتھ بتاؤ۔ بتاچکے ہو کہ ایسا کوئی نہیں ہے جو تمہارے لئے پریشان ہو۔ دو باتیں ہیں۔ بہت بڑے شکاری ہو، ہندوستان میں نام گونج رہا ہے۔ میرا مان بڑھے گا کہ ایسا شکاری میرا مہمان ہے۔ میرا دوست ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سے میرا جیون تمہاری طرف سے دان ہوا ہے۔ میں تمہاری سیوا کرنا چاہتا ہوں۔''

تھوڑی سی آدوقدح کے بعد میں نے اس کی یہ دعوت منظور کرلی۔ اور پانڈے نے خوش ہوکر کیمپ اٹھالیا۔

باندی پور اور اس کے نواح بے حد حسین سرسبز اور شاداب تھے۔ ہر طرف درخت لہلہارہے تھے۔ اس کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہ شہر تلک رام پانڈے کے بزرگوں نے آباد کیا تھا۔ اور اس کے بعد ان کی ہر نسل نے اس کی خوبصورتی میں اضافہ کیا تھا۔ اس کی شادابیوں میں اس دریا نے بھرپور کردار ادا کیا تھا جو کہیں دور سے آتا تھا اور باندی پور کے نواحات کو سیراب کرتا کہیں دور نکل جاتا تھا۔

تلک رام کی حویلی، جسے کسی راجہ کا محل ہی کہا جاسکتا تھا۔ انتہائی وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے اندر ایک حسین ترین باغ تھا جو درختوں سے بھرا ہوا تھا۔ حویلی اندر باہر سے بے حد شاندار تھی جس کی میں دل سے تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ جس مہمان خانے میں مجھے میرے دونوں شکاریوں کے ساتھ ٹھہرایا گیا تھا وہ اس قدر شاندار تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ بہرحال یہ زندگی کا نیا تجربہ تھا۔

میں یہاں ایک عام مہمان یا ایک شکاری کی حیثیت سے متعارف نہیں ہوا تھا بلکہ حویلی کے ایک ایک شخص اور پانڈے کے دوستوں اور شناساؤں کو تفصیل سے بتایا گیا کہ کس طرح میں نے پانڈے کی جان بچائی ہے۔ پانڈے نے لوگوں کو بتایا تھا۔ ''بات یہ نہیں ہے کہ صرف وقت پر گولی چلادی گئی۔ اور شیر مرگیا۔ اگر گولی ذرا بھی ہلکی اور صحیح جگہ نہ پڑتی تو بھگوان نہ کرے شیر گولی چلانے والے کے پرخچے بھی اڑاسکتا تھا۔ اس لئے میرے متر نے اپنی جان کا خطرہ لے کر میری جان بچائی۔

اب یہ بات تو متر کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس میں اس کا کوئی کمال نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے پراسرار جادوئی قوتیں کام کررہی تھیں اور بے چارہ شیر کالی دیوی کے جادو کا شکار ہوا تھا۔ چندر کانتا کے خلاف ہونے والی سازش کامیابی کی طرف قدم بڑھارہی تھی۔ ویسے یہ کمال کی بات تھی۔ اقتدار کا کھیل کیسا عجیب تھا۔ یہ ذی روح اس کھیل میں مصروف تھا۔ بات صرف انسانوں ہی کی نہیں جانور تک اس جنونی کا شکار تھے جس کا مظاہرہ ہر جگہ دیکھا

جاسکتا ہے۔ پوری دنیا میں کالے جادو کی دھوم ہے۔ اس کے لئے بھی سازشیں ہوتی ہیں اس میں بھی جوڑ توڑ کئے جاتے ہیں۔ اور اگر چندر کانتا کے خلاف دو بڑی گندی قوتیں یکجا ہوئی تھیں تو ظاہر ہے وہ کوئی معمولی طاقت نہیں ہوگی۔ ویسے میں نے اسے ابھی نہیں دیکھا تھا۔

غالباً تیسرا دن تھا کہ دو باندیاں میرے پاس آئیں۔ نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں تھیں زندگی اور جوانی سے سجی ہوئی۔ ''شکتی آنند مہاراج۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''ہاں۔ میں ہوں۔''

''ہمیں معلوم ہے۔ جیوتی جی، آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔'' شوخ سی لڑکی نے کہا۔

''جیوتی جی؟'' میں نے پرخیال لہجے میں کہا اور مجھے یاد آ گیا۔ مجھے جیوتی رائے کے بارے میں بھی بتایا گیا تھا جو تلک رام کی بہن تھی۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ جیوتی رائے چندر کانتا کی مخالف ہے۔ ''اس جیوتی نے مجھے بلایا تھا۔

''تم دونوں کو یقین ہے کہ انہوں نے مجھے ہی بلایا ہے۔''

''ہاں شکتی آنند جی۔'' وہ حیرانی سے بولیں۔

''نہیں۔ میرا مطلب ہے۔ خیر۔ وہ کہاں ہیں؟''

''موتی انگ میں!'' ایک بولی۔

''اب میں تم سے پوچھوں گا یہ موتی انگ کہاں ہے؟'' میں نے کہا۔

''پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہم جو آپ کو وہاں لے چلیں گے۔''

''کیسے؟'' نہ جانے کیوں مجھے شرارت سی سوجھ رہی تھی۔

''پاؤں پاؤں۔ ہم اتنے مہمان شکاری کو اٹھا کر تو نہیں لے جا سکتے۔'' وہ دونوں بھی خوب حاضر جواب تھیں۔

موتی انگ اندرونی حویلی کا مشرقی حصہ تھا۔ خوبصورت پھل دار درختوں میں گھری ہوئی ایک حسین جگہ، جہاں وہ مجھے لے کر گئیں اور ایک خوب صورت نشست گاہ میں مجھے بیٹھا کر چلی گئیں۔ وہ یقیناً جیوتی رائے کو اطلاع دینے گئی ہوں گی۔

میرے ذہن میں بہت سی کہانیاں گردش کرنے لگیں۔ بچپن میں سنی شہزادے اور عالم تاب شہزادیوں کی کہانیاں جن میں ہر شہزادی چندے آفتاب، چندے ماہتاب ہوتی تھی۔ اور لازمی طور پر شہزادے عالمتاب پر عاشق ہو جاتی تھی۔ اسی میں ایک شہزادی نے مجھے بلایا تھا اور میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ میں اپنی سوچوں پر بے اختیار ہنس پڑا۔ بچپن کی کہانیاں صرف کہانیاں ہوتی ہیں دادی اماؤں کے دل ان کہانیوں میں ضرور دھڑکتے ہوں گے وہ گڈو کے دادا کا تصور کرتی ہوں گی اور جھوٹی کہانیاں گھڑتی ہوں گی۔ لیکن بچوں کے ذہن میں وہ کہانیاں ضرور گھر کر جاتی ہیں اور بعض اوقات جوانی سے لے کر بڑھاپے تک وہ شہزادی گل نار کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں مزید کہانیاں بنتی رہتی ہیں۔ اس وقت میں بھی حسن و جمال کی صورت کسی شہزادی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ابھی کچھ منٹوں میں ایک خرانٹ بڑی اماں مجھے گھورتی ہوئی آئیں اور بولیں۔

''ہوں۔ تو تم ہو شکتی آنند۔!''

اور بڑی اماں آ گئیں۔ میں نے سامنے سے عالمتاب کی محبوبہ کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ واقعی پھولوں کی آگ تھی۔ شوخ آنکھوں والی ایک حسینہ، جس کا قیامت خیز حسن ایسا ہی تھا کہ دادی اماں کی کہانیاں سچی ہو جائیں۔ اس کی عمر بمشکل بیس سال ہوگی۔ بال سنہرے اور بہت لمبے تھے آنکھیں گہری نیلی تھیں، کچھ لمحوں کے بعد مجھے وہی الفاظ سنائی دیئے۔

''تو آپ ہیں شکتی آنند جی۔''

آواز کا حسن بھی چہرے کا ساتھ دیتا تھا۔ میں نے کھڑے ہو کر گردن خم کر دی۔

''ہم پرنام کریں۔ حالانکہ لوگ ہمیں پرنام کرتے ہیں۔''

''چلیئے۔ اب تو وقت ہی گزر گیا۔ اصل میں آپ اس قدر حسین ہیں کہ انسان خود اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ میں نے کوئی تکلف نہیں کیا۔''

اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے حیرت نظر آئی۔ یقیناً وہ راج کماری ہی تھی۔ اس لئے اس بے تکلفی سے بات کرنے کی جرأت کسی کی نہ ہوتی ہوگی۔ اور پھر میں نے پھٹ سے اس کے حسن کی تعریف کردی تھی۔ یہ بات اس کے لئے خوش کن بھی تھی اور باعث حیرت بھی۔ لیکن اس کے چہرے کا تاثر اچھا ہوگیا تھا۔

''بہت منہ پھٹ ہو۔'' اس نے کہا۔

بیشک گستاخی کی ہے۔ معافی چاہتا ہوں۔''

''نہیں کوئی بات نہیں ہے۔ ویسے بھی ہم آپ کے ابھاری ہیں۔ آپ نے میرے بھیا جی کی جان بچائی ہے۔''

''یہ۔ بب بھگوان نے مجھے اعزاز بخشا ہے۔'' میرے منہ سے خدا نکل رہا تھا۔ لیکن پھر میں نے ایک دم الفاظ بدل دیئے تھے، بالکل اسی طرح میں پرنام وغیرہ نہیں کرسکتا تھا لاکھ مجھے تربیت دی گئی تھی کہ میں ایک ہندو کردار بن جاؤں۔ لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا اور پھر حالات کی مجبوری نے زبان کا رخ تھوڑا سا بدل لیا تھا۔ لیکن اس کا رخ شاید زندگی کی آخری سانس تک نہیں بدل سکتا تھا۔

''پھر بھی۔ ہمیں آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا۔''

''یہ آپ کی بڑائی ہے۔ میں ایک شکاری ہوں۔ اور میں نے ایک شکاری کی جان بچائی ہے۔ مہاراج تلک رام پانڈے ایک اچھے انسان ہیں انہوں نے مجھے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ میں آ گیا۔''

''ایک بات پوچھوں؟'' وہ لہجہ بدل کر بولی۔

''جی!''

''کیوں مارتے ہو جیتے جاگتے جانوروں کو۔ وہ بھی بھگوان کی مرضی سے سنسار میں آتے ہیں۔ انہیں بھی جینے کا ادھیکار ہے۔ تم لوگ کتنی آسانی سے ان سے جیون چھین لیتے ہو۔ اور پھر خود کو بڑا شکاری کہلواتے ہو۔''

''یہ سوال آپ نے پانڈے جی سے کیا ہے۔''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''بس تم سے کرنے کو جی چاہا۔ تم بھی تو بہت بڑے شکاری مشہور ہو۔''

''صرف خونی درندوں کا شکار کھیلتا ہوں۔ کمزور جانوروں کو کبھی نہیں مارتا۔''

''وہ تو بھیا جی بھی شیروں کے شکاری ہیں۔''

''ٹھیک کرتے ہیں۔ آپ کو علم ہوگیا ہوگا کہ ایک شیر ہی ان کا جیون لئے لے رہا تھا۔''

''ہاں۔ بھگوان نے میرے بھیا کو بچالیا۔''

''اپنے گولی چلانے کے شوق کو دوسرے شکاری کمزور جانوروں سے پورا کرتے ہوں تو کرتے ہوں۔ ہم انہی جانوروں کو مارتے ہیں۔ کہیں ہم نہ ماریں تو وہ ہمیں ماردیں۔''

''ایک اور بات کہوں۔ اگر برا نہ مانو۔''

''نہیں کماری جی، ضرور کہیں۔''

''تم بہت سندر ہو۔'' اس نے کہا اور خوب ہنسی۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، لیکن میں نے یہ ضرور سوچا کہ اگر میں اپنی مشکلات کا شکار نہ ہوتا۔ اگر میرا واسطہ دوسرے مسائل سے نہ پڑا ہوتا تو یہ لڑکی بہ آسانی میرے حواس چھین سکتی تھی۔ ویسے یہ مزے کی بات تھی کہ میری تقدیر میں ہندو لڑکیاں لکھی تھیں۔ گنگا سری، مینکا اور اب یہ بی بی۔

وہ ہنسنے کے بعد رکی پھر بولی۔ ''حالانکہ میں یہ بات نہیں کوئی اور بات کہہ رہی تھی۔''

''وہ بھی کہہ دیں۔''

''اس سنسار میں تو سارے ہی درندے ہیں۔ منش سے بڑا درندہ تو کوئی نہیں ہے۔ ہر منش اپنے سندر جیون کے لئے دوسرے منش کا دشمن بن جاتا ہے اور گھات لگا کر بیٹھ جاتا ہے۔ بات تو ایک جیسی ہی ہے۔''

میں خاموش رہا۔ اس کی بات بالکل سچ تھی اس کا سب سے زیادہ تجربہ مجھے تھا کیونکہ میں دشمنوں کی ٹھوکروں میں تھا جبکہ میں نے خود کسی سے دشمنی کا آغاز نہیں کیا تھا۔ وہ پھر بولی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں، میں نے تمہیں اس لئے

نہیں بلایا تھا کہ یہ باتیں کروں، اصل میں، میری کسی سے دوستی نہیں ہے، یہاں موجود تمام لوگ معمولی ذہن رکھتے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ میں ان سے دوستی کروں۔ شکنتلا نے تمہارے بارے میں بتایا تو میں نے سوچا۔ چلو تمہیں بلا کر تم سے بات تو کی جائے۔"

"شکنتلا کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میری داسی، ان میں سے ایک جو تمہیں بلا کر لائی ہے۔"

"کیا بتایا اس نے۔" میں نے کہا تو وہ پھر ہنس پڑی۔ "میرا انداق اڑایا ہوگا۔"

"ہاں!" وہ بدستور ہنستے ہوئے بولی۔

"اوہو۔ مجھے بتایئے۔"

"کہہ رہی تھی شیتل، کومل، نرمل اندر کے اکھاڑے سے آیا جیسا بہت ہی سندر، اور سچ مچ کا شکاری جو لمحوں میں من کا شکار کر لے۔"

"تیری ایسی تیسی۔" میں نے دل میں سمجھا۔ تیرا میرا دھرم اس دوسرے سے بہت دور ہے۔" وہ شرارت بھری آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"یہی کہا تھا اس نے تمہارے بارے میں۔"

"پھر تو آپ اسے سزا دیں۔"

"سزا کیوں؟"

"اس نے جھوٹ بولا تھا میرے بارے میں آپ سے۔"

"نہیں۔ مجھے تو سچ لگتا ہے، چلو چھوڑو، مجھ سے دوستی کرو گے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"میرے بارے میں ہر فیصلہ پانڈے جی کریں گے۔ جوان کا حکم ہوگا۔ ان کی مرضی کے بغیر میں کسی بات کے لئے کیسے ہاں کر سکتا ہوں۔"

"تم سچے بھی ہو۔ مجھے تمہاری یہ بات بہت اچھی لگی۔ میں بھیا جی سے بات کروں گی۔ اب میں چلتی ہوں۔ تم سے مل کر مجھے بہت اچھا لگا۔ اچھا نمستے۔ اب تو نمستے کرلو۔ اس نے دنوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے اور واپسی کے لئے مڑ گئی...... میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اور میں نے دل میں اعتراف کیا کہ اس کا حسن بے مثال ہے۔ ابھی میں سوچوں میں گم تھا کہ وہی دونوں داسیاں آ گئیں جو مجھے یہاں تک لائی تھیں اور ان میں ایک شکنتلا تھی۔

جس مہمان خانے میں مجھے ٹھہرایا گیا تھا وہ بہترین تھا حالانکہ کئی بڑے بڑے کمرے تھے۔ لیکن ان میں میرے علاوہ کوئی مہمان نہیں تھا۔ ہاں کئی خادم تھے جو میری ضرورتیں پوچھتے رہتے تھے۔

رات ہو چکی تھی۔ میں اپنے بستر پر بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں نے ہنس راج اور کیداری کی خواہش کے مطابق بھرپور طریقے سے اپنا کام پورا کیا ہے۔ میں نے نہ صرف بڑی خوب صورتی سے تلک رام تک رسائی حاصل کی ہے بلکہ بہت مختصر وقت میں جیوتی رائے تک بھی پہنچ گیا ہوں جس کے قریب ہونے کی مجھے ہدایت کی گئی تھی......اور اب چندر کا نتارہ گئی تھی جو میرا اصل شکار تھی۔

چندر کانتا......! نہ جانے وہ کیا شے ہے۔ ویسے ایک بات کئی بار میرے ذہن میں آئی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ تلک رام پانڈے اس جنگل میں شکار کھیل رہا ہے۔ میں نے کسی نہ کسی طور سے اس تک رسائی حاصل کر ہی لی۔ لیکن شیر والے واقعہ نے لمحوں میں کام کر دکھایا تھا۔ وہ واقعی ایک دلچسپ اتفاق تھا۔

نہ جانے کتنی دیر تک میں یہ سب کچھ سوچتا رہا۔ پھر نیند آ گئی۔ سوتے ہوئے نہ جانے کتنی دیر گزری تھی کہ اچانک کسی کھٹکے سے آنکھ کھل گئی۔ پہلے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا لیکن پھر اسی طرح کی دوسری آواز ہوئی۔ اور میری نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ لیکن یہ آواز اوپر سے روشندان کا شیشہ کھلنے کی تھی۔ دروازے کے عین اوپر ایک خوب صورت روشندان بنا ہوا تھا اور اس وقت اس روشن دان میں مجھے جو کچھ نظر آیا اس نے ایک لمحے کے لئے میرے دل میں

ایک عجیب احساس پیدا کر دیا۔

یہ کوئی جانور تھا۔ غور سے دیکھا تو رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ شیر کا چہرہ تھا۔ بالکل شیر کا چہرہ، اس کی بھوکی خونخوار آنکھیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ روشندان میں شیر؟ جبکہ دروازہ کافی اونچا تھا۔ باہر کی کیفیت کا بھی مجھے اندازہ تھا۔ دروازے کے دوسری طرف کوئی ایسی چیز نہیں تھی کہ شیر اس پر چڑھ سکے۔ اور پھر یہ بے وقوفی کی سوچ تھی کہ ایک شیر اتنی شاندار حویلی میں، جہاں پہریدار ہی اتنے تھے کہ دو چار شیر بھی آجاتے تو بھون کر رکھ دیئے جاتے۔ تو پھر۔ یہ کیا تھا۔

میرے حواس جاگ گئے اور میں غور سے روشن دان سے جھانکتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ ''بلی۔''

یہ خیال خود بڑا مضحکہ خیز تھا۔ اتنی بڑی بلی جس کا چہرہ ہی روشن دان کے طول وعرض میں سمایا ہوا تھا۔ اس چہرے میں دو جلتی ہوئی آنکھیں جن کے گرد ایک نیلا دائرہ رقصاں تھا اور ان میں دو پتلیاں سیدھی کھڑی نظر آرہی تھیں۔

میں نے صرف جائزہ لینے کے لئے ان آنکھوں میں جھانکا تھا۔ لیکن مجھے یوں لگا جیسے روشنی کی دو لکیریں ان آنکھوں سے نکل کر میری آنکھوں میں داخل ہوئی ہیں اور آنکھوں کے راستے دماغ میں۔ ساتھ ہی پورے بدن میں سنسناہٹ دوڑ گئی تھی۔ اور بدن بے جان لگنے لگا تھا۔

میں پتھریلی نظروں سے روشن دان سے جھانکتی آنکھوں کو دیکھتا رہا جو مجھ پر سحر طاری کر رہی تھیں۔ پھر ان آنکھوں میں جنبش ہوئی اور مجھے یوں لگا جیسے شیر اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کا چہرہ روشندان سے اندر داخل ہوگیا۔ پھر اس کا جسم بھی۔ لیکن چہرہ جتنا بڑا تھا جسم اس کی نسبت بہت چھوٹا تھا اور آنے کے بعد پتہ چل گیا کہ وہ بلی ہے۔ لیکن شیر کے چہرے کے برابر والی بلی ہے۔

پراسرار بلی روشندان سے ایک کارنس پر کودی اور پھر وہاں سے نیچے زمین پر۔ وہ آہستہ آہستہ مجھے گھورتی ہوئی میری طرف بڑھی۔ میں نے ایک بار پھر اپنے بدن کو متحرک کرنے کی کوشش کی لیکن میرا بدن میرا تھا ہی کہاں۔ وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ بلی مسہری کے پاس آگئی اور پھر اس نے مسہری پر چھلانگ لگائی اور اوپر آگئی۔ میرا گدا دور سے پیلا تھا جیسے کسی مجبور انسان کا خون اس پر پڑا ہو۔ میں اسے دیکھ سکتا تھا۔ نہ تو ہاتھ پاؤں سے بھگا سکتا تھا اور نہ منہ سے آواز نکال کر۔

بلی آہستہ آہستہ مسہری پر چل رہی تھی۔ سب سے پہلے اس نے میرے دونوں ہاتھ سونگھے، پھر دونوں پاؤں اور کچھ اندازے لگا کر اچانک میرے سینے پر چڑھ گئی۔ لیکن میرے سینے پر اس کا کوئی وزن محسوس نہیں ہوا۔ پھر وہ میرے چہرے کی طرف بڑھنے لگی۔ اس وقت کی بے بسی کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ وہ میرے سینے پر چڑھتی میرے چہرے کی طرف بڑھ رہی تھی میں اس کی جلتی ہوئی آنکھیں دیکھ چکا تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ میرا چہرہ کھرچ ڈالتی، میری آنکھیں نکال کر چبا جاتی، سب کچھ اس کے اختیار میں تھا۔

دفعتاً روشن دان پر دوبارہ آہٹ ہوئی اور میرے چہرے کی طرف بڑھنے والی بلی ایک دم چونکی ہوگئی۔ اس نے روشن دان کی طرف دیکھا۔ روشن دان میں اسی کی نسل کی ایک عجیب الخلقت بلی نمودار ہوئی اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہیں سے اس نے اس دوسری بلی پر چھلانگ لگادی۔ وہ اس پہلی بلی پر حملہ آور ہوئی تھی۔ دوسری بلی پھرتی سے مجھ پر سے ہٹ کر نیچے کود گئی۔ دوسری بلی میرے سینے پر آگرنے کے بجائے گدے پر آئی اور پلک جھپکتے اس نے پہلی بلی پر دوسری چھلانگ لگادی۔ اور پھر تو قیامت برپا ہوگیا۔ دو ہولناک بدروحیں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئی تھیں۔ ان کے حلق سے بھیانک آوازیں نکل رہی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کی گردنیں چبانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ جنگ دیکھ رہا تھا۔ ایسی خوفناک لڑائی میں نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ بلیاں

ایک دوسرے کو ختم کر دینا چاہتی تھیں۔ کچھ لمحوں کے بعد مجھے محسوس ہوا دوسری بلی پہلی بلی پر حاوی ہوتی جارہی ہے۔ پہلی بلی بھاگنے کی کوشش میں تھی۔ اور وہی ہوا۔ جیسے ہی پہلی بلی کو موقع ملا اس نے پاؤں دبائے اور ایک لمبی چھلانگ لگا کر کارنس پر چڑھ گئی۔ پھر وہاں سے دوسری چھلانگ لگا کر روشندان پر، دوسری بلی نے اس سے زیادہ قوت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے زمین سے براہ راست روشندان پر چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن روشندان بہت بلندی پر تھا وہ اس کے کنارے نہ پکڑ سکی اور واپس نیچے گر پڑی۔ لیکن نیچے گرتے ہی اس نے دوبارہ کوشش کی۔ اس بار وہ پہلے کارنس پر پھر روشن دان پر پہنچی اور پھر باہر نکل گئی۔

میں جلدی سے پلنگ سے نیچے اتر آیا۔ یہ کوئی عام واقعہ نہیں تھا۔ پہلے تو بلیاں ہی غیر معمولی تھیں، شیر جیسے منہ والی بلیاں نہ کبھی سنی نہ دیکھیں، پھر یہ عجیب اور ہولناک جنگ، کچھ عجیب سی کیفیت کی حامل تھی۔

میں نے تیز روشنی جلائی اور روشندان کا جائزہ لینے لگا۔ ایک جگہ تھوڑا سا خون پڑا ہوا تھا۔ بلیاں اچھی خاصی زخمی ہوئی تھیں۔ یہ فیصلہ بہ آسانی کیا جاسکتا تھا کہ وہاں بلیاں تھیں ہی نہیں۔

اب میں کوئی عام انسان نہیں تھا گجر گھاٹ کا ایک معمولی سا بچہ جس کی زندگی خوبصورت رشتوں کے درمیان آغاز ہوئی تھی۔ اب جادوگروں کے چکر میں پھنسی ہوئی تھی۔ اور اس کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ جبکہ میرا کوئی قصور نہیں تھا۔

میں ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگا۔ بنسی راج اور کیداری نے دو دیویوں کے کہنے پر مجھے یہاں بھیجا تھا کہ میں تیسری دیوی کے خلاف کام کروں۔ میں جسے ان دیویوں کے نام سے بھی گھن آتی تھی۔ میں ان کا پیروکار بنا ہوا تھا۔ ''میرے مالک تو جانتا ہے کہ میں اگر یہ گناہ کررہا ہوں تو بے حد مجبوری کے عالم میں۔ مجھ پر برا وقت آیا ہوا ہے۔ اور یہ سب میں اپنے لئے نہیں کررہا۔ تو میری زندگی کا مالک ہے۔ میری زندگی تیری امانت ہے۔ میں ہر وقت تیری یہ امانت واپس کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بس ایک بار مجھے میری ماں سے ملادے۔ اس خیریت کے ساتھ مجھے واپس دے دے۔ مجھے اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہئے۔''

میرا ذہن پھر ان بلیوں کی طرف چلا گیا۔ پہلی بلی کون تھی؟ وہ مجھے کیوں سونگھ رہی تھی۔ اور کیا چاہتی تھی؟ وہ میرے چہرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میں کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا اگر وہ میری آنکھیں بھی نکال لیتی تو میں اسے نہیں روک سکتا تھا۔ کیونکہ میرا بدن بے جان تھا۔ میں ہاتھ پاؤں تک نہیں ہلا سکتا تھا۔

طبیعت پر ایک بوجھ سا طاری ہوگیا۔ میں اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ ''تاحد نگاہ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ مہمان خانہ اندرونی رہائش سے کافی دور تھا۔ میں نے اپنے کمرے کے پیچھے جا کر دیکھا۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ حویلی کے احاطے کے پاس چوکیداروں کے سائے نظر آئے تھے۔

میں کمرے میں واپس آ گیا۔ نہ جانے کب تک جاگ کر مختلف باتیں سوچتا رہا۔ پھر نیند آ گئی۔

دوسری صبح تھکی تھکی سی تھی۔ رات کے واقعات ذہن کو بوجھل کئے ہوئے تھے۔ اصل میں بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی اور کسی سے اس بارے میں بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ میرے ساتھی صرف شکاری تھے۔ پتہ چل گیا تھا کہ ان کا ان پراسرار واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جاگنے کے بعد ایسے ہی بوجھل بوجھل سا بیٹھا رہا۔ پھر غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔ تیار ہو کر باہر نکلا ہی تھا کہ کسی لڑکی کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔

''کون ہے آجاؤ!''

دو اجنبی لڑکیاں اندر داخل ہوئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ''بڑے مہاراج نے ہمیں کہا تھا کہ آپ کے کمرے میں جا کر دیکھیں، اگر آپ جاگ رہے ہوں تو تھوڑی دیر کے بعد مہاراج کے ساتھ ناشتے کے لئے اندر تشریف لے آئیں۔

''ٹھیک ہے۔ تم لوگ تھوڑی دیر کے بعد مجھے

ناشتے کے کمرے میں پہنچانے آجانا۔ مجھے اندر کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔

''جی مہاراج۔'' لڑکیوں نے کہا اور واپس چلی گئیں۔

میں سوچوں میں ڈوبا رہا۔ کچھ دیر کے بعد وہی دونوں لڑکیاں آئیں اور میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ تب میں نے یہ حویلی دور سے دیکھی۔ حویلی کیا راج محل تھا۔ ہر چیز قابل دید۔ ڈائننگ روم ڈائننگ روم تھیں، ڈائننگ ہال تھا۔ عظیم الشان میز پر بے شمار لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی لیکن اس وقت یہاں صرف دو افراد تھے۔

ایک تلک رام پانڈے، دوسری شخصیت سنگ مرمر کی ایک مورتی تھی۔ میری نگاہ اس کی طرف اٹھ گئی اور پھر جیسے پتھرا کر رہ گئی۔ اتنے حسین نقوش، اتنا خوب صورت چہرہ صحیح معنوں میں مغلیہ حسن کا شاہکار معلوم ہوتی تھی۔ قد و قامت بھی بے مثال بہت زیادہ حسین اس کی آنکھیں تھیں۔ میرے خدا اتنی حسین، اتنی پرکشش آنکھیں لیکن دوسرے لمحے ایک خوفناک تاثر بھی سامنے آیا ان آنکھوں کی پتلیاں ایک سیدھی لکیر کی شکل میں تھیں۔

اف میرے خدا۔ یہ کیا ہے۔ دل میں ایک عجیب سا احساس ابھرا۔ اسی وقت پانڈے کی آواز ابھری۔

''سواگتم۔ سواگتم۔ شکتی آنند جی۔ سواگتم۔ آیئے۔''

میں نے چونک کر خود کو سنبھالا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔ پانڈے نے اپنے سامنے کی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''بیٹھئے شکتی جی۔ ہم آپ کے ابھاری ہیں۔ بیٹھئے۔''

''آپ بار بار اس کا تذکرہ کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں تو اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں شکاری دنیا کے اس عظیم سرمائے کے لئے چھوٹا سا کام کر سکا۔'' میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اور پانڈے ہنس پڑا۔

''میری جان بچ گئی اور آپ اسے چھوٹا سا کام کہہ رہے ہیں۔ میں ایک بار پھر آپ کو دھن واد کہتا ہوں۔'' پھر اس نے کہا۔ ''میں ہی نہیں چندر کانتا بھی آپ کی احسان مند ہیں۔ یہ میری دھرم پتنی چندر کانتا ہیں۔''

چندر کانتا نے مسکرا کر ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

میں نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ تو یہ چندر کانتا ہی کی وجہ سے کالے جادو کی ماہر دو شخصیتیں پریشان تھیں۔ ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا میں کالی کے پیروکار پھیلے ہوئے تھے۔ جادو کی دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ یہ وہ شخصیت تھی جس نے ان دونوں طاقتوں کو پریشان کر دیا تھا۔

اچانک میں چونک پڑا۔ پہلی بار میں نے اسے گہری نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ دوبارہ اسے دیکھا تو اس کی پیشانی اور گردن پر دو تین جگہ میڈیکل ٹیپ لگے ہوئے تھے اور آنکھیں۔ اوہ میرے خدا۔ وہی آنکھیں تھیں جو میں نے روشن دان میں دیکھی تھیں۔ اس وقت خوف کی وجہ سے میں نے ان کی آنکھوں کے حسن کا اندازہ نہیں کیا تھا۔ لیکن اب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ چندر کانتا ہی وہ پہلی بلی تھی جسے میں نے روشن دان میں اور پھر اپنے سینے پر دیکھا تھا۔

''آپ ان کے چہرے پر یہ زخم دیکھ رہے ہوں گے۔'' پانڈے نے شاید میرے چہرے کے تاثرات بھانپ لئے تھے۔

''ہاں دیوی جی کے.....'' میں نے جلدی سے کہا۔

''تم انہیں بھابی جی کہہ سکتے ہو۔''

''بہت مان دے رہے ہیں آپ مجھے۔'' میں نے کہا۔

''''تم اس سے زیادہ کے مستحق ہو۔ یار بار بار مجھ سے کہلوا رہے ہو۔ ایک شکاری کے پورے تجربے کو سامنے رکھ کر میں کہہ رہا ہوں کہ شیر نے میرے چیتھڑے اڑا دیئے تھے اگر تم جیسا ماہر شکاری ماہرانہ انداز میں اس پر گولی نہ چلاتا یہ ایک ماہر شکاری کا ہی کام تھا کسی اناڑی کا نہیں۔ ایسے حالات میں تمہیں جتنا بھی مان دوں کم ہے۔ تو میں تمہیں بتا رہا تھا کہ تمہاری بھابی جی رات کو سونے میں چلنے کی عادی ہیں۔ اکثر راتوں کو اٹھ کر چل پڑتی ہیں۔ کئی بار حادثے پیش آ چکے ہیں۔ پچھلی رات بھی اٹھ کر کہیں چل پڑی تھیں۔ ایک کھڑکی سے ٹکرا گئیں۔ کھڑکی

کے شیشے ٹوٹ گئے اور یہ زخمی ہوگئیں۔"
"اوہ۔ افسوس ہوا۔" میں نے کہا۔
"نوکروں نے ناشتے سے میز بھردی۔ تین آدمیوں کے لئے جو ناشتہ لگایا گیا تھا وہ تیرہ آدمیوں کے لئے کافی تھا۔ میں ناشتہ کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ یہ تو طے ہوگیا کہ پہلی بلی چندر کانتا تھا لیکن وہ دوسری بلی کون تھی۔ اچانک میرے ذہن میں بجلی کوندی۔ جیوتی رائے۔ وہ دوسری حسن کی مورت۔ نوخیز، نوعمر اور اوہ ہوسکتا ہے۔ بلکہ سو فیصدی ہوسکتا ہے۔ دونوں کے درمیان خوفناک جنگ ہوئی تھی جس کے آثار چندر کانتا کے چہرے پر نظر آرہے تھے۔
ناشتہ جاری تھا۔ تلک رام نے کہا۔
"شکار کا شوق تمہیں کب سے ہے شکتی آنند؟"
"بچپن سے مہاراج۔ بس نہ جانے کیوں درندوں سے دشمنی ہوگئی۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"بڑا نام کمالیا ہے تم نے چھوٹی سی عمر میں۔ تم نے ان کا نام سنا تھا کبھی کانتی؟" تلک رام نے اسے مخاطب کرکے کہا۔
"سینکڑوں بار۔ پر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اتنی بالی سی عمر ہے ان کی!" چندر کانتا نے کہا۔
"تمہیں حیرت ہوئی شکتی کہ مجھ سے زیادہ کانتی ایڈونچر پسند ہے۔ کبھی کبھی یہ شکار میں بھی میرے ساتھ ہوتی ہیں۔ ہمالیہ کی ترائیاں بے شمار اسرار سے بھری ہوئی ہیں۔ وہاں کی پراسرار داستانیں سنتے ہیں تو ہمارے من ڈول جاتے ہیں۔ ہم نے ایک منصوبہ بنایا ہے۔ ہم وہاں جائیں گے جہاں اب تک انسانی قدم نہیں پہنچے۔ ہم یعنی میں اور چندر کانتا اس منصوبے پر کام کررہے ہیں۔"
"بہت بڑی بات ہے۔"
"چندر کانتا میرا دائیں ہاتھ ہے۔"
"شکتی جی کو اپنا بایاں ہاتھ بنالیں پانڈے جی۔" چندر کانتا نے خوب صورت آواز میں کہا۔
"میرے من کی بات چھین لی تم نے۔ چندر کانتا کا ماضی ان پہاڑوں میں گم ہے۔ وہ اپنے ماضی کی تلاش میں بھی وہاں جانا چاہتی ہیں۔
"میں نے سچ کہا ہے پانڈے جی کہ اس پر غور کریں۔" چندر کانتا بے اختیار بولی۔
"کیا؟" پانڈے اس کی بات نہ سمجھ سکا۔
"یہی کہ ہمیں اتنے شاندار شکاری کا ساتھ مل جاتا۔"
"ہاں۔ میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔" ویسے شکتی آنند کو تیار کرنا تمہارا کام ہے کانتی۔"
"میں انہیں تیار کرلوں گی۔" اس نے مجھے اور مجھے اس کی آنکھیں اپنے دماغ میں اترتی محسوس ہوئیں۔"
"مجھے وشواس ہے۔" پانڈے بولا۔
"ناشتہ ختم ہوگیا تھا۔ میں نے کہا۔" مجھے اجازت پانڈے جی۔"
"ٹھیک ہے۔ ایک بات تم سے کہوں۔"
"جی!"
"جتنا تم تکلف کررہے ہو، اتنا نہ کرو۔ حویلی میں سب کو ہدایت کردی گئی ہے کہ تم صرف مہمان نہیں ہو۔ بلکہ گھر کے ایک فرد ہو۔ پوری حویلی میں من چاہے جہاں جاسکتے ہو۔ مہمان خانے میں کوئی تکلیف ہو تو اندر حویلی میں تمہارے لئے کوئی کمرہ تیار کردیا جائے۔"
"نہیں بالکل نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔
"کیوں۔" اس بار چندر کانتا نے کہا۔
"مجھے وہاں کوئی تکلیف نہیں۔"
"جی۔ اسے بعد میں دیکھیں گے۔" اس نے کہا۔
پانڈے نے ایک ملازم سے کہا کہ مجھے مہمان خانے میں چھوڑ آئے۔
"میں خود چلا جاؤں گا شکریہ۔"
"ہاں انہیں اکیلا جانے دو۔ ورنہ حویلی کے راستے کیسے معلوم ہوں گے۔" اس نے مجھے پھر غور سے دیکھا اور مجھے یوں لگا جیسے کچھ نشہ چڑھ رہا ہو۔ میں جلدی سے باہر نکل آیا۔ کچھ دیر کے بعد میں مہمان خانے میں پہنچ گیا۔ ایک کرسی پر بیٹھ کر میں ان واقعات کے بارے میں سوچنے لگا۔
ایک انوکھا خیال میرے دل میں آیا تھا۔ اب تک

مجھے جو خوبصورت لڑکیاں ملی تھیں وہ سب ہندو تھیں۔ کوئی مسلمان لڑکی مجھ سے کبھی نہیں ٹکرائی تھیں۔ حالانکہ میرے کردار میں کبھی لچک نہیں آئی تھی۔ لیکن انسان تو میں بھی تھا۔ یہاں باندی پور میں مجھے جیوتی رائے ملی تھی۔ حسن و جمال کی مورت وہ ذہن پر سوار تھی کہ چندر کانتا نظر آ گئی۔ اف کیا حسن ہے۔ اس کا ایک ایک نقش سحر میں گرفتار کرتا تھا۔ لگتا تھا کسی سنگ تراش نے اپنا آفاقی کمال دکھایا ہے۔ سنگ مرمر کی اس سے حسین مورتی کبھی نہ بنائی گئی ہو۔

اور جیوتی نہ جانے کیوں یہ بات میرے ذہن میں سرسرا رہی تھی کہ دوسری بلی جیوتی رائے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی۔ مجھے بتا دیا گیا تھا کہ باندی پور میں تلک رام کے گھر میں چندر کانتا کے علاوہ ایک اور کردار بھی ہے جو جیوتی رائے ہے اور جیوتی کانتا کی دشمن ہے۔

ابھی کچھ دیر پہلے تھک ہار کے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنے آپ کو مہمان خانے میں قید نہ رکھوں۔ اور حویلی میں جہاں چاہوں گھوموں۔ چنانچہ ایک بار پھر میں نے واش روم میں جا کر خود کو سنوارا اور پھر جیوتی کی تلاش میں چل پڑا۔ پوری حویلی کے اندرونی حصوں میں گھسنا تو معیوب تھا۔ لیکن میں نے اس لئے ایک باندی کا سہارا لیا۔ وہ ادھر سے گزر رہی تھی۔

''سنو!'' میں نے اس سے آواز دی اور وہ رک گئی۔ ''ادھر آؤ۔'' میں نے دوبارہ کہا۔ اور اس نے میرے قریب آ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''جی مہاراج؟''

''جیوتی رائے کہاں ملیں گی۔''

''ابھی پچھلے باغ میں گئی ہیں۔''

''اکیلی ہیں۔''

''نہیں داسیاں ساتھ ہیں۔''

میں نے اس جگہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور اس طرف چل پڑا۔ جیوتی رائے مجھے پھولوں کے ایک کنج کے پاس نظر آ گئی۔ حسن کا ایک خزانہ بھرا ہوا تھا اس حویلی میں ایک طرف چندر کانتا سلگتی ہوئی آگ تھی تو دوسری طرف جیوتی رائے دہک رہی تھی۔ حالانکہ میں جس فطرت کا انسان ہوں آپ کو اس کا اندازہ ہو گیا تھا لیکن حسن کو دیکھ کر جو متاثر نہ ہو وہ انسان میں نہیں ہے۔ یہ تو قدرتی جذبہ ہوتا ہے جو انسانیت کی شناخت کراتا ہے۔

میرا دل چاہا کہ دور کھڑا جیوتی کو دیکھتا رہوں جو پھولوں کے کنج کے پاس کھڑی پھولوں سے زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی۔ لیکن جیوتی نے ہی مجھے دیکھ لیا۔ پھر اس نے بڑی بے تکلفی سے مجھے دیکھ کر پورا ہاتھ کھڑا کر دیا۔ وہ مجھے پاس آنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

میں آگے بڑھ گیا۔ قریب پہنچا تو دونوں داسیاں جو اس کے ساتھ تھیں۔ مڑ کر واپس چلی گئیں۔ شاید جیوتی نے جانے کے لئے کہا تھا۔

میں قریب پہنچا تو اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ میں نے بھی اسی کے انداز میں ہاتھ جوڑے تو وہ ہنس پڑی۔

''کتنے سندر لگ رہے ہو اس سمے۔'' اس نے مجھے دیکھ کر تعریفی نظروں سے کہا۔

''یہ تو الٹی بات ہو گی۔'' میں بولا۔

''کیوں؟'' اس نے ایک ادا سے کہا۔

''سندر تو آپ لگ رہی ہیں۔ میں نے دور سے آپ کو دیکھا تو دل چاہا دیکھتا ہی رہوں۔''

''ارے واہ! اب تم بدلہ لے رہے ہو۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''اس سے زیادہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ آپ راج کماری ہیں۔ میری اس سے زیادہ جرأت نہیں ہو سکتی۔''

''اس سے زیادہ کیا کرو، مجھے اچھا لگتا ہے۔'' اس نے لگاوٹ سے کہا۔ میں اب ان باتوں کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ وہ معصوم فطرت اشرف خان نہیں رہا جو گجر گھاٹ کی حویلی کا بے وقوف تھا۔ ''کیسی گزر رہی ہے یہاں۔''

''بڑی مہربانی ہے آپ سب کی۔'' میں نے اس کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ بے داغ تھا جبکہ چندر کانتا ٹھیک ٹھاک زخمی نظر آئی تھی۔ میں نے خود ہی اندازے لگائے تھے کہ بلیوں کے روپ میں یہ دونوں تھیں حالانکہ وہ اور بلائیں بھی ہو سکتی تھیں۔ آج کل تو

میں بلاؤں کا چھیتا تھا۔ اور خوفناک بلائیں میرے اردگرد بھٹکتی رہتی تھیں۔

ممکن ہے بلیوں کا کھیل ہی دوسرا ہے۔ چندر کانتا کے چہرے کے زخم کسی اور وجہ سے لگے ہوں۔ پانڈے نے اس کی وجہ سوتے میں چلنا بتایا تھا۔ یا پھر یہ ہوسکتا ہے کہ دوسری بلی جیوتی رائے نہ ہو۔

''آؤ۔ یہاں سے چلتے ہیں۔'' وہ اچانک بولی۔ اور ایک طرف قدم بڑھا دیئے۔ میں اس کے حسن کے سحر میں پوری طرح گرفتار ہوگیا تھا۔ اس کا انگ انگ اس قدر پرکشش تھا کہ دل کی دھڑکنیں رکنے لگیں۔ وہ مجھے کافی دور حویلی کے ایک دوسرے گوشے میں لے آئی۔ اور اس علاقے کو دیکھ کر میں گنگ رہ گیا۔

یہ حویلی کا پچھلا حصہ تھا۔ ایک جگہ سے کچھ سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں۔ دوسری طرف کا منظر بہت سحرناک تھا۔ چوڑے پتوں والے درخت پھیلے ہوئے تھے جنہوں نے سر جوڑ کر سائبان بنایا ہوا تھا۔ ان کے نیچے ٹھنڈک ہی ٹھنڈک تھی۔ یہاں بے حد خوب صورت اور آرام دہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔''

''یہ ہے ہمارا مہاراج استھان'' وہ بولی۔

''سورگ کا گوشہ لگتا ہے۔'' میں نے اسی زبان میں بولنا ضروری سمجھا۔ تاکہ اسے مجھ پر کوئی شبہ نہ ہو۔

''بڑا اچھا جملہ ادا کیا تم نے۔ ہمیں اچھا لگا۔ بیٹھو۔'' وہ بولی۔

میں بیٹھ گیا تو وہ بھی میرے سامنے بیٹھ گئی اور مجھے غور سے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ ''نہ جانے کیوں من کرتا ہے کہ تمہیں اپنے بارے میں بتائیں۔ پہلے ایک بات تمہیں بتادیں۔ ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ کسی کو متر سمجھتے ہیں تو اس سے یہی چاہتے ہیں کہ وہ ہم پر وشواش کرے۔''

''میں مانتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ہمارے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''آپ راج کماری ہیں۔'' تلک رام پانڈے جی کی بہن۔''

''نہیں۔ ہم ان کی بہن نہیں ہیں۔ یوں سمجھ لو وہ ہمیں بہن نہیں سمجھتے ہیں۔''

''اوہ۔ یہ بات تو شاید کوئی بھی نہیں جانتا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''ہم میور سنکھٹ ہیں۔'' اس نے کہا۔ پہلے میں نے اس کے الفاظ کو سرسری سنا، پھر چونک پڑا۔ یہ لفظ تو ان لوگوں نے میرے لئے استعمال کیا تھا اور مجھے بتایا تھا کہ میں میور سنکھٹ ہوں اس لئے بہت سوں کو میری ضرورت ہے خاص طور سے کالے جادو والوں کو، لیکن یہ میور سنکھٹ ہوتا کیا ہے؟

''بادلوں کے غول چندر ما کے پاس ہوتے ہیں۔ وہ اس سے چاندنی ادھار مانگ کر خود ہی سمیٹ لیتے ہیں اور پھر جب وہ دھرتی پر برستے ہیں تو ''سبھا گنا'' کے پھول اپنا منہ کھول دیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی پھل میں اتنا بھگوان ہوتا ہے کہ چندر مانی کا سوم اس کے منہ میں بوند ٹپک جاتا ہے۔

وہ اپنی پتیاں بند کرلیتا ہے اور چندر ماتی پھول کے شریر میں جیون پاتی ہے پھر وہ سے پورا کرکے سنسار میں آجاتی ہے۔ ہم وہ ہیں۔

میں نے اسے دیکھا۔ یہ بیٹھے بیٹھے کیسے کھسک گئی۔ ابھی تو اچھی خاصی تھی۔ یا پھر یہ مجھے بے وقوف بنا رہی ہے۔'' لیکن مجھے سنبھل کر رہنا تھا۔ میں ایک بہت بڑے جنجال میں آ پھنسا تھا۔ عقل سے کام لینا تھا ورنہ کسی بڑی مشکل میں پھنس سکتا تھا۔

اس کی آنکھیں خوابناک ہورہی تھیں۔ اور اس عالم میں کمبخت اور حسین لگ رہی تھیں۔

''سبھا گنا کے پیڑ کی چھاؤں میں ہم بڑے ہوئے اور پھر تلک رام مہاراج نے ہمیں دیکھا اور وہ ہمیں یہاں لے آئے۔''

میں حیرانی نے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بالکل سنجیدہ اور کھوئی کھوئی سی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے اس کا دماغی توازن ٹھیک نہ ہو۔

☆......☆......☆

میری کہانی جاری ہے۔ آپ نے دیکھا کس طرح

ایک ناکردہ گناہ ایسے جال میں پھنسا ہے کہ اس سے نکلنا اس کے بس میں نہ رہے۔ میرا سب کچھ مجھ سے چھن گیا تھا جبکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں تو بس اس کا بھرم تھا کہ میرے نقوش میرے دادا سے ملتے تھے۔ میں اس کا تاوان بھگت رہا تھا۔ ایک کے بعد دوسرا تازیانہ کتنی مشکل۔

دن کے کوئی ساڑھے بارہ بجے ہوں گے کہ مہمان خانے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں دروازہ بند نہیں رکھتا تھا اس لئے میں نے کہا۔ ''آجاؤ......''

خوشبو کا ایک جھونکا اندر آیا اور اندر آ کر انسانی شکل اختیار کر گیا۔ لیکن میری تقدیر میں چونکنا ہی لکھ گیا تھا۔ اس شکل کو دیکھ کر بھی میں بری طرح چونکا تھا۔ یہ گنگا سری تھی۔ کسی دھوکے کے بغیر گنگا سری تھی۔ اس وقت ایک خصوصی طرز کا لباس پہنے کافی خوب صورت لگ رہی تھی۔

''پہچانا مجھے؟'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں!'' میں نے جواب دیا۔

''کیسے ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔''

''اچھا لگ رہا ہے۔''

''ہاں۔ بہت اچھا۔'' میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور میں بری طرح چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر بھی چندر کانتا جیسے زخم تھے۔ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

''ارے یہ زخم۔''

''تمہارے کارن لگے ہیں۔''

''میرے کارن کیوں۔''

''انجان کیوں بن رہے ہو۔ میری لڑائی ہوئی تھی چندر کانتا سے۔''

''اوہ، اس کا مطلب تھا کہ وہ دوسری بلی تم تھیں۔''

''ہاں۔ وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتی تھی۔ تمہیں شاید معلوم ہو کہ وہ تمہیں سونگھ رہی تھی۔''

''ہاں۔'' مجھے معلوم ہے۔

''جانتے ہو کیوں؟''

''نہیں جانتا۔''

''تمہارے شریر کے بارے میں جاننا چاہتی تھی کہ تم گرونتھ ہو کہ کنوارے۔ مگر یہ خطرناک بات ہے کہ تم کنوارے ہو۔ اتنی سندر کنیائیں تمہارے پاس بھیجتی تھی مگر تم نے ان میں سے کسی کو سویکار نہیں کیا۔ مجھے تو تم پاگل لگتے ہو۔''

''جو گناہ نہیں کرتے وہ پاگل ہوتے ہیں۔''

''گناہ ثواب تم نے میرے اپنے اوپر لادر کھے ہیں۔ تمہارے دادا نے تو کبھی اس بارے میں نہیں سوچا۔ مامون خان کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کا منہ بگڑ گیا۔

''سارے خاندان کو اور خاص طور سے مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا تو پڑا۔''

''تم تو عیش کر رہے ہو۔ اور پھر اب تم گناہ ثواب والے کہاں رہے۔''

''کیوں؟''

''اب بھی تمہارے من میں تمہارا دھرم ہے۔''

''مرتے دم تک رہے گا۔''

''مگر تم وہ سب کچھ استعمال کر چکے ہو جس نے تم سے تمہارا دھرم چھین لیا ہے۔''

''جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا۔'' میں نے کہا۔

''مطلب۔''

''مجھے جو کچھ دیا دھوکے سے دیا گیا۔ اور میرے دین میں یہ گنجائش ہے کہ دھوکے کی معافی مل جاتی ہے۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہی، پھر ہنس پڑی۔ پھر بولی۔

''یہ تو تم نے اچھی بات بتائی۔ دھوکے سے تمہارا شریر بھی لیا جاسکتا ہے۔ اور میور سنکھٹ کے ساتھ بیتا ہوا سمے...... وہ جیسے نشے میں ڈوب گئی پھر بولی۔ ''میری تمہاری تو اب کوئی لڑائی نہیں رہی۔ تم نے مجھے میرا رام سروپ دے دیا۔ اور میرا زیور دے دیا۔''

''رام سروپ تمہارے پاس آ گیا؟''

''ہاں۔'' وہ مسرت سے بولی۔ پھر کہنے لگی۔ ''میں نے اپنے پتا جی سے بھی کہہ دیا کہ وہ تم سے نفرت ختم کر دیں۔ اب تو تم ہمارے ہو۔ کالی دیوی کے پجاری ہو۔''

''دماغ خراب ہے تمہارا۔ میں کسی کالی پیلی کا

پجاری نہیں ہوں۔‘‘ میں نے جھک کر کہا تو وہ ہنس پڑی۔ پھر بولی۔

’’تمہاری یہ باتیں پیاری لگتی ہیں۔ ویسے ایک بات کہوں۔ یاد رکھنا، میں تو آتما ہوں، سنسار میں جو کچھ ہوتا ہے اس سے دور ہوں۔ میرے رام سروپ سے بھی میرا شریر کا رشتہ ہے۔ وہ بھی سوکھی ہوئی ہڈیوں کا پنجر ہے۔ میں بھی اور یہ ہڈیاں بھی ہمارے پاس اس لئے کہ ہماری چتائیں نہیں جلیں ورنہ یہ ہڈیاں بھی بھسم ہوجاتیں۔ تو میں کہہ رہی تھی اپنے شریر کی حفاظت کرنا اسی میں تمہاری بچت ہے۔ ورنہ تم پوری طرح گندی آتما بن جاؤ گے۔‘‘

’’تم میری دوست بن چکی ہو گنا سری؟‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’تو مجھے بتا بھی دو یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔‘‘

’’لمبا کھیل ہے۔ آتماؤں کا کھیل۔‘‘

مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔

’’چندر کانتا نے ایک نئے پنتھ کی شروعات کی ہے۔ یہ پنتھ مہا کالی کے خلاف ہے اور وہ سنسار کی دوسری شکتیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر کالی پنتھ کا ناش کرنا چاہتی ہے۔ وہ بہت ہی بڑی جادوگرنی ہے اور اس نے ایسے قدم اٹھائے ہیں کہ کالی دیوی پریشان ہے۔ کالی دیوی نے تم پر بھاری ذمے داری ڈالی ہے۔ تم چندر کانتا کو استھان تک جانے سے روکو گے جہاں پہنچ کر اس کا گیان پورا ہونا ہے۔‘‘

’’میں روکوں گا۔‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’میں ایک معمولی سا انسان۔‘‘

’’یہی تو اتفاق ہو گیا ہے۔ تم معمولی انسان نہیں ہو۔ تم میور سنکھٹ ہو۔‘‘

ایک دم میرا دل چاہا کہ جیوتی رائے کی کہانی گنگا سری کو سنا دوں۔ پھر نہ جانے کس قوت نے میرا منہ کھلنے سے روک دیا۔ وہ بولی۔ ’’اور تم نہیں جانتے کہ کالی دیوی کا کام کر کے تمہیں کتنا اونچا مقام ملے گا تم دیوتا بن جاؤ گے۔ سنسار تمہاری پوجا کرے گا۔ سنسار کی دولت تمہارے چرنوں میں ڈھیر ہو جائے گی۔ اتنی بڑی شکتی ملے گی تمہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہ اس لئے تمہیں جو کچھ کرنا پڑے گا وہ بڑا کٹھن ہوگا۔ اسے آسان نہ سمجھنا۔‘‘

’’تم گنگا سری ہو نا؟‘‘ اچانک میں نے سوال کیا اور اس نے مجھے چونک کر دیکھا پھر بولی۔

’’کیوں۔ یہ سوال کیوں کیا تم نے۔‘‘

’’بس کچھ عجیب سا خیال آیا تھا دل میں۔‘‘

’’کیا۔ ایک دوست کی حیثیت سے مجھے بتاؤ۔‘‘ وہ بڑی اپنائیت سے بولی۔

’’گنگا سری، جو نقصانات مجھے تم سے پہنچے ہیں۔ کیا انہیں بھول کر میں تمہیں دوست سمجھ سکتا ہوں۔‘‘ میں نے صاف گوئی سے کام لیا اور وہ خاموش ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

’’کام میرا نہیں ہے۔ لیکن تم مجھے بہت اچھے لگے ہو، تم نے مجھ پر احسان بھی کیا ہے۔ میرا سروپ مجھے دے کر میں اس سے پریم کرتی ہوں۔ دیکھو سنسار کو سمجھو۔ منش بڑا کمزور ہے۔ اپنی سانس جیتا ہے اپنی سانس مرجاتا ہے۔ رشتے ناطے بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن آنا جانا اکیلے ہی ہوتا ہے۔ رشتوں سے پریم کرو، پر اتنا کرو، ضرورت کے مطابق، اب تم اپنے چاچا کو دیکھو۔ وہ خون نہیں ہے کتنا بدل لیا ہے اس نے خود کو۔‘‘

’’میں تم سے یہی کہنا چاہتا ہوں۔‘‘

کہو۔‘‘

’’میری ماں مجھے دلوادو۔ فرید خان تمہارا پیروکار ہے تمہاری مانتا ہے میں اپنی ماں کے لئے ترس رہا ہوں۔‘‘

’’مہا کالی دوارا یہ سنکھٹ آیا تھا۔

’’پھر۔‘‘

’’یہی فیصلہ کیا گیا کہ ایسا نہ کیا جائے۔‘‘

’’وجہ؟‘‘

’’تمہاری تڑپ ختم ہو جائے گی پھر تم ہمارا کام نہیں کرو گے۔ تم یہ دیکھو، فرید خان کو اتنا دھن اتنی دولت دی

جا سکتی ہے کہ اس کے پاس رکھنے کے لئے جگہ نہ رہے۔ مگر نہیں دی گئی۔ گجر گھاٹ کے راجہ بنایا جا سکتا ہے اسے۔ مگر نہیں بنایا گیا۔ آخر کیوں۔ صرف اس لئے کہ اس کی لگن رہے۔ جب وہ ہمارے کام پورے کر دے گا اسے من مانگی دیدی جائے گی۔ تم ہمارا کام کر دو، تمہیں تمہاری ماں تحفے میں دی جائے گی۔ ہاں۔ تمہارے احسان کے بدلے کچھ باتیں میں تمہیں ضرور بتا دوں۔" اس نے کہا۔

"کیا؟"

"کیونکہ ہمیں تم سے کام لینا تھا اور تمہیں تمہارے کام کا بدلہ دینا تھا۔ چنانچہ تمہاری ماں کو فرید خان سے لے لیا گیا۔"

"لے لیا گیا؟" میرا دل زور سے دھڑکا۔

"ہاں۔ ہم تمہیں اچھا انعام دینا چاہتے ہیں۔ فرید خان تمہارا دشمن ہے۔ اس نے تمہاری ماں کو اچھا نہیں رکھا تھا۔ ہم نے اس سے لے لیا۔"

"پھر؟ میں نے بے قراری سے پوچھا۔

"اب وہ رانیوں کی طرح رہ رہی ہے۔ دو داسیاں اس کی سیوا کرتی ہیں۔ اچھا کھاتی ہے اچھا پہنتی ہے۔ خوب خوش ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"وہ میرے بغیر خوش نہیں رہ سکتیں۔"

"اس کا اپائے کر لیا گیا ہے۔"

"کیا؟"

"اس سے اس کا ماضی لے لیا گیا ہے۔ اب وہ رانی شردھا کے نام سے رہ رہی ہے۔ جب ہم اسے تمہارے حوالے کریں گے تو اس کی یادداشت واپس دے دیں گے۔"

مجھے چکر آ گیا تھا۔ خدا غارت کرے ان کالے کرتوتوں والوں کو۔ کم بختوں نے ہر چیز کا حل نکال لیا تھا۔ وہ پھر بولی۔ "ہمارے وفادار بن جاؤ۔ میں تم سے ایک وعدہ کرتی ہوں۔ ایک بار دور سے تمہاری ماں کو تمہیں دکھا دوں گی تاکہ تمہیں ہم پر اعتبار رہے۔"

میں نے گردن جھکا لی۔ ہر چند کہ میں دوغلی چال چل رہا تھا۔ لیکن یہ پیشکش میرے دل کو چھو رہی تھی۔ میں ماں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ چند لمحوں کے بعد میں نے کہا۔ "مجھے بتاؤ گنگا سری۔ ایک بار مجھے پھر بتاؤ۔"

"کیا؟"

"یہی کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"مختصر بتا چکی ہوں۔ تمہیں ایک لمبا سفر کرنا پڑے گا۔ اور پھر تم ایک بہت بڑا کام کرو گے۔ جو ابھی میرے علم میں نہیں ہے۔"

"ہوں۔" میں نے گردن جھکا لی۔" وہ پھر بولی۔

"تم نے اب تک اپنا کام ٹھیک کیا ہے۔ تلک رام پانڈے تم سے بہت متاثر ہو گیا ہے۔ یہی مہا کالی چاہتی تھی لیکن چندر کانتا بہت چالاک ہے۔ تمہارا مقابلہ اسی سے ہے۔ تمہیں چندر کانتا کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔"

"کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ میں نہیں۔ سمے بتائے گا۔"

میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تو وہ بولی۔

"ٹھیک ہے شکتی، تم تیار ہو۔"

"ہاں!" میں نے جواب دیا اور ایک انوکھا منظر دیکھا۔ دفعتاً پھلجھڑی سی چھوٹی۔ رنگ برنگی خوب صورت چنگاریاں اڑیں اور گنگا سری کا کوئی نشان نہ آ رہا۔

گنگا سری میرے لئے بہت سی سوچیں چھوڑ گئی تھی۔ دو تین دن گزرے۔ حیرت انگیز طور پر کسی نے مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ چوتھی رات ایک ملازمہ میرے پاس پہنچی۔ یہ جانا پہچانا چہرہ تھا۔ اس ملازمہ کو میں کئی بار دیکھ چکا تھا۔ اس نے ادب سے کہا۔

"آپ کو بلایا گیا ہے۔ آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہے۔"

"کس نے بلایا ہے۔" میں نے پوچھا۔ وہ کسی قدر کشمکش کا شکار ہو گئی۔ پھر بولی۔

"رانی چندر کانتا نے۔"

"اوہ۔ اچھا۔" میں نے کہا۔ اس کے بعد میں نے

اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔'' پھر میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ اس بار میں حویلی کے ایک نئے حصے میں آیا تھا۔ اس سے پہلے میں نے اس حصے کو دور سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ باندی مجھے ایک عمارت سے لائی پھر مجھے ایک قید خانے میں اترنا پڑا۔

بے حد وسیع قید خانہ نما جو نیم تاریک تھا۔ لیکن جیسے ہی میں ملازمہ کے ساتھ نیچے پہنچا، تہہ خانہ ایک دم روشن ہوگیا۔ میں نے ٹھٹک کر اس میں نظریں دوڑائیں اور میرے پورے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں۔

عظیم الشان تہہ خانے کی دیواروں کے ساتھ انسانی ڈھانچے کھڑے تھے۔ لاتعداد انسانی ڈھانچے جو خاموش کھڑے سامنے دیکھ رہے تھے۔ مجھے قید خانے میں چھوڑ کر ملازمہ الٹے پاؤں واپس چلی گئی اور مجھے دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ نہ جانے کیوں اندر سے ایک آواز ابھر رہی تھی۔ پھنس گیا اب میں قید خانے کا قیدی ہوں۔

میں ڈھانچوں پر نگاہیں جمائے رہا اور خوب دیر ہوگئی۔ اچانک مجھے اپنی سانسوں میں گھٹن کا احساس ہوا اور میں نے چونک کر چاروں طرف دیکھا، آہ۔ وہ منظر بھی بے حد خوفناک تھا۔ دیواروں کے ساتھ کھڑے ڈھانچوں کے منہ سے گہرے گاڑھے دھوئیں کے مرغولے نکل رہے تھے۔ جیسے وہ سگریٹ پی رہے ہوں۔ یہی دھواں ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ مجھ پر نیم غشی طاری ہونے لگی۔ اور پھر مجھے ہوش نہ رہا۔

ہوش آیا تو میں نے ماحول کا جائزہ لیا۔ ماحول بدل گیا تھا اور اب میں کسی نئی جگہ تھا۔ لیکن ادھر ادھر دیکھتے سے اندازہ ہوگیا کہ اس ماحول کو مزید دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک پر مزاح کوشش، وہ انسانی ڈھانچے اب بھی یہاں موجود تھے۔ لیکن اس عظیم الشان ہال کے ایک گوشے میں بڑی ترتیب سے کرسیاں پڑی تھیں۔ بالکل تھیٹر یا سینما کا منظر تھا۔ ان کرسیوں پر وہ ڈھانچے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا رخ سامنے تھا جہاں کسی تھیٹر میں کسی طرح ایک حسین پردہ جھلملا رہا تھا۔

میں خاموشی سے اس منظر کو دیکھتا رہا۔ یہ پراسرار باتیں اب میرے لئے حیران کن نہیں رہی تھیں۔ میں اسی پراسرار دنیا کا ایک انسان بن کر رہ گیا تھا۔

اچانک مجھے اپنے عقب میں آہٹ سی محسوس ہوئی اور میں نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ دو انسانی شکلیں میرے سامنے تھیں۔ یہ بھی داسیاں تھیں، ان میں سے ایک نے شیریں لہجے میں کہا۔

''آیئے مہاراج!'' ساتھ ہی اس نے آگے بڑھ کر میرا بازو پکڑ لیا۔ دوسری لڑکی نے بھی یہی حرکت کی تھی۔ میں کھڑا ہو چکا تو وہ دونوں مجھے لے کر ان کرسیوں کے پاس آئیں جن پر ڈھانچے بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر ان کے درمیان سے گزار کر بالکل آگے لے گئیں جہاں ایک صوفہ سیٹ پڑا ہوا تھا۔ مجھے صوفے پر بیٹھا کر وہ آگے بڑھیں دو تین سیڑھیاں چڑھ کر پردے کے پاس پہنچ گئیں۔ پردے میں ڈوریاں لٹکی ہوئی تھیں کھینچنے سے پردہ ہٹنے لگا۔ اور پردے کے دوسری طرف کا منظر نمایاں ہوگیا۔

وہ چندر کانتا تھی جو ایک خوب صورت صوفے پر کسی ملکہ کی سی تمکنت کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ کم بخت پہلے سے بھی زیادہ حسین نظر آرہی تھی۔ اس کی طلسمی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

''کیسے ہو شکتی آنند؟''

میں نے اسے دیکھا۔ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھی۔ اس وقت ایک خیال میرے دل میں آیا اس نے مجھے شکتی آنند کہہ کر پکارا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ میری اصلیت سے واقف نہیں ہے۔ اس کا ایک مطلب بھی ہے۔ وہ جو کچھ بھی ہے اس کا گیان اتنا مضبوط نہیں ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو پہچان لے۔ مجھے بہر طور اس کے خلاف کام کرنے بلکہ اس کی جان لینے کے لئے بھیجا گیا تھا اور اس کے لئے مجھے چالاکی سے کام لینا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں مہارانی جی؟''

''اس سمے۔ میں تم سے کچھ خاص باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ اسی لئے میں نے تمہیں اس خاص جگہ بلایا

ہے۔ یہاں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ یہ میری مملکت ہے۔ چندر کانتا کی راجدھانی ہے اور جسے تم کرسیوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہو وہ میری سینا کے سردار ہیں۔ صرف سردار جو سینا کے مختلف جتھوں کو کنٹرول کرتے ہیں۔ وہ کوئی معمولی سینا نہیں ہے۔ پل پڑیں تو شہر کے شہر فتح کرلیں، سمجھ رہے ہونا تم؟''

میں خاموش رہا۔ میں نے گردن تک نہیں ہلائی۔ البتہ اس جادونگری کے طلسم کو میں پوری توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ لمحوں کے لئے رکی پھر بولی۔

''تمہیں میرے خلاف استعمال کرنے والے نہیں جانتے کہ میں کیا ہوں۔ میرے خیال میں تو وہ بڑے بے وقوف ہیں بلکہ مجھے ان پر حیرت ہے۔ کالی دیوی جس کے پاس کالے جادو کا سب سے بڑا استھان ہے یہ نہیں سوچتی کہ جس نے اس سے اور اس کی ساتھی راج کردھنی سے ٹکر لی ہے۔ کسی بھی بول بوتے پر ہی اس کے سامنے آئی ہوگی۔ اشیش پر کولتا کچھ بھی نہیں ہے میری شکتی کے سامنے۔ میں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی ہوں۔ اس لئے میں کسی سے لڑائی نہیں چاہتی لیکن انہوں نے تمہیں منصوبہ بنا کر بھیج دیا۔ تم جیسے معصوم آدمی کو انہوں نے اتنے بڑے کام کے لئے بھیج دیا۔

اب میں چونکا تھا۔ وہ جو کہہ رہی تھی وہ بے حد خطرناک تھا۔ وہ جانتی ہے کہ مجھے ان لوگوں نے بھیجا ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی مجھے بولی۔

''ہاں اشرف خان جی۔ تم مسلمان ہو اور کالی دیوی کے مسلک میں کسی مسلمان سے اس کا ایمان دھرم چھیننا سب سے بڑا کام ہے۔ انہوں نے اس کے لئے تم سے تمہارے دھرم کے خلاف کام کرایا ہے۔ خیر میں تم سے کچھ اور کہنا چاہتی ہوں۔

''جی۔ کہیے۔'' میں نے کہا۔

''تم کوشش کرکے اپنے اپنے راستے لگو۔ جس طرح بھی بن پڑے اپنے راستے الگ کرکے ان کے چنگل سے بچو اور ہمارے بیچ نہ آؤ۔ یہ تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔ اگر تم اس سے باز نہ آؤ گے تو کھو جاؤ گے۔

تحفہ

ایک احمق شخص گوتم بدھ کے پاس پہنچا اور انہیں برا بھلا کہنے لگا۔ گوتم بدھ نے بڑی خاموشی اور تحمل کے ساتھ اس کی گالیاں سننے کے بعد کہا۔

میرے بیٹے، مجھے ایک بات تو بتاؤ کہ اگر تم کسی شخص کی خدمت میں تحفہ لے کر پہنچو اور وہ تمہارے اصرار کے باوجود اسے قبول نہ کرے تو اس تحفے کا مالک کون ہوگا۔

اس شخص نے جواب دیا۔ ''اس کا مالک تحفہ لانے والا ہی ہوگا۔''

گوتم بدھ نے جواب دیا۔ ''بیٹا میں تمہاری گالیوں کی سوغات قبول نہیں کرسکتا۔ تم اسے اپنے ہی پاس رکھو۔''

(شرف الدین جیلانی۔ٹنڈوالہ یار)

ایسے کھو جاؤ گے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''میں آپ کا بڑا احترام کرتا ہوں رانی جی۔ لیکن میرے خیال میں آپ نے میرے بارے میں ٹھیک سے نہیں سوچا۔''

''مطلب؟''

''میں ایک مشکل کا شکار ہو کر یہ سب کر رہا ہوں۔ کالی دیوی یا راج کردھنی نے میرا کچھ نہیں بگاڑ نہ بگاڑ سکتی ہیں میں ایک اپنے کا شکار ہوا ہوں۔ مجھے دھمکیاں نہ دیں میں کسی دھمکی سے نہیں ڈرتا۔''

''واہ'' وہ بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔ ''میں بہادر لوگوں پر جان دیتی ہوں۔ مگر میں کیا کروں۔ تم ان لوگوں کے قبضے میں ہو۔ کالی دیوی نے بلاوجہ مجھ سے بیر باندھا ہے حالانکہ وہ مہان ہے۔ اس کا خیال ہے۔ میں اس کی جگہ لینا چاہتا ہوں اس کی اس سے بڑی بھول اور کوئی نہیں ہوسکتی...... میں اس کی جگہ نہیں لینا چاہتی۔ اور نہ ہی میں اتنی شکتی مان ہوں کہ اس سے ٹکرا سکوں۔ میں

اپنا کام کر رہی ہوں۔ میرا ایک مقصد ہے میں اسے پورا کرنا چاہتی ہوں اور بس۔ مجھے کسی سے غرض نہیں ہے۔"

"ضرور پورا کرو۔" میں نے کہا۔

"میں سب کچھ جانتی ہوں شکتی آنند یا اشرف خان۔"

"مثلاً......؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں یہاں میرے خلاف کام کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔" وہ بولی۔ میرے بدن میں ایک لمحے کے لئے سنسناہٹ ضرور ہوئی تھی لیکن پھر ایک اور خیال نے میرے ذہن کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ خیال یہ تھا کہ میں ایک مسلمان گھرانے کا فرد ہوں۔ اللہ جانتا ہے کہ میں نہ تو کسی لالچ کا شکار تھا اور نہ ہی میں کسی کے خلاف کچھ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے تو کسی دوسرے کے گناہوں کا شکار ہوا۔ اور اس کے بعد پے در پے گندی ارواحوں کا شکار ہوتا رہا۔ میرا اس میں کیا قصور ہے۔ ہاں میرے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہوا تھا کہ میں کچھ ایسے علوم ضرور سیکھوں جو میری اور انسانیت کی بھلائی کے لئے ہوں۔ وہ نہ ہوسکا اور میں ان گندی روحوں کے جال میں پھنس گیا۔ اب چاہے وہ کالی دیوی ہو یا چندر کانتا، وقت جو فیصلہ کرے۔

"کیا سوچنے لگے۔" وہ بولی۔

"یہی کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے کہا۔

"کیا چاہتے ہیں وہ تم سے۔"

"یقین کرو گی ہماری بات پر۔"

"ہاں۔"

"تو پھر یقین کرو، انہوں نے ابھی تک مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا کہ یہاں بھیج کر وہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔"

"بتائیں گے وہ تمہیں آہستہ آہستہ یہ بھی بتائیں گے لیکن میں تم سے دوستی چاہتی ہوں۔۔"

"وہ کیسے؟"

"تم ان کے خلاف کام کرو، اور مجھ سے رابطہ کرو۔ وہ جو کچھ بھی تم سے چاہیں مجھے اس کے بارے میں بتاتے رہو۔"

"تمہارے خیال میں اس بات پر وہ مجھے چھوڑ دیں گے۔"

"وہ تمہارا بال بیکا نہیں کرسکیں گے۔ یہ میرا تمہارا وعدہ ہے۔"

"ہوں۔ ایک بات تمہیں معلوم ہے۔ چندر کانتا۔"

"کیا؟"

"میں ان کے ہاتھوں میں ایک مشکل میں پھنسا ہوں۔ اگر میری یہ مشکل حل ہوجاتے تو میں انہیں جوتے کی نوک پر بھی نہ ماروں۔"

"کیا مشکل ہے۔ مجھے بتاؤ۔" وہ بولی اور میں اسے ماں کے بارے میں بتانے لگا۔ وہ سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ پھر اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔"

"فرید خان۔"

☆......☆......☆

اس وقت رات کے تین بجے تھے۔ میں گہری نیند سو رہا تھا کہ کسی نے میرا پاؤں پکڑ کے زور سے ہلایا اور میں جاگ گیا۔ پہلی نگاہ دیوار پر لگی گھڑی پر پڑی تھی۔ دوسری گنگا سری پر جو ہندو طرز کے ایک بے حد ہیجان خیز لباس میں ملبوس میرے سامنے کھڑی تھی اور اپنی چمکدار ہوس بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھے جاگا دیکھ کر وہ مسکرادی۔

"جاگ جاؤ موہن پیارے۔ مہا کالی کی سوگند سوتے میں اتنے سندر لگ رہے تھے کہ من چاہ رہا تھا......

"اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ میں عجیب طرح سے حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ ایک روح ہے روح تو پاکیزہ ہوتی ہے۔ دنیاوی برائیوں سے پاک۔ ہر طرح کی گندگی سے دور۔ لیکن پھر مجھے یاد آ گیا کہ وہ ایک گندی روح ہے۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بولی۔ "کالی دیوی کے بیر تمہاری دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اور مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتاتے ہیں کیسے مزے کی بات ہے۔ تم اس پاپی مامون خان کے پوتے ہو۔ اس نے مجھے جنون سے محروم کیا میرے رام

سروپ کو مارا اور خود اپنے پریوار کا بیراگی بن گیا۔ تم اس کے ہمشکل ہو، میری تم سے دشمنی تھی۔ لیکن...... چلو چھوڑو میں بھی کس پھیر میں پڑ گئی...... میں تم سے کچھ باتیں کرنے آئی ہوں۔"

"رات کے تین بجے!" میں نے طنز سے کہا۔

"مجبور تھی۔"

"میں گہری نیند سو رہا تھا۔" میں نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔" وہ بولی۔ پھر مسکرا کر کہنے لگی۔ "کوئی سپنا دیکھ رہے تھے؟"

"میں خواب نہیں دیکھتا۔"

"دیکھا کرو۔" وہ لگاوٹ سے مسکرا دی۔ "یہ عمر سپنے دیکھنے کی ہوتی ہے۔ اور کبھی ہمیں بھی سپنے میں دیکھ لو۔"

"گنگا سری۔" میں نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا اور وہ چونک پڑی۔ پھر اس کا چہرہ خشک ہو گیا۔ شاید اسے اپنی بے عزتی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے کچھ لمحوں کے بعد سپاٹ لہجے میں کہا۔

"بیروں نے ہمیں بتایا ہے کہ چندر کانتا تم پر ڈورے ڈال رہی ہے۔ وہ تم سے ملی تھی اور دیر تک باتیں کرتی رہی تھی۔"

"ہاں۔ پھر۔"

"انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اس نے تم سے کیا باتیں کی تھیں۔"

"تم آگے کی بات کرو۔" میں نے کہا۔

"پھر ہوش کھونے لگے ہو تم اشرف خان۔"

"اور آگے کی بات کرو گنگا سری۔"

"آگے کی بات یہ ہے کہ تم اپنے کام کو مت بھولو۔ جو کام تمہیں دیا گیا ہے وہ کرو۔ اصل کام مت بھولو اسی میں تمہاری نجات ہے۔"

"کر رہا ہوں۔ میرا دماغ خراب مت کرو۔" میں نے کہا اور وہ مجھے گھورنے لگی۔ پھر عجیب سے انداز میں ہنس پڑی۔ پھر واپسی کے لئے مڑ گئی۔ میں بہت دیر تک جاگتا رہا تھا۔

تین دن کے بعد تلک رام پانڈے خود مہمان خانے کی طرف آ نکلا۔ ایک خادم نے مجھے اندر آ کر اطلاع دی تھی اور میں باہر نکل آیا تھا۔

"ارے پانڈے جی مہاراج۔ آپ نے مجھے نہیں بلایا۔"

"آؤ۔ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ میری نظروں میں تمہاری بہت بڑی جگہ ہے آؤ۔" وہ مجھے ساتھ لے کر باغ کے ایک گوشے میں آ گئے۔ ایک خوب صورت کنج کے پاس پڑی بنچ پر بیٹھ کر انہوں نے کہا۔ "تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔"

"بالکل نہیں۔ لیکن میں سوچتا ہوں کہ مجھے کتنے عرصہ یہاں رہنا چاہئے۔"

"کیا مطلب؟"

"مہمان کتنے دن رہا جا سکتا ہے۔"

"تم یہاں مہمان ہو۔" وہ عجیب سے انداز میں بولے۔

"پھر بھی پانڈے جی۔"

"نہیں شکتی آنند۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تم سے کھل کر بات نہیں کی۔ میں تمہیں یہاں سے کہیں نہیں جانے دوں گا۔ اب تم میرے ہی ساتھ رہو گے۔ تمہیں جس سے پیار ہے اسے یہیں بلا لو۔ اب تم ہمارے گھر کے ایک فرد اور میرے ساتھی ہو۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اتنا بڑا امان دیا ہے۔"

"تم یہ بتاؤ کہ تمہیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"بالکل نہیں۔"

"بات ختم ہو گئی۔ اب میں تم سے وہ بات کہنا چاہتا ہوں جس کے لئے یہاں تمہارے پاس آیا ہوں۔ اصل میں ہماری مہارانی چندر کانتا تم سے کوئی کام لینا چاہتی ہیں۔ وہ تمہیں کسی خاص مقصد کے لئے کہیں روانہ کرنا چاہتی ہیں۔ کوئی ضروری کام ہے۔"

"آپ کا کیا حکم ہے۔" میں نے پوچھا۔

"لیکن تم جانتے ہو۔ سنسار میں دھرم پتنی کو ہی خوش رکھنے میں کلیان ہے۔"

''آپ کو معلوم ہے کہ یہ مہارانی مجھے کس کام سے اور کہاں بھیجنا چاہتی ہیں۔''

''یہاں سے کافی دور گھنے جنگلوں کا ایک خطرناک سلسلہ ہے۔ اسے بیلا گھان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ تمہیں اس علاقے میں جانا ہے۔ یہاں سے تم کچھ لوگوں کے ساتھ جاؤ گے وہاں بیلا گھان میں ممکن ہے۔ ہمیں بھی جانا پڑ جائے۔ وہیں ہماری ملاقات ہو جائے گی۔ کیا تم نے بیلا گھان کا نام سنا ہے۔''

''کبھی نہیں۔''

''بڑی پراسرار جگہ ہے یوں سمجھ لو کہ وہ جادوگروں کا استھان ہے۔ سنا ہے کالی دیوی نے بیس سال بیلا گھان میں کالی تپسیا کی ہے۔''

''خود کالی دیوی نے۔''

''ہاں۔''

''اچھا پھر۔''

''کام کی نوعیت تمہیں وہیں جا کر پتہ چلے گا۔ لیکن تمہیں ہم پر بھروسہ رکھنا چاہئے ہم تمہیں کوئی نقصان نہ ہونے دیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔''

''بہت مہربانی تمہاری۔ باقی باتیں خود چندر کانتا جی تمہیں بتائیں گی۔''

کوئی نیا کھیل، کیا سارے خیالات دل سے نکال دوں۔ وقت کا ساتھ دوں۔ اس سے زیادہ اور کیا امتحان دے سکتا تھا۔ دین دھرم کو کس طرح قائم رکھوں۔ ایک طرف شیطانی قوتوں نے چاروں طرف سے مجھ پر جال ڈال رکھے ہیں اور دوسری طرف......

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ چندر کانتا جی کیا فرماتی ہیں۔ لیکن وہی بات کہ اس وقت میں کالی قوتوں کا سب سے چہیتا خود تھا۔ رات ہی کا وقت تھا کہ کیداری جی مہاراج مہمان خانے میں آ گئے۔

''ارے آپ؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''جے ہو مہاراج شکتی جی۔''

''ایک بات بتایئے۔ یہ آپ کی دشمن چندر کانتا کی راج دھانی ہے۔ آپ لوگ یہاں بیل کی طرح منہ اٹھائے کیسے گھس آئے ہیں۔''

''جنگلی بیل جو ٹھہرے۔'' کیداری ہنس کر بولا۔ پھر کہنے لگا۔ ''خیر، ہمیں اندر کی ساری باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ چونکہ آپ کو بیلا گھان جانے کے لئے کہا گیا ہے۔ آپ پریشان ہوں گے کہ وہاں جائیں یا نہ جائیں اس لئے مجھے بھیجا گیا ہے۔''

''گڈ۔ کیا کہتے ہیں آپ۔''

''آپ کو بیلا گھان ضرور جانا ہے۔ یہ ہمارے مطلب کی بات ہے۔''

''چلیں یہ بھی ٹھیک ہے اور کوئی ہدایت۔''

''وہاں جانا بہت کٹھن ہے وہاں کالی دیوی درگا دیوی، بھوانی دیوی راج کردھن اور دوسری بہت سی شکتیوں کے گروزن ہیں۔ ہر طرف جادو کی راج دھانی ہے۔ آپ کے آنے کی خبر ان لوگوں کو فوراً ہو جائے گی اور آپ روکے جائیں گے۔ اس کے لئے تیار رہیں۔''

''ایک بات بتاؤ کیداری۔''

''جی مہاراج۔''

''کیا جادوگری کی ساری کرپشن، عورتوں میں ہی پھیلی ہوئی ہے۔''

''ہم نہیں سمجھے مہاراج؟''

''ابھی تم نے کچھ نام لئے، جادو کی کرتا دھرتاؤں کے یعنی کالی دیوی، پیلی دیوی، تیلی دیوی، ساری کی ساری دیویاں، کوئی دیوتا مہاراج کبھی مارکیٹ میں نہیں آئے۔''

''آپ دیوی دیوتاؤں کا مذاق اڑا رہے ہیں مہاراج۔''

''صرف دیویوں کا۔ دیوتا کوئی ہے ہی نہیں۔ اور اب چندر کانتا دیوی۔''

''ہمیں نہیں معلوم۔ ہم جو آپ کو بتانے آئے تھے وہ بتا دیا!'' کیداری نے برا مان کر کہا اور پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔ میرے ذہن پر سوچوں نے حملہ کیا لیکن اب میں نے ان سوچوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے اوپر کسی احسان کو مسلط نہ ہونے دوں گا۔ اور ہر طرح کے

حالات کا مقابلہ کروں گا۔'' میں نے آخری بار سوچا۔
''ماں۔صرف تیرے لئے۔''
وہ چاروں بھی شکاری تھے جنہیں میرے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ چندر کانا تانے مجھے صرف یہ بتایا تھا کہ میں بیلا گھان پہنچوں۔ باقی کام کی تفصیل مجھے وہیں جا کر معلوم ہوگی۔ وہ چاروں افراد میرا بڑا احترام کرتے تھے۔ میرے ساتھ جو دو شکاری آئے تھے انہیں کیداری نے واپسی کی ہدایت کردی تھی۔ اور وہ بہت پہلے چلے گئے تھے۔
سفر بے حد مشکل تھا۔ بیلا گھان ہمالیہ کی ترائی کے جنگلات میں خاص مقام رکھتا تھا۔ پھر ایک بھیانک رات جب ہم ایک دریا کے کنارے کیمپ لگا کر آرام کررہے تھے۔ کچھ پراسرار لوگوں نے اچانک بھاری گنوں سے فائرنگ کردی۔ ایسی کارروائی کا تصور بھی نہیں تھا۔ ہم صرف جنگلی درندوں کی طرف سے ہوشیار تھے۔ یہ فائرنگ غیر متوقع تھی۔ شاید وہ لوگ ڈاکو تھے جو شکاری قافلوں کو لوٹتے تھے۔ اتنی شدت سے گولیاں چلیں کہ چاروں شکاری چھلنی ہوگئے۔ اس وقت میں ایک تیز رفتار ندی کے قریب تھا۔ مجھے اور کچھ نہ سوجھا تو میں نے ندی میں چھلانگ لگادی۔ پہاڑی آبشاروں سے گرنے والا تیز رفتار پانی کسی منہ زور گھوڑے کی طرح مجھے لے کر چل پڑا۔ ڈاکوؤں کی فائرنگ سے بچت ہوگئی لیکن پانی سے میں نہ سنبھل سکا اور بری طرح بہنے لگا۔ میں شدید کوشش کے باوجود خود کو نہیں روک سکا۔
رات کا خوفناک اندھیرا فضا پر مسلط تھا۔ پانی کی تیز روانی آنکھوں کو نہیں کھلنے دے رہی تھی اور پھر پانی ٹھنڈا بھی تھا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ دریا آبشار سے بنا ہے۔ آخر کار کوئی پچیس منٹ کے سبک رفتار سفر کے بعد، ندی کی تندی کسی قدر کم ہوئی، شاید اس کا پھیلاؤ بہت بڑھ گیا تھا۔
پھر ندی بالکل ہی سست رفتار ہوگئی۔ میرے دماغ پر نیم غشی کی سی کیفیت طاری تھی اور اس وقت میں کچھ پتھروں میں اٹک گیا تھا۔ چونکہ بہنا بند ہوگیا تھا۔ اس لئے دماغ سے چکر بھی ختم ہوتا جارہا تھا۔
میں نے آنکھیں کھول دیں۔ آسمان پر آخری راتوں کا چاند سفر کررہا تھا۔ اس کی روشنی میں ماحول اجاگر ہوگیا تھا۔ میرے دونوں جانب پہاڑی سلسلے حد نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ پہاڑی ڈھلانوں پر گنجان جنگل بکھرے ہوئے تھے۔ میرے نیچے پتھر ہی پتھر تھے۔ کچھ دیر میں اسی طرح پڑا رہا پھر پتھروں ہی کا سہارا لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت میں جس مخدوش حالت میں تھا مجھے اس کا بخوبی اندازہ تھا۔ موت کی ہلکی سی جنبش بہ آسانی مجھے نوالہ بنا سکتی تھی۔
ندی سے باہر نکل آیا اس کے دونوں کناروں پر انسانی قد سے اونچی گھاس اگی ہوئی تھی۔ اس کے درمیان داخل ہوکر آگے بڑھنا تھا۔ میں اس خوفناک گھاس میں داخل ہوکر قدم قدم آگے بڑھنے لگا۔
بدن پر شدید تھکن طاری تھی۔ ایک ایک قدم آگے بڑھانا دوبھر ہورہا تھا۔ لیکن گھاس میں بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ اپنے آپ کو بھول کر آگے بڑھنے لگا۔ اور جانے کتنی دیر اسی گھاس میں چلتا رہا۔ پھر اچانک گھاس ختم ہوگئی۔ اور دھندلے دھندلے اجالے میں دور تک کا منظر نمایاں ہوگیا۔ کافی فاصلے پر مجھے ایک عمارت سی نظر آئی اور میں اس پر آنکھیں جما کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔
آنکھوں کے زاویے کسی قدر بہتر ہوئے تو مجھے کسی مندر جیسے عکس نظر آئے۔ کوئی مندر ہی تھا۔ اگر یہ مندر ہے تو آس پاس کسی آبادی کے آثار بھی ہوسکتے ہیں۔ اس احساس نے تقویت بخشی۔ اور میں مندر تک کے راستے کا تعین کرکے آگے بڑھنے لگا۔ ایک ایک قدم مشکل سے اٹھ رہا تھا۔ اپنی بری حالت کا مجھے پوری طرح احساس تھا۔ بس میں اپنے ذہن کو قابو میں رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ پھر مجھے مندر میں داخلے کا دروازہ نظر آیا۔ اس ہولناک ویرانے میں یہ پر ہیبت مندر دل لرزا رہا تھا۔ لیکن اس وقت یہ میرے لئے بڑی عمدہ پناہ گاہ تھی۔
اجالا پھیل چکا تھا۔ مجھے ایک ایسی جگہ نظر آئی جہاں اوپر چھت تھی۔ میں اس طرف بڑھ گیا۔ پتھریلی زمین تھی کیسی ہے کیا ہے یہ سوچے سمجھے بغیر میں وہاں لیٹ گیا۔ اور یوں لگا جیسے بدن پر فالج کا حملہ ہوا ہو۔ پورا بدن سن ہوگیا۔ ایسا کہ اسے جنبش بھی نہ دی جاسکے۔ یہی

کیفیت دماغ کی بھی ہوگئی اور آنکھیں بند ہوگئیں۔

یہ گہری بے ہوشی تھی اور یہ بے ہوشی نہ جانے کب تک طاری رہی اس کے لئے وقت کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ اور جب ہوا کے ایک سرد جھونکے نے پانی کی پھوار منہ پر ماری۔

آنکھیں کھل گئیں۔ ذہن کو بمشکل قابو میں کر کے ماحول پر نظریں ڈالیں۔ حیرت انگیز طور پر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ حیرت ہوئی۔ میں نے تو اجالے کی پہلی کرن کے ساتھ آنکھ بند کی تھی یہ اندھیرا کہاں سے اتر آیا؟

اوہ تو کیا پورا دن اس بے ہوشی میں گزر گیا۔ اس کا سب سے بڑا احساس پیٹ میں دوڑتے چوہے دلا رہے تھے۔ پانی کی یہ پھوار بارش کی تھی جس کا احساس بجلی کوندنے سے ہو رہا تھا۔ ابھی بارش زیادہ تیز نہیں تھی۔ لیکن یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ چھوٹا سا سائبان بارش سے نہیں بچا سکے گا۔ کوئی دوسری جگہ تلاش کی جائے۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ بجلی کے کوندے مدد کر رہے تھے۔ مجھے بائیں سمت تھوڑے فاصلے پر ایک چھوٹا سا دروازہ نظر آیا۔ اور میں ہمت کر کے اٹھ گیا۔ نہ جانے کس طرح گرتا پڑتا اس دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر گرمی تھی۔ یہ گرمی اس وقت بے حد فرحت بخش محسوس ہوئی۔ میں چند قدم اور آگے بڑھا اور پھر زمین پر بیٹھ گیا۔ پیچھے دیوار تھی۔

اچانک بادل زور سے گرجے اور پورا کمرہ ہل گیا۔ مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس قدر بوسیدہ ہے۔ لیکن اب جو بھی ہے کیا کیا جاسکتا ہے۔ باہر بارش کا شور سائی دینے لگا تھا۔ وہ تیز ہوتی جارہی تھی۔ میں نے دیوار سے کمر ٹکالی۔ اب زندگی یا موت کا احساس اتنا ہولناک نہیں رہا تھا۔ خوف ختم ہو گیا تھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔ پھر شاید رات کا تیسرا پہر چل رہا تھا کہ مجھے قدموں کی سی آہٹ سنائی دی۔ میں چونک پڑا۔ یہ کیسی آواز ہے۔ کسی انسان کے یہاں وجود کا تو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا تھا کوئی جانور، کوئی درندہ؟

ہر طرف چھوٹے چھوٹے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ یہ آواز انہی پتھروں سے آرہی تھی۔ ہوسکتا ہے نہ انسان ہو نہ جانور۔ کوئی بدروح، قدیم ہندوستان کے ان ویران مندروں میں بدروحوں کے سوا اور کون ہوسکتا ہے۔

''لیکن یہ بدروحیں؟''

اچانک قدموں کی آہٹوں کے ساتھ کپڑوں کی سرسراہٹ بھی سنائی دی۔ کون ہے یہ، کیا میری کوئی محافظ روح؟ انہوں نے مجھے تحفظ کا یقین تو دلا دیا تھا۔ لیکن اب تک مجھے جو تحفظ ملا تھا اس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ مجھے کتنا زبردست تحفظ دیا گیا ہے۔ جی خوش ہو گیا تھا۔ پھر ایک آواز سنائی دی اور میں اچھل پڑا۔ سو فیصدی انسانی آواز تھی۔ دوسری، پھر تیسری پھر بہت سی آوازیں۔ اور سب کی سب انسانی آوازیں تھیں۔ عورتوں کی، مردوں کی، وہ مدھم سرگوشیاں کر رہے تھے۔ یہ آوازیں کمرے کے باہر سے آرہی تھیں۔

''کیا کچھ ہونے والا ہے میرے ساتھ؟'' میں نے سوچا۔ اب جسمانی قوتیں کچھ بحال ہوگئی تھیں۔ چنانچہ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک لمحے تک کھڑا رہنے کے بعد دروازے کی طرف بڑھا اور اس سے کان لگا دیئے۔ پھر ایک دم گھنگھروؤں کی جھنکار سنائی دی۔ اور میں پیچھے ہٹ گیا۔

''چھن چھن چھن۔ گھنگروؤں کی آواز مسلسل ابھرنے لگی۔ ''رقص۔'' میرے ذہن نے نعرہ لگایا۔ لیکن کس کا؟ کون ہے۔ آواز کمرے کے باہر سے آرہی تھی۔

ایک لمحے ہمت کرتا رہا پھر ایک دم باہر چھلانگ لگا دی۔ باہر کوئی نہیں تھا۔ گھنگروؤں کی جھنکار سننے کی آوازیں ایک دم بند ہوگئیں۔ جیسے وہ مجھے دیکھ کر ساکت ہو گئے ہوں۔ مجھے دم روکے دیکھ رہے ہوں۔ لیکن کوئی سامنے نہیں تھا۔ البتہ سامنے کچھ فاصلے پر سانپ کا مجسمہ نظر آیا تھا۔ یہ مجسمہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ میں کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر چند قدم آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ دھات کا بنا ہوا سانپ تھا۔ انسانی ہاتھوں سے بنا ہوا۔

زندہ سانپ نے اپنا پھن پھلایا اور میں اچھل پڑا۔

میرا اندازہ غلط نہیں تھا وہ دھات کا بنا ہوا نہیں تھا بلکہ کانسی کے رنگ جیسا تھا۔ اس کی ننھی ننھی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ پھر اس نے دو تین بار زبان باہر نکالی اور پھر ایک

طرف چل پڑا۔ مجھ سے کتنی بڑی غلط فہمی ہوئی تھی۔ میں تو شاید آگے بڑھ کر اسے اٹھا بھی لیتا۔

میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے اسے ایک دیوار کے نیچے ٹوٹی جگہ سے اندر داخل ہوتے دیکھا۔ وہ آن کی آن میں غائب ہوگیا۔ فضا بالکل خاموش تھی۔ لیکن ایک دم پھر وہی آوازیں شروع ہوگئیں۔ اس بار وہ پہلے سے کہیں زیادہ تیز تھیں۔ گھنگروؤں کی آواز سے پتہ چل رہا تھا۔ جیسے زور کا رقص جاری ہو۔ لیکن دیوار کے دوسری طرف جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک سامنے کی دیوار ایک پردے کی طرح ایک طرف سرک گئی اور دوسری طرف سے تیز روشنی چمکنے لگی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر دیکھا۔ سانپ کا ایک بہت بڑا مجسمہ وہاں ایستادہ تھا۔ یہ بھی اس رنگ کا تھا جس رنگ کا میں نے چھوٹا سانپ دیکھا تھا۔ لیکن اس سانپ کے سامنے ایک زندہ وجود متحرک تھا۔

ایک حسین لڑکی رقص کررہی تھی۔ اور دیوہیکل سانپ کا مجسمہ جھوم رہا تھا۔ اس کی آنکھیں روشن تھیں خود لڑکی گردن میں کئی چھوٹے سانپ لٹکے ہوئے تھے جو اس کے رقص کے ساتھ ہل رہے تھے۔ جگہیں بدل رہے تھے۔

میرے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں۔ تبھی رقاصہ رک گئی۔ اب وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی سانپ کی آنکھوں جیسی تھیں۔ پھر وہ ایک دم مسکرا پڑی اور پھر اس کی آواز جو کسی سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی۔ ابھری۔

''کرتھم دیوتا سمپرا!''

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تو وہ پھر بولی۔

''تم شکتی آنند ہونا؟''

نہ جانے کس طرح میرے منہ سے نکلا۔ ''ہاں۔''

''سواگتم۔ سواگتم۔ میرے ساتھ چلو گے۔''

''کہاں؟''

''سورگ ونسی میں۔''

''یہ کہاں ہے۔''

''چلو۔ پتہ چل جائے گا۔''

''اور اگر نہ جانا چاہوں۔'' میں نے کہا۔

''تو بھی چلو گے۔''

''زبردستی؟''

''شاید۔''

''مجھے جانتی ہو۔''

''ہاں جانتی ہوں۔ ہم سب تمہارا انتظار کررہے تھے۔ تمہیں وہاں چلنا ہے جہاں آنے کے لئے تم نے اتنا کشٹ اٹھایا ہے۔''

میں ایک لمحے تک سوچتا رہا۔ میں تو میں تھا ہی نہیں۔ اشرف خان ہزار بار مرچکا تھا۔ اب تو میں ایک بے مقصد وجود تھا۔ بلاوجہ جی رہا تھا۔ کوئی آس باقی نہیں رہی تھی۔ ان خوفناک بلاؤں کے درمیان نہ جانے کیوں پھنس گیا تھا۔

پھر میں نے اس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کرلیا۔ کچھ تو وجہ ہوگی میرے آنے کی۔ میں آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''چلو۔''

وہ ایک طرف چل پڑی۔ کافی دور جاکر ایک ٹوٹے پھوٹے ہال جیسی جگہ رکی۔ یہاں نیچے جانے کے لئے چوڑی چوڑی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ وہ میرے آگے آگے چل رہی تھی۔ سیڑھیاں ایک وسیع ٹھنڈے ہال میں جاکر ختم ہوئی تھیں۔ یہاں کا منظر بھی بے حد ہولناک تھا۔ چاروں طرف بے شمار چھوٹے بڑے سانپ کلبلا رہے تھے۔ ان کے درمیان ایک بوڑھا شخص آنکھیں بند کئے شاید پوجا کررہا تھا۔

میں سانپوں کے درمیان چلتے ہوئے جھجک رہا تھا تو عورت نے کہا۔ ''نہیں۔ یہ دیوی دوارا ہیں کسی کو کچھ نہیں کہیں گے۔ چلے آؤ۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ابھی میں چند قدم آگے چلا تھا کہ پراسرار ہال میں ایک انتہائی دلدوز بھیانک چیخ ابھری اور در و دیوار لرز گئے۔ میرے قدم بھی رک گئے۔ اور میں دہشت بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

(جاری ہے)

دشمن روحیں

ایم اے راحت

خصوصی

نوٹ: قارئین کرام! آج کل ایم اے راحت صاحب سخت علیل ہیں، جس کی وجہ سے ''دشمن روحیں'' شائع نہیں ہورہی ہے۔ آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ راحت صاحب کی صحت یابی کے لئے دعا کریں۔ اگلے شمارہ میں ''دشمن روحیں'' کی نئی قسط پڑھنا نہ بھولئے گا۔ شکریہ۔

رات کا خوفناک اندھیرا فضا پر مسلط تھا۔ پانی کی تیز روانی آنکھوں کو نہیں کھلنے دے رہی تھی اور پھر پانی ٹھنڈا بھی تھا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ دریا آبشار سے بنا ہے۔ آخر کار کوئی پچیس منٹ کے سبک رفتار سفر کے بعد، ندی کی تندی کسی قدر کم ہوئی، شاید اس کا پھیلاؤ بہت بڑھ گیا تھا۔

پھر ندی بالکل ہی سست رفتار ہوگئی۔ میرے دماغ پر نیم غشی کی سی کیفیت طاری تھی اور اس وقت میں کچھ پتھروں میں اٹک گیا تھا۔ چونکہ بہنا بند ہوگیا تھا۔ اس لئے دماغ سے چکر بھی ختم ہوتا جارہا تھا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ آسمان پر آخری راتوں کا چاند سفر کررہا تھا۔ اس کی روشنی میں ماحول اجاگر ہوگیا تھا۔ میرے دونوں جانب پہاڑی سلسلے حد نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ پہاڑی ڈھلانوں پر گنجان جنگل بکھرے ہوئے تھے۔ میرے نیچے پتھر ہی پتھر تھے۔ کچھ دیر میں اسی طرح پڑا رہا پھر پتھروں ہی کا سہارا لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت میں جس مخدوش حالت میں تھا مجھے اس کا بخوبی اندازہ تھا۔ موت کی ہلکی سی جنبش بہ آسانی مجھے نوالہ بنا سکتی تھی۔

ندی سے باہر نکل آیا اس کے دونوں کناروں پر انسانی قد سے اونچی گھاس اگی ہوئی تھی۔ اس کے درمیان داخل ہوکر آگے بڑھنا تھا۔ میں اس خوفناک گھاس میں داخل ہوکر قدم قدم آگے بڑھنے لگا۔

بدن پر شدید تھکن طاری تھی۔ ایک ایک قدم آگے بڑھانا دوبھر ہورہا تھا۔ لیکن گھاس میں بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ اپنے آپ کو بھول کر آگے بڑھنے لگا۔ اور جانے کتنی دیر اسی گھاس میں چلتا رہا۔ پھر اچانک گھاس ختم ہوگئی۔ اور دھندلے دھندلے اجالے میں دور تک کا منظر نمایاں ہوگیا۔ کافی فاصلے پر مجھے ایک عمارت سی نظر آئی اور میں اس پر آنکھیں جما کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔

آنکھوں کے زاویے کسی قدر بہتر ہوئے تو مجھے کسی مندر جیسے عکس نظر آئے۔ کوئی مندر ہی تھا۔ اگر یہ مندر ہے تو آس پاس کسی آبادی کے آثار بھی ہوسکتے ہیں۔ اس احساس نے تقویت بخشی۔ اور میں مندر تک کے راستے کا تعین کرکے آگے بڑھنے لگا۔ ایک ایک قدم مشکل سے اٹھ رہا تھا۔ اپنی بری حالت کا مجھے پوری طرح احساس تھا۔ بس میں اپنے ذہن کو قابو میں رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ پھر مجھے مندر میں داخلے کا دروازہ نظر آیا۔ اس ہولناک ویرانے میں یہ پرہیبت مندر دل لرزا رہا تھا۔ لیکن اس وقت یہ میرے لئے بڑی عمدہ پناہ گاہ تھی۔

اجالا پھیل چکا تھا۔ مجھے ایک ایسی جگہ نظر آئی جہاں اوپر چھت تھی۔ میں اس طرف بڑھ گیا۔ پتھریلی زمین تھی کیسی ہے کیا ہے یہ سوچے سمجھے بغیر میں وہاں لیٹ گیا۔ اور یوں لگا جیسے بدن پر فالج کا حملہ ہوا ہو۔ پورا بدن سن ہوگیا۔ ایسا کہ اسے جنبش بھی نہ دی جاسکے۔ یہی

کیفیت دماغ کی بھی ہوگئی اور آنکھیں بند ہوگئیں۔
یہ گہری بے ہوشی تھی اور یہ بے ہوشی نہ جانے کب تک طاری رہی اس کے لئے وقت کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ اور جب ہوا کے ایک سرد جھونکے نے پانی کی پھوار منہ پر ماری۔
آنکھیں کھل گئیں۔ ذہن کو بمشکل قابو میں کر کے ماحول پر نظریں ڈالیں۔ حیرت انگیز طور پر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ حیرت ہوئی۔ میں نے تو اجالے کی پہلی کرن کے ساتھ آنکھ بند کی تھی یہ اندھیرا کہاں سے اتر آیا؟
اوہ تو کیا پورا دن اس بے ہوشی میں گزر گیا۔ اس کا سب سے بڑا احساس پیٹ میں دوڑتے چوہے دلا رہے تھے۔ پانی کی یہ پھوار بارش کی تھی جس کا احساس بجلی کوندنے سے ہو رہا تھا۔ ابھی بارش زیادہ تیز نہیں تھی۔ لیکن یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ چھوٹا سا سائبان بارش سے نہیں بچا سکے گا۔ کوئی دوسری جگہ تلاش کی جائے۔
میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ بجلی کے کوندے مدد کر رہے تھے۔ مجھے بائیں سمت تھوڑے فاصلے پر ایک چھوٹا سا دروازہ نظر آیا۔ اور میں ہمت کر کے اٹھ گیا۔ نہ جانے کس طرح گرتا پڑتا اس دروازے کے اندر داخل ہوگیا۔ اندر گرمی تھی۔ یہ گرمی اس وقت بے حد فرحت بخش محسوس ہوئی۔ میں چند قدم اور آگے بڑھا اور پھر زمین پر بیٹھ گیا۔ پیچھے دیوار تھی۔
اچانک بادل زور سے گرجے اور پورا کمرہ ہل گیا۔ مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس قدر بوسیدہ ہے۔ لیکن اب جو بھی ہے کیا کیا جاسکتا ہے۔ باہر بارش کا شور سنائی دینے لگا تھا۔ وہ تیز ہوتی جارہی تھی۔ میں نے دیوار سے کمر ٹکالی۔ اب زندگی یا موت کا احساس اتنا ہولناک نہیں رہا تھا۔ خوف ختم ہوگیا تھا۔
رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔ پھر شاید رات کا تیسرا پہر چل رہا تھا کہ مجھے قدموں کی سی آہٹ سنائی دی۔ میں چونک پڑا۔ یہ کیسی آواز ہے۔ کسی انسان کے یہاں وجود کا تو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا تھا کوئی جانور، کوئی درندہ؟
ہر طرف چھوٹے چھوٹے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ یہ آواز انہی پتھروں سے آرہی تھی۔ ہوسکتا ہے نہ انسان ہو نہ جانور۔ کوئی بدروح، قدیم ہندوستان کے ان ویران مندروں میں بدروحوں کے سوا اور کون ہوسکتا ہے۔
''لیکن یہ بدروحیں؟''
اچانک قدموں کی آہٹوں کے ساتھ کپڑوں کی سرسراہٹ بھی سنائی دی۔ کون ہے یہ، کیا میری کوئی محافظ روح؟ انہوں نے مجھے تحفظ کا یقین تو دلا دیا تھا لیکن اب تک مجھے جو تحفظ ملا تھا اس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ مجھے کتنا زبردست تحفظ دیا گیا ہے۔ جی خوش ہوگیا تھا۔ پھر ایک آواز سنائی دی اور میں اچھل پڑا۔ سو فیصدی انسانی آواز تھی۔ دوسری، پھر تیسری پھر بہت سی آوازیں۔ اور سب کی سب انسانی آوازیں تھیں۔ عورتوں کی، مردوں کی، وہ مدھم سرگوشیاں کر رہے تھے۔ یہ آوازیں کمرے کے باہر سے آرہی تھیں۔
''کیا کچھ ہونے والا ہے میرے ساتھ؟'' میں نے سوچا۔ اب جسمانی قوتیں کچھ بحال ہوگئی تھیں۔ چنانچہ میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ایک لمحے تک کھڑا رہنے کے بعد دروازے کی طرف بڑھا اور اس سے کان لگا دیئے۔ پھر ایک دم گھنگھروؤں کی جھنکار سنائی دی۔ اور میں پیچھے ہٹ گیا۔
''چھن چھن چھن۔ گھنگروؤں کی آواز مسلسل ابھرنے لگی۔ ''رقص۔'' میرے ذہن نے نعرہ لگایا۔ لیکن کس کا؟ کون ہے۔ آواز کمرے کے باہر سے آرہی تھی۔
ایک لمحے ہمت کرتا رہا پھر ایک دم باہر چھلانگ لگا دی۔ باہر کوئی نہیں تھا۔ گھنگروؤں کی جھنکار سننے کی آوازیں ایک دم بند ہوگئیں۔ جیسے وہ مجھے دیکھ کر ساکت ہوگئے ہوں۔ مجھے دم روکے دیکھ رہے ہوں۔ لیکن کوئی سامنے نہیں تھا۔ البتہ سامنے کچھ فاصلے پر سانپ کا مجسمہ نظر آیا تھا۔ یہ مجسمہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ میں کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر چند قدم آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ دھات کا بنا ہوا سانپ تھا۔ انسانی ہاتھوں سے بنا ہوا۔
زندہ سانپ نے اپنا پھن پھلایا اور میں اچھل پڑا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا وہ دھات کا بنا ہوا نہیں تا بلکہ کانسی کے رنگ جیسا تھا۔ اس کی ننھی ننھی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ پھر اس نے دو تین بار زبان باہر نکالی اور پھر ایک

طرف چل پڑا۔ مجھ سے کتنی بڑی غلط فہمی ہوئی تھی۔ میں تو شاید آگے بڑھ کر اسے اٹھا بھی لیتا۔

میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے اسے ایک دیوار کے نیچے ٹوٹی جگہ سے اندر داخل ہوتے دیکھا۔ وہ آن کی آن میں غائب ہوگیا۔ فضا بالکل خاموش تھی۔ لیکن ایک دم پھر وہی آوازیں شروع ہوگئیں۔ اس بار وہ پہلے سے کہیں زیادہ تیز تھیں۔ گھنگروؤں کی آواز سے پتہ چل رہا تھا۔ جیسے زور کا رقص جاری ہو۔ لیکن دیوار کے دوسری طرف جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک سامنے کی دیوار ایک پردے کی طرح ایک طرف سرک گئی اور دوسری طرف سے تیز روشنی چمکنے لگی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر دیکھا۔ سانپ کا ایک بہت بڑا مجسمہ وہاں ایستادہ تھا۔ یہ بھی اس رنگ کا تھا جس رنگ کا میں نے چھوٹا سانپ دیکھا تھا۔ لیکن اس سانپ کے سامنے ایک زندہ وجود متحرک تھا۔

ایک حسین لڑکی رقص کررہی تھی۔ اور دیوہیکل سانپ کا مجسمہ جھوم رہا تھا۔ اس کی آنکھیں روشن تھیں خود لڑکی گردن میں کئی چھوٹے سانپ لٹکے ہوئے تھے جو اس کے رقص کے ساتھ ہل رہے تھے۔ جگہیں بدل رہے تھے۔

میرے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں۔ تبھی رقاصہ رک گئی۔ اب وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی سانپ کی آنکھوں جیسی تھیں۔ پھر وہ ایک دم مسکرا پڑی اور پھر اس کی آواز جو کسی سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی۔ ابھری۔

''کرتھم دیوتا سمپرا!''

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تو وہ پھر بولی۔

''تم شکتی آنند ہونا؟''

نہ جانے کس طرح میرے منہ سے نکلا۔ ''ہاں۔''

''سواگتم۔ سواگتم۔ میرے ساتھ چلوگے۔''

''کہاں؟''

''سورگ ونسی میں۔''

''یہ کہاں ہے۔''

''چلو۔ پتہ چل جائے گا۔''

''اور اگر نہ جانا چاہوں۔'' میں نے کہا۔

''تو بھی چلوگے۔''

''زبردستی؟''

''شاید۔''

''مجھے جانتی ہو۔''

''ہاں جانتی ہوں۔ ہم سب تمہارا انتظار کررہے تھے۔ تمہیں وہاں چلنا ہے جہاں آنے کے لئے تم نے اتنا کشٹ اٹھایا ہے۔''

میں ایک لمحے تک سوچتا رہا۔ میں تو میں تھا ہی نہیں۔ اشرف خان ہزار بار مرچکا تھا۔ اب تو میں ایک بے مقصد وجود تھا۔ بلاوجہ جی رہا تھا۔ کوئی آس باقی نہیں رہی تھی۔ ان خوفناک بلاؤں کے درمیان نہ جانے کیوں پھنس گیا تھا۔

پھر میں نے اس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کرلیا۔ کچھ تو وجہ ہوگی میرے آنے کی۔ میں آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''چلو۔''

وہ ایک طرف چل پڑی۔ کافی دور جا کر ایک ٹوٹے پھوٹے ہال جیسی جگہ رکی۔ یہاں نیچے جانے کے لئے چوڑی چوڑی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ وہ میرے آگے آگے چل رہی تھی۔ سیڑھیاں ایک وسیع ٹھنڈے ہال میں جاکر ختم ہوئی تھیں۔ یہاں کا منظر بھی بے حد ہولناک تھا۔ چاروں طرف بے شمار چھوٹے بڑے سانپ کلبلا رہے تھے۔ ان کے درمیان ایک بوڑھا شخص آنکھیں بند کئے شاید پوجا کررہا تھا۔

میں سانپوں کے درمیان چلتے ہوئے جھجک رہا تھا تو عورت نے کہا۔ ''نہیں۔ یہ دیوی دوارا ہیں کسی کو کچھ نہیں کہیں گے۔ چلے آؤ۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ابھی میں چند قدم آگے چلا تھا کہ پراسرار ہال میں ایک انتہائی دلدوز بھیانک چیخ ابھری اور در و دیوار لرز گئے۔ میرے قدم بھی رک گئے۔ اور میں دہشت بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

(جاری ہے)

دشمن روحیں

قسط نمبر: 9

ایم اے راحت

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زور قلم سے لکھی شاہکار کہانی

کمال کا سفر تھا۔ میں تو بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہندوستان آیا تھا۔ مغلوں کی فتوحات کے نشانات محمود غزنوی کے سترہ حملوں کی کہانیاں شیر شاہ سوری، اکبر اعظم، زیب النسا کے محلات کی حسین کہانیاں رومانس کی دنیا سے کشید کی ہوئی لاتعداد حسن و عشق کی داستانیں یہ سب تصورات ہندوستان سے وابستہ تھے، لیکن یہاں کچھ اور ہی گلے لگ گیا تھا۔ فریدہ کہہ تو گئی تھی کہ صوابی کی پاتال میں چھپائی ہوئی لاش وہ حاصل کرے گی۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ زہر کا علاج زہر سے ہوتا ہے۔ فریدہ اچانک ہی سوامی کی منظور نظر ہوگئی تھی۔ دیکھو کیا کرکے دکھاتی ہے۔ غرض یہ کہ ہندوستان کا یہ سفر میرے لئے عجیب و غریب روایات کا حامل بن گیا تھا۔ اور میں گھن چکر بن کر رہ گیا تھا۔ ایک ہی آرزو تھی میرے دل میں کہ جس طرح بھی بن پڑے سلطانہ کی لاش کی تدفین کردوں۔

کچھ دنوں کے لئے مکمل خاموشی طاری ہوگئی تھی۔ نجانے کیوں فضل صادق صاحب بھی خاموش ہوکر بیٹھ گئے تھے۔ کبھی کبھی میں دل میں سوچتا تھا کہ کچھ لوگ دنیا میں آتے ہی دوسروں کے لئے ہیں۔ اپنی جان پر مصیبتیں جھیل کو وہ دوسروں کے کام آتے ہیں۔ کتنی حیرانی کی بات تھی کہ اس ویران جگہ جہاں گاڑیوں تک کا سفر ممکن نہیں ہے۔ فضل صادق صاحب ایک تانگے والے کے روپ میں نجانے کب سے وہاں ہمارے منتظر تھے۔ غرض یہ کہ وقت گزرتا رہا۔ دو چار دن، چھ دن پھر ایک ہفتہ گزر گیا۔ پھر ایک دن صبح ہی صبح فریدہ میرے پاس آئی۔

”پاگل ہو تم۔ تم نہیں جانتے کالے گیان میں کتنی شکتی ہے۔ ہم پاکستان میں رہیں گے۔ دیکھنے کے مسلمان ہوں گے، پر کالا جادو ہماری شکتی ہوگی۔ ہم اس کے ذریعے راجاؤں کا جیون بتائیں گے۔ میں تمہیں راج محل بنا کر دوں گی۔ کروڑوں روپے کی دولت جائیداد نجانے کیا کیا؟“

میرے دل کو سکون کا احساس ہوا۔ ایک لڑکی اگر مسلمان ہو رہی تھی، تو اسے روکنا تو گناہ عظیم تھا۔ لیکن شکر تھا کہ وہ منافق تھی اور دل سے وہ نہیں کر رہی تھی جس کا اظہار کر رہی تھی۔ ایک شیطانی وجود کو اپنی پاک سرزمین پر لے جانا بھی گناہ عظیم تھا۔

وہ کہنے لگی۔

”کل اماوس کی رات ہے۔ تمہیں تیل تلیا پہنچنا ہے۔“

”تو پھر؟“

”باقی سب وہاں آ کر!“

میں شدید سستی محسوس کیئے بنا نہ رہ سکا۔ پتا نہیں اس کم بخت نے کیا چکر چلایا تھا وہ میری شکل دیکھ رہی تھی۔"

"کتنے سندر ہو۔ تم جب میرے جیون میں آجاؤ گے تو میں نہیں جانتی کہ میں دو سے ایک بدل جاؤں گی۔"

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، باہر کسی کی آواز سنائی دی تو وہ بولی۔

"رات کو بارہ بجے جب اماوس کی رات نے دھرتی پر پر پھیلا دیئے اور ہر چیز کالی ہو جائے گی، تو کالی ماتا کا گیان جاگ جائے گا اور میرے بیر سار وجہ کا شریر لے آئیں گے۔"

"کہاں؟"

"کالی تلیا پر!"

"تو پھر سوامی مہاراج کا کیا ہوگا؟ ان کی شکتی کہاں جائے گی؟"

یہ سن کر وہ مسکرادی، اور راز داری سے بولی۔

"ایک بات بتاؤں، وشواش کرو گے۔ سوامی مجھ سے پریم کرتے ہیں۔"

میں جانتا تھا کہ اس سے آگے وہ مکمل پریم کہانی سنائے گی۔ چنانچہ میں خاموش ہوگیا۔ وہ چلی گئی اور میرے دل میں جو ہلچل ہو رہی تھی۔ میں ہی جانتا تھا رفیع اللہ کی حالت تو مجھ سے بھی زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ بعد میں ہم دونوں نجانے کتنی دیر اس موضوع پر باتیں کرر ہے تھے۔

آخرکار پورن ماشی کی رات آگئی۔ جب چاند کا دوسرا پہر ہوا، تو میں چراغوں کی روشنی میں آگے بڑھتا ہوا دریا کے کنارے آگیا۔ چاندنی ہر طرف چٹکی ہوئی تھی۔ ہواؤں میں طرح طرح کے جنگلی پھولوں کی مہک رچی ہوئی تھی۔ دریا کی سطح چاندنی میں دودھیا ہو رہی تھی۔ آخرکار میں پرانے گھاٹ پر پہنچ گیا اور پہاڑی کی چڑھائی چڑھنے لگا۔ چاندنی رات میں صاف نظر آرہا تھا۔ چڑھائی بہت دشوار گزار تھی، لیکن بالآخر میں اس چٹان کے پہلو میں پہنچ گیا۔ جہاں مجھے سادھو نظر آرہا تھا۔ وہ گھپا کے سامنے چٹان سے باہر نکلے ہوئے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔

میں ایک طرف بیٹھ گیا۔ سادھو عبادت کرر ہا تھا۔ آدھی رات کے بعد جا کر سادھو کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف چہرہ اُٹھایا اور پھر کچھ پڑھنے لگا، پھر گھمبیر آواز میں بولا۔

"کون ہو تم۔ اور یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

میں جلدی سے آگے بڑھ گیا اور پھر میں نے بزرگ کا پیغام اسے دیا۔ سادھو کے جسم پر ایک لنگوٹ، داڑھی اور سر کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ جسم پر بھبھوت ملا ہوا تھا۔ میری بات سن کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، ہاتھ کے اشارے سے مجھے قریب بلایا اور بولا۔

"بیٹھ جاؤ۔ ہم ابھی معلوم کرتے ہیں کہ ہمارا دوست ہم سے کیا خدمت لینا چاہتا ہے۔"

میں سادھو کے سامنے چٹان پر بیٹھ گیا۔ سادھو نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے بائیں جانب ایک سیاہ رنگ کا منڈل رکھا ہوا تھا۔ چند لمحے وہ آنکھیں بند کیئے ساکت رہا۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دیں اور بولا۔

"تمہارے بزرگ ہمارے دوست ہیں۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سادھو نے اپنی لال، لال آنکھیں کھولے ہوئے منڈل سے ایک کیل اور کچھ پتھر نکال کر مجھے دیئے اور کہا۔

"یہ چیزیں اپنے پاس رکھو۔ یہاں سے آگے بڑھو گے، تو سات کوس کے فاصلے پر تمہیں ایک گاؤں نظر آئے گا۔ اس گاؤں کے باہر ایک شمشان بھومی ہے۔ جہاں ہندو لوگ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ تم وہاں چھپ کر بیٹھ جانا جب وہ لوگ وہاں کسی مردے کو جلانے آئیں، تو تم آگ کے آگے یہ پتھر پھینک دینا اور اس مردے کی شکل کو دیکھنا۔ اگر اس مُردے کی شکل میں تمہیں کوئی جانور نظر آئے، تو تم اس کے جلنے کا انتظار کرنا۔

جب مُردے کے رشتے دار اس کی چتا کو جلا کر

چلے جائیں، تو اس کے پاؤں کی طرف آ کر زمین میں یہ کیل ٹھونک دینا۔ اس وت بہت سی بلائیں تمہیں ڈرانے کے لئے نمودار ہوں گی، مگر ڈرنا نہیں۔ وہ تمہارے قریب نہیں آ سکیں گی۔ اگر تم ڈر گئے تو یاد رکھو۔ زندہ نہیں بچو گے۔ جب تم پوری کیل زمین میں گاڑ دو گے تو ساری بلائیں چیختی چلاتی غائب ہو جائیں گی۔ اور پھر ایک چھوٹے سے قد کا سیاہ بونا تمہارے قریب آ کر کھڑا ہو جائے گا۔ وہ تمہیں اشارے سے اپنے پیچھے آنے کا کہے گا اور پھر وہ تمہیں ایک ایسی جگہ لے جائے گا، جہاں تم ہر طرح کی بلاؤں سے آزاد ہو جاؤ گے۔“

اس کے بعد سادھو نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے دھیان گیان میں مصروف ہو گیا۔ میں نے وہ کیل اور پتھر سنبھال کر رکھ لئے۔ اور پھر واپس چڑھائی چڑھ کر دریا کے کنارے آ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ نجانے کیوں میرے دل کو اس بات کا یقین ہوتا جا رہا تھا کہ سادھو نے جو کہا ہے وہ میرے کام آ سکتا ہے کہ میں گنگا سری ہی نہیں بلکہ چندر کا نتا کے سحر سے بھی آزاد ہو جاؤں گا۔

بہر حال یہاں میں پوری طرح باغی ہو گیا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر میری یہ کوشش مجھے گنگا سری کے اثر سے آزد کرا دے تو اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں امر شکتی حاصل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے کیا مل جاتا یہ امر شکتی حاصل کر کے۔

بہر حال میں کوشش میں مصروف رہا اور پھر اس جگہ پہنچ گیا۔ جس کی مجھے نشاندہی کی گئی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا دیہات تھا۔ جہاں کچے پکے مکانات بنے ہوئے تھے۔ گاؤں کے باہر ایک جگہ پتھر کی چار دیواری تھی۔ یہاں کچھ ہندو لوگ ایک جگہ چبوترے پر بکھری ہوئی راکھ میں سے ہڈیوں کی ڈھول نکال نکال کر پیتل کی گاگر میں ڈال رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ رات کو یہاں کوئی مُردہ جلایا گیا ہے۔ اسے میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اب میں کسی دوسرے مُردے کی ارتھی کا انتظار کرنے لگا۔ دوپہر کے بعد کچھ لوگ ماتم کرتے ہوئے ایک ارتھی کو لے کر شمشان بھومی آئے۔ چبوترے پر لکڑیاں لگا کر مُردے کی ارتھی کو لاش سمیت اس پر رکھ دیا گیا۔ میں ایک طرف کھڑے ہو کر وہ نظارہ کرنے لگا۔ اور مردے کی شکل کی طرف دیکھا، مُردے کی شکل میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ انسانی شکل ہی تھی۔ اس طرح میں نے شمشان بھومی میں چار دن گزار دیئے۔ پانچویں روز ایک ارتھی آئی۔ چتا پہلے سے تیار تھی۔ یہ ایک امیر ہندو کی لاش تھی۔

رشتے دار گھی اور چندن بھی لائے تھے۔ میں نے موقع پا کر اس مُردے کے چہرے کو دیکھا۔ حیرت سے میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس مُردے کی شکل انسان کے بجائے لومڑی کی شکل جیسی تھی۔ اور پھر جب میں نے اسے دوبارہ دیکھا تو ارتھی پر انسانی شکل تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ ہی میرا مطلوبہ مُردہ ہے۔ پھر میں درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ ارتھی چتا پر رکھ دی گئی۔ ساتھ آئے ہوئے لوگ اشلوک پڑھ رہے تھے۔ پھر ارتھی کو اس کے رشتے داروں نے آگ دکھا دی۔ خالص گھی نے آناً فاناً آگ پکڑ لی۔ اور چتا دھڑا دھڑ جلنے لگی۔ جب چتا انگاروں کا ڈھیر بن گئی تو شام کے سائے زمین پر اترنے لگے۔ میت کے عزیز واقارب ٹھنڈی چتا سے پھول چنتے ہوئے رتے ہوئے واپس چلے گئے۔ جب شمشان بھومی میں مہیب خاموشی چھا گئی۔ تو میں درختوں سے نکل کر چتا کی طرف بڑھا۔

چبوترے پر چتا کے اندر انگارے دہک رہے تھے اور ان میں سے تپش آ رہی تھی۔ میرے ایک ہاتھ میں لوہے کی کیل اور دوسرے میں پتھر تھا۔ میں چتا کے پاؤں کے قریب زمین پر بیٹھ گیا۔ کیل کی نوک زمین پر رکھ کر بیٹھ گیا۔ پھر زمین ایک بھیانک چیخ کے ساتھ لرز اٹھی۔ پتھر میرے ہاتھ سے گر گیا، اور میں دہشت سے لرز اٹھا۔ مجھے سادھو کی بات یاد گئی۔ اس نے کہا تھا کہ اگر تم ڈر گئے تو پھر تمہیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ کیل تھوڑی سی ٹھک گئی تھی۔ چیخوں کی آوازیں مستقل آ رہی تھیں۔ میں نے دوسری ضرب لگائی تو چیخوں کی آوازوں میں کئی اور آوازیں بھی شامل ہو گئیں۔ اور وہاں بھیانک چیخوں کا طوفان آ گیا۔ میں

نے پیچھے ضرب لگائی تو چتا کے انگاروں میں سے ہیبت ناک ڈراؤنے پیکر نکل نکل کر میرے گرد گردش کرنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے ترشول تھے۔ جیسے وہ میری طرف بڑھا رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے مجھے ان سے مارنا چاہتے ہوں۔ ان کے چہرے انگاروں کی طرح لال اور زبان شعلوں کی طرح لہرا رہی تھی۔ خوف سے میری جان نکل رہی تھی۔ لیکن میں زور زور سے ضربیں لگا رہا تھا۔ کم بخت زمین سخت تھی، اور کیل آہستہ آہستہ زمین میں دھنس رہی تھی۔ جب کیل زمین کے برابر ہوگئی تو وہ ساری آوازیں آنا بند ہوگئیں اور اتنا ہیبت ناک سناٹا چھا گیا کہ سانسوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں، پھر مجھے اپنے عقب میں سرسراہٹ ہوئی، اور میں نے ایک دم گردن گھما کر پیچھے دیکھا، لیکن جو کچھ میرے سامنے آیا تھا، اس نے مجھے ساکت کر دیا تھا۔

مجھے اپنے پیچھے گنگا سری کھڑی نظر آئی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے تھے۔ اور اس کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔ وہ مجھے دیکھتی رہی۔ پھر وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

''غداری کی ہے تم نے مجھ سے...... غداری کی ہے۔ میں تو تمہیں بہت کچھ دینا چاہتی تھی۔ کیا سمجھے تم؟ کیا اس سنسار میں مجھ سے بڑا کوئی جادوگر ہے۔ تم نے جو کوششیں کیں۔ ان سے کم از کم مجھے اندازہ ہوگیا کہ تم دل سے میرے ساتھ نہیں ہو جبکہ میں نے تمہیں امرشکتی دینے کا وعدہ کیا اور اب تمہیں امرشکتی مل گئی تو تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ تمہیں کیا مل جائے گا۔''

''بھاڑ میں جائے تمہاری امرشکتی اور بھٹر میں جاؤ تم۔ میں ایک مسلمان کا بیٹا ہوں اور مسلمان ہی رہنا چاہتا ہوں۔''

''دیکھو...... مجھے تم سے ہمدردی بھی ہے۔ محبت تو نہیں کہہ سکتی۔ اس لئے کہ میرے سینے میں وہ دل ہی نہیں ہے جس میں کسی کے لئے محبت ہو، لیکن یہ تو میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ میرے جال سے نکلنا تمہارے لئے آسان نہیں ہے۔ جو کوششیں کر رہے ہو ان میں تمہیں کامیابی ملنا ناممکن ہے۔ سمجھ لو۔ بالکل ناممکن۔ تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ اس غداری سے سمجھے؟''

کچھ بھی نہیں۔ گن کا سری کی آواز میں جیسے سانپ پھنکار رہے تھے۔

''دیکھو میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں ایک مسلمان کا بیٹا ہوں۔ بے شک ابھی میں کچھ مسائل کا شکار ہوں۔ لیکن میرے دل میں آج بھی یہ حسرت ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے۔ میں ان مسائل سے چھٹکارا پالوں۔''

جواب میں اس کا قہقہہ فضا میں گونج اُٹھا۔ اس نے کہا۔

''اور میں اس سنسار میں نجانے کب سے جگہ بنائے ہوئے ہوں۔ جس پر میرا ہاتھ پڑ جائے۔ اسے میرا داس بننا ہی پڑتا ہے۔ لیکن اگر تم مجھے آزمانا چاہتے ہو اور اپنے آپ کو بھی آزمانا چاہتے ہو تو جاؤ آزمالو۔''

اس نے کہا، اور پھر وہ اچانک غائب ہوگئی۔

''میرا خون کھول رہا تھا۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میں ایک مشکل میں پھنس چکا ہوں۔ لیکن میرے دل میں ایک اور خیال بھی تھا۔ وہ یہ کہ جو انسان اپنی خوشی سے اپنا دین دھرم نہیں چھوڑتا اور کالی قوتیں اسے جکڑ کر اس سے اس کا ایمان چھین لیتی ہیں۔ تب بھی کہیں نہ کہیں سے اس کی مدد ہوتی رہتی ہے۔ اور آخر کار وہ اپنی منزل پالیتا ہے۔ ہاں وہ شخص جو جان بوجھ کر کالے جادو سے متاثر ہو۔ پیسہ کمانے کی دھن میں اپنا دین دھرم بیچ دیتے ہیں۔ انہیں پھر آسانی سے اپنا ایمان واپس نہیں ملتا اور میں انہی میں سے تھا۔ میری تو پاک روحوں سے دوستی تھی۔ جو ہر جگہ میری مدد کرتی تھیں، لیکن مجھ پر کچھ ایسا اثر ہوا تھا کہ میں آج تک مشکل میں گرفتار تھا۔

ایک اندازہ مجھے ہو چکا تھا کہ بزرگ نے مجھے سادھو کے پاس بھیجا ہے، وہ سادھو کا جو بھی طریقہ کار تھا۔ وہ گنگا سری پر کارگر ثابت نہیں ہوا۔ وہ ناکام ثابت ہوا تھا۔ اسی لئے اب میں لاوارث کھڑا تھا۔ سمجھ میں

نہیں آتا تھا کہ اب کیا ہوگا؟

بہرحال یہاں سے تو چلنا تھا۔ ان علاقوں کے بارے میں مجھے کچھ نہیں پتا تھا۔ ان علاقوں کو میں جاننا بھی نہیں چاہتا تھا۔

بہرحال میں وہاں سے چل پڑا۔ کسی منزل کا تعین نہیں تھا۔ بس وہاں سے چلا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک جگہ بلندی پر سے مجھے ڈھلان نظر آئے۔ ان ڈھلانوں میں کچے پکے مکانات بنے ہوئے تھے۔ جن راستوں سے میں گزر کر آیا تھا۔ وہ جنگلی راستے تھے، درختوں اور گھاس وغیرہ کے علاوہ مجھے کچھ بھی نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی ایک احساس ہوتا تھا۔ جیسے یہاں درندے ہوں، ایک دو جگہ یہاں جانوروں کے سر بھی نظر آئے تھے۔ لیکن سوکھے ہوئے پنجر پڑے ہوئے تھے۔ جن کے بارے میں ٹھیک طور پر اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ انسانی ہڈیوں کے پنجر ہیں یا کچھ اور، بستی بہرحال یہاں سے کافی دور تھی اور ان ڈھلانوں پر بھی جنگل بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے کچھ لمحوں کے لئے سوچا اور اس کے بعد قدم ان ڈھلانوں کے جنگل کی طرف بڑھا دیئے۔ لیکن ڈھلانوں کے سرے پر مجھے کچھ نظر آیا۔ یہ انسانی جسم کی تحریک تھی۔ جنگل یہاں سے سرسبز اور شاداب تھے۔ بہرحال جو کچھ مجھے نظر آیا۔ میں نے اسی کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ اور میرا اندازہ بالکل صحیح نکلا۔ وہ ایک انسان ہی تھا۔ لیکن اس کے قریب جو کچھ بھی تھا۔ اسے دیکھ کر میں بری طرح نروس ہوگیا۔ یہ آدھی انسانی لاش تھی۔ باقی آدھا بدن غائب تھا۔ اور جو شخص وہاں متحرک تھا۔ وہ لمبے چوڑے بدن کا سانولی رنگت کا ایک آدمی تھا۔ وہ اس لاش کے قریب بری طرح افسردہ بیٹھا تھا۔

میرے قدموں کی آہٹ پر وہ چونک پڑا۔ اور اس کے بعد اس نے مجھے تعجب سے دیکھا اور بولا۔

''کدھر سے آرہے ہو بابو جی!''

''اس طرف سے!''

''اکیلے ہو۔''

''ہاں۔''

''تمہارے پاس تو بندوق وغیرہ بھی نہیں ہے، شکاری ہو کیا؟''

''ہاں۔''

''اور بغیر بندوق کے ادھر گھس آئے ہو، اور اب تک زندہ ہو۔''

''کیا یہاں درندے ہیں؟''

''اتنا بھی نہیں معلوم تمہیں۔ یہ تو درندوں کا مسکن ہے بابو جی!''

''تم کون ہو؟''

''راجو۔''

''راجو یہ کس کی لاش ہے؟''

''میرے مالک کی۔''

''کیا ہوا ہے اسے؟''

''دیکھ نہیں رہے کیا ہوا ہے اسے۔ شیر اس کا آدھا بدن کھا گیا ہے۔''

''ارے۔ ارے۔ مگر تم؟''

''ہم بستی جارہے تھے بابو جی۔ ہمارے مالک جے رام جی، اس بستی کے رہنے والے ہیں۔ فوج میں نوکری کرتے تھے، چھٹیوں پر آئے تھے کہ یہاں جنگل میں گھر گئے، دھوکے میں مارے گئے، ورنہ ان جیسا جی دار تو کوئی ہے بھی نہیں۔''

''تم کہاں تھے اس وقت؟''

''پانی کی تلاش میں نکلے تھے بابو جی کیونکہ ہم دو دن کے پیاسے تھے۔''

''اوہو...... پھر پانی ملا؟''

''بستی جانا پڑتا بابو جی۔ بستی کے سوا یہاں کہیں پانی نہیں ہے۔ مگر بستی کتنی دور ہے۔ تمہیں خود بھی اندازہ ہوگیا ہے۔ ہمارے مالک بستی نہیں گئے تو اب ہم بستی جا کر کیا کریں گے۔ ہم بھی انتظار کررہے ہیں کہ کوئی شیر آئے اور ہمیں کھا جائے۔''

''نہیں راجو...... زندگی بڑی قیمتی چیز ہے۔ اب ایسا بھی نہیں۔''

راجو کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

تھوڑے فاصلے پر ایک درخت کے تنے سے ایک بہت ہی شاندار کارتوس کی پیٹی رکھی ہوئی تھی راجو نے اسے دیکھ کر کہا۔

"یہ ہمارے مالک کی بندوق ہے۔ صاحب جی"

"اب تم بتاؤ۔ تمہارا کیا ارادہ ہے۔ راجو؟"

"ہماری ہمت نہیں پڑ رہی۔ بابو جی کہ یہ راستہ طے کر کے بستی جائیں اور صاحب جی کے گھر والوں کو خبر دیں کہ اب وہ گھر کبھی واپس نہیں آئیں گے۔"

میں سوچ میں ڈوب گیا۔ بڑا وفادار آدمی تھا، اپنے مالک کی موت کا سوگ منا رہا تھا۔"

"راجو تم خود کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"ارے بابو جی بچپن سے مالک جی کے ساتھ پلے بڑھے۔ بس یہ سمجھ لو کہ یہیں کے رہنے والے ہیں ہم بھی...... ان کے ساتھ چل پڑے...... تا کہ ان کی سیوا کر سکیں۔"

"تم بہت اچھے انسان ہو راجو، لیکن اب اس کے علاوہ کیا کیا جاسکتا ہے، کہ تمہارے مالک کے گھر والوں کو اطلاع دیں۔ ورنہ وہ بے چارے انتظار ہی کرتے رہ جائیں گے۔"

راجو بدستور آنسو بہاتا رہا، پھر میں نے کہا۔

"دیکھو یہ جگہ خطرناک ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیر تم پر حملہ کر دے۔"

"مرنا تو ہم چاہتے ہیں بابو جی۔ مگر ابھی تک شیر دوبارہ نہیں آیا۔"

"تم نے اسے دیکھا ہے؟"

"ہاں بابو جی لاگو ہو رہا ہے۔ انسانی خون کا۔"

راجو نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے آؤ میرے ساتھ بستی چلو۔ دیکھیں گے کہ کیا کیا جاسکتا ہے۔"

"بابو جی! آپ جاؤ آپ ایک کام کرو۔ شکاری تو ہو ناں۔ آپ؟"

"ہاں......!"

پھول اور خوشبو

پھول اور خوشبو میں جھگڑا ہو رہا تھا کہ ایک اڑتی ہوئی تتلی ان پر آن بیٹھی، تتلی نے پھول سے پوچھا۔ "کیوں جھگڑتے ہو؟" پھول نے کہا۔ "میں خوبصورت ترین رنگوں اور بہترین بناوٹ کا مالک ہوں، میں سجاوٹی لحاظ سے بہت اعلیٰ ہوں، مجھے ہر کوئی اپنے گھروں، کمروں اور دفتروں، غرض محفلوں میں سجاتے ہیں، میں قابل ذکر ہوں بہ نسبت خوشبو کے خوشبو یہ تاب نہ لاسکی، اس نے اپنی داستان شروع کی کہ "میں ہر کسی کی سانسوں میں بستی ہوں، میری منزل لامحدود ہے، لوگ مجھے میری مہکتی خوشبو سے محسوس کرتے ہیں، صبح کی ٹھنڈی ہوا میں سیر کرتی ہوں، میری پہچان یہی ہے کہ میں گلاب میں بستی ہوں، فرق اتنا ہے کہ میں دکھائی نہیں دیتی، میری کوئی ظاہری شکل وصورت نہیں ہے، میں گلاب پر عاشق ہوں مگر گلاب مجھ سے ناراض ہے، اگر میری خوشبو نہیں مہکتی تو پھول کی کوئی خاص قدر نہیں ہوتی، میں پھول کی خاطر اپنی زندگی پھول ہی میں بسر کرتی ہوں، پھول ہی سے پیدا ہو کر پھول ہی میں فنا ہوتی ہوں۔ میں پھول سے مہک کر تتلیوں کو اڑا کر لاتی ہوں اور پھر پھول کی خوبصورتی کو اور میں بھی قابل ناز بناتی ہوں مگر پھول مجھ سے خفا ہے، کیوں کہ وہ خوب صورت ہے۔" تتلی نے کہا۔ "اگر پھول نہ ہوتا تو تم بھی نہ ہوتے اور اگر خوشبو نہ ہوتی تو پھول کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔" تتلی پھول سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ "خوشبو ہی مجھے مائل کر کے تجھ تک پہنچاتی ہے تو حسین تو ہے لیکن خوشبو مہک رہی ہے لیکن پھر بھی تو ناراض ہے، آؤ یہ جھگڑا ہی ختم کر دیتے ہیں۔" اس طرح تتلی نے دونوں کی صلح کرائی اور پھول اور خوشبو کا جھگڑا ختم ہوا، مگر لوگوں کو کیسے سمجھایا جائے کہ لوگ بھی پھول کی طرح خوب صورتی پر فخر کرتے ہیں اور دوسروں کی خوبیوں سے ناواقف ہوتے ہیں، ہمیں پھول اور خوشبو سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور غرور کو پاس بھی نہیں آنے دیں۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈو الہ یار)

میں نے ایک گہری سانس لی۔

''تو بابو جی ہمارے صاحب کی یہ بندوق اور کارتوس کی پیٹی آپ لے لو۔ یہ جنگل بہت خطرناک ہے۔ ہمیں پہلے بھی معلوم تھا، لیکن اتنا بھی نہیں کہ ہمیں یہ نقصان پہنچادے۔''

''چلو پھر اُٹھو۔''

''نہیں بابو جی۔ ایسا مت کریں۔ ہم میں ہمت نہیں ہے کہ ہم صاحب جی کے گھر جا کر یہ خبر دے سکیں۔''

میں سوچ میں ڈوب گیا۔ بڑا وفادار آدمی تھا۔ اپنے مالک کی موت کا سوگ منا رہا تھا۔

''نہیں تم چلو......!''

''نہیں بابو جی...... ایسے مت کرو۔ ہم بستی میں جانے کی ہمت نہیں کر پا رہے۔ ویسے بھی تم یہ ڈھلان دیکھ رہے ہو...... ناں...... لگتا ہے بستی بہت قریب ہے۔ مگر اتنی بھی قریب نہیں ہے۔ دیکھو راجو...... اس طرح بزدلی دکھانا اچھی بات نہیں ہے۔''

''ارے تو کیا کریں۔ مالک کے خون کا انتقام لے لیتے، تو پھر جانے کو دل بھی چاہتا۔ کم از کم یہ تو کہہ سکتے تھے کہ ہم نے اپنے مالک کے خون کا بدلہ لے لیا ہے۔''

میں کچھ سوچنے لگا، پھر میں نے کہا۔

''چلو پھر تھوڑا سا اور آگے چلتے ہیں۔''

''پھر کیا کریں گے بابو جی؟''

''بستی میں ہم اس وقت داخل ہوں گے۔ جب ہم تمہارے مالک کی موت کا بدلہ لے لیں گے۔''

میرے الفاظ پر راجو کا چہرہ کھل اُٹھا۔

''یہ ہوئی نا...... یاروں والی بات بابو جی! معاف کرنا ہم تمہارے داس ہیں۔ ویسے بھی مالک کی آدھی کھائی لاش چھوڑ کر بھاگ جانا بزدلی ہے...... ہم تو یہ کہہ سکتے ہیں، نا...... کہ مالک کی لاش کے ساتھ شیر کی لاش بھی پڑی ہے۔ جس نے مالک کو کھایا؟''

''ٹھیک ہے آؤ۔ کوئی مناسب جگہ تلاش کریں۔'' اور اس طرح میں راجو کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ایسی جگہ نظر آئی جو کہ ایک نامعلوم درخت تھا۔ جو انتہائی مضبوط اور پھیلا ہوا درخت تھا۔ یہاں مچان تو نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ لیکن درخت کی شاخیں اتنی چوڑی چوڑی تھیں کہ آرام سے ان پر وقت گزارا جاسکتا تھا۔ چنانچہ ہم نے اسی جگہ کو اپنا مسکن بنالیا، اور درخت پر چڑھ گئے۔

وقت گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ راجو کے چہرے پر اس کے احساس کے سائے لرزاں تھے۔ میں بھی طرح طرح کے خیالوں میں گم تھا۔ ذرا سی آہٹ ہوئی۔ تو میرے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں زندگی کے ایک انوکھے دور سے گزر رہا تھا۔ میرے اپنے گرد بے شمار دشمن پھیلے ہوئے تھے۔ جن میں گنگا سری نمبر اول تھی۔

بہرحال ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ اچانک ہی گیدڑوں کی آوازوں نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ یکا یک سناٹا چھا گیا۔ جیسے تمام دنیا کو سانپ نے ڈس لیا ہو۔ دس بارہ سانبھر بھاگتے ہوئے آئے، اور ہمارے درخت کے پاس ہی چوکڑیاں بھرتے ہوئے غائب ہوگئے۔

یہ اندازہ تو مجھے ہوگیا تھا کہ شیر آرہا ہے۔ راجو نے سرگوشی میں کہا۔

''بابو جی پہلا فائر مجھے کرنے دیں۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک سناٹے میں ہڈیاں چٹخنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پھر ایک دم ٹارچ روشن ہوئی، اور راجو کی رائفل نے شعلہ اُگل دیا۔ گولی شیر کی پیشانی توڑتی ہوئی دور نکل گئی تھی۔ شیر زمین پر گر گیا۔

پھر وہ ایک دم سے اپنی جگہ سے اُٹھا، اور اس نے ایک بڑی چھلانگ لگائی، یہ حقیقت ہے کہ وہ ہم سے چند فٹ نیچے رہ گیا تھا۔ وہ درخت سے ٹکرایا اور نیچے جا گرا اور اسی وقت راجو نے دوبارہ فائر کیا اور اس گولی نے شیر کو ٹھنڈا کردیا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ راجو غضب کا نشانہ باز ہے۔ ظاہر ہے فوج میں رہ چکا ہے۔ اس کے حلق

سے خوشی کا نعرہ نکلا۔ اور وہ جوش و غضب میں درخت سے نیچے کود گیا۔ کسی قسم کے خوف کا مظاہرہ کئے بنا وہ شیر کے قریب پہنچ گیا اور اس کے بعد اسے ٹھوکریں مارنے ا۔ پھر اس نے شیر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بابو جی ایک بات کہیں آپ سے؟''

''کہو کیا بات ہے؟''

''بابو جی۔ یہ وہ شیر نہیں ہے جس نے ہمارے لک کو مارا تھا۔''

''شیر کو تم کیسے پہچان سکتے ہو؟''

''پہچان تو سکتے ہیں بابو جی...... پر ٹھیک ہے...... نے دیں...... اب جو بھگوان کی اچھا......''

اس نے کہا اور بولا۔

''صبح ہوتے ہی ہم یہاں سے چل پڑیں گے۔''

اندازہ مجھے بھی ہو گیا تھا کہ یہ جنگل درندوں سے ا ہوا تھا۔ راجو بتا رہا تھا کہ یہ وہ والا شیر نہیں تھا...... ن اب اس شیر کی تلاش بھی تو مشکل تھی۔ صبح ہونے تھوڑا سا ہی وقت رہ گیا تھا۔ کہ کسانوں کا ایک گروہ لان کی طرف آتا نظر آیا۔ یہ سامنے والی آبادی کے تھے۔ وہ پریشانی سے زمین دیکھتے ہوئے آ رہے ۔ ہم لوگ نیچے اتر گئے۔ آنے والے شیر اور راجو مالک کے پاس پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے ہمیں دیکھا اتھ جوڑ کر ہمارے سامنے جھک گئے۔

''جے ہو۔''

''جے۔''

''یہ کیا ہوا؟''

راجو نے رندھے ہوئے لہجے میں انہیں ساری ل بتائی۔ تو ان میں سے ایک نے کہا۔

''بستی میں بھی ایک درگھٹنا ہو گئی ہے ج۔''

''کیوں کیا ہوا؟''

''رام لال کی شادی کو صرف دس دن ہوئے تھے۔ ر پنگھٹ سے اس کی دھرم پتنی کو اٹھا لے گیا۔''

''کیا؟''

''ہاں، اس سے پہلے بھی چار انسان اس کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔''

''پنگھٹ سے اٹھا لے گیا، کیا کسی نے اسے دیکھا تھا۔''

''ہاں مہاراج شیر، پہاڑ پر پنگھٹ کے قریب اترتا ہے اور کسی نہ کسی انسان کو شکار کر کے غائب ہو جاتا ہے۔''

''یہ مالک کی لاش ہے، تم لوگ اسے اُٹھا کر لے جاؤ، اور اس کا کریا کرم کر دو، ہم ندیا کے اس پار جا کر رام لال کی دھرم پتنی کو تلاش کرتے ہیں۔''

میں نے کہا اور راجو خوشی سے اچھل پڑا۔

''آپ کے چرنوں پر ماتھا رگڑنے کو من چاہتا ہے۔ مہاراج آپ پتہ نہیں کون ہیں۔ ہمارے بھلے کے لئے کتنا سوچ رہے ہیں۔''

''پنگھٹ کا راستہ بتاؤ؟''

میں نے ان لوگوں میں سے ایک کو کہا۔

''ہم ساتھ چلیں مہاراج؟''

''نہیں، بس تم راستہ بتا دو، میں اور راجو جا رہے ہیں۔''

میں نے جوانمردی سے کہا۔ اصل میں ماضی تو اب میرے ذہن سے محو ہوتا جا رہا تھا۔ میں حال میں الجھنوں کا شکار ہو گیا تھا۔ ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو مصروف رکھنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے ساری ہنگامہ آرائیاں قبول کر لی تھیں۔ میں خود کو دھوکہ دینے کا خواہش مند تھا۔ بہر حال راجو بھی ایک جیدار آدمی تھا۔ مجھے ایک ایسے ساتھی کے مل جانے سے بڑی خوشی ہوئی تھی اور آخر کار میں راجو کے ساتھ قاتل آدم خور کی تلاش میں چل پڑا۔

پتہ نہیں کیوں میرے دل میں خوشی کا احساس جاگ رہا تھا۔ ماضی تو اب ذہن کے پردوں کے پیچھے جا چھپا تھا اور یہ یاد کر کے ہی عجیب سی کیفیت ہو جاتی تھی کہ میں کیا تھا اور کیا بن گیا تھا۔ گنگا سری اور اس جیسی اور مجھے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتی تھیں۔ مگر میں ان دونوں میں سے کسی ایک کا بھی شکار نہیں ہونا

چاہتا تھا۔ میں جو کچھ بھی کرنا چاہتا تھا۔ اپنی مرضی سے کرنا چاہتا تھا۔

بہر حال ہم پہاڑ پر چڑھے اور پنگھٹ کے دوسری طرف اترے۔ وہاں گاؤں کے لوگ موجود تھے۔ یہاں بھی نئی کہانیاں سننے کو ملی۔ پتہ یہ چلا کہ صبح کو شیر نے اس دلہن کو اٹھایا تھا۔ اور اب دوپہر کے وقت ایک اور نوجوان کو دن دہاڑے اُٹھا کر لے گیا تھا۔ ہم نے غور سے دیکھا۔ تو شیر کے پنجے اور خون کے نشانات دور تک جاتے دکھائی دے رہے تھے۔

چنانچہ ہم نشانات کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔ جو پہاڑ کے نیچے دائیں طرف گھنے جنگل میں داخل ہو رہے تھے۔ جنگل میں داخل ہوتے ہی اچانک ہمیں احساس ہوا کہ آدم خور چند گھنٹوں کے اندر کسی انسان کا شکار نہیں کرسکتا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اچانک مجھے راجو کی آواز سنائی دی۔

''ایک بات بتاؤں آپ کو مہاراج؟''

''کیا؟''

''بری بات ہے، پر ہمارے من میں آئی ہے کیا کریں؟''

''بات تو بتاؤ؟''

''جو دلہن غائب ہوئی ہے وہ غائب ہوئی ہے یا بھاگ گئی ہے۔''

میں نے حیرت سے راجو کو دیکھا۔

اور پھر آہستہ سے بولا۔

''کیا یہ ممکن ہے راجو۔''

''ہوسکتا ہے مہاراج! سنسار کے بارے میں کیا کہا جائے۔''

میں نے کوئی بات کا جواب نہیں دیا۔ ہم لوگ مسلسل چاروں طرف دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ دوپہر ڈھل چکی تھی۔ آسمان پر بادل چھا چکے تھے۔ اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ آسمان سے ابھی بوندیں پھسل پڑیں گی۔ بارش شروع ہوئی اور اس کے بعد تیز بارش شروع ہوگئی۔ اسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ درخت بھی اسے نہیں روک سکتا اور ایسا ہی ہوا۔ ہم خوب اچھی طرح بھیگ گئے تھے۔

کوئی ڈھائی یا تین گھنٹے کے بعد بارش بند ہوئی۔

گرد و غبار دھل کر درخت صاف ہوگئے تھے۔ نشانات غائب ہوگئے تھے یہ ہماری مہم کا ایک بہت بڑا المیہ تھا۔ بہر حال ہم پر بھی دھن سوار تھی۔

راجو بھی دھن کا پکا تھا۔ ہم پھر گھنے جنگل میں آدم خور کو تلاش کرنے لگے تھے۔

اچانک ہی راجو رک گیا۔ دس بارہ فٹ کے فاصلے پر سانپوں کا ایک جوڑا نظر آیا تھا۔ لیکن اس کے بعد ایک اور دلچسپ منظر نگاہوں کے سامنے آیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایک نیولا اس جوڑے پر حملہ آور ہوا۔ دونوں سانپوں نے پھن اٹھا کر نیولے کو ڈسنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ جس قدر پھرتیلا تھا۔ اسے دیکھ کر حیرانی ہو رہی تھی۔ بلکہ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ جوڈو کراٹے کے ماہر نجانے کون کون سے جانوروں کی نقل کرتے ہیں۔ کیا ان میں سے کسی نے نیولے کی نقل بھی کی ہے۔ جو اپنے آپ کو دو دو سانپوں سے پھرتی سے بچا رہا تھا اور سانپوں کی ایک نہیں چل پا رہی تھی۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ ان پر حملے بھی کر رہا تھا۔ بہت ہی پر لطف جنگ تھی۔ سانپ زمین پر پھن مار مار کر تھک چکے تھے۔ لیکن نیولا تازہ دم اور پرسکون تھا۔ اس کے جسم میں بلا کی پھرتی تھی۔

دونوں سانپوں کی حالت اب خراب ہونے لگی تھی، اور وہ غصے کی آگ میں تپنے لگے تھے۔ ہم پتھر کے بت کی طرح کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ پھر اچانک ہمیں قریب سے ہی ایک آواز سنائی دی۔

''پکڑی گئی ناحرام زادی!''

یہ جملے کہہ کر اس نے ایک لڑکی کو جھنڈ سے باہر نکال لیا۔ لڑکی سہمی سہمی سی سامنے کھڑی تھی۔ میں نے بھی اسے حیرت سے دیکھا۔

''ادھر وہ نوجوان بھی جو میری گرفت میں تھا۔ اب بے ہوش ہو چکا تھا۔ (جاری ہے)

دشمن روحیں

ایم اے راحت

قسط نمبر: 11

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زور قلم سے لکھی شاہکار کہانی

کوئی باقاعدہ کیمپنگ تھی۔ خیمے نظر آرہے تھے اور ان خیموں کے درمیان دھواں اُٹھ رہا تھا۔ گویا مہم جوؤں کی ٹولی تھی، جو ہمالیہ کے پراسرار حالات میں کسی مہم جوئی کے لئے نکلی تھی۔

غور سے دیکھا تو عمدہ قسم کی گاڑیاں بھی نظر آئیں، اور یہ پختہ یقین ہوگیا کہ صورتحال ایسی ہی ہے۔ ایک لمحے تک میں سوچتا رہا اور پھر فیصلہ یہ ہی کیا کہ آگے بڑھ کر ان لوگوں سے ملاقات کروں۔ دیکھوں تو سہی یہ لوگ کہاں جارہے ہیں۔ میں اُس منحوس سے مل چکا تھا۔ وہ بہت مطمئن تھی۔ اس کے اس اطمینان سے میرا بڑا دل دکھا تھا۔

کیونکہ میں سوچ رہا تھا کہ میں ان کے چنگل سے نکل آیا ہوں، لیکن اندازہ یہ ہورہا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ غرض یہ کہ آخری فیصلہ کیا، اور ان لوگوں کی طرف چل پڑا، لمبا فاصلہ تھا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ ان لوگوں نے مجھے دور سے دیکھ لیا ہے، اور ایک جگہ آکر کھڑے ہوگئے ہیں۔ میں نے جب اُن لوگوں کے سربراہ کو دیکھا تو میرا دل خون ہوگیا۔ یہ اُسی گاؤں کا کھیا تھا جس کے کہنے پر میں نے اُس شیر کو مارا تھا۔ میں سمجھا تھا کہ میں اُن لوگوں سے بہت دور نکل آیا ہوں مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

آہ! سب کچھ وہی تھا۔ اب تک جھک ماری ہے میں نے، بلاوجہ وقت ضائع کرتا رہا ہوں۔ یہ پراسرار کھیل تو بڑی کامیابی سے جاری ہے۔ آہستہ آہستہ میں ان کے قریب پہنچتا جارہا تھا۔ پھر جب بالکل قریب پہنچ گیا تو اندازہ ہوگیا کہ یہ اُسی کھیا جی کی ٹولی ہے، لیکن اس قدر شان وشوکت میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی۔ دراصل میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک گاؤں کا کھیا اگر شکار پر نکلے گا تو اس قدر شان وشوکت کے ساتھ نکلے گا۔ اُن کی ٹولی میں بہت سی لڑکیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ عجیب وغریب نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ سب کی سب لڑکیاں ہندوستانی تھیں، لیکن سب کی سب ایک سے بڑھ کر خوب صورت تھیں۔ اس کے علاوہ جو افراد نظر آرہے تھے۔ ان میں بھی کئی شاندار شخصیتیں تھیں۔

پھر ان کے ساتھ ساز وسامان لینڈ کروزر اور ٹریلر اور وین وغیرہ۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شکار پر نکلنے والی ٹولی اس طرح کے ساز و سامان سے آراستہ ہوگی۔ کھیا جی ان سب کو میرے بارے میں بتارہے تھے۔ اور وہ سب میری طرف دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر کھیا جی میری طرف بڑھے اور بولے۔

''میں ان سب کو تمہارے بارے میں ہی بتارہا تھا۔ میں نے ان سب کو بتایا کہ تم نے کس طرح سے شیر

کو ختم کیا۔ خیر اب تم تھک گئے ہو گے۔ نجانے کہاں سے پیدل چلتے ہوئے آئے ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے آرام کرو۔ ہمارا یہ کیمپ عارضی ہے، لیکن اب ہم آرام سے ہی آگے بڑھیں گے۔ تمہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے جب تک تم اپنے طور پر مطمئن نہیں ہو جاتے، ہم آگے نہیں بڑھیں گے۔"

"یوآن!"

مجھ سے بات کرتے کرتے وہ دوسری سمت مڑا، اور پھر اک طرف منہ کرتے ہوئے بولا۔

"جی آیا!"

اُس کی آواز کے جواب میں سنائی دیا۔

اس کے ساتھ ہی ایک لڑکا سامنے نظر آیا۔

یہ ایک نیپالی لڑکا تھا۔ لمبا چوڑا جوان تھا۔ جس کی شخصیت میں کوئی ایک چیز ایسی ضرور تھی کہ جو دیکھنے والے کو ایک دم متاثر کرتی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر میرے قریب پہنچا، اور پھر اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بند کر کے گردن جھکا دی۔

"میرا نام یوآن ہے۔"

"یوآن اس وقت تعارف کے بجائے ان کے آرام کا بندوبست کرو۔ ان کا تعارف یا تمہارا تعارف تو بعد میں تفصیل سے بھی کروایا جا سکتا ہے۔"

کھیا جی کی یہ بات سن کر یوآن مجھ سے بولا۔

"آیئے سر......!"

اُس نے ہاتھ کے اشارے سے میری رہنمائی کی، تو میں اُس کے آگے آگے چلنے لگا۔

"وہ رہی خیمہ نما چھولداری...... جس کا میں نے آپ سے تذکرہ کیا تھا جبکہ یہ والی خاص کر آپ کے لئے......!"

میں اپنی آرام گاہ میں داخل ہو گیا۔ اسے دیکھتے ہی میرا دل خوش ہو گیا۔ یہ تو اچھا خاصا گیسٹ روم بنایا گیا تھا۔ بہت ہی اعلیٰ قسم کا فولڈنگ بستر...... اور مزید بہت سی آرام کی چیزیں تھیں۔

"اب آپ یہ بتائیں سر...... کہ اگر آپ بھوکے ہیں تو پہلے آپ کے کھانے کا بندوبست کر لیا جائے۔"

"یوآن مائی فرینڈ! بہتر ہے کہ مجھے کھانے کے لئے مل جائے۔"

میں نے بے تکلفی سے کہا۔

پھر وہ ایک قدم آگے بڑھا، اور سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"مائی فرینڈ...... آپ نے مجھے اپنا دوست کہا؟"

"ہاں...... اور تم بھی مجھے اپنا دوست کہو۔"

"میں جو کہتا ہوں مجھے کہنے دو۔ میں تمہیں سچ بتاؤں۔ بعض لوگ کسی کو ایک نگاہ میں پسند آتے ہیں۔ میں نے تو تمہارے بارے میں سن کر ہی تمہیں پسند کر لیا تھا اور اب جب میں نے تمہیں دیکھا ہے تو مجھے اپنے آپ پر فخر ہو رہا ہے، اب کیونکہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر میں نے کسی کو دیکھے بغیر اس کے بارے میں اندازہ لگایا تو میرا اندازہ کبھی بھی غلط نہیں ہوگا۔ معافی چاہتا ہوں۔ زیادہ بول گیا۔ دراصل مجھے زیادہ بولنے کی عادت ہے، لیکن اب سب کچھ بعد میں...... پہلے آپ کچھ کھا لیں۔ میں ابھی آپ کے لئے کچھ لاتا ہوں۔"

یوآن نے جو کچھ میرے سامنے پیش کیا۔ وہ بھی بہت اعلیٰ قسم کا تھا لیکن زیادہ اعلیٰ درجے کا تھا، زیادہ دیر نہیں لگی تھی لیکن بہت ہی اعلیٰ قسم کے سینڈوچ کافی اور کچھ پھل میرے سامنے لا کر رکھے گئے تھے۔

"یار تم سچ میں بہت اچھے دوست ہو۔"

"شکریہ سر جی......!"

"تھینک یو سر، آپ کو پسند آئے، میری خواہش اسی میں ہے۔ جو بھی ضرورت ہو آپ یوآن کو آواز دے دینا۔ یہاں سے ہی آواز لگائیں گے تو میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اُس کی بات کو سن کر میں مسکرا اُٹھا۔ اب میری آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ چنانچہ جیسے ہی کافی کا آخری گھونٹ لیا۔ میری پلکیں جڑنے لگیں۔ میں بستر پر لیٹ گیا۔ اور پھر میں شام پانچ بجے اُٹھا۔ اُس وقت جھٹپٹا اترتا چلا آ رہا تھا۔ لیکن کھانے کے لئے جو چیزیں ملی تھیں، اس کے بعد جس پر مشقت سفر سے چھٹکارا ملا

تھااس نے ساری تھکن دور کردی تھی۔

پھر یوآن نے ہی چھول داری کا پردہ اٹھا کراندر جھانکا تھااور ایک دم پردہ اٹھا کراندر آ گیا تھا۔

''آپ نے مجھے دوست کہا ہے، سر اس لئے آپ کوتھوڑی سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''مثلاً''

''اب آپ نے دیکھا نہیں کہ میں کس طرح پردہ اٹھا کراندر آ گیا ہوں۔''

''اوہ...... چلو ٹھیک ہے۔ اتنی دوستی مجھے پسند ہے۔''

''سر چائے کا ٹائم ہوگیا ہے، اور سب آپ کا انتظار کررہے ہیں۔ جیسے ہی آپ باہر نکلیں، چائے کے برتن لگ جائیں گے۔''

''ارے ارے مجھے اتنی اہمیت نہ دو۔''

''بڑی ٹھیک اہمیت دی گئی ہے، آپ منہ ہاتھ دھو لیجئے، لباس وغیرہ تو آپ کا کوئی دوسرا نہیں ہوگا لیکن مکھیا جی نے کہا ہے کہ آپ کے سائز کے کپڑوں کا بندوبست کردیا جائے گا، یہ ذمہ داری بھی خود میرے اوپر ہی لگادی گئی ہے۔'' یوآن نے کہا۔

منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں جس جگہ پہنچا، وہ بے مثال تھی، خیموں کے درمیان کی جگہ بنائی گئی اور یہاں بڑی آرام دہ فولڈنگ میزیں لگی ہوئی تھیں وہ ویسے بھی میں نے جو یہاں سازوسامان دیکھا تھا۔ وہ اس قدر بے مثال تھا کہ میں تو خوابوں میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا، بہرحال مختلف آوازوں میں میرا استقبال کیا گیا، اور اس وقت سب سے بڑی بات یہ بھی کہ بہت سی لڑکیاں اس محفل میں شامل تھیں۔ وہ اگر نہ ہوتیں تو مجھے بڑا تعجب ہوتا، لیکن بہرحال میں نے سب کچھ قبول کرلیا تھا۔

چائے کے برتن لگائے جانے لگے۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ اس طرح ہم لوگ کہیں باہر نکلے ہوں گے۔ دولت کے کھیل نرالے ہی ہوتے ہیں۔ مکھیا جی نے زبردست انتظامات کئے تھے اور یہ اجنبی لوگ یقینی طور پر ان مہم جوؤں میں شامل تھے۔ جو مکھیا جی کے ساتھ شکار پر نکلتے ہوں گے، مکھیا جی نے میرا ایک شاندار شخصیت سے تعارف کروایا۔ جو لمبی چوڑی اور بہترین شخصیتوں کی مالک تھی۔

''یہ نواب صاحب ہیں۔ میرے بہترین ساتھی۔ سیروسیاحت کے رسیا، لمبی چوڑی زمینوں کے مالک اور یہ رائے پردیپ سنگھ ہیں۔ ریاست دکن کے سب سے بڑے جاگیردار، یہ ان کی بیٹیاں ہیں۔ یہ سیتا ہے اور یہ اپنے آپ کو فرنچ کہتی ہے۔ کیونکہ ان کی ماں فرنچ تھی۔ یہ دوسری ملائکہ ہے۔ یہ اپنے آپ کو ہندوستانی کہنے میں زیادہ فخر محسوس کرتی ہے۔''

''جی۔''

میں نے گردن خم کر کے کہا اور پھر دوسرے لوگوں کا بھی تعارف کروایا جانے لگا۔ میں نے سب کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ کیونکہ مجھے یہ بات یاد تھی کہ ان سب کی نظر میں، میں ہندو ہی ہوں۔ اس کے بعد چائے کا دور چلا، اور پھر ہم سب بہت دیر تک باتیں کرتے رہے، رات کا کھانا بھی اسی طرح شاندار طریقے سے کھایا گیا، بہت سے ملازم ساتھ تھے، جن کا زیادہ تر تعلق نیپال سے تھا۔ یہ نیپالی نوجوان بڑے مستعد اور ہر طرح سے چاک و چوبند تھے۔ اور بھاگ بھاگ کر سارے کام کررہے تھے۔ انہوں نے شاندار حصار بنالیا تھا۔ علاقے کے بارے میں مجھے زیادہ اندازہ تو نہیں تھا لیکن اتنا میں جانتا تھا کہ ان علاقوں میں اچھے خاصے درندے موجود ہیں۔ یقینی طور پر مکھیا جی نے جس طرح کے انتظامات کئے ہوں گے۔ رات کو مکھیا جی نے مجھے اپنے خیمے میں بلوایا۔ پھر مجھے دیکھتے ہی بولے۔

''میں سمجھتا ہوں کہ اب تم مکمل طور سے میرے ساتھیوں میں سے ہو اور کسی بھی طرح سے الگ انسان نہیں ہو۔ میں تمہیں یہ بتانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ شکار میری بہترین دلچسپی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم دفینے بھی تلاش کرتے ہیں۔ تبت اور اس کے بے شمار علاقوں میں بدھ مت کے آثار ہیں۔ اور یہاں ایسی ایسی عظیم الشان خانقاہیں موجود ہیں جہاں بدھوں

کے اعلیٰ پائے کے مجسمے جو ہیرے جواہرات سے سجے ہوتے ہیں اوراس کے ساتھ ساتھ ہی سونے کے بت پر اس میں اکثر مہم جوؤں کو دستیاب ہو جاتے ہیں۔

اور ہم تنہا ہی نہیں کبھی کبھی بے شمار ٹولیاں ان کی تلاش میں نکلتی ہیں۔ ہمیں ہوسکتا ہے اپنے سفر کے دوران ایسی بہت سی ٹولیاں ملتی ہیں۔ تم ہمیں معاف کرنا، تم ایک ماہر شکاری کی حیثیت سے ہمارے ساتھ ہو، تم نے اس وقت بھی ان لوگوں کے بارے میں بتایا تھا کہ تم ان کے لئے ملازموں جیسی حیثیت رکھتے ہو۔ لیکن تم ہمارے ہاں ملازم نہیں ہو، بلکہ ہمارے ایک ساتھی ہو۔ اگر اس سفر میں ہمیں کوئی خزانہ دستیاب ہوا تو اس میں سے تمہیں تمہارا بہترین حصہ دیا جائے گا۔ یہ پورا گروپ جس میں نواب صاحب وغیرہ موجود ہیں۔ سب کے سب خزانے کے خواہش مند ہیں۔ اب مجھے ایک بات کا جواب دو کہ کیا تم خوشی کے ساتھ ہماری قربت پسند کرو گے۔''

''جی کھیا جی! میں تو اس علاقے میں جب سے آیا ہوں، بے شمار مشکلات کا شکار رہا ہوں۔''

''اتفاق ہی ہے۔''

''جی......!''

''اب سوؤ گے نہیں......کیا؟''

''کیوں؟''

''کیونکہ مجھے تو بے تحاشا نیند آ رہی ہے۔''

''ہاں......ہاں......بالکل......!''

جو خیمہ میرے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ میں اسی میں آ کر لیٹ گیا۔ دن میں چونکہ کافی وقت سو چکا تھا۔ اس لئے رات کو دیر تک جاگتا رہا، دماغ میں سوچیں ہی سوچیں تھیں۔ بس کھیا جی سے جھوٹ بول کر اپنے خیمے میں آ گیا تھا۔ کہانی نیا رنگ اختیار کر گئی تھی۔ پہلے یہ کہانی یوں تھی کہ وہ منحوس میرے پیچھے تھی۔ اس نے مجھے اپنے راستے پر لگا رکھا تھا اور مجھ سے میرا ایمان چھین لیا، پتہ نہیں کیا کیا غلاظتیں کھلا کر اور اس کے بعد اس نے مجھے استعمال کرتے ہوئے اپنے ایک دشمن کے پاس بھیجا۔ جس کا نجانے زندگی کا کیا مقصد تھا۔ پھر کھیا جی مل گئے۔ اب ان کی مہم جوئی اور ان کی یہ تیاریاں......وہ مجھے ایک شکاری کا درجہ دے رہے تھے۔ میں تو یہ ہی سمجھا تھا۔ مگر اب پتہ چلا کہ انہیں کسی خزانے کی تلاش ہے۔

بہرحال میری اپنی کوششیں تو ناکام رہی تھیں، میرے اندر جو غلاظتوں کا زہر اتر چکا تھا۔ وہ مجھے ان لوگوں کے چنگل میں پھنسے رہنے پر مجبور کرتا تھا۔ چنانچہ ہم لوگ اسی کا شکار تھے۔ اب اگر میری تقدیر میں یہ ہی سب کچھ لکھا گیا ہے، تو ٹھیک ہے، یہ ہی سہی۔ پھر رات کے کسی حصے میں نیند آ گئی تھی۔

دوسری صبح وہی شاندار ناشتہ اور اس کے بعد روانگی کی تیاریاں نیپالی ملازموں نے اس طرح خیمے اترے اور ان کو فولڈ کیا کہ انسان حیران رہ جائے۔ وہ اپنے کام میں بڑے ماہر معلوم ہوتے تھے۔ ساری چیزیں ٹریلر اور ویگنوں میں لاد دی گئی تھیں۔ نیپالی جوان ہی گاڑیاں ڈرائیو کر رہے تھے۔ ان کے بارے میں ہی کھیا جی نے بتایا تھا کہ وہ بہترین ٹرینڈ ہیں، اور راستوں سے بخوبی واقف ہیں، ابھی تک میرا کسی لڑکی سے باقاعدہ تعارف نہیں ہوا تھا یا کوئی اور جگہ ہمارا بھی سامنا نہیں ہوا تھا، خیر جب سفر شروع ہوا تو مجھے بھی ایک بڑی لینڈ کروزر میں ہی سوار کرایا گیا تھا اور میں آرام سے سفر کر رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ کون سا علاقہ تھا، اور جگہ کون سی تھی۔ بس سفر آرام سے جاری تھا اور ہم اس عظیم الشان علاقے میں داخل ہو گئے تھے۔ دور دور تک ایک ویران اور بنجر پہاڑی علاقہ نظر آ رہا تھا۔ تاحد نگاہ پتھریلی زمین بہت دور تک چلی گئی تھی۔

اور تقریباً دوپہر تک سفر کرنے کے بعد ہمیں درختوں کی سیاہی نظر آئی تھی اور وہ بھی ایک بلند جگہ سے، ہماری اس لینڈ کروزر میں نواب صاحب اور ان کی لڑکیاں موجود تھیں، باقی لوگ دوسری گاڑیوں میں تھے۔ یہ سفر بالکل باقاعدہ کیا جاتا رہا۔ کھانے پینے کے لئے بھی بس ہلکی پھلکی چیزیں دے دی گئی تھیں، شام کو چھ بجے سورج چھپ گیا اور اندھیرا کسی سیلاب کی طرح

بڑھتا نظر آیا۔
دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ماحول کو نگل لیا اور ہر چیز تاریک ہوگئی۔ تب ڈرائیوروں نے گاڑیوں کی روشنیاں جلالیں، ٹارچ جلالیں۔ مزید کچھ دیر تک سفر جاری رہا۔ اس کے بعد سیٹیوں کی آوازیں ابھرنے لگیں، جس کا مطلب تھا کہ رک جایا جائے، گاڑیاں رک گئیں، اور نواب صاحب نے کھیاجی سے پوچھا۔
''کیا خیال ہے، ابھی اور آگے چلنا ہے۔''
اس نے سوال کیا۔
''نہیں یار تھک گئے۔''
کھیاجی نے جواب دیا۔
''علاقہ بھی بہت اچھا ہے۔''
''میں نے جان بوجھ کر یہ جگہ پسند کی ہے۔''
''بالکل...... بالکل......!''
کھیاجی نے کہا۔
بڑی صاف ستھری جگہ تھی، پرسکون اور درختوں سے خاصی دور، اس کے علاوہ جورات ہوگئی تھی، اس میں زیادہ آگے بڑھنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ کھیاجی نے منظوری دے دی۔ تمام لوگ اس پلان پر متفق تھے۔ پھر نیپالی ملازموں کو ہدایت دی گئی۔ اور وہ نیچے اتر گئے۔ سارے کام بڑے سسٹم سے کئے جارہے تھے۔ پھر نیپالی ملازموں نے صرف تین خیمے لگائے تھے یہ تینوں خیمے بڑے احتیاط سے لگائے گئے تھے، ورنہ ٹرالر ہی اتنے بڑے تھے کہ سب لوگ ان میں آرام کرسکتے تھے، ضروری سامان اتارا گیا، اس میں دوسرے ملازموں نے بھی نیپالی نوجوانوں کی مدد کی تھی۔ سب سے پہلے تمام لوگوں کے لئے کافی تیار کرائی گئی۔ پھر کھانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اب مجھے واقعی لطف آرہا تھا، اس طرح کے سفر ویسے بھی لطف دیتے تھے۔ پھر سچی بات یہ ہے کہ نہ آگے ناتھ نہ پیچھے پگھا۔''
میرا تھا کون، جس کے لئے میں تڑپتا اور ترستا، یہ تو اچھی خاصی کمپنی مل گئی تھی، ذراسی غلطی ہوگئی تھی، اگر اس وفادار نوکر کو ساتھ لے لیتا، جس نے اپنے مالک کا بدلہ لینے کے لئے سب کچھ تیاگ دیا تھا، تو میری اتنی حیثیت ضرور تھی کہ اس پر کوئی اعتراض نہ کرتا، وہ میرا بہترین ساتھی اور دوست تھا۔ بے شک یوآن اب وہ جگہ لینے کی کوشش کررہا تھا۔ لیکن وہ صلاحیتیں شاید یوآن میں نہیں تھیں۔ جو اُس میں تھیں۔ خیر جو ہونا تھا وہ تو اب ہو ہی چکا۔
کھانے کی تیاریاں ہورہی تھیں۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ سناٹا میں انتظامات معمولی نہیں تھے۔ سرچ لائٹیں روشن کی گئیں، جو ٹرالروں اور دوسری جگہوں پر نصب تھیں اور اس کے بعد بٹن آن کیا گیا، تو ہر طرف دودھیا روشنی پھیل گئی۔
میں ششدر رہ گیا تھا۔ میں نے بے اختیار کہہ ڈالا۔
''کیا اتنی تیز روشنی سے ہمارے ساتھ لایا ہوا روشنی کا سسٹم ختم نہیں ہوجائے گا۔''
''نہیں میری جان ٹرالروں میں جنریٹر نصب ہے۔ روشنی ان جنریٹروں سے ہی ہورہی ہے اور ہر طرح کے انتظامات موجود ہیں۔''
''ویری گڈ...... ویری گڈ......'' نواب صاحب شاید میرے اور کھیاجی کے درمیان ہونے والی بات سن رہے تھے۔
عقب سے بول پڑا۔
''نوجوان کیا مزہ نہیں آرہا۔ اس سفر میں ہمارے پاس ہر طرح کا آرام موجود ہے اور اس کی ہر طرح کی ذمہ یہاں کے قابل لوگوں نے لے رکھی ہے۔''
ابھی نواب صاحب یہ ہی الفاظ کہہ رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے موسیقی کی لہریں ابھریں اور میں پھر اچھل کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
''یہ موسیقی کی آواز کہاں سے آئی؟''
میں نے حیرت سے کہا۔
''ٹرالروں سے آرہی ہے۔''
''زبردست۔''
''ٹھیک......!''
میں مسکرادیا۔

واقعی جنگل میں منگل ہو رہا تھا۔ لڑکیاں اور نوجوان ایک جگہ پر جمع ہو گئے اور آپس میں خوب اچھی طرح ہنس بول رہے تھے۔ خوب تالیاں پیٹی جانے لگیں۔ فرمائشیں ہوئیں، ریکارڈ بجتے رہے، کافی تقسیم ہوئی، ایک لڑکی مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ خیر پھر کھانا تیار ہوا۔ کھایا گیا۔ اس کے بعد آرام کی باتیں ہونے لگیں، تمام کے تمام لوگ یہاں بھی باز نہ آئے، روشنی کافی تھی۔ جگہ جگہ بساطیں بچھائی جانے لگیں۔ اس کے بعد شطرنج کھلی جانے لگی۔ موسیقی بند کر دی گئی۔ میں نے ایک گاڑی میں رات گزارنے کا فیصلہ کیا۔

اور اس پر کسی نے اعتراض بھی نہ کیا۔ چنانچہ میں آرام کی جگہ پہنچ گیا، اور نجانے کب خیالات میں الجھا الجھا سو گیا۔ کافی رات گزر چکی تھی۔ اور میں کافی نیند لے چکا تھا۔ کہ کسی نے مجھے جھنجوڑا، میں نے دیکھا کہ وہ نواب صاحب تھے اور ان کے ساتھ وہ ہی لڑکی کھڑی تھی میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

''خیریت ہے نواب صاحب؟''

''ہاں...... ہاں سب ٹھیک ہے، لیکن یہ بتاؤ، کہ یہاں سونے کی کیا ضرورت تھی؟''

''کہاں......؟''

''میرا مطلب ہے...... یہاں...... یہاں تو تمہیں آرام بھی نہیں مل رہا......!''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

میں نے کہا۔

''یہ کوئی سونے کی جگہ ہے۔''

نواب صاحب نے کہا۔

''بس کوئی نہ کوئی جگہ تلاش کرنا ہی تھی، کیونکہ خیموں میں آپ لوگ تھے، پھر بہرحال سب کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔''

''بلاوجہ کی باتیں نہ کرو، تم نے کیا کچھ محسوس کیا، کہ ہم نے تمہیں خود سے کم سمجھا ہو، یا پھر خود سے الگ سمجھا ہو۔''

''نہیں......!''

''تو پھر......؟''

''میری بھی تو کچھ ذمہ داریاں ہیں اور آپ سوئے نہیں؟''

میں نواب صاحب سے بات کرتا کرتا اس لڑکی کی طرف متوجہ ہوا، تو وہ بولی۔

''سو گئی تھی بے چاری نے تمہارے بارے میں سنا، تو پریشان ہو گئی۔''

''بھیا جی اتنی شاندار شخصیت کا مالک ہے۔ اتنا بڑا شکاری ہے۔ اسے دوسروں کے ساتھ سلا دیا جائے۔''

''ارے...... ارے...... مہربانی ہے آپ کی......!''

''اچھا...... آ جاؤ...... آ جاؤ...... ویسے بھی تم ان علاقوں سے ناواقف ہو۔ ایسی تفریحات نہ کیا کرو، سمجھے؟''

ہمیں پتہ بھی نہیں تھا کہ تم اس طرح یہاں اس گاڑی میں سو رہے ہو۔ پھر اس نے ہی کہا، کہ کسی گاڑی میں دیکھو۔ کہیں سو تو نہیں گیا۔ اگر تم نہ ملتے تو میں ساری رات سونا پاتا۔''

نواب صاحب نے غصیلے انداز میں کہا۔

میں مسکرا دیا اور وہ لڑکی اور نواب صاحب باہر نکل گئے۔ میرے انداز میں عجیب سی کسل مندی تھی۔ مگر میں بھی ان کے پیچھے باہر نکل آیا۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سرچ لائٹیں بجھا دی گئی تھیں۔ چند معمولی سی روشنیاں جل رہی تھیں۔ ٹرالروں کی چھت پر میں نے ان نیپالیوں کو دیکھا، وہ باقاعدہ اسلحہ لئے وہاں ڈیوٹی دے رہے تھے۔

''یہ لوگ......!''

میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''ان کی ڈیوٹی ہے، آدھی رات کو دوسرے جاگ جائیں گے۔''

بھیا جی نے بتایا اور میں نے گردن ہلا دی۔

دشمن روحیں

ایم اے راحت

قسط نمبر: 10

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زورقلم سے لکھی شاہکار کہانی

''**کون** ہوتم؟ اور یہ سب کیا ہے۔ یہ لڑکا کون ہے جواب دو۔ ورنہ ہاتھ پاؤں توڑ کر یہیں ڈال دوں گا اور شیر تمہیں چٹ کرجائے گا اور وہ یہیں آس پاس ہی موجود ہے۔''

میرے ان الفاظ پر لڑکی بری طرح سے کانپنے لگی اور ہم پر ایک دل کش انکشاف ہوا۔

''یہ میرے گاؤں کا لڑکا ہے؟''

''ہاں تو پھر......؟''

''اس کا نام رام کمار ہے۔ ہماری بچپن کی دوستی ہے پر ہمارے ماتا پتا نے ہمارا لگن نہیں کیا۔ اور آخر کار میری شادی کسی اور سے کردی مگر میں نے طے کرلیا تھا کہ میں اپنے پتی کے ساتھ نہیں رہوں گی چنانچہ ہم پنگھٹ سے بھاگ آئے یہ میرا ساتھی لڑکا ہے۔''

یہ ساری تفصیل سن کر میں تو کچھ نہ بولا مگر میرے ساتھ جو وفادار آرمی کھڑا تھا اس نے لڑکی کو مارنا شروع کردیا لڑکی کو مار کھاتے دیکھ کر میں خاموشی سے کھڑا رہا اور میں نے اسے اپنی بھڑاس نکالنے دی جب وہ مار مار کر تھک گیا تو بولا۔

''جا بے غیرت واپس اپنے گھر جا...... ماں اور پتا کی لاج رکھنا بیٹی کا دھرم ہوتا ہے اور تو ان کی لاج کو پیروں تلے روند کر یہاں اپنے یار کے ساتھ بھاگ آئی ہے۔''

پھر وہ لڑکے کی طرف مڑا اور بولا۔

''جا دفع ہوجا......!''

میں اس دوران یہ سوچتا رہا کہ چلو مسئلہ تو حل ہوا کم از کم یہ گمشدہ بہو تو مل گئی یہ تو پتہ چل گیا کہ اسے شیر اٹھا کر نہیں لے گیا تھا اس لئے میں بولا۔

''اب اس کا کیا کرنا ہے؟''

''مصیبت بن گئی ہے بابو جی!''

''ہاں...... یہ تو ہے۔''

''ارے دیکھیں وہ کون ہیں؟''

ہم نے تین چار لوگوں کو دیکھا۔ جنہوں نے ہمیں نجانے کہاں سے دیکھ لیا تھا وہ اسی طرف آرہے تھے۔ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ وہ بھی اسی گمشدہ بہو کی تلاش میں ہی تھے۔ یعنی وہ اسی گاؤں کے تھے جہاں سے وہ لڑکی غائب ہوئی تھی۔

یہ بات میں جانتا تھا کہ اگر اس لڑکی کے ساتھ ساتھ لڑکے کو بھی گاؤں والوں کے حوالے کیا گیا تو غیرت میں آکر لڑکے کا قتل کردیں گے۔ مگر لڑکی کو تو ان کے حوالے کرنا ہی تھا۔

چنانچہ ہم نے ساری صورت حال انہیں بتادی اور وہ غصے سے لال پیلے ہوگئے اور پھر وہ لڑکی کو لے

کر اپنی بستی کی طرف چل پڑے۔
جبکہ وہ وفادار نوکر جو اپنے مالک کا بدلہ لینا چاہتا تھا میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
"بابو جی۔ ہمارا کام تو ابھی باقی ہے نا۔"
"ہاں...... آؤ!"
میں نے کہا اور ہم گھنے جنگل میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ جبکہ میں تو اپنے آپ کو دھوکا ہی دے رہا تھا میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ان دو منحوس شیطانی ہستیوں میں سے کون مجھ پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہے۔ آہستہ آہستہ شام ہوتی جارہی تھی۔ میں نے اپنے ساتھ چلتے ہوئے انسان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"تم گوشت تو نہیں کھاتے ہو گے؟"
"یہ بات سن کر وہ ہنسا اور پھر کہنے لگا۔
"جناب ہم فوجی ہیں اور فوج میں یہ ساری باتیں نہیں چلتیں گوشت تو بڑے شوق سے کھاتے ہیں ہم لوگ۔"
"ہم لوگوں سے تمہاری مراد کون ہے؟"
"میں اور میرے مالک......"
"اچھا۔"
"ہاں...... ہم کبھی کبھی چھپ چھپ کر گوشت کھایا کرتے تھے۔ اور میرے مالک کہا کرتے تھے۔
"یار جو مزہ اس خوراک میں ہے وہ کسی اور میں نہیں ہے۔"
"ارے واہ...... زندہ باد...... چلو پھر تیاری کرو۔ ہمیں شکار کرنا ہوگا۔"
میں نے کہا اور وہ ایک اچھے ساتھی کی طرح فوری تیار ہوگیا۔
شام کے جھٹپٹے فضاؤں میں اترنے لگے تھے۔ ہم نے بڑے آرام سے چند پرندے شکار کئے وہ ایک اچھے ساتھی کی طرح لکڑیاں اکٹھی کرنے لگا اور بڑی مشکل سے ان پرندوں کی کھال وغیرہ اتار کر اور ان کی صفائی کرکے اس سے ایندھن کا کام لیا گیا۔ اس کے بعد ان پرندوں کے گوشت کو بھونا گیا اور پھر ہم اسے کھا کر سیر ہوگئے اس نے بڑی رغبت سے گوشت کھایا جبکہ میں نے سوچا تھا کہ وہ تھوڑی بہت گڑبڑ تو ضرور کرے گا لیکن وہ تو مجھ سے زیادہ گوشت کا شوقین نکلا۔ غرض یہ کہ ہم نے رات جنگل میں ہی گزارنے کا فیصلہ کیا اس کے لئے ہم نے ایک گھنا درخت تلاش کرلیا اور پھر اسے اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ اس کی شاخیں چوڑی چوڑی اور آپس میں گتھی ہوئی تھیں یہاں ہم نے اپنا ٹھکانہ بنایا اور اوپر جاکر بیٹھ گئے مختلف جانوروں کی آوازوں نے ماحول کو کافی خوف ناک بنادیا تھا پھر نجانے کیوں جانوروں کی آوازیں آہستہ آہستہ مدہم ہوتی چلی گئیں اور پھر ایک پراسرار سناٹا چھا گیا۔ چاروں طرف پورا جنگل موت کا پراسرار روپ دھار گیا ہم نیم خوابیدگی کے عالم میں لیٹے رہے پتہ نہیں میرے ساتھ سفر کرنے والے وفادار غلام کو نیند آئی تھی یا نہیں آئی تھی۔ جنگل کے جانوروں کی مدہم مدہم آوازیں ہر طرف گونج رہی تھیں کہیں دور سے شیروں کے گرجنے کی آواز سنائی دی تو سارے جنگل کو سانپ سونگھ گیا ماحول میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ جس کی وجہ سے ہر چیز سائیں سائیں کررہی تھی۔
اچانک ہی میرے ساتھ لیٹے ہوئے شخص نے کہا۔
"شیروں کی آوازیں آپ نے سنی مہاراج!"
"ہاں۔"
"کیا خیال ہے تلاش کریں انہیں۔"
اس وقت اس کے لہجے میں عجیب سا تاثر تھا۔
میں حیرانی سے آنکھیں پھاڑنے لگا پھر میں نے کہا۔
"کیا تم یہ خطرہ مول لو گے؟"
"جیون کا سب سے بڑا خطرہ ہے مہاراج اس سے بڑا خطرہ اور کیا ہوسکتا ہے۔"
"فلسفی ہورہے ہو تم۔"
"فلسفہ بھی جیون کا ایک حصہ ہے۔"
وہ تو غضب ڈھا رہا تھا۔
"تو پھر کیا کہتے ہو؟"
"آئیں مہاراج دیکھتے ہیں۔ شیروں نے ہمیں آواز دی ہے تو ہم ان کی آواز کیوں نہ سنیں۔"

''ہاں۔''
''کیا خیال ہے؟''
''کس بارے میں؟''
''تلاش کریں انہیں۔''
''ہاں!''
''تو پھر آئیں تلاش کریں انہیں!''

نجانے کیوں میرے اندر ایک امنگ سی پیدا ہوگئی تھی۔ اسی لئے میں اس کے ساتھ درخت سے نیچے اتر آیا شیروں کی آوازیں ابھی بھی آرہی تھیں۔ ہم ان کے تعاقب میں چل پڑے راستے میں درخت کے نیچے کئی سانبھڑ اور چیتل کھڑے تھے۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی چوکڑیاں بھرتے ہوئے غائب ہوگئے۔ ابھی ہم محتاط انداز میں آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک ہی ایک انسانی چیخ بلند ہوئی اور فضا میں ہلچل مچاتی ہوئی ختم ہوگئی اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

''سنی آپ نے یہ چیخ مہاراج!''
''ہاں۔''
''وہ یقیناً آدم خور نے کسی انسان کا شکار کیا ہے۔''
''یہ تو بڑی خوف ناک بات ہے۔''
''مہاراج ہم اس کا پیچھا کریں گے۔'' اس نے عجیب سے انداز میں کہا اور میں نے گردن ہلادی۔

تاریک اور ہولناک جنگل سے نکلنا مشکل ہورہا تھا انسانی آواز کے ختم ہوتے ہی ہم پر ایک عجیب سی ہولناکی طاری ہوگئی پھر ایک ڈراؤنی اور پراسرار آواز جنگل میں گونجی یوں لگا جیسے کچھ انسان جانوروں کی آوازیں نکال رہے ہوں۔

''یہ آوازیں سن رہے ہو؟'' میں نے کہا تو بولا۔
''ہاں مہاراج ...... آپ کیا کہتے ہو اس بارے میں؟''
''جنگلوں سے مجھے زیادہ واقفیت نہیں ہے۔''
''مہاراج یہ جنگل کے باسیوں کی آوازیں ہیں۔''
''جنگل کے باسی؟''
''میں دھرم کا ہندو ہوں، بھوتوں پریتوں پر وشواس رکھتا ہوں۔ یہ یقیناً بھوتوں کی آوازیں ہیں۔''

اس کی بات ٹھیک بھی ہوسکتی تھی اب شکر میرے ساتھ جو واقعات پیش آئے تھے وہ ایسے ہی تھے۔ کہ مجھے اس کی بات پر یقین کرنا ہی تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک میں آگے بڑھتا رہا وہ بھی میرے ساتھ تھا۔ اس خوف ناک آواز کا تعاقب کرنے کو دل چاہ رہا تھا لیکن اس آواز کے راز کو جاننے کے لئے ہم کیا کرتے؟ اس لئے ہمیں اس میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ بس یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آواز محض ڈرانے کے لئے اس جنگل پر مسلط ہے ہم دوہری کیفیت کا شکار ہوگئے تھے ایک طرف تو آدم خور شیروں کا مسئلہ تھا ان سے مقابلہ کرنا تھا دوسری طرف یہ آواز آئی۔

''کیا سوچ رہے ہیں آپ مہاراج؟''
''میں اسی آواز کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''
''کوئی دھوکہ بھی ہوسکتا ہے مہاراج؟''
''دھوکہ؟''
''ہاں۔''
''وہ کیسے؟''
''بس مہاراج جنگلوں کی کہانی جنگلوں میں رہنے والے ہی جانتے ہیں۔ ہمیں اپنا کام کرتے رہنا چاہئے۔''
''ٹھیک ہے۔''

اور اس کے بعد میں نے بھی اس آواز کو اپنے ذہن سے نکال دیا اور اس سخت مہم پر آگے بڑھتا رہا۔

جنگلوں کے بارے میں میری معلومات تو بالکل صفر تھی۔ جو چار آدمی میرے ساتھ آئے تھے اور جو میری رہنمائی کررہے تھے جہنم واصل ہوگئے تھے اگر یہ وفادار غلام بھی نہ ملتا تو اس جنگل میں تو میری جان ہی نکل جاتی ڈراؤنا جنگل تھا اور ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا خدا جانے کتنی لمبی رات تھی وقت گزرتا چلا گیا اور خدا خدا کرکے ہم اس جنگل سے قدر کھلی جگہ پر نکلے، تو سامنے ایک پیڑ اور بھیانک آواز کے ساتھ ایک ندی نے راستہ

روک لیا۔

ہم ندی کے کنارے کنارے چلتے رہے ندی کا بہاؤ اس قدر تیز تھا کہ اگر اس کی لہروں میں ہاتھی بھی کھڑے رہنے کی جرأت کرتا تو وہ تنکے کی طرح بہہ جاتا۔

اچانک پچھلی راتوں کا چاند نمودار ہوا تو پورا جنگل روشنی میں نہا گیا صبح ہونے میں بہت دیر نہیں تھی چاندنی اور صبح کی روشنی ملی جلی جنگل کے ماحول و پراثر انداز ہو رہی تھی اور جانور آہستہ آہستہ جاگتے جارہے تھے کبھی کبھی کچھ ہیبت ناک چیخیں ہمارے سر پر سے گزر جاتیں۔ یہ جانوروں کی آوازیں ہی تھیں ہماری نگاہیں ندی پر بھی پڑ رہی تھیں اور اچانک ہی ہم نے ندی کے تیز پانی میں کچھ انسانی لاشوں کو بہتے ہوئے دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ لاشیں تیزی سے آگے نکل گئیں۔

اس کے بعد ایک گیدڑ بہتا ہوا آیا لیکن پانی کی لہروں نے اسے کناروں پر پہنچا دیا اور وہ نڈھال سا ہو کر باہر نکل کر ہمارے سامنے گر پڑا لیکن ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جنگل کا بھیانک حصہ اب اپنا روپ بدل چکا تھا پھر ایک زرد رنگ کا اژدھا لہروں میں لپٹا ہوا نظر آیا اور پلک جھپکتے میں تیز پانی کی لہروں میں جکڑا آگے نکل گیا کچھ دور چلے تو دھواں اٹھتا ہوا نظر آیا اور وہ بول اٹھا۔

”کوئی گاؤں آ گیا ہے مہاراج۔“

”ہاں چلو آگے دیکھتے ہیں۔ ہمیں تو گاؤں ہی کی تلاش ہے۔“ میں نے کہا۔

تھوڑی دور اور چلے تو ہمیں گاؤں کے کچے پکے مکان نظر آنے لگے کچھ لوگ ندی کے کنارے کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کہا۔

”ہم شکاری ہیں بھائی اور آدم خور کے تعاقب میں پہاڑوں اور جنگلوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔“

”جی مہاراج! ہم کشتی لاتے ہیں آپ وہی کھڑے رہو۔“ ان لوگوں نے کہا۔

پھر ان میں سے ایک بولا۔

”بہاؤ بہت تیز ہے ندی بہت گہری ہے آپ آسانی سے ندی پار کر سکیں گے۔“

دیہاتیوں کا لہجہ بڑا محبت بھرا تھا۔

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے دیکھا کہ دوسرے کنارہ پر۔ کچھ دیہاتی ایک کشتی پر لادے آرہے ہیں کشتی زیادہ بڑی نہیں تھی دو دیہاتیوں نے اسے پانی میں ڈال کر اس کے بعد اسے کنارہ کی طرف بہانے لگے تھوڑی دیر بعد وہ کنار پر لے جائے گیں۔

اور ہم نے کشتی کے ذریعے ندی پار کر لی۔ گاؤں والے آہستہ آہستہ کناروں پر جمع ہوتے جارہے تھے۔ ہم نیچے اتریں تو انہوں نے بڑی خوش دلی سے ہمارا استقبال کیا۔

”وہ ہمارے دو آدمیوں کو ہضم کر چکا ہے۔“

”کون؟“

”شیر۔“

”تم لوگوں کو کیسے پتہ چلا ہے کہ ہم دونوں کسی آدم خور شیر کی تلاش میں ہیں؟“

”مہاراج آپ نے خود ہی تو بتایا تھا کہ آپ دونوں شکاری ہیں اور پھر دوسری بات یہ کہ آپ دونوں جنگل کی طرف سے ہی آرہے تھے۔ اسی لئے ہم لوگوں نے یہ فرض کر لیا کہ شاید آپ دونوں یعنی اسی آدم خور کی تلاش میں ہوں۔“

میں نے ان سے پوچھا تمہارے دو بندوں کو وہ کس طرح ہضم کر گیا؟ میرے اس سوال پر ان میں سے ایک شخص بولا۔

”رات کے وقت ایک بندہ قریب کے گاؤں سے آرہا تھا کہ آدم خور نے اسے پکڑ لیا ہمارے آدمی اس کی تلاش میں گئے تھے۔ پھر اس شخص کی باقیات ملیں۔“

میں نے توجہ سے اس کی بات کو سنا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”دوسرا بدنصیب کون تھا جو اس آدم خور کا شکار ہوا؟“

”وہ بھی ایک محنت کش تھا بے چارہ آدھی رات اپنے کام سے واپس آرہا تھا۔ گاؤں والوں نے اس کی دل خراش چیخ سنی۔ کچھ لوگ اب اس کے تعاقب میں گئے ہیں اب وہ لاش ڈھونڈ کر ہی واپس آئیں گے۔“

"تم نے اس بے چارے کو قلاش کیوں کہہ رہے ہوں؟"

"ظاہر سی بات ہے کہ شیر اس انتظار میں نہیں ہوگا کہ گاؤں والے اسے ڈھونڈ کر اس بدنصیب کو رہا کروائیں۔ جب تک گاؤں والے شیر کو تلاش کریں گے وہ اپنا شکار کرکے جا چکا ہوگا۔"

"ہوں۔"

میں نے ہنکارا ابھرا۔ اتنے میں وہ شخص گویا ہوا۔

"آپ اگر چاہیں تو آرام کرلیں ہم آپ کو جگہ بتادیتے ہیں۔"

ان لوگوں کو یہ اندازہ ہوا تھا کہ شاید ہم شکاری ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ ہم آدم خوروں سے انہیں نجات دلادیں۔ چنانچہ وہ ہماری بڑی آؤ بھگت کر رہے تھے۔ اور آخرکار وہ ہمیں ایک ایسے گھر میں لے گئے جو خالی تھا۔ یہاں انہوں نے جلدی جلدی چارپائی اور بستروں کا انتظام کیا اور ہم لیٹ گئے میرا ساتھی بولا۔

"کیا کہتے ہیں مہاراج۔"

"میرا خیال ہے کہ رات بھر جو ہم نے جنگل گردی کی ہے اس کے بعد نیند بڑے مزے کی آئے گی۔"

"ٹھیک ہے پھر سونے کی کوشش کی جائے اورا س کے بعد ہم اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دیہاتی گرم گرم دودھ اور باجرے کی روٹیاں لے آئے۔ جن پر کافی مقدار میں مکھن رکھا ہوا تھا۔ یہ تازہ مکھن تھا۔ جو شاید ابھی ابھی دودھ سے نکالا گیا تھا۔ گرم گرم دودھ اور مکھن کے ساتھ باجرہ کی روٹی نے وہ مزا دیا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا اور پھر نیند ایسی آئی کہ گھوڑے بیچ کر سونے کا محاورہ درست ثابت ہوگیا۔ شام تک سوتے رہے تھے۔ شام کو جب جاگے تو بہت سی آوازیں گونج رہی تھی۔ ان لوگوں کی مہمان نوازی کا ہم دونوں کو ہی اطراف تھا۔ میرا ساتھی بولا۔

"جاگ گئے مہاراج؟"

"ہاں۔"

"تھکن تو نہیں ہے؟"

"یار..... ساری تھکن اتر گئی ہے۔"

"مہاراج ان لوگوں کی باتیں میں سن رہا ہوں یہ ہمیں کوئی بہت بڑا شکاری سمجھتے ہیں اور اس بات پر بہت خوش ہیں کہ اب ہم ان کی مدد کریں گے۔"

"یار..... کیا کہتے ہو تم؟"

"بھگوان کی سوگند۔ میرا بس چلے تو میں ایک منٹ میں ان آدم خوروں کو ہلاک کردوں۔ یہ لوگ بڑے دکھی ہیں اور بہت دنوں سے ان آدم خوروں کا شکار بن رہے ہیں۔"

میں نے ایک گہری سانس لی اور جھونپڑے کی چھت کی جانب دیکھنے لگا۔ ماضی انسان کبھی نہیں بھولتا اور ماضی انسان کو نہ جانے کیا کچھ یاد دلاتا ہے کیا زندگی تھی کیا بن گئی۔ ماں باپ تھے گھربار تھا، کس طرح ختم ہوگیا اور اس کے بعد مجھ پر کیا بیتی۔ کیسے کیسے زندگی کے راستے بنتے چلے گئے نہ جانے کیسے کیسے جھگڑوں میں پھنسا اور اس کے بعد یہاں تک گنگا سری ذہن میں آگئی لیکن میں نے نفرت سے اسے ذہن سے جھٹک دیا۔ مگر یہ کیا مصیبت کہ اب وہ دوسری دیوی ذہن میں آگئی مگر کیا کیا جاسکتا تھا۔ میں نے اپنا دھیان بٹانے کے لئے اپنے ساتھی سے کہا۔

"اب وہ لوگ آجائیں گے۔"

میرا یہ کہنا ہی تھا کہ پانچ چھ افراد پہنچ گئے ہماری جھونپڑی کے باہر موڑھے ڈال کر گویا میٹنگ کا آغاز کردیا گیا ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

"میرا نام راج کمار ہے مہاراج میں گاؤں کا مکھیا ہوں۔"

"ہاں..... راج کمار ہم تمہاری کیا خدمت کرسکتے ہیں؟"

"مہاراج آپ کے پاس بندوقیں ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ شکاری ہیں۔ مہاراج ان شیروں نے تو ہمارا جیون نشٹ کرڈالا ہے کسی کو اپنے جیون کا بھروسہ نہیں رہا۔ ابھی تھوڑے فاصلہ پر ایک

پہاڑی کے ٹیلہ پر ہمارے ایک آدمی کی کھائی ہوئی لاش پڑی ہوئی ہے ہم نے دن میں ایک کام کیا ہے مہاراج کہ وہاں ایک مچان تیار کروادیا ہے کیوں کہ آپ کو پتہ ہے کہ شیر کھائی ہوئی لاش کے پاس ضرور آتا ہے۔''

''ٹھیک......میرا خیال ہے ہم مچان پر جائیں گے۔''

''شام کے کھانے کے بعد مہاراج۔''

راج کمار نے کہا اور ہم لوگ منہ ہاتھ دھوکر فارغ ہولئے تو ہمارے سامنے کھانا لگادیا گیا سرسوں کا ساگ مکئی کی روٹی اوپر سے مکھن۔لیکن اس وقت ہمیں ذرا احتاط رہنا تھا کیونکہ اس کے بعد ہمارا کام ہی دوسرا تھا۔ پھراس کے بعد ہم مچان کی طرف چل پڑے۔گاؤں کے ایک شخص کو رہنمائی کے لئے ہمارے ساتھ کردیا گیا تھا گاؤں کے مکھیا نے کہا۔

''مہاراج آپ چنتا نہ کریں ہم لوگ بھی زیادہ دور نہیں ہوں گے آپ سے؟''

''ٹھیک ہے۔''

میں نے جواب دیا اور ہم دونوں مچان پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔اندھیرا تیزی سے پھیلتا جارہا تھا ایک پیشہ ورشکاری کی حیثیت سے میں نے ابھی کچھ بھی نہیں کیا تھا۔اور میرے ساتھ بیٹھا شخص بھی تقریباً میرے ہی جیسا تھا۔اس نے اپنے مالک کو کھودیا تھا۔اور وہ اب میرے ساتھ لگا ہوا تھا۔بہر حال یہ سب جاری رہا اور ہم مچان پر بیٹھے رہے۔ابھی بہت زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ہر طرف اندھیرا پھیل گیا میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ذراسی آہٹ میرے جسم میں سنسنی پیدا کردیتی تھی۔ہر طرف سناٹا تھا پھر اچانک ہی ہمیں دھڑام دھڑام کی آوازیں سنائی دیں اور ہم چونک گئے۔

''یہ کیسی آوازیں ہیں؟''

''سانبھر ہے مہاراج۔''

سانبھر کا ایک بے حد پریشان اور گھبرایا ہوا غول ہمارے پاس آیا اور پھر گزر گیا جس شخص کو شیر نے کھایا تھا اس کی بچی کچی لاش ہمارے سامنے ایک گڑھے میں پڑی ہوئی تھی کہ اچانک دور سے شیر کی گرج سنائی دی اور کچھ دیر کے بعد ہم نے شیر کو آتے ہوئے دیکھا۔وہ دبے قدموں اسی طرف آرہا تھا۔

شیر کو دیکھ کر ہم سناٹے میں آگئے شیر آہستہ آہستہ قریب آتا جارہا تھا۔اور میں نے اور میرے ساتھ بیٹھے ساتھی نے بندوقیں تان لیں ہم دونوں پوری طرح تیار تھے۔شیر آہستہ آہستہ آیا اور گڑھے میں اترا۔ پھراس نے آدھی کھائی ہوئی لاش منہ میں دبائی اور گڑھے سے باہر نکل آیا اسی وقت وہ بولا۔

''دیکھیں مہاراج دیکھیں۔''

اس کے ساتھ ہی میں نے اور اس نے ایک ساتھ فائر کردیا اس کے ساتھ ہی دودھماکے ہوئے اور دونوں گولیاں شیر کا پیٹ چیرتی ہوئی نکل گئیں شیر نے لاش کا آدھا حصہ چھوڑا اور جست لگا کر مچان کے قریب آیا وہ درخت سے ٹکرایا اور نیچے گرا۔لیکن اچانک یوں لگا جیسے نیچے گرتے ہی اس کا وجود غائب ہوگیا ہو۔گاؤں کا وہ آدمی جو میرے ساتھ تھا کپکپاتی آواز میں بولا۔

''مائی باپ یہ بھیانک جانور ایسا ہی کرتا ہے آپ کا نشانہ چوک گیا ہے۔''

''نہیں نشانہ نہیں چوکا۔دونوں گولیاں اس کے بدن کے پرخچے اڑاتی ہوئی نکل گئی ہیں تم یقین سے کہہ رہے ہو؟''

''جی مہاراج۔''

اس کا لہجہ بڑا سنگین تھا۔

''تو پھر کیا کہتے ہو؟''

''آیئے مہاراج؟''

اس نے اتنے اعتماد بھرے انداز میں کہا کہ مجھے شرم آگئی وہ ایک معمولی سا انسان ہوتے ہوئے کس قدر پراعتماد تھا ہم دونوں نیچے اتر کر جو پہلی چیز ہمیں نظر آئی وہ خون تھا یقیناً یہ خون شیر کے بدن سے نکلا تھا اوراس کے دھبے آگے بڑھتے چلے گئے تھے خون کے بڑے بڑے دھبوں نے ہماری رہنمائی کی اور ہم گھنے جنگل کی طرف بڑھنے لگے ہمارا ساتھی جو اسی گاؤں کا

باشندہ تھا گھبرا رہا تھا اس نے لرزتی آواز میں کہا۔
''مہاراج وہ پلٹ سکتا ہے۔ اور پھر میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ شیر ایک نہیں ہیں۔''
''کوئی بات نہیں آجاؤ۔''
''نہیں مہاراج شما چاہتا ہوں۔ مجھے شما کر دیں میرے تو پاؤں بھی ٹھیک سے نہیں اٹھ رہے۔ میں واپس گاؤں جا رہا ہوں۔''
''تیری مرضی ہے۔ جیسے تو پسند کرے۔'' میں نے کہا اور وہ واپسی کے لئے مڑ گیا میں نے دیکھا کہ اس کے قدم کانپ رہے تھے میرا خیال تھا کہ اس کا اس طرح اکیلے جانا مناسب نہیں ہے۔ اور میرا یہ خیال درست ہی ثابت ہوا۔ بہر حال ہم خون کے دھبوں کا تعاقب کرتے رہے اور یہ دھبے آگے جا کر گھنے جنگل میں داخل ہو گئے تھے۔ ہر طرف قد آور جھاڑیوں کا راج تھا ہوا درختوں سے سنسناسنسنا کر آگے بڑھ رہی تھی بڑی عجیب وغریب آوازیں فضاء میں بکھری ہوئی تھیں یہاں تک کہ ہم کافی دیر تک شیر کو تلاش کرتے رہے میرے ساتھ چلنے والا غلام فطرت شخص بھی بڑے کمال کا تھا وہ بالکل نہیں ڈر رہا تھا جبکہ مجھے اس سے بہادری کی امید نہیں تھی ہم صبح تک زخمی شیر کا تعاقب کرتے رہے اور اسے تلاش کرتے رہے لیکن پھر روشنی ہو گئی اور وہ بولا۔
''نکل گیا حرامی! چلیں مہاراج واپس چلیں؟''
آخر کار ہم واپس پلٹ پڑے کافی فاصلے طے کئے گاؤں سے کافی فاصلے پر ہم نے کافی لوگوں کو اکٹھا دیکھا جبکہ وہ بولا۔
''تو وہی ہوا جو ہم نے سوچا تھا۔''
''کیا؟'' میں نے پوچھا۔
''آیئے مہاراج!''
ہم آگے بڑھے اور ان لوگوں کے قریب پہنچ گئے وہاں پر اسی آدمی کی لاش پڑی ہوئی تھی شیر نے اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا ہم افسوس کرنے لگے ہم دونوں نے آپس میں بھی گفتگو کی کہ اسے اکیلے واپس نہیں آنا چاہئے تھا۔

جبکہ ہم نے اسے کتنی دفعہ منع کیا تھا کچھ لوگ رو رہے تھے آخر کار انہوں نے لاش اٹھائی اور گاؤں کی طرف چل پڑے رات بھر سے ہم جاگے ہوئے تھے گاؤں والے بھی ہم سے بدظن نہیں ہوئے تھے اسی لئے میرا ساتھی بولا۔
''مہارج ہم پتہ نہیں کتنے دنوں سے کوششیں کر رہے ہیں اور ابھی تک کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ اس پاپی شیر کا۔ پر مہاراج آپ بھی ہمت نہ ہاریں ہمیں آپ کا بڑا سہارا حاصل ہے۔''
''ٹھیک ہے ہم ہمت نہیں ہاریں گے۔ صبح کا ناشتہ کیا گیا کوئی ایک یا ڈیڑھ گھنٹے ہم نے آرام کیا کہ ہمارے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ شیر کافی زخمی ہو گیا ہے اور کہیں نہ کہیں ہمارا اس سے ٹکراؤ ضروری ہے۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ تیار ہو گیا اور ہم اپنے مشن پر روانہ ہو گئے آدم خور شیر کے پنجوں کے نشاند ہی کے ساتھ ساتھ جاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ آگے پتھریلی زمین آگئی تو پنجوں کے نشان ختم ہو گئے تھوڑی دور اور چلے تو خوف ناک جنگل نظر آیا۔ جو پہلے جنگل سے بھی زیادہ تاریک اور ڈراونا تھا زخمی شیر انتہائی خطرناک اور انتہائی قوت برداشت کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ وہ ہمارے لئے ایک سنگین مسئلہ بن چکا تھا اندھیرے جنگل میں آگے بڑھے تو بڑا وحشیانہ نظر آیا۔
پورا جنگل چھوٹی بڑی جھاڑیوں سے بھرا ہوا تھا اور جگہ جگہ جنگلی مرغ آپس میں لڑ رہے تھے اچانک دس بارہ بھیڑیوں نے غار سے نکل کر ہم پر حملہ کر دیا تو ہم نے ان پر فائرنگ شروع کر دی۔ دھماکوں کی ہولناک آوازوں کے ساتھ دو بھیڑیے تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے۔ باقی غاروں میں جا چھپے اور پورے جنگل پر ہیبت ناک سناٹا چھا گیا۔ اس سے کم از کم ایک بات کا اندازہ ہوتا تھا جس کی نشان دہی اس نے کی۔
''مہاراج اگر آدم خور اس جنگل میں موجود ہے تو دوسرے جانور اس طرح آزادی سے گھوم پھر نہیں سکتے۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے وہ یہ کہ زخمی شیر اس

جنگل میں کم از کم نہیں ہے آپ کو شاید بات معلوم نہیں کہ جنگل کے بادشاہ کی موجودگی میں چڑیا تک خوف زدہ رہتی ہے۔"

میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلادی تھی۔ شیر شدید زخمی تھا۔ خدا جانے کدھر نکل گیا۔ اس کا تعاقب ہمارے لئے بڑا مہنگا ثابت ہو رہا تھا۔ لیکن بہر حال میں جس کیفیت کا شکار تھا اس کے بارے میں اسے بھی معلوم نہ تھا۔ جو میرے ساتھ چل رہا تھا میرے دل میں تو بس ایک ہی خیال تھا کہ کاش میں ان دونوں چڑیلوں کی گرفت سے باہر نکل جاؤں۔ جنہوں نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔ جنگل میں شیر کا تعاقب ہمارے لئے بڑا مہنگا ثابت ہو رہا تھا۔ ایسا بھیانک جنگل میں نے زندگی میں کبھی تصور تک میں نہیں دیکھا تھا۔ میں نے راستے میں اس سے سوال کر ڈالا۔

"یہ بیلا کھیون کا جنگل ہے ناں۔"

"جی مہاراج۔"

"ہوں!"

ان علاقوں میں اس سے بڑا خوف ناک جنگل اور کوئی نہیں ہے اور پھر یہ ہے بھی جنگل در جنگل، ایک جنگل ختم ہوتا ہے تو دوسرا شروع ہو جاتا ہے یہاں ہم پہاڑی پر چڑھ کر دوسری طرف اتر گئے اس جنگل میں کالے رنگ کے سانپ ہی سانپ تھے۔ سانپ ویسے سانپوں کی یہ صفت بھی اس نے ہی مجھے بتائی کہ جب تک انہیں چھیڑا نہ جائے یا پھر وہ پاؤں تلے نہ آجائیں وہ وار نہیں کرتے البتہ اس نے کہا۔

"ایک بات آپ سے کہیں مہاراج ہمارے من میں پہلے بھی یہ ہی بات تھی کہ ہم جن علاقوں میں آدم خوروں کا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ علاقے غلط ہیں پہلے بھی درندے جس طرح دندناتے پھر رہے تھے ان سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ شیر اس جنگل میں نہیں ہے اور اب آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں سانپ ہی سانپ ہیں سانپوں کا شہر ہے۔ شیر کا یہاں کیا کام، میری مانیں تو مہاراج اس موت کے جنگل سے دن چھپنے سے پہلے ہی نکل جانا چاہئے۔"

ہم دونوں تیز رفتاری سے چل پڑے۔ بڑے بڑے بھیانک مناظر نگاہوں کے سامنے آئے تھے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہی کچھ نا کچھ نظر آجاتا تھا۔ لیکن اب ہمیں ایک موٹا سا اژدھا نظر آیا اس نے ایک چیتے کو ہلاک کر رکھا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے ایک فٹ چوڑا پھن پھیلایا اور ہم پر خوفناک نگاہیں ڈال دیں اس کی لمبی زبان باہر نکلی ہوئی تھی میں نے بندوق سیدھی کر لی تو اس نے مجھے روک دیا۔

"معافی چاہتا ہوں مہاراج ان پر فائر نہ کریں کیونکہ اگر شیر کہیں پاس ہوا تو فائر کی آواز پاکر ہماری طرف متوجہ ہو جائے گا۔"

وہ جس قدر تجربہ کار تھا اس کا اندازہ اب مجھے ہو رہا تھا۔ چنانچہ ہم خاموشی سے سانپوں اور اژدھوں کی بادشاہت کی حدود سے باہر نکل گئے۔ سامنے ایک تالاب تھا۔ وہاں نیچے اور غور سے دیکھا تو تالاب کے پانی میں سیاہ رنگ کے ناگ تیر رہے تھے خدا کی پناہ بڑا خوف ناک اور ہیبت ناک جنگل تھا۔ دور دور تک کوئی اور جاندار نظر نہیں آرہا تھا سوائے ان سانپوں کے! لگ رہا تھا کہ پورے جنگل میں بس ان کا ہی راج ہے۔

اب ہم جس طرف نکل آئے تھے وہاں سے اب صحیح معنوں میں واپسی کا یقین بھی نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے اس سے کہا۔

"اگر ہم گاؤں واپس جانا چاہیں تو کیا آسانی سے گاؤں واپس جاسکتے ہیں۔"

"کچھ نہیں کہا جاسکتا مہاراج کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اوہو...... وہ دیکھئے وہ کیا ہے؟"

اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

ایک پہاڑی کے دامن میں ہمیں ایک کالا سا بڑا سا دھبہ نظر آرہا تھا کچھ اور آگے بڑھ کر دیکھا تو وہ ایک تاریک سرنگ محسوس ہوئی اس سرنگ میں بھی بڑے بڑے سانپ رینگ رہے تھے۔ دور ہی سے انداز ہو رہا تھا۔

''نہیں مہاراج یہ ہمارے لئے نہیں ہے۔''

اور وہاں سے رخ بدل لیا آگے بڑھے تو ادھر ادھر پہاڑیاں نظر آئیں ہم ایک پہاڑی پر چڑھے وہاں بھی بہت سارے خونخوار سانپ پیڑ پر چڑھے خرمستیاں کر رہے تھے ان زہریلی بلاؤں سے بچتے بچاتے ہم بائیں طرف سنگلاخ چٹانوں پر اتر گئے نیچے اترے تو آگے ندی آ گئی ہم ندی کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ اور ایک مقام پر ندی پار کر کے ناک کی سیدھ میں چل پڑے کوئی دو میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ ہمیں کچھ انسان نظر آئے غالباً کوئی اور چھوٹا سا گاؤں تھا لیکن یہ وہ گاؤں نہیں تھا جہاں ہم واپس جانا چاہتے تھے تھوڑا آگے چلے تو پرانے مکان نظر آنے لگے۔ جھونپڑے بنے ہوئے تھے یہ کوئی خاص قبیلہ تھا۔ جونا گوں کا پجاری تھا میرا ساتھی...... اب میں اسے ساتھی ہی کہوں گا وہ ان لوگوں کی زبان جانتا تھا۔ لیکن یہ زبانیں اب میں نے بھی کافی حد تک سیکھ لیں تھیں یا پھر کچھ پراسرار قوتوں نے ہر زبانیں خود بخود میرے ذہن میں داخل کر دی تھیں مگر میں خاموش کھڑا رہا۔ جبکہ وہ بولا۔

''کیا کر رہے ہیں آپ لوگ؟''

''ہم؟'' انہوں نے پوچھا۔

''کیا نام ہے اس گاؤں کا؟''

''بھولان۔''

''کتنی آبادی ہے؟ آپ کے اس گاؤں کی؟''

''وہ پتہ نہیں مہاراج...... پر بہت سے لوگ ہیں یہاں پر مہاراج۔ پر آپ کدھر سے آ رہے ہیں؟''

''سامنے کے جنگل سے۔''

''سامنے کے جنگل سے؟''

''ہاں!''

''نہیں مہاراج...... اس طرف سے نہ تو کوئی آ سکتا ہے اور نہ ہی اس طرف جا سکتا ہے۔''

''کیوں؟''

''وہ دیوی اور دیوتا کا دیس ہے۔''

''دیوی، دیوتا؟''

''ہاں!''

''مگر یہاں تو سانپ ہی سانپ بھرے ہوئے ہیں۔''

وہی تو ہم کہہ رہے ہیں وہ ناگ دیوتاؤں کا دیس ہے۔ کوئی بھی ان خوف ناک دیوی دیوتاؤں کے نرغے سے جیتا نہیں نکل سکا۔ وہ امر ہیں اور ان کی گرفت سے بچ نکلنا ناممکن ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟ ہم جھوٹ بول رہے ہیں؟''

''ہم یقین نہیں کر سکتے مہاراج۔ اگر آپ لوگ زندہ ہو، تو بڑی عجیب بات ہے۔''

وہ لوگ بہت زیادہ عقیدت مند تھے۔ دیوی دیوتا کے ہم نے ادھر ادھر دیکھا وہاں پانی کا عجیب سا شور تھا اس شور کے بارے میں پتہ چلا کہ پہاڑ کے پیچھے ایک بہت ہی تیز رفتار ندی ہے جس کی خوف ناک لہریں پہاڑ سے ٹکراتی ہوئی گزرتی ہیں یہ اسی کا شور تھا ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

''مہاراجا گر ہاتھی بھی ان لہروں میں پھنس جائے تو تنکے کی طرح بہتا ہوا گزر جائے اور یہ ریت کے پہاڑ نما ٹیلے پہاڑوں کے ساتھ ساتھ سینکڑوں میل میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سورج مغرب میں پہاڑوں کے ٹیلوں کے پیچھے غروب ہونے لگا۔ شفق کی خونی سرخی ہرے بھرے پہاڑوں پر بے حد خوبصورت لگ رہی تھی اور حسین مناظر سے طبیعت میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ گاؤں والوں نے ہمیں پیشکش کی، کہ ہم رات وہاں بسر کر سکتے ہیں۔ یہاں شیروں وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں تھا انہوں نے بھی جس استطاعت کھانے پینے کی اشیاء ہمیں دے دیں جن میں پھل اور دودھ کی بہتات تھی۔ رات ہم نے وہی بسر کی۔ صبح ہم اٹھے ناشتہ کیا پہاڑ پر چڑھے اور قدرت کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دوسری طرف اتر گئے آگے وہ ہی ندی سے سینے

کوتا نے ہمارے سامنے موجود تھی اور واقعی اس کی تیز لہروں میں چوپایوں کی لاشیں بجلی کی رو کی طرح گزر رہی تھیں۔ ہم اب ناگوں کا علاقہ اور آدم خور شیروں کو بھول چکے تھے۔ ہم اپنی منزل سے بھٹک گئے تھے اور اب نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وقت ہمیں کہاں سے کہاں لے جائے؟ میں نے ایک دفعہ آنکھیں بند کر کے حالات کا تجزیہ کیا تو مجھے اس بات کا اندازہ ہوا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ مشکلات کا شکار ہوں یا پھر آسانی کا۔''

''مجھے اس احساس پر ہنسی سی آئی۔ مجھ جیسا کاہل انسا جس نے ماں باپ کے کندھے پر بیٹھ کر زندگی کو استعمال کیا۔ آج وہ نہیں راج مہاراج بنا اس مشکل کا شکار ہے۔ میں تو ان مشکلات میں پھنس کر اپنا دین بھی کھو بیٹھا اور مجھے اس کا بے حد دکھ تھا۔ لیکن اب میں ان مشکلات سے گزر رہا تھا کہ بس کیا بتاؤں لیکن پھر بھی نجانے کیوں میرے دل میں ایک خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ جن مشکلات سے میں گزر رہا ہوں یہ میرا امتحان ہو، جو برائی میری اندر پیدا ہو چکی ہے یا جو غلطی سے میرے وجود میں اتر چکی ہے شاید ان مشکلات سے گزرنے کے بعد میرا قصور معاف ہو جائے اس خیال نے میری آنکھوں میں نمی پیدا کردی۔

وہ بھی کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا وہ تو باقاعدہ مجھے ایک ہندو ہی سمجھتا تھا۔ ہم لوگ ضرورت پڑنے پر شکار کرلیا کرتے تھے جبکہ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ چلو وہ تو دوسری طبیعت کا بندہ ہے مگر میں بھی گوشت خور ہوں۔ ان تمام خیالوں میں ڈوبے ہوئے ہم ندی کے کنارے کنارے چل رہے تھے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس ہیبت ناک ندی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ندی بڑے ہیبت ناک اور پراسرار آواز کے ساتھ بہہ رہی تھی پانی کا شور اس قدر تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے۔

اس شور نے ہمارے ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے لیا ہماری زبانیں ایک طرح سے بند ہو چکی تھیں بس ہمارا بدن متحرک تھا آگے بڑھے تو تین اونٹوں پر کچھ لوگ جاتے ہوئے دکھائی دیئے ہمیں دیکھ کر انہوں نے گردن ہلائی ہم نے ان سے ندی پار کرنے کا راستہ پوچھا۔

تو ایک شخص نے مجھے بتایا کہ آگے چل کر ندی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ وہیں ایک پل ہے وہاں کشتیوں کا بندوبست ہے اس سے ندی پار کی جاسکتی ہے۔

یہ سن کر وہ بولا۔

''مہاراج یہ بڑی بات ہے کہ ہمیں چھوٹی چھوٹی آبادیاں مل رہی ہیں۔ جبکہ ہم اپنی منزل سے بہت دور نکل آئے ہیں۔''

آخر ہمیں کشتیوں کا ایک پل نظر آیا اور ہم نے وہ خوف ناک جگہ بھی عبور کرلی۔

دوسری طرف پہنچے تو سامنے ہی بنجاروں کے جھونپڑے نظر آئے لیکن اس کے ساتھ ہی کہیں سے رونے پیٹنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں ہم نے آواز کا تعین کیا اور جب ہم وہاں پہنچے تو لوگ دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''کیا ہوا بھائی؟''

بمشکل ہم نے ایک شخص کو بات چیت کرنے پر رضامند کیا۔ تو اس نے ہمیں بتایا کہ رات کو دو نوجوان لڑکے باڑے کے باہر سو رہے تھے کہ ایک زخمی آدمخور نے ان پر حملہ کردیا اور پھر ان دونوں کو ہلاک کردیا ان کی آدھی کھائی ہوئی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔

''تم سب کو کیسے پتہ چلا کہ وہ شیر مطلب آدم خور شیر زخمی تھا؟''

''دراصل قریب کے جھونپڑے میں ایک شخص سویا ہوا تھا اس نے ہی یہ سارا منظر دیکھا اور پھر ہمیں بتایا۔''

''مہاراج وہ آدم خور بہت زیادہ زخمی تھا، اور بہت خونخوار بھی تھا اس کے پیٹ سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔''

یہ تفصیل سننے کے بعد ہم دونوں نے خوشی سے

ایک دوسرے کو دیکھا جبکہ میرا ساتھی بولا۔
''ہم اسی آدم خور کی تلاش میں آئے ہیں۔ بھائی اگر تم لوگ ہم سے تعاون کرو تو ہم اسے ہلاک کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''
بنجاروں کے مکھیا...... جو کہ کب سے ہمارے پاس آ کھڑے ہوئے تھے بولے۔
''ہم تم سے کیا تعاون کریں مہاراج؟''
''جن لوگوں پر حملہ کر کے اس نے انہیں ہلاک کر دیا ہے اور ان کی لاشیں کھالی ہیں ان میں سے کسی ایک کی لاش کو وہیں چھوڑ آؤ۔ جہاں انہیں ہلاک کیا گیا ہے کیونکہ شیر آدھی کھائی ہوئی لاش کے پاس ضرور آتا ہے۔''
وہ لوگ تیار ہو گئے۔ خاص طور پر مکھیا نے ہر طرح کے تعاون کا وعدہ کیا اور ایک بار ہم پھر پرامید ہو گئے چنانچہ ہم نے لاش اس ڈیرے پر ڈلوائی جہاں شیر نے ان پر حملہ کر کے ان دونوں کو ہلاک کر دیا تھا لیکن ہمیں ایک جگہ کی ضرورت تھی ہم نے لاش کے سامنے ایک درخت پر جگہ بنائی اور وہاں بیٹھ گئے بنجارے اپنے اپنے جھونپڑوں میں جا چھپے تھے اور دم سادھے بیٹھے ہوئے تھے اب یہ عام بات تو نہیں تھی کہ وہ آسانی سے شیر کا انتظار کرتے اور پھر سو جاتے۔
سورج غروب ہوا اور پھر چاند نمودار ہو گیا دور دور کا علاقہ دودھیا روشنی میں نہا گیا تھا ہم دم سادھے انتظار کرتے رہے ہماری بندوقیں تیار تھیں۔ اچانک ہی گیدڑوں کی آوازیں اور موروں کی کوہو نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور پھر سارے ماحول کو سانپ سونگھ گیا ایک دھہاڑ گونجی اور آدم خور آتا ہوا دکھائی دیا ہمارے اعصاب تن گئے تھے شیر آتا دکھائی دیا اور ہم اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگے لیکن اب ایسی شناسائی بھی نہیں تھی اس سے کہ ہم اسے پہچان لیتے۔ ہم یہ جاننے کی کوشش کر رہے تھے کہ کیا یہ وہ ہی زخمی شیر ہے جو ہماری گولیوں سے زخمی ہوا تھا بہر حال یہ ایک مشکل کام تھا کہ ہم اسے پہچان لیتے۔
شیر آہستہ آہستہ زخمی بنجارے کی آدھی لاش کی طرف بڑھا اور نظر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا۔ پھر لاش کو سونگھا اس کا پیٹ صاف نظر آ رہا تھا جس پر گولیوں کے دوہرے نشان تھے اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ وہ درندہ نہیں ہے بلکہ کوئی بھوت یا مافوق الفطرت مخلوق ہے جو ہماری دو گولیاں کھانے کے باوجود اسی سج دھج سے چلا آ رہا تھا۔ بہر حال ہم دم سادھے ہوئے تھے اور آس پاس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہے تھے۔ اچانک ہی کسی چھٹی حس کے تحت شیر نے لاشعوری طور پر درخت کی جانب دیکھا ہماری رائفلوں سے دو شعلے نکلے وہ زمین پر گرا۔ اور پلک جھپکتے میں اس نے ایک لمبی جست لگائی اور ہمارے درخت کے پاس سے گزرتا ہوا ایک بار پھر ہماری نگاہوں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔
''خدا کی پناہ خدا کی پناہ خدا کی پناہ۔''
میں نے دل ہی دل میں سوچا اگر یہ الفاظ میرے منہ سے نکل جاتے تو یقینی طور پر میرے پاس بیٹھا شخص چونک اٹھتا۔
لیکن اب ہمارے پاس ضائع کرنے کے لئے ایک وقت بھی نہیں تھا اب اس وقت خطرہ مول لئے بنا کوئی چارہ بھی نہ تھا چنانچہ ہم درخت سے نیچے اتر آئے اس بار ہم پوری ہمت اور ذمہ داری کے ساتھ شیر کے تعاقب کر رہے تھے۔ ابھی ہم تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ کسی کی جان لیوا چیخوں سے پورے پہاڑ گونج اٹھے ساتھ ہی شیر کی غراہٹوں سے پورا علاقہ گونجا تو ہم تیزی سے آوازوں کی سمت بڑھے ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ بستی کی طرف سے ایک شخص بھاگتا ہوا آیا وہ قریب پہنچا اور پھر دوسرے ہی لمحے دھڑام سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔
ہم حیران رہ گئے پھر ہم نے جھک کر بے ہوش کو دیکھا پھر میں نے اسے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر اسے زمین پر لٹا کر ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگے وہ بندوق لئے چاروں طرف

کا جائزہ لے رہا تھا کہ کہیں شیر آس پاس ہو اور ہم پر حملہ آور ہو تو اسے گولی ماردی جائے بڑی ذمہ داری کا کام تھا ادھر بڑی مشکل وہ بندہ ہوش میں آیا اس کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا اور اور زبان گنگ ہو چکی تھی اس نے بڑی مشکل سے بتایا کہ اس کا سامنا ابھی بھی ایک آدم خور سے ہوا تھا اور ہو بڑی مشکل سے جان بچانے میں کامیاب ہوا تھا وہ شخص انتہائی خوف زدہ تھا۔

''مم...... مہاراج...... وہ زخمی ہے، وہ خون خوار درندہ ہو رہا ہے۔ وہ ضرور واپس آئے گا۔''

''تم جاؤ...... بھاگ جاؤ۔ کہاں جانا ہے تمہیں؟''

''بھاگوں گا نہیں مہاراج...... آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔ جب تک وہ پاپی مر نہیں جائے گا میں بھی آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔''

اس شخص پر ایک دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی اس کی اس بات پر ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر مسکرا دیئے۔

''اب سنبھالیں مہاراج۔''

''ہاں کوشش کرتا ہوں۔ اتنے چالاک اور مکار آدم خور کی تلاش اتنی رات کو کرنا اس کی خوراک بننے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا ہم نے شیر کا پیچھا کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ایک ایسی جگہ تلاش کرنے لگے جہاں ہم محفوظ رہ سکیں ایک نالے کے قریب ایک اونچی چٹان نظر آئی تو میں نے وہاں رات گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

ہم دونوں تو تھوڑی دیر کے بعد ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے جبکہ ہمارا نیا ساتھی خوف کے مارے ہمارے ساتھ ہی بیٹھا رہا۔ ابھی ہمیں سوئے ہوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اچانک ہی اس کی چیخوں نے ہر بڑا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا، ہم نے اس شخص کو دیکھا اس کی حالت بری طرح خراب ہو رہی تھی پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔

''اب کیا ہوا ہے کیا مصیبت نازل ہو گئی تم پر؟''

''مائی باپ...... مائی باپ...... ابھی ابھی آدم خور یہاں سے گزرا ہے وہ نالے کے دوسرے کنارے پر کھڑا ہمیں گھور رہا تھا اور اس کے بعد وہ نجانے کدھر نکل گیا۔''

''وہ کھڑا گھور رہا تھا اور تمہاری آواز بند ہو گئی۔''

''بس مہاراج ہماری آواز نہ نکل سکی۔'' یہ سن کر میں مسکرا دیا اور پھر بولا۔

''اسے کہتے ہیں نادان دوست۔ اس نے تو ہمیں مروا ہی دیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ آدم خور اگر ذرا سی ہمت کرتا تو ہمیں آسانی سے سوتے میں شکار کر لیتا۔''

''اب کیا کریں۔ مائی باپ؟''

''جیسا کہ کہہ رہا ہے ہمیں اس کا پیچھا کرنا چاہئے۔''

میں نے بے رخی سے کہا۔ اب میں شیر کے خوف سے بے خوف ہو گیا تھا بہرحال میرا ساتھی تو میرے ساتھ ہر کام کے لئے تیار تھا۔ ہم جان کا خطرہ مول لے کر شیر کے تعاقب میں چل پڑے۔ ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ شیر کی خوف ناک گرج سے فضا لرز گئی اچانک آدم خور گھنے جنگل سے نکلا اور اس نے ہمیں دیکھ لیا۔ ہم دونوں ایک دم سے چوکنے ہو گئے تھے دور سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ شیر کی نگاہوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی ہے اور وہ ہم پر جھپٹنے کے لئے تیار ہے۔ ہم نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بنا ایک ساتھ فائر کر دیئے۔

لمحہ بھر کے لئے اس نے اپنے جسم کو تولا اور زمین پر گر پڑا گولیاں اس کے بدن میں لگی تھیں مگر واقعی اتنا سخت جان اور دلیر جانور ہم نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ میں حیران تھا کہ یہ شیر ہے یا چھلاوا ہم دونوں نے نشانہ لیا لیکن فائر کرنے کی نوبت نہ آئی شیر ایک بار پھر اٹھا لمبی چھلانگ اور جنگل میں غائب ہو گیا عجیب موذی اور ظالم سے پالا پڑا تھا۔ ہم ان گھنے جنگلوں سے اکتا گئے تھے روزانہ لمبے لمبے سفر طے کرنے پڑ رہے تھے بہرحال اب شیر کو چھوڑنا میرے بس کی بات نہ تھی ایک مرتبہ پھر ہم گھنے جنگل میں داخل ہو گئے۔

یہ بات ہم اچھی طرح جانتے تھے کہ زخمی شیر

بہت زیادہ چوکنا اور ظالم ہوتا ہے آسمان پر گھٹا چھائی ہوئی تھی اور تاریک جنگل اس وقت بالکل تاریک پڑا ہوا تھا۔ درخت بھوتوں کی طرح ناچ رہے تھے۔ اچانک ہمیں پھر شیر کی غراہٹ سنائی دی میں فوراً فائر کے لئے تیار ہوگیا لیکن غراہٹ عجیب سی تھی تھوڑی دیر تک ہم انتظار کرتے رہے ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیں اور اندازہ ہوا کہ شاید درندہ دم توڑ رہا ہے اور چند لمحات کے بعد وہ ہماری نگاہوں کے سامنے آ گیا وہ زمین پر گھسٹ رہا تھا اور شاید اب اس کے اندر اپنے قدموں پر چلنے کی ہمت نہیں تھی ہم نے دو فائر اور کئے اور سخت جان عیار آدم خور کی لاش ہمارے سامنے پڑی ہوئی تھی۔ ہم اس کے قریب پہنچے اور یہ اطمینان کرلیا کہ وہ واقعی ختم ہو چکا ہے تو ہماری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اور پھر اس کے بعد انتہائی لمبا سفر طے کرنے کے بعد ہماری واپسی ہوئی تھی اور شیر کی ہلاکت کی خبر سن کر گاؤں والے اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے ہمیں کندھوں پر اٹھالیا۔ ہم نے وہاں سے واپسی کی اجازت مانگی لیکن گاؤں والوں نے کہا۔ ''نہیں مہاراج...... آپ نے ہم لوگوں پر جتنا بڑا احسان کیا ہے ہم ایسے تو آپ کو نہیں جانے دیں گے۔ چنانچہ ہمیں وہاں رکنا پڑا۔''

گاؤں والے واقعی شیر کی موت کا بہت بڑا جشن منا رہے تھے پہلی بار گاؤں دیکھنے کا موقع ملا گاؤں کی حسین کنیائیں ہماری خوب خاطر مدارت کرنے لگیں گاؤں والوں کے عقائد کچھ عجیب سے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کس کے پجاری ہیں ایسے ہی سیر کے لئے نکل گئے تھے وہ شخص جو اپنے مالک کا بدلہ شیر سے لینے کے لئے میرے ساتھ جڑا تھا۔ اب اس وقت میرے ساتھ نہ تھا۔ میں آگے بڑھتا رہا اور مجھے ایک ٹوٹی پھوٹی کالے رنگ کی عمارت نظر آئی۔ نجانے کیوں میرے قدم اس عمارت کی جانب اٹھ گئے میں آگے بڑھا۔ مندر نما عمارت تھی۔ بہت ہی بھدی ایک بات میں نے محسوس کیا کہ میرے قدم خود بخود اس عمارت میں داخل ہوئے ہیں۔ جب میں عمارت میں داخل ہوا تو حیران ہوا کہ اس عمارت کے اندر داخل ہونے کا میرا کوئی جواز نہ تھا۔ پھر میں نے وہاں کسی کو کھڑے دیکھا۔ جب میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو مجھے احساس ہوا کہ وہ کوئی زندہ وجود نہ تھا۔ بلکہ ایک مجسمہ تھا ایک بہت ہی بڑا مجسمہ۔

اس مجسمے کا بھیانک چہرہ میرے سامنے تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں مجھے یوں لگا جیسے وہ شرارت بھری آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں۔ یہ بات سچ نکلی یہ سوچ میرا وہم نہیں تھی بلکہ وہ گنگاسری تھی جو مجھے دیکھ رہی تھی اچانک سے اس کے ہونٹ مسکرائے اور پھر وہ مدہم لہجے میں بولی۔

''کہو...... خوب سیریں ہو رہی ہیں شکار ہو رہے ہیں اپنی پوجا کرروار ہے ہو۔؟''

''تم؟''

''ہاں کیوں؟ تمہیں حیرت ہوئی ہے۔ اس گاؤں کے لوگ میرے پجاری ہیں اور یہ اعزاز میں نے تمہیں دلوایا ہے ورنہ اس آدم خور کو شکار کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔''

''آہ...... تو کیا تم بدستور میرا پیچھا کر رہی ہو۔''

''ہاں تمہیں دیکھ رہی ہوں کہ تم کیا کیا کھیل کھیل رہے ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کیا تم اتنی آسانی سے ہم سے دور جاسکتے ہو۔''

''آہ...... مجھے لگ رہا ہے کہ تم میری زندگی کے آخری سانس تک میرا ساتھ نہیں چھوڑو گی۔''

''ہاں بالکل...... تم نے ٹھیک سوچا ہے۔ میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گی۔ چھوڑ ہی نہیں سکتی؟''

''یہ سب تو بس کہنے کی باتیں ہیں ورنہ مجھے یقین ہے میں جلد ہی اپنا کھویا ہوا ایمان واپس حاصل کرلوں گا۔''

''ہوں...... یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں۔''

''ہوں...... ہاہاہا...... دیکھتے ہیں۔''

(جاری ہے)

دشمن روحیں

ایم اے راحت

قسط نمبر: 12

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زور قلم سے لکھی شاہکار کہانی

میں اپنی مقرر کردہ جگہ پر لیٹا اور لیٹتے ہی فوری سو گیا، دوسرے دن صبح سب لوگ کافی دِن چڑھے اُٹھے تھے، باہر تمام انتظامات ہو رہے تھے، اور کھر پٹر کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

گویا سارے حالات معمول کے مطابق تھے۔ ناشتہ وغیرہ تیار ہو گیا تھا اور میزیں لگا دی گئی تھیں، تمام لوگ فولڈنگ اسٹولوں پر بیٹھے ہوئے تھے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے ناشتہ کینوس کی میزوں پر لگا دیا گیا، نیپالی ملازم بڑی پھرتی سے کام کررہے تھے۔ نواب صاحب نے پرخیال لہجے میں کہا۔

''یہ تو بڑے غضب کے لوگ ہیں، بالکل مشینی انسان معلوم ہوتے ہیں۔''

کسی نے کوئی جواب نہ دیا اور سب ہی ناشتے میں مشغول ہوگئے، پھر اس کے بعد کافی کا دور چلا اور اچانک ہی نواب صاحب پھر سے کہنے لگے۔

''یار ایسے ہی تفریحاً ایک خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔''

''کیا؟''

''ویسے تو ہم سب دوست ہیں، ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں، اور کرتے رہیں گے، لیکن اس کے باوجود اس قسم کی مہمات میں ایک سربراہ ضروری ہوتا ہے۔ جو تمام معاملات کے بارے میں سوچے، غور کرے اور تمام لوگ اس کی باتیں مانیں، کیا تم لوگ میری رائے سے اتفاق نہیں کرو گے۔''

''کیوں نہیں، کیوں نہیں۔''

''تو پھر میری رائے ہے کہ کسی کو اپنا سربراہ چن لیا جائے، جو ایک تجربہ کار آدمی ہو، اور اس کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔''

''بہت مناسب بات ہے لیکن اس کے لئے کسی کا انتخاب۔''

''نواب صاحب......!''

کئی آوازیں ابھریں۔

''وری گڈ...... گویا آپ لوگ میری گردن پھنسانے پر تل گئے۔ بابا میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔''

''جی نہیں جناب! آپ اس پارٹی میں سب سے تجربہ کار اور مناسب ترین آدمی ہیں۔ ہمیں آپ کے اوپر مکمل اعتماد ہے۔''

''دوستو! میری نگاہ میں ایک اور شخص ہے، آپ لوگ سن لیں اور اس کے بعد فیصلہ کریں۔''

''کون؟''

سوال کیا گیا۔

"راجہ صاحب...... راجہ صاحب کے بارے میں آپ سب جانتے ہیں، ایک شاندار مہم جو اور زبردست انسان۔"

"راجہ صاحب بلاشبہ سب سے زیادہ عمر رسیدہ اور سب سے زیادہ جہاندیدہ ہیں مگر یہاں معاملہ کارکردگی کا نہیں، سربراہ کی بات ہے اور دوستوں سے معذرت کے ساتھ راجہ صاحب سے زیادہ عمدہ آدمی اس کام کے لئے اور کوئی میری نگاہ میں نہیں ہے۔"

"میں تائید کرتا ہوں۔"

کھیاجی نے کہا۔

"ہم سب تائید کرتے ہیں۔ بلاشبہ ہم میں سے کسی کو راجہ صاحب کے احکامات ماننے سے گریز نہیں ہوگا۔"

"مگر...... میری تو سنو، میں اس قابل نہیں ہوں۔" راجہ صاحب نے کہا۔

"ہم سب اس بات سے متفق ہیں۔ نواب صاحب، آپ انکار نہ کریں۔"

"مگر میرے بھائیو! میں آپ لوگوں کے مشوروں کے بغیر بھلا کیا کرسکوں گا۔"

"ہم سب آپ کے شانہ بشانہ ہیں راجہ صاحب، آپ فکر مند کیوں ہیں؟"

"تمہاری مرضی ہے، اگر تم یہ تماشا کرنا چاہتے ہو، تو میں تیار ہوں۔" چنانچہ یہ بات طے ہوگئی اور اس کے بعد سفر کی تیاریاں شروع ہوگئیں، پھر تھوڑی دیر کے بعد گاڑیاں اسٹارٹ ہوکر چل پڑیں۔ میں نے اپنے آپ کو بالکل نارمل رکھا تھا اور قرب وجوار کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اب میں نے سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ یہ نئے لوگ ملے تھے، وہ منحوس مجھے وارننگ دے چکی تھی اور بتا چکی تھی کہ اس کا کام میں نے باآسانی جاری کیا ہوا ہے۔ چنانچہ اب جو آگے لکھا ہوا ہے وہ ہوجائے گا۔ اتنے سارے لوگ مل گئے تھے۔ سب کے سب نئے اور اجنبی اجنبی سے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میری حسن پرست فطرت کی یہاں مکمل شکلیں موجود تھیں۔ اس کے علاوہ ایک انوکھی بات جو میں نے محسوس کی تھی۔ وہ یہ تھی کہ یہاں کچھ خواتین ضرورت سے زیادہ مہربان نظر آرہی تھیں۔

گاڑیاں سفر کرتی رہیں، طویل میدان ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ قرب وجوار میں پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ بہت سے درے نظر آرہے تھے، لیکن لوگوں نے خاص راستہ منتخب کیا ہوا تھا۔ ظاہر ہے وہ ان کے منصوبے کے مطابق ہوگا، طویل میدان ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا، وہ جنگل جو دور سے کالی لکیر کی مانند نظر آرہا تھا۔ اب صاف محسوس ہونے لگا تھا۔ ٹرالروں اور دیگر گاڑیوں کی وجہ سے رفتار زیادہ تیز نہیں کی جاسکتی تھی۔

چنانچہ سفر مناسب رفتار سے ہی جاری تھا۔ اس وقت نجانے کیوں ایک لڑکی میرے قریب آکر بیٹھ گئی تھی۔ اسی سیٹ پر دوسرے لوگ بھی تھے۔ وہ مجھے کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار نظر آتی تھی۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے وہ کبھی کبھی خود کو سنبھالنے کی کوشش کررہی ہو۔ بہرحال مجھے اس وقت اس کے پاس بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔ ویسے بھی حسین لڑکی تھی۔ لیکن اس وقت ایک اور لڑکی میری طرف متوجہ تھی۔ وہ لڑکی مجھ سے تھوڑا سا پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی جانب دیکھا، اور مسکرادیا۔ وہ مجھے چونک کر دیکھنے لگی۔ تب پھر میں عقبی سیٹ پر آگیا۔ اور میں نے سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں، لیکن بند آنکھوں میں تاریکی کے سوا اور کیا نظر آتا۔ ایک بار پھر سے میرا ذہن گاڑی کی گھوں گھوں سے ہم آہنگ ہوگیا۔ مٹے مٹے سے خاکے اُبھرنے لگے۔ ابھی وقت زیادہ نہیں گزرا تھا کہ گاڑی ایک لمحے کے لئے رک گئی۔

"خیریت...... کیا بات ہے؟"

لوگ ایک دوسرے سے بات کرنے لگے۔

سوالات کرنے لگتے۔ لیکن گاڑی رکنے کی وجہ نہیں معلوم ہوسکی۔ اگلی گاڑی رک گئی تھی اس لئے یہ بھی رک گئی تھی۔ قرب وجوار کا ماحول ایسا نہیں تھا کہ اتر کر

جائزہ لیا جاتا، کالے رنگ کے ریچھ آس پاس نظر آ رہے تھے۔ بہرحال وقت گزرتا رہا اور میں آپ ہی آپ سے محوِ گفتگو رہا۔ میں نے سیٹ سے گردن ٹکائی تھی۔ نجانے کیوں نیند سی آ رہی تھی کانوں اور آنکھوں سے آگ سی نکل رہی تھی۔ اسی وقت وہ لڑکی جو کب سے میری طرف متوجہ تھی اور جسے دیکھ کر میں مسکرایا تھا۔ وہ میرے قریب آئی اور اس نے میرے بازو پر اپنا بازو رکھ دیا۔ جبکہ میں چونک اُٹھا وہ میرے چونکتے ہی بولی۔

''ایکسکیوزمی سر......!''

''سوری کوئی غلطی ہوگئی مجھ سے؟''

''نہیں......لیکن مجھے لگتا ہے کہ آپ کو بخار آیا ہوا ہے۔''

''بخار؟''

''جی!''

''نہیں میرا خیال ہے ایسی بات نہیں ہے۔''

''دکھایئے کسی کو، کافی گرم ہو رہا ہے، آپ کا ہاتھ۔''

''ایسے ہی ہوگا، کوئی خاص بات نہیں ہے، بہت بہت شکریہ۔''

''چلیں ٹھیک ہے، اگر آپ محسوس کر رہے ہیں تو الگ بات ہے۔ ورنہ ٹھیک ہے۔'' وہ خاموش ہوگئی۔

دوپہر ہوگئی تھی اور سب کو بھوک لگ رہی تھی۔ قافلہ پوری طرح پرسکون تھا۔ اس نے آرام آرام سے سفر کیا تھا۔ کسی کو جلدی نہیں تھی۔ چنانچہ جس شخص نے بھوک کا تذکرہ کیا۔ اسی کے کہنے پر گاڑیاں روک لی گئیں۔ یہ ایک ریتلا میدان تھا اور کسی سائے کی گنجائش ہی نہیں تھی، لیکن ٹرالر بہترین جگہ تھے۔ چنانچہ دوپہر کا کھانا انہی میں سرو کیا، اور انہی میں آرام کیا گیا۔ میں نے بھی دوسروں کے ساتھ کھانے میں حصہ لیا تھا۔ لیکن اس لڑکی نے شاید مکھیا جی سے بات کر لی تھی۔

چنانچہ انہوں نے میرے لئے صرف لیکوئڈ غذا تجویز کی، دوپہر کو دو گھنٹے کے آرام کے بعد سفر شروع ہوگیا، اور ہم اسی ترتیب سے چل پڑے۔ سوائے اس کے کہ مکھیا جی میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دوران میں نے خاص طور پر محسوس کیا تھا کہ یہاں پر بہت سے لوگ خاصا مغرور بھی تھے جو کہ کسی کو مخاطب بھی نہیں کرتے تھے۔ ان میں خاص طور پر خواتین شامل تھیں۔ جبکہ میں نے تو یہ سنا تھا کہ خواتین تو ہر وقت چوں چوں کرتی رہتی ہیں۔ کھانے اور دو گھنٹے کے آرام کے بعد سفر دوبارہ شروع ہوگیا۔ لیکن اس بار بھی سفر کی رفتار سست ہی تھی۔ پھر جب شام جھکنے لگی تو ریتلا میدان بھی ختم ہوگیا اور اب ہم لمبے سرسبز درختوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ یہ وہی جنگل تھا، جو دور سے ایک لکیر کی طرح نظر آ رہا تھا اور یوں لگ رہا تھا کہ چند گھنٹوں میں ہم وہاں پہنچ جائیں گے لیکن اب کہیں جا کر یہ لگا تھا کہ جیسے جنگل میں پہنچ گئے ہیں۔ راستوں کی طرف سے وہ لوگ مطمئن تھے، اس لئے سفر مناسب راستے پر ہی کیا

ایسا بھی ہوتا ہے

ایک بار ایک جیب کترے کو ایک کار والے نے لفٹ دی۔ جب یہ پتہ چلا کہ وہ جیب کترا ہے تو وہ گھبرا گیا اور کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ پولیس آئی اور اس نے کار کا نمبر اور لائسنس کا نمبر لے لیا۔

کار والے نے کہا۔ ''دیکھا میں لفٹ دے کر کتنی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔ اب فلاں دن مجھے کورٹ جانا پڑے گا۔''

جیب کترے نے ایک ڈائری کار والے کو دی اور کہا۔ کوئی ضرورت نہیں آپ کو کورٹ جانے کی۔ یہ لیجئے وہ ڈائری جس میں پولیس والے نے آپ کا لائسنس اور گاڑی کے نمبر لکھے ہیں۔

(انتخاب: محمد اسحاق انجم، کنگن پور)

جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی اور چونکہ جس جگہ پر ہم تھے، وہ قیام کے لئے پسند کرلی گئی تھی۔ اس لئے یہیں پر قیام کا فیصلہ کرلیا۔

نیپالی جوان اتر گئے اور اس کے بعد جلدی جلدی تیاریاں کرنے لگے۔ ان لوگوں کی پھرتی اور مستعدی مجھے بہت پسند آئی تھی۔ منٹوں میں انہوں نے ساری تیاریاں مکمل کرلیں۔ مکھیا جی میرے پاس ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا۔

''دیکھ رہے ہو انہیں؟''

''کسے؟''

میں نے چونک کر کہا۔

''انہی جوانوں کی بات کررہا ہوں۔''

''مجھے یہ لوگ بہت پسند ہیں۔''

''ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ یہ سب نیپال کا کمال ہے۔ یہ مناسب قد کے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے جتنا مستعد انہیں دیکھا ہے۔ کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ میرا تجربہ ہے، بس بعض علاقے ایسے ہیں کہ بدنصیبی انہیں لے ڈوبتی ہے، وہ کوئی خاص ترقی نہیں کرپاتے۔''

''اچھا اب یہ بتاؤ کہ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''

مکھیا جی نے پوچھا۔

''میری طبیعت خراب ہی کب تھی؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بس، بس گڑبڑ نہیں ہوگی، کھانے پینے میں احتیاط کرو، تو جسم کا چور نکل جائے گا، کیوں جی؟''

مکھیا جی نے پیار سے کہا۔ تو ان کے ساتھ کھڑی لڑکی مسکراتے ہوئے بولی۔

''جی سر!''

انہوں نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

تو وہ بولے۔

''ان کا بہت زیادہ خیال رکھنا، خاص طور پر ان کے کھانے پینے کا بہت ہی زیادہ خیال رکھنا کوئی الٹی سیدھی چیز نہ کھائیں۔''

میں ہنسنے لگا۔ تو وہ بھی ہنسنے لگے، لیکن اس لڑکی کا چہرہ سپاٹ ہی رہا۔ حسب معمول موسیقی شروع ہوگئی۔ مہم کیا تھی؟ اچھی خاصی پکنک تھی۔ پسندیدہ ریکارڈ سنے جارہے تھے۔ فرمائشیں ہورہی تھیں، روشنیاں بکھری ہوئی تھیں۔ پھر نیپالی نوجوانوں نے رقص کا پروگرام بنایا اور سب کے سب کچھ نہ کچھ کرنے لگے۔ میں نے ایک سنسان گوشہ اپنایا۔ خطرات کو بہرحال ذہن میں رکھنا تھا چونکہ وہاں پر اجازت نہیں تھی کہ کوئی زیادہ دور نکل جائے، ایک درخت کے نیچے گھاس پر لیٹ گیا اور تھوڑی دیر گزری تھی کہ کوئی نزدیک آتے دیکھ کر چونک پڑا، دل کش بات یہ ہی تھی وہ میرے قریب آگئی۔ یہ وہ ہی لڑکی تھی جسے مکھیا جی نے میرے خیال کا کہا تھا۔ وہ میرے قریب آتے ہوئے بولی۔

''سو رہے ہو کیا؟''

اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔

''نہیں...... بس ہنگامے سے اکتا کر میں یہاں آگیا ہوں۔''

''ریکارڈنگ بند کرادوں؟''

''ارے نہیں، دوسروں کو اپنے طور پر جینے کا حق ہے۔''

''تم یہ حق تسلیم کرتے ہو؟''

اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''کیوں نہیں؟''

''پھر کبھی کبھی دوسروں سے جینے کا حق چھیننے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟''

''کیا مطلب؟''

میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''ہاں...... کیوں چھینتے ہو دوسروں کا حق۔''

''بس...... سوری، معافی چاہتا ہوں، مجھے بتایئے تو سہی میں نے کیا کیا ہے؟''

''کیا تم اپنے آپ کو کوئی انوکھی چیز سمجھتے ہو؟''

''نہیں بالکل نہیں، میں تو سچی بات یہ ہے کہ آپ کا داس ہوں۔''

''ہوں...... میرا داس۔''

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

''مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو بتایئے۔ میں محسوس کررہا ہوں کہ آپ مجھ سے کچھ ناراض ناراض سی ہیں۔''

''دیکھو! میں تمہیں صرف ایک بات بتاؤں، میں جب کسی کو پسند کرتی ہوں، تو مکمل طور پر اس کو اپنے قریب دیکھنا چاہتی ہوں، اور یہ بات کہنے میں مجھے کوئی عار نہیں ہے کہ تم مجھے پسند ہو۔ جب تم کھیا جی کے پاس آئے تھے۔ تب ہی مجھے اچھے لگے تھے، اور میں نے دل میں سوچا تھا کہ میں تم سے دوستی کروں، تمہارے قریب آؤں، لیکن تم نے مجھے بالکل ہی ایک عام حیثیت دی اور ذرا بھی یہ احساس نہیں دلایا کہ تم مجھ سے متاثر ہو۔''

''شما چاہتا ہوں، جو آپ کو شاید یہ اندازہ نہیں ہے کہ میں ایک ملازم کی حیثیت رکھتا ہوں، اور آپ ایک راج کماری ہیں۔''

''راج کماری؟''

''ہاں راج کماری...... کیونکہ میں جانتا ہوں، کہ آپ کھیا جی کی لاڈلی بہن ہیں۔''

''اوہو...... یہ تمہاری ذہنی فرسودگی ہے، بھیا جی ایسی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں، لیکن آپ مجھے بتایئے، کہ اگر بات آگے بڑھی تو میرے ساتھ کیا ہوگا؟''

''میں بات آگے نہیں بڑھنے دوں گی، لیکن میں نے یہ غور کیا ہے کہ تم مجھ سے زیادہ دوسری لڑکیوں کو اہمیت دیتے ہو۔ ایسا کیا خاص ہے ان میں؟''

''باپ رے باپ محترمہ یہ صرف اتفاق تھا۔''

''میں تمہیں بتائے دے رہی، کہ میں تمہارے ساتھ کسی کو بھی برداشت نہیں کرسکتی۔ کچھ بھی ہوسکتا ہے، کوئی بھی بات ہوسکتی ہے، میں تمہیں وارننگ دے رہی ہوں۔''

''عجیب وارننگ ہوگئی تھی۔ یہ تو بڑا مسئلہ ہوگیا تھا کہ کھیا جی کی بہن نینا بھی مجھے پسند کرنے لگی تھی مگر صورتحال یہ تھی کہ میں نینا کی قربت کیسے حاصل کروں، اور یقینی طور پر باقی لوگ پسند نہ کرتے، لیکن خیر و عافیت گزرتا رہا، اور حالات معمول کے مطابق رہے، لیکن پھر ایک تبدیلی رونما ہوئی، اس وقت نواب صاحب کی بیٹی ایک بری باسکٹ لے کر آرہی تھی اور اس سے چلا نہیں جارہا تھا، میں بالکل قریب موجود تھا، میں نے وہ باسکٹ اس کے ہاتھ سے لے لی۔ اس نے سرد نگاہوں سے مجھے دیکھا اور کوئی خاص توجہ نہیں دی پھر وقت گزرتا رہا، میں نے موقع ملتے ہی کھیا جی سے بات کی۔

''کیا بات ہے، کھیا جی نے اگر ہم چھوٹے جانوروں کا شکار کرتے ہیں، تو ان میں سے کسی کو اعتراض ہوگا۔''

''نواب صاحب نے شاید تمہیں پٹی پڑھائی ہے؟''

کھیا جی مسکرا کر بولے۔

''کیا مطلب؟''

''بھئی وہ مسلمان ہیں اور گوشت کے بغیر ان کا گزارہ نہیں ہے لیکن تمہیں ہنسی آئے گی یہ سن کر کہ ہم سب بھی گوشت خور ہیں۔''

''ارے واہ...... تو پھر...... کیا کہتے ہیں آپ؟''

''میں نے کہاں ناں، نواب صاحب نے جو کچھ بھی کہا ہے اس پر بھی میں عمل کرنے کو تیار ہوں۔''

''تو پھر میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔''

میں نے کہا۔

''کس سلسلے میں؟''

''نواب صاحب نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کیا۔''

''ویری گڈ۔ لیکن صرف ایک لمحہ پہلے میں نے نواب صاحب کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ اس خیال کے تحت کہ اس سے کہوں کہ ان سفر پر نحوست کیوں طاری ہوگئی ہے۔''

''نحوست تو نہیں اچھا خاصا سفر گزر رہا ہے، ٹھیک ہے، جب تازہ خوراک دستیاب ہوسکتی ہے، تو پھر محفوظ خوراک تو کسی بھی وقت استعمال کی جاسکتی ہے۔''

''یعنی شکار۔''

''ہاں بالکل۔''

کھیا جی نے کہا۔

''تو پھر کیا خیال ہے، کیا ہم بات کریں سب سے؟''

''ہوں......!''

''اور تم دس بیس بندے لے جانے کے بجائے اگر اکیلے بھی شکار پر جاؤ گے تو دس بیس ہرن لے آؤ گے۔''

کھیا جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ حکم دیں گے، تو یقیناً ہو جائے گا۔''

میں نے سینہ تانتے ہوئے کہا۔ اب ظاہری بات ہے کہ مجھے بھی اپنے طور پر تھوڑی سی شیخی مارنے کا حق تھا۔ جب وقت نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ تو پھر مجھے یہ ہی بن کر کام کرنا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔ میں اب وہ رہ ہی کہاں گیا تھا۔ جو میں کبھی بھی تھا۔ کھیا جی نے مجھے تعریفی نگاہوں سے دیکھا۔ پھر میں مسکرا دیا۔ تو انہوں نے کہا۔

''نہیں میری جان میں تمہیں نظر نہیں لگوانا چاہتا۔ تم میرے آئیڈیل ہو۔ ہمارے پروگرام کے مطابق بھی تم کھل کر منظر عام پر نہیں آؤ گے۔ ہاں، ایک دو ہرن مار لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔''

میں نے ایک گہری سانس لی اور اس کے بعد میں نے یوآن سے بات چیت بھی کی کہ آج میں اس کے ساتھ ہی رہوں گا۔ نینا پر ایک اور برا نقش چھوڑنے کی یہ کوشش کرنے میں مزہ آ رہا تھا۔ مزے کی بات اس وقت ہوئی جب میڈم مطلب نواب صاحب کی بیٹی بھی اس گاڑی میں آ گئیں۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ میں یوآن کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا، اور اس وقت تک مجھے اندزہ بھی نہیں تھا کہ ہمارے ساتھ کون کون ہوگا۔ شاید نواب صاحب کی بیٹی نے بھی غور نہیں کیا تھا، لیکن دور سے نینا کی آنکھوں سے خارج ہوتی ہوئی چنگاریوں کی چمک یہاں تک پہنچ رہی تھی۔ میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ یہ تفریح کافی دلچسپ ہوگئی تھی۔ یوآن میرے ساتھ ہونے کی وجہ سے کافی خوش تھا اور سچی بات یہ ہے کہ یہ شخص خود مجھے بھی بہت پسند آیا تھا، ہم لوگ باتیں کرتے رہے، پھر یوآن ہی نے سوال کر ڈالا۔

''شکار کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''کریں گے، ضرور کریں گے۔''

''ایک بات کہوں۔''

یوآن نے دلچسپی سے کہا۔

''ہاں، بولو۔''

''آپ کے بدن سے شکار کی بدبو آتی ہے۔''

یوآن نے بڑے مزے کی بات کی۔

''اچھا، شکاری کے بدن سے کوئی خاص بو آتی ہے۔''

''ہاں، ہماری ناک بہت تیز ہوتی ہے، اور میں بڑی امید سے آپ سے ایک سوال کر رہا ہوں، کہ کیا میں نے غلط کہا ہے۔''

''نہیں یوآن میں شکار کھیلتا رہا ہوں۔''

میں نے جواب دیا، اور مجھے یوں لگا جیسے یوآن اپنی بات صحیح ہونے کی وجہ سے اپنے اندر ہی خوش ہوا تو تقریباً ایک گھنٹے تک یہ سفر جاری ہوا اور اس کے بعد یوآن نے کہا۔

''میرا خیال ہے چیف یہ جگہ شکار کے لئے بہت موضوع ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ شکار ہمیں ذلیل کر رہا ہے۔''

''بالکل، بالکل، ایسی ہی بات ہے۔''

میں نے اپنے اطراف میں دوڑتے بھاگتے خوب صورت جانوروں کو دیکھ کر کہا۔

یوآن نے پھر کہا۔

''اصل میں یہ وقت خوراک کی تلاش کا ہے، پھر جانور شکار کی تلاش میں نکلتا ہے اور ہر شکاری اپنا شکار پا لیتا ہے، جوں جوں سورج تیز ہوتا جائے گا، پیٹ بھرے جانور آرام کرنے کے لئے مناسب جگہیں

تلاش کرلیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔"

ہمارے پیچھے ایرس بیٹھا ہوا تھا اور ہماری باتیں سن رہا تھا، جب ہم خاموش ہوئے تو اس نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو دوسرے لوگوں کو اطلاع دے دی جائے کہ شکار شروع کردیتے ہیں۔"

"جی مسٹر ایرس۔ اوہو، دیکھو شاید دوسرے لوگوں نے بھی یہ ہی فیصلہ کیا ہے، اصل میں ہمارے ساتھ تجربے کار شکاریوں کی ٹیم پوری طرح سے موجود ہے، دیکھو گاڑیاں رک رہی ہیں، جگہ بھی مناسب ہے۔"

یوآن نے کہا۔

ساری گاڑیاں ایک ہی جگہ رک گئیں۔ انہوں نے ایک احاطہ سا بنالیا۔ یوآن نے بھی اپنی گاڑی ان کے برابر روک دی۔ تمام لوگ نیچے اتر رہے تھے۔

"بابا میں بھی شارٹ گن سے پرندوں کا شکار کھیلوں گی۔"

نواب صاحب کی بیٹی نے ان سے کہا۔

"ٹھیک ہے بے بی، پہلے ان لوگوں کو پروگرام بنالینے دو۔"

"اوکے بابا۔" اس نے کہا اور پھر وہ شارٹ گن ٹھیک کرنے لگی۔

میرے ہاتھوں میں کھجلی ہو رہی تھی، لیکن بہرحال صبر کرنا تھا، اور دوسروں کو شکار کھیلتے دیکھنا تھا، تمام بڑوں نے میٹنگ کی، بھلا نیپالی ملازموں کو شکار کھیلنے کی کیا ضرورت تھی۔ انہیں اتنی اہمیت نہیں دی جاسکتی تھی۔ ہاں وہ شکار کو ذبح کرسکتے تھے۔ اسے پکا سکتے تھے۔ یہاں ایک سے ایک بڑا شکاری تھا، خود کھیاجی شاید مجھے بھول گئے۔ نینا ان کے ساتھ ہی تھی، کمال کی لڑکی تھی۔ اس نے اب بھی اپنے چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا بدستور ہشاش بشاش تھی۔

شروع شروع میں اس نے جس طرح مجھ پر اپنا قائم کرنے کی کوشش کی تھی، اس کے بعد ایسا کوئی ظاہرہ اس نے نہیں کیا تھا۔

شکاری شکار کھیلنے چل پڑے۔ ہمیں یہیں رہنا تھا۔ اچانک ہی یوآن نے کہا۔

"ایک بات کہوں دوست۔ پلیز میری بات کا برا مت ماننا، کوئی بات ناگوار گزرے تو مجھے بتادیا کروتا کہ میں آئندہ وہ بات نہ کبھی کہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ لوگ جس انداز میں شکار کھیلنے کے لئے کوشش کررہے ہیں، اس انداز میں کوئی شکار لگنا مشکل ہوگا۔"

"کیوں یوآن؟"

"کیونکہ یہ میرا علاقہ ہے، میں یہاں کے شکار سے بھی واقفیت رکھتا ہوں، یہ لوگ یہاں شکار کھیلنا نہیں جانتے، اس علاقے میں شکار کھیلنے کا طریقہ دوسرا ہی ہوسکتا ہے۔"

"وہ کیا، یوآن؟"

میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"جھاڑیوں کا علاقہ ہے دوست، اول تو شکار نظر ہی نہیں آئے گا، جانور بھی چالاک ہوتے ہیں۔ وہ اپنے رنگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، شکار اگر جھاڑیوں میں تلاش کیا جائے تو مل سکتا ہے، یا پھر پانی کے کنارے جہاں وہ کھلا مل سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک کہہ رہے ہو یوآن، میرا خیال ہے، انہیں کوشش کرلینے دو، جب یہ ناکام ہوں گے، تب دیکھا جائے گا۔"

میں نے کہا اور یوآن منہ ٹیڑھا کرکے گردن ہلا کر چپ ہوگیا۔

میں تھوڑی دیر تک یوآن کے ساتھ ٹہلتا ہوا اس طرف چل پڑا، جہاں نواب صاحب کی بیٹی اپنے باپ کے ساتھ جارہی تھی، میرا رخ بھی اپنی طرف دیکھ کر نواب صاحب رک گئے اور بولے۔

"آ ؤینگ مین کیا تمہیں بھی شکار سے دلچسپی ہے، تم شکار کے بارے میں باتیں کررہے تھے۔"

نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھوڑی بہت سر۔"

میں نے جواب دیا۔
''لیکن تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ نہیں گئے۔''
نواب صاحب کی بیٹی نے عجیب سی بات کی۔
''معافی چاہتا ہوں میں...... شاید میں نے آپ کوڈسٹرب کیا ہے، مجھے افسوس ہے۔'' میں پھٹ پڑا۔
''ارے نہیں، نہیں، ایسی بات نہیں ہے میں نے اس لئے یہ بات نہیں کی تھی۔ بات سنئے پلیز۔''
وہ ایک دم نرم پڑ گئی۔
''آجاؤ، آجاؤ، لڑکے اصل میں میری بیٹی کو پرندوں کے شکار سے بڑی دلچسپی ہے۔''
''آپ کیا شکار کریں گی مس؟'' میں نے کہا۔
''بس جو کچھ مل جائے، مجھے اس طرف کچھ قازیں نظر آئی تھیں۔''
اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔
''آیئے، دیکھیں شاید اس طرف پانی ہو، میں نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا، اور وہ ہمارے ساتھ چل پڑے۔ درحقیقت پہاڑی ٹیلوں کے پیچھے ایک خوشنما سی جھیل پھیلی ہوئی تھی اور مختلف آبی پرندے یہاں نظر آرہے تھے، یوآن کا خیال بھی بالکل ٹھیک تھا۔ جھیل پر ہم نے کئی چتیل بھی دیکھے تھے۔ جنہیں آسانی سے شکار کیا جاسکتا تھا، ہمیں دیکھتے ہی وہ چھپ گئے۔
''ہائے کیسی پیاری جگہ ہے۔''
نواب صاحب کی بیٹی نے ایک معصومانہ حیرت سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''میرا خیال ہے کہ یہ تمہارے شکار کے لئے بنائی گئی ہے۔''
نواب صاحب مسکرا کر بولے۔
''میں کوشش کرتی ہوں۔''
اس نے کہا، اور گن لے کر تیار ہوگئی۔ پھر اس نے نشانہ لیا اور فائر کردیا، لیکن اس کا کوئی نشانہ نہیں تھا، پرندے اڑ گئے، اور وہ کھسیائے ہوئے انداز میں مجھے اور نواب صاحب کو دیکھنے لگی۔
''کوئی بات نہیں پھر سہی۔''
نواب صاحب نے اس کی ہمت بڑھائی۔
''اصل میں میرا نشانہ اچھا نہیں ہے۔''
''آپ پھر کوشش کریں مس۔''
میں نے کہا اور اس نے ایک بار پھر کوشش کی، لیکن ناکام رہی۔
''نہیں بن رہا مجھ سے!''
وہ شرمندہ سی ہوتی ہوئی بولی۔
''ارے نہیں کیوں نہیں بنے گا، آخر کسی نہ کسی پرندے سے تو غلطی ہو ہی جائے گی،'' نواب صاحب نے کہا۔
لیکن اس کا منہ بن گیا تھا۔ شاید اس نے اپنے باپ کی یہ بات اپنے اوپر طنزیہ کی تھی۔ اس نے کہا۔
''نہیں، خواہ مخواہ شرمندہ ہونے سے کیا فائدہ۔''
اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''نہیں...... نہیں مس...... اس میں شرمندہ ہونے سے کیا فائدہ۔''
''ہوں......!''
''برائے کرم ایک اور کوشش کیجئے آیئے۔'' میں نے ضرورت سے زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کیا اور اُس کی پشت پر پہنچ گیا، پھر میں نے اس کے دونوں شانے پکڑے اور اس کی پشت اپنے سینے سے لگائی، اور گن ٹھیک طور سے اس کے ہاتھ میں پکڑا دی۔ پھر پرندوں کی ایک ٹولی کو تاکتے ہوئے میں نے کہا۔
نال کے نیچے میرا ہاتھ رہے گا، آپ صرف نشانہ لیں، اور جب میں کہوں ٹریگر دبا دیں۔''
''اوہو...... اچھا۔''
اس کی آواز میں کسی قدر لرزش تھی۔ غالباً میرے چوڑے سینے کا لمس۔ اس کو متاثر کررہا تھا۔
''چھرے والے کارتوس ہیں ناں۔''
''ہاں۔''
''ٹھیک ہے تو پھر اینگل درست کریں۔''
''ٹھیک ادھر، نیچے، اوکے فائر۔''
میں نے کہا، اور اس نے ٹریگر دبا دیا۔ لڑکھڑاتے

ہوئے کئی قازیں نیچے گریں، اور اس کے حلق سے خوشی کی سریلی چیخ نکل گئی۔

''اوہ...... مائی گاڈ...... پانچ، پانچ'' ہم خوشی سے دوڑے، اور ہم نے قازیں ذبح کر ڈالیں، وہ بے پناہ خوش تھی، اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''آپ تو بڑے ماہر نشانہ باز ہیں۔''

''لیکن قازیں تو آپ نے شکار کی ہیں مس!''

''نہیں، ایسا نہ کہیں، میرے ہاتھ میں تو صرف گن تھی۔''

''یہ تو بڑے آگے کی بات ہے کہ دوسرے کے ہاتھوں سے اتنا عمدہ نشانہ لگایا جائے۔''

نواب صاحب بولے۔

''اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ مسٹر آپ ایک زبروست شکاری ہیں۔''

''پلیز میری اس قدر تعریف نہ کریں۔''

''کیا مطلب؟'' میری نوکری جاتی رہے گی۔

''کیوں، ایسی کیا بات ہے۔''

''بس میری درخواست ہے آپ سے۔''

''ٹھیک ہے، لیکن بات عجیب ہے۔''

''آیئے، ایک بار پھر۔''

اس نے کہا۔

''ضرور آیئے۔''

میں نے کہا، اور اس بار وہ میرے سینے سے لگ گئی، پھر بھلا نشانہ کیوں خالی جاتا، خوشی کے مارے اُس کا برا حال تھا۔

''خدا کی قسم ڈیڈی، اب یہ سب مجھے اتنا آسان معلوم ہونے لگا ہے۔''

''نواب صاحب!''

میں نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں، ہاں، بولو۔''

''یہ لوگ جو شکار کرنے گئے ہیں ناں، میری پیش گوئی ہے کہ شکار کر کے نہیں لا سکیں گے۔''

''کیوں؟''

''جیسا یہ علاقہ ہے، وہاں شکار کرنے کے لئے ایک مخصوص تکنیک ہوتی ہے، جو شاید ان میں سے کسی کو معلوم ہو۔''

''ممکن ہے، لیکن یہ تو جانے والوں کے لئے بڑے شرم کی بات ہوگی۔''

''میری ایک تجویز ہے۔''

''کیا؟''

اس نے اور نواب صاحب نے کہا۔

''کیوں نہ ہم پرندوں کی اتنی مقدار جمع کر لیں جو سب کے لئے کافی ہو۔''

''کیا یہ ممکن ہے؟''

''کیوں نہیں مس۔''

''ہاں، ہاں واقعی کیوں نہیں، جب دو فائروں میں ایک درجن پرندے شکار ہو سکتے ہیں تو یہ سب ناممکن تو نہیں ہے۔''

''لیکن اگر انہیں بھی شکار مل گیا ہو تو؟''

''تب بھی یہ گوشت ضائع تو نہیں جائے گا، ہمارے کام آئے گا۔''

میں نے کہا۔

''ویری گڈ...... ویری گڈ۔ تم تو بڑے کام کے آدمی ہو، اس طرح تو ہماری گڈول بن جائے گی۔ ہم اپنا کام کرتے ہیں اور وہ اپنا ہم لوگ یہ گوشت اس وقت ظاہر کریں گے۔ جب وہ اپنی ناکائی کا اعلان کریں گے۔''

''تب پھر تیار ہوں۔''

''اور اس کے بعد دلچسپ مشغلہ شروع ہوگیا۔ شارٹ گن اُس کے ہی ہاتھ میں تھی۔ اور اب وہ اسے میرے ہاتھ میں دینا چاہتی تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ میرے سینے سے لگتے ہوئے اس کی کیفیت بدل جاتی ہے اور ادھر نواب صاحب قصائی کی ڈیوٹی سنبھال چکے تھے، اور نہایت نفاست سے پرندے صاف کر کے رکھے جا رہے تھے، ہم اینگل بدل بدل کر شکار کھیلتے رہے اور کیا مجال ایک بھی کارتوس ضائع ہوگیا ہو۔ پرندوں کا انبار لگتا جا رہا تھا، سب کے لئے حساب

لگالیا گیا تھا، کیونکہ ضرورت سے زیادہ شکار کرنا غیر مناسب بات تھی اور صورتحال یہ تھی کہ میں اور وہ نواب صاب سے کافی دور ایک آڑ میں پرندوں کی گھات میں بیٹھے تھے۔ پرندے اب ہوشیار ہوگئے تھے، اس لئے ذرا دیر لگ رہی تھی، یہاں سے نواب صاحب بھی نظر نہیں آرہے تھے۔ تب وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور بولی۔

''آپ کا مکھیا جی سے کوئی رشتہ ہے؟''

''نہیں، میں نے آپ سے عرض کیا ناں، کہ میں ان کا ملازم ہوں۔''

''لیکن شکل و صورت سے آپ ملازم نہیں لگتے۔''

''ملازموں کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں مس؟''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ایک بات کہوں مائنڈ تو نہیں کریں گے آپ؟''

''میرا خیال ہے آپ کی کوئی بات مائنڈ نہیں کی جاسکتی۔''

''میں نے نیتا کی آنکھوں میں آپ کے لئے بہت کچھ دیکھا ہے۔ وہ آپ سے کافی بے تکلف نظر آتی ہے۔''

''میرے مالک کی بہن ہے۔ میں اس کے احکامات کی تعمیل کرتا ہوں۔''

''اس کا رکھ رکھاؤ لیکن آپ کے ساتھ ملازموں والا نہیں ہے۔''

اس نے کہا، اور میں نے سوچا کہ عورت کی آنکھ قیامت کی نظر رکھتی ہے۔ ذرا سی دیر میں سب کچھ بھانپ لیتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ اس کی شرافت ہے مس!''

''میں کچھ اور معلوم کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے کہا۔

''کیا؟''

''کیا وہ آپ سے محبت کرتی ہے۔''

اس سوال پر میں نے چند لمحوں کی خاموشی اختیار کی، اب اس قدر بے وقوف بھی نہیں رہا تھا، تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد میں بولا۔

''ہم لوگ بڑے وفادار ہوتے ہیں، اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ مالک کی بہن سے عشق کریں، نیتا میرے مالک کی بہن ہیں۔ میں نے تو کبھی خواب میں بھی ان کے بارے میں یہ نہیں سوچا۔''

''کیا آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں...... میں جھوٹ نہیں بول رہا۔''

''کمال ہے۔''

''کیوں آخر کیا کمال ہے اس میں؟''

''ہم لوگوں کا خیال تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو، مجھے معاف کرنا، میں ذرا بے تکلف لڑکی ہوں، بڑی بے تکلفی سے میں نے یہ الفاظ کہہ دیئے ہیں، لیکن ہم لوگ یہ سوچتے رہے ہیں۔''

''ہم لوگ کون؟''

''میں اور دوسری لڑکیاں!''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''یہ تو خوشی کی بات ہے۔''

اس نے کہا۔

''اب ہم میں سے کوئی بھی آپ سے محبت کرسکتا ہے۔''

اس نے بے تکلفی سے کہا اور میں خاموش ہوگیا۔

''آپ کچھ بولیں گے نہیں، اس بار میں!''

''نہیں...... میں کچھ نہیں بولنا چاہتا!''

''میرا خیال ہے، آپ کو اپنے خیالات کا اظہار ضرور کرنا چاہئے تا کہ ہم لوگ بھی محتاط ہوجائیں۔''

''پلیز مس آپ اس طرح کی باتیں نہ کریں۔''

''نہیں معافی چاہتی ہوں۔ مسٹر میں اپنی جگہ ہی بات کر رہی تھی۔ آپ مجھے یہ بتائیں، کہ کیا محبت انسان کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ آپ کپڑا پہنتے ہیں۔ آپ کو روٹی کی ضرورت ہے، آپ روٹی کھاتے ہیں، آپ براہ راست اس معاملے میں کیوں نہیں سوچتے۔''

''مس روٹی آپ کی ذات کے لئے ہے۔

لباس آپ کے بدن کو ڈھکنے کا ذریعہ ہے۔ یہ دونوں چیزیں آپ کو زندہ رکھتی ہیں۔ لیکن محبت ایک بڑا مقدس جذبہ ہے۔ بہت دیر میں اس کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن آپ میری بات کو ذہن نشین کر لیجئے، میں کسی بھی قوت سے آپ سے محبت کرسکتی ہوں۔"

"آپ مجھ سے ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہو رہی ہیں۔" میں نے کہا۔

"اوہو..... اس کو چھوڑیں، میرا خیال تھا کہ آپ نینا سے منسلک ہیں، آپ میں کچھ ایسی خوبیاں ہیں، جو دوسروں میں نہیں۔ آپ اتنے عمدہ نشانہ باز ہیں کہ آج اس کا تجربہ ہوگیا ہے، یقیناً آپ سپر ہیں، میں آپ کو پسند کرنے لگی ہوں۔"

بہر طور بڑی ہی سنگین صورتحال تھی، نینا کو بھی سنبھالنا تھا، کیونکہ بہرحال ایک بڑی شخصیت کی مالک تھی، اور مجھے اس کے ساتھ ہی رہنا تھا۔

"آپ شاید بہت ہی غلط کر رہی ہیں مس نینا، میں انتہائی بے حقیقت آدمی ہوں۔"

"دیکھیں..... انسان اگر انسان ہے، تو وہ کبھی بھی بے حقیقت نہیں ہوتا ہے۔"

"بہرحال میری خوش نصیبی ہے کہ آپ جیسی لڑکی مجھے پسند کرتی ہے۔"

"اب میں یہ باتیں بے تکلفی سے کہہ دوں گی، میں نے تو اس پورے سفر میں آپ پر غور کیا ہے۔ مسٹر.....! وہ کون ہے؟ اس پورے گروہ میں جو آپ سے متاثر نہیں ہے۔ بس کیا کہا جاسکتا ہے۔"

"میرے لئے یہ ایک انوکھا انکشاف ہوا ہے۔"

"غلط ہو، تو گولی ماردینا۔"

"میں تو اب شرمندہ ہونے لگا ہوں۔"

"ایک بات بتایئے مجھے۔"

"اس نے دونوں ہاتھ میرے کاندھوں پر رکھتے ہوئے کہا۔

"جی.....!"

"مجھے قبول کرلو گے۔"

"مس.....!"

"میں تمہیں پیار کرنے لگی ہوں۔ تمہیں چاہنے لگی ہوں۔"

"اُس نے اپنی بانہیں میری گردن میں ڈال دیں، اور اگر نواب صاحب کی تیز آواز نہ سنائی دے جاتی، تو شاید مجھے ایک غلط عمل سے گزرنا ہوتا۔

"کہاں رہ گئے تم لوگ؟"

"وہ پیچھے ہٹ گئی تھی، اس نے مایوس نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

"خیر ٹھیک ہے۔"

"ڈیڈی خاموش ہو جایئے آپ۔"

"اس نے نواب صاحب کی طرف رخ کرکے کہا اور پرندوں کی ایک ڈار کی طرف نشانہ لگانے لگی۔ پھر اس نے میرے سہارے سے فائر کیا۔ ناکامی کا سوال ہی نہیں تھا۔ اسی دوران نواب صاحب بھی ہمارے پاس پہنچ گئے تھے۔" کمال ہے تم لوگ تو غضب ڈھا رہے ہو۔"

"میں نے تو سوچا ڈیڈی کہ اس مہم کے دوران میں ان سے بہت کچھ سیکھ لوں گی۔

"بہرحال ہم لوگوں نے پرندوں کے انبار لگا لئے تھے، اتنے کہ سب لوگوں کے لئے کافی ہو جائیں۔ پھر یو آن کا خیال بالکل درست نکلا، شکاریوں کی ٹولیاں منہ لٹکائے واپس آ گئی تھیں، البتہ کھیاجی واپس آئے، تو ان کے ساتھ ایک چھوٹا سا ہرن تھا اور اس شکار پر وہ شرمندہ تھے۔ لیکن جب دوسروں کو انہوں نے خالی ہاتھ دیکھا تو قہقہے لگانے لگے۔

"لو بھلا ہم بے وجہ شرمندہ ہو رہے تھے۔ یہاں تو سب کی ہی بری حالت ہے۔"

"مگر یہ قصہ کیا ہے؟"

نینا بولی۔

"ہمارا خیال غلط ہے۔ اس علاقے میں شکار

ہمارے قابو میں آنے والا نہیں ہے۔"
"پھر اب کیا ہوگا؟"
"بھئی شکار تو نہیں ملا، اب اپنی اوقات پر ہی آ جایا جائے۔"
"یعنی!"
"بھوک لگنے لگی ہے، ان لوگوں سے کہو، کھانا تیار کریں۔"
"اور اس ہرن کا کیا ہوگا؟"
"اسے رکھ لیتے ہیں۔ دیکھ دیکھ کر خوش ہوں گے۔
رانا صاحب جو کہ ایک تکلف اس گروہ کے ساتھی تھے۔ انہوں نے کہا، تو سب نے قہقہہ لگایا۔
"اس سے بہتر تو یہ تھا کہ پرندوں کا ہی شکار کیا جاتا۔"
نواب صاحب نے اداکاری شروع کردی۔
"جی ہاں پرندے تو جیسے آسمان سے ٹپک رہے تھے کہ آیئے نواب صاحب اور ہمیں شکار کرلیجئے۔ یار کبھی تو عقل کی بات کرلیا کرو۔"
"یار میں تو عقل کی ہی بات کرر ہا ہوں، لیکن تم لوگ اپنے آپ کو شکاری کیوں سمجھنے لگے ہو۔"
"تم تو شکاری ہو؟"
"یقیناً کہوں، تمہیں شبہ ہے اس بات پر۔"
نواب صاحب نے فخر سے سینہ پھلا کر کہا۔ اس وقت ان کی گڈی چڑھی ہوئی تھی۔
"اے شکاری اتنے پرندوں کو آسمان سے اتار کر لاؤ۔ تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔ بڑی بھوک لگ رہی ہے۔"
رانا صاحب نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"آپ کیا کہتے ہیں؟"
نواب صاحب نے مکھیا صاحب سے کہا۔
"چھوڑو یار...... بھوک کے مارے جان نکلی جارہی ہے، اور تم لوگوں کو مذاق سوجھ رہا ہے۔ بڑی شرمندگی کی بات ہے کہ ہمارے اطراف میں جانور ہم پر قہقہے لگاتے پھر رہے ہیں اور ہم کچھ بھی نہیں کرپائے۔" رانا صاحب نے کہ۔
"اگر پرندوں سے دلچسپی ہو، تو ہمیں اجازت دے دیجئے۔"
نواب صاحب پھر سے بولے۔
"یار تجھے کیا ہوگیا ہے، میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔"
"تو پھر جایئے اور کر لایئے شکار بڑی نوازش ہوگی آپ کی۔"
رانا صاحب نے کہا۔
"آؤ بیٹے...... تم لوگ بھی آجاؤ۔"
نواب نے نیپالی نوجوانوں اور نینا سے کہا۔
نیپالیوں کے علاوہ کسی نے بھی اس کے ساتھ جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں ایک طرف کھڑا تھا۔
"یار یہ انوکھا مذاق ہے۔ میں کہہ رہا ہوں۔ کھانے کا انتظام کرو۔ اس بھاگ دوڑ نے بھوک بری طرح سے چمکادی ہے۔ وہ سب نواب صاحب کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ پھر دور سے نواب صاحب کو آتے دیکھ کر سب خوشی سے اچھلنے لگے۔ بہت سے برتن ساتھ لائے جارہے تھے۔
"یہ کیا لا رہا ہے۔"
سب سرگوشیوں کے انداز میں بولے۔
"پتہ نہیں۔"
نواب صاحب فخر سے سینہ پھیلائے ان کے درمیان پہنچ گئے، اور پھر سب لوگ ان پرندوں کو دیکھ کر ٹوٹ پڑے، بلاشبہ یہ ایک جادوئی کارنامہ ہی معلوم ہوتا تھا۔ سب حیران رہ گئے۔
"یہ...... یہ...... نواب...... صاحب...... یہ کہاں سے آئے؟"
"شکار کئے ہیں؟"
"کہاں سے...... کب؟"
"ان پہاڑی ٹیلوں کے دوسری جانب جھیل ہے...... اور...... اور......!" نواب صاحب نے میری جانب دیکھا اور پھر اپنی بیٹی کی طرف، پھر بولے۔

''اور میرے ساتھ ایک ماہر شکاری بھی موجود ہے۔''

''کون؟''

''راناصاحب دلچسپی سے بولے۔

مکھیا جی نے میری طرف دیکھا، اور میں نے جان بوجھ کر منہ دوسری طرف کرلیا۔

''میری بیٹی!''

نواب صاحب نے کہا اور ان کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔ سب لوگ بے یقینی کے عالم میں اُس کو دیکھ رہے تھے اور وہ خواہ مخواہ سر بلند ہوگئی تھی۔ دوسری لڑکیاں حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ جینا کا چہرہ ست ہوگیا ہے۔ ویسے پتہ چل گیا تھا کہ مکھیا جی میری مہارت سے واقف تھے۔ اس لئے وہ جان گئے تھے کہ پرندوں کے شکار میں میرا ہاتھ ہے۔ بیالی ملازم کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے اور باقی لوگ اپنے ٹریلر میں چلے گئے۔ میں بھی یوں ہی ٹہلنے کے انداز میں آگے بڑھ گیا تھا۔

پھراچانک ہی میری نگاہ ایک ٹریلر کے عقب میں اٹھ گئی۔ میں نے نینا کو دیکھ لیا تھا۔ شاید وہ کسی سے باتیں کررہی تھیں، میں نے خود بھی ایک آڑ میں کھڑے ہوکر اسے دیکھا۔

دوسرے آدمی کا تو اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ کون تھا، لیکن نینا کہہ رہی تھی۔

''مجھے یقین نہیں آتا، کہ یہ سارے پرندے اس نے شکار کئے ہیں۔''

''سب سے بڑی بات تو ان کی تلاش تھی۔''

دوسری آواز سنائی دی۔

''لیکن اتنے پرندوں کا شکار بھی تو معمولی بات نہیں ہے۔''

''بے شک بے شک!''

''لیکن آپ تو یہاں موجود تھے۔ انکل۔''

''ہاں...... ہاں...... میں تو یہیں تھا۔''

''تو آپ نے غور نہیں کیا کہ پرندے کیسے شکار کئے گئے۔''

''میں شارٹ گن کے فائروں کی آوازیں سنتا رہا تھا۔''

''کیا نواب صاحب اور ان کی بیٹی کے علاوہ بھی کوئی تیسرا تھا ان کے ساتھ؟''

''وہاں ان کے ساتھ وہی تھا، تمہارا ہندوستانی ملازم!''

''وہ......!''

''شاید، شاید۔''

''ٹھیک!''

نینا نے کہا اور اس کے بعد خاموش ہوگئی۔

ایک عجیب و غریب زندگی گزر رہی تھی۔ مہم جوؤں کا یہ گروہ نجانے اپنے ذہن میں کیا کیا منصوبے رکھتا تھا۔ سارے کے سارے ایک ایسے اجنبی سفر پر چل پڑے تھے جس کے اختتام کا شاید انہیں بھی کوئی اندازہ نہ ہو۔ بس سفر تھا، جو جاری تھا، اور اس کی کوئی حد نہیں تھی، لیکن میں ایک ایسا کردار تھا، ان کے درمیان جس کا اس سفر سے کوئی مقصد نہیں تھا، ہندوؤں کی ایک مہادیوی مجھ پر قابض تھی اور اس نے مجھے اپنے مقصد کے لئے کچھ کا کچھ بنا ڈالا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔ ان لوگوں کے ساتھ، میں ایک ماہر شکاری کے طور پر سفر کررہا تھا اور اس دوران میری جمالیاتی حس کی تسکین بھی ہورہی تھی لیکن میں غیر مطمئن تھا۔ نینا اور نواب صاحب کی بیٹی دونوں ہی میرے لئے اجنبی تھیں۔ اور میرا ذہن ان سے میل نہیں کھاتا تھا۔ لیکن دونوں کی دونوں میری محبت میں گرفتار ہیں اور شاید رقابت بھی محسوس کررہی ہیں، یقیناً کچھ وقت کے بعد میں ان دونوں کے درمیان تنازعہ بن سکتا تھا۔ لیکن سچی بات یہ تھی کہ جب میں اپنے آپ پر غور کرتا تو مجھے عجیب سی کوفت کا احساس ہوتا تھا کہ ان سب کے درمیان میں ہی ایک بے مقصد کردار ہوں۔

(جاری ہے)

دشمن روحیں

ایم اے راحت

آخری قسط

ظلم و جبر کی داستان حیرت جو کہ خراماں خراماں اپنے پڑھنے والوں کے رؤیں رؤیں میں خوف کی لہر سرایت کرتی رات کے گھٹا ٹوپ پرہیبت اندھیرے میں روحوں کی دنیا میں لے جائے گی، جہاں کہ اذیت سے دو چار روحیں سبک رفتاری سے پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردیں گی۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے زور قلم سے لکھی شاہکار کہانی

جو دوسروں کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے......

سفر جاری رہا اور چھوٹے موٹے واقعات پیش آتے رہے...... اس عورت نے اس دوران کسی سے بھی رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ یہ بھی ایک سچ تھا کہ سفر میں وہ ایک واحد عورت تھی جو اپنے آپ کو لئے دیئے رکھتی تھی۔ اسے میں نے کسی بھی چیز میں دلچسپی لیتے نہیں دیکھا تھا۔ پتہ نہیں یہ سب کیا تھا؟ دوسری طرف مکھیا جی اور ان کی بہن تھی۔ ان دونوں کے بھی آپس میں کیسے تعلقات تھے؟ بظاہر کچھ سمجھ نہیں آسکا تھا۔ لگتا تو یہ تھا کہ ان دونوں کے درمیان ذہنی رابطہ نہ ہونے کے درمیان ہے۔ لیکن میں نے بہت زیادہ ان میں گھسنے کی کوشش نہ کی تھی۔ پھر اس رات جب ہم ایک بھیانک جنگل نما جگہ پر بسیرا کئے ہوئے تھے میں رات کی تنہائیوں میں اپنے کیمپ سے بہت دور نکل آیا اور ماحول کے خوفناک سناٹے سے اپنا موازنہ کرنے لگا۔ کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا تھا کہ جیسے میں جنگل کی مخلوق ہوں اور میری زندگی کا اختتام انہی جنگلوں میں ہوجائے گا۔ بہر حال میں ایک چٹان پر جا بیٹھا کہ یہ علاقہ ایسا تھا کہ یہاں جگہ جگہ پر بدھ مت کے آثار پھیلے ہوئے تھے کہیں کہیں تاریخی خانقاہیں نظر آتی تھیں۔ بدھ مذہب کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات نہیں تھیں بس تھوڑی تھوڑی باتیں جانتا تھا۔ لاماؤں اور راہبوں کے بارے میں میرا علم کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اس وقت انہی تمام باتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک مجھے اپنے عقب میں قدموں کی آوازیں سنائی دیں میں نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ لیکن جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر پہلی بار میرے اوپر بوکھلاہٹ طاری ہوگئی وہ مکھیا جی کی بہن تھی، جو کہ میرے قریب آرہی تھی۔ میں جلدی سے احترام کے انداز میں کھڑا ہوگیا تو اس نے ایک ہاتھ کسی دیوی کی طرح سیدھا کیا اور بولی۔

”بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ!“ وہاں سب گہری نیند سو رہے ہیں۔ آج تک مجھے موقع ہی نہیں مل سکا تھا کہ تم سے بات کرسکوں، مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، میں سنبھل گیا تو وہ بول اٹھی۔

”بیٹھ جاؤ!“ میں اسی پتھر کی چٹان پر بیٹھ گیا۔ وہ مجھ سے تھوڑے ہی فاصلے پر آکر کھڑی ہوگئی تھی چند لمحات وہ سر اٹھائے آسمان کی طرف دیکھتی رہی اور پھر بولی۔

”تمہارا مرض بھی میرے علم میں آچکا ہے تم ذات کے مسلمان ہو تم سے تمہارا دھرم چھین لیا گیا ہے۔ غلطی تمہاری تھی، تمہاری حسن پرستی تمہیں لے ڈوبی، پر جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ میں تمہیں بہت سی حقیقتوں سے آشنا کرنا چاہتی ہوں۔ تمہارے لئے یہ سننا بہت ضروری ہے۔“

میں دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا اس نے کہا۔

''تم میرے بارے میں بہت کچھ نہیں جانتے اور بہتر یہی ہے کہ نہ جانو! یہ ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔''

''ہاں میں چاہتی ہوں کہ تم اپنا راستہ بے کار نہ کرو، وہ عورت تو چاہتی ہے کہ سنسار میں کوئی اس کے مقابلے میں نہ آئے لیکن اسے یہ بھی پتہ چل گیا ہے کہ میں نے صدیوں تپسیا کی ہے۔ بے شک اس کی عمر بہت زیادہ ہے لیکن میری عمر بھی اس سے کم نہیں ہے، میں امر شکتی تو نہیں رکھتی، پر ایک لمبی عمر کے لئے میں نے بڑی تپسیا کی ہے۔ خیر ان باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ تمہارا مسلمان نام تو کچھ اور ہوگا۔''

اس نے مجھ سے پوچھا تو میں بولا۔

''ہاں میرا اصلی نام کچھ اور ہے اور مجھے ہمیشہ اس نام سے محبت رہے گی۔''

''ہمیشہ رہے گی، ہمیشہ رہے گی، کیونکہ یہ نام تمہاری بنیاد ہے۔''

''آہ! مگر مجھ سے دھوکے سے یہ نام چھین لیا گیا۔''

''میں جانتی ہوں۔''

''اور مجھے اس طرح یہ سفر کرتے ہوئے خوشی محسوس نہیں ہوتی جبکہ تم یہ بھی جانتی ہو کہ مجھے کس مقصد کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔''

''اچھی طرح جانتی ہوں، اچھی طرح ہوں۔''

''تو پھر بتاؤ میں کیا کروں، میں خود تمہارے خلاف ایک قدم نہیں اٹھانا چاہتا میں نہیں جانتا کہ مجھ جیسا بے کار انسان تم جیسی بڑی قوتوں کے لئے کیا کرسکتا ہے۔''

''ان باتوں کو چھوڑو، تم نے کوشش کی تھی کہ تم اپنے آپ کو گم کردو لیکن بھرپور طریقے سے تم ایسا نہ کرسکے میں تمہیں ترکیب بتاسکتی ہوں کہ تم کس طرح گم ہوسکتے ہو، ہوسکے تو کوشش کرلو حالانکہ وہ جادوگرنی مسلسل تمہارا پیچھا کررہی ہے، میں اسی عورت کی بات کررہی ہوں۔''

''میں کوشش کروں گا، بھرپور کوشش کروں گا، یہ بات بھی تم جانتی ہو کہ میں ایک معمولی سا شخص ہوں! مجھے یہ سب نہیں آتا، پر کوشش کروں گا بھرپور کوشش کروں گا۔''

''تو سنو! آج کی رات تمہارے کام کے لئے بہت مناسب ہے۔ یہاں سے اٹھو اور صبح تک سفر کرتے رہو، صبح کو تم جہاں پہنچو گے وہاں تمہیں ایک پرانی خانقاہ ملے گی۔ خانقاہ میں ایک رہبر موجود ہے، وہ تمہاری بھرپور مدد کرے گا جو کچھ وہ تمہیں بتائے گا وہی تمہارے آگے کے جیون میں مددگار ثابت ہوگا، من چاہے تو میری بات پر عمل کرلو اور اگر من نہ چاہے تو جو تمہاری مرضی ہو وہ کرو، میں اپنا کام کررہی ہوں۔ یہ لوگ اسی جانب بڑھ رہے ہیں جہاں میں انہیں لے جانا چاہتی ہوں۔ لیکن ان سب کے من میں دولت ناچ رہی ہے، دولت انہیں ملے گی لیکن بڑی مشکلوں کے بعد۔'' اس نے مزید الفاظ کہے اور واپس جانے کے لئے قدم بڑھادیئے اور کچھ ہی لمحوں میں میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔''

لیکن میرے دل و دماغ میں جو ہلچل مچ گئی تھی وہ ناقابل برداشت تھی کیا کروں، کیا نہ کروں، سوچ سوچ کر میرا دماغ پھٹا جارہا تھا۔ اس کے بعد دیوانگی کے عالم میں تاریک راستوں پر چل پڑا۔ ہر بات اور احساس سے بے نیاز راستہ کس طرح کٹا مجھے معلوم نہیں تھا۔ صبح کو جب چل چل کے تھکن سے چور ہوگیا تو مجھے ایک ٹوٹی پھوٹی خانقاہ نظر آئی دروازے پر پہنچ کر گرگیا۔

پھر جس شخص نے مجھے اٹھایا وہ سفید بالوں والا ایک بوڑھا شخص تھا لیکن بہت طاقتور تھا۔ تین دن تک وہ میری مدد کرتا رہا اس دوران میں نے ایک اور شخص کو وہاں دیکھا جو بڑی پیاری شخصیت کا مالک تھا۔ جب میرے ہوش وحواس درست ہوئے تو میں نے کہا۔

''تم کون ہو بھائی؟''

''میرا نام محسن خان ہے۔''

بہت عرصے بعد ایک مسلمان نام سن کر مجھے بہت خوشی محسوس ہوئی۔ حالانکہ مکھیا جی کے گروپ میں نواب صاحب بھی موجود تھے لیکن وہاں کی صورت

حال بہت تکلیف دہ تھی۔ جس نے مجھے اٹھایا تھا اس کا نام شیواجی تھا۔

دراصل میں جب بے ہوش ہوکر خانقاہ کے دروازے پر گرا تھا تو مجھے شدید بخار تھا۔ یہ سب باتیں مجھے محسن خان نے بتائی تھیں۔

''بس یوں سمجھ لو کہ میرا ماضی بھی ایک انوکھی کہانی ہے۔'' محسن خان نے مجھے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے کہا اور کچھ دیر خلا میں گھورتا رہا اور پھر سلسلہ کلام وہیں سے جوڑتے ہوئے دوبارہ سے گویا ہوا۔

''عاشق تھا خودکشی کرلی۔''

''کیا؟''

''اس کیا؟ سے کیا مراد ہے؟''

''محسن خان نے مجھ سے پوچھا۔''تو میں نے کہا۔''اگر خودکشی کرلی تو پھر یہاں؟......''

''تمہاری حیرت بجا ہے دراصل میں نے دریا میں چھلانگ لگادی تھی۔ دریاؤں کے مزاج کو تم جانتے ہی ہوگے کب کیا کرلے کچھ سمجھ نہیں آتا؟ مجھے بھی انہی لہروں پر اٹھائے یہاں لے آیا میں اپنوں سے، اپنی دنیا سے پوری طرح کٹ گیا لیکن میں اپنے مذہب سے دور نہ ہوا بلکہ اس تنہائی نے مجھے یہ موقع دیا کہ زندگی کھونے کی چیز نہیں ہے یہ اللہ کا انمول تحفہ ہے کسی کو پانے کے لئے زندگی کو کھو دینا بہادری کا نام نہیں ہے بلکہ اپنی زندگی کو وقف کردینا اصل بہادری ہے۔''

محسن خان نے اپنی بات ختم کی تو میں نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ جھلملا رہی تھی کچھ ہی دنوں میں میری اس سے اچھی دوستی ہوگئی۔

''ہاں تمہاری کہانی مجھے معلوم ہوچکی ہے۔''

ایک دن شیواجی نے مجھ سے کہا تو میں نے پوچھا۔

''کیا؟''

تو وہ بولے۔

''تم نے اپنا دھرم کھو دیا ہے؟ میرے پاس اتنا علم نہیں ہے کہ تمہیں تمہارے دھرم کی واپسی کا طریقہ بتاؤں اگر ان بدعورتوں کے چکر سے نکلنا چاہتے ہو تو ایک عمل کرلو۔''

''میں سب کچھ کرنا چاہتا ہوں مہاراج۔''

اپنے آپ کو دو صدی پیچھے لے جاؤ اور وہاں جو کچھ تم پر بیتے اس میں اپنے آپ کو گم کردو۔

جب تم صدیوں پہلے کے سنسار میں چلے جاؤ گے، تو وہ عورت تمہیں تلاش نہیں کرپائے گی۔'' میں نے حیرت سے یہ ساری کہانی سنی۔

پھر میں نے کہا۔

''مگر میں کیسے جاسکتا ہوں مہاراج؟''

''میں تمہیں صدیوں پیچھے کے جیون میں پہنچادوں گا، تم اپنا ایک نام دریافت کرلو اور مجھے بتادو، میں پھر تمہیں اگلا کام بتاؤں گا۔''

بہت دنوں کے بعد دل کو ایک خوشی کا احساس ہوا تھا، مجھے حامد کے نام سے محسن خان نے ہی مخاطب کیا تھا کہ اب وہ میرا ساتھ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے چاہے اسے بھی پچھلی صدیوں کا سفر کرنا پڑے اور اس کے بعد ہمیں پورا سوا مہینے ایک قبر میں زندگی گزارنا پڑی تھی۔ اور جب تم قبر سے نمودار ہوئے تو تمہارے سامنے عجیب سی دنیا تھی۔ نجانے کتنے عرصے پہلے کی دنیا جس کا انداز موجودہ دور کی دنیا سے معمولی سا مختلف تھا۔ لیکن بہرحال یہ اندازہ ہوجاتا تھا کہ ہم کسی اجنبی ماحول میں ہیں اور پھر ہمیں اس ماحول کے بارے میں معلومات حاصل ہونے لگیں۔ ایک علاقے سے ہمیں دو گھوڑے ملے۔ نجانے کس کے گھوڑے تھے یہ، بھاگے بھاگے پھر رہے تھے ہم نے انہیں پکڑلیا۔ محسن خان بہت ہی دلچسپ آدمی تھا۔ وہ مجھے حامد کہہ کر مخاطب کرتا تھا، اس کی محبوبہ کا نام نیلی تھا۔ جس کے حصول میں ناکام ہونے کے بعد اس نے خودکشی کی کوشش کی تھی۔ بہرحال اس انوکھی دنیا کے بارے میں یہ سوچنا کہ یہ بہت عرصہ پہلے کی دنیا ہے، بڑا عجیب لگتا تھا، لیکن جو کچھ ہمیں نظر آرہا تھا، اس سے یہ اندازہ ہوجاتا تھا کہ یہ ذرا الگ ہی ماحول ہے۔ حامد تو میرا نام محسن خان نے رکھا تھا۔ لیکن

مجھے اب اس سے اس نام سے لگاؤ ہونے لگا تھا۔ بہرحال محسن خان بڑے کام کا آدمی تھا، تھوڑے ہی وقت میں اس نے معلوم کرلیا کہ یہ ایک قبائلی علاقہ ہے اور یہاں طبانیہ کی اجارہ داری تھی۔

طبانیہ کی آبادی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور وہیں کے رہنے والے وہیں کے لوگوں سے خوفزدہ رہتے تھے۔ کچھ عجیب سا گڑبڑ ماحول تھا ہم آوارہ گردی کرتے ہوئے ایک بستی میں پہنچ گئے۔ اس بستی کے بارے میں ہم نے اس دھوئیں سے اندازہ لگایا تھا، جو ہمیں بہت دور سے نظر آیا تھا۔ ہم اس دھوئیں کی نوعیت کا اندازہ لگانا چاہتے تھے اور ظاہر ہے دھواں بستیوں سے ہی اٹھتا ہے، بستی کوئی بھی تھی، شاید نشیب میں تھی۔ طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں وہ بستی نظر آئی اور ہم نے وہاں ایک جگہ پوشیدہ ہوکر وہاں کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ ڈھلانوں پر کھیت بکھرے ہوئے تھے۔ بھیڑیں اور بکریاں بھی نظر آرہی تھیں۔ بستی بھرپور زندگی سے ہم آہنگ تھی تھوڑی دیر کے بعد ہم بستی کے پہلے مکان کے قریب پہنچ گئے۔ بستی والے اچھی فطرت کے لوگ تھے۔ انہوں نے ہم کو مہمانوں کی حیثیت سے خوش آمدید کہا، چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں پر مشتمل یہ بستی زیادہ بڑی نہیں تھی، ہم نے ان سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کیں، اور ہمیں یہ معلوم ہوا کہ طبانیہ والے یہاں نہیں ہوتے، طبانیہ تو بہت آگے ڈھلانوں میں آباد ہے، بہرحل ساری باتیں اپنی جگہ یہاں تک پہنچ کر ہمیں بڑے سکون کا احساس ہوا تھا، مہمان نواز لوگ اور پر سکون ماحول بستی کے سردار کا نام گاما تھا، گاما سے ہم نے طبانیہ کے بارے میں پوچھا، تو گامانے ادھر ادھر دیکھ کر خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''ہماری بستی کا کوئی بھی شخص طبانیہ کی برائیوں میں نہ ایک لفظ سننا پسند کرے گا اور نہ ہی تم سے کچھ کہنا، لیکن میں تمہیں بتادوں، ہم طبانیہ سے خوفزدہ ہیں۔ ابھی تم یہ بات نہیں جانتے کہ بے شمار طبانیہ کے لوگ یہاں مقامی لوگوں کی حیثیت سے آباد ہیں اور یہاں سے ٹولیاں بن بن کر جاتی ہیں اور بستیوں میں تباہی مچاتی ہیں۔ ہم ان سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ وہ ہمارے آدمی کو جس طرح چاہے استعمال کرسکتے ہیں، دل سے کوئی ان کے ساتھ نہیں ہے، لیکن سب کو اپنی زندگی عزیز ہے۔ تھوڑے دن پہلے کی بات ہے کہ ایک بستی میں تباہی پھیلی تھی اور اب وہ بستی غیرآباد ہے۔ جو شخص تباہی پھیلانے کا سبب بنا تھا۔ وہ اب طبانیہ میں رہتا ہے۔ انہوں ے بے شمار لوگوں کو اپنے لئے مخصوص کرلیا ہے۔ انہیں ڈرا دھمکا کر انہیں لالچ دے کر انہوں نے انہیں اپنی مدد پر آمادہ کیا ہے۔ طبانیہ جو ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ وہ آگ اور دھماکوں کے ہتھیار ہیں۔ ان ہتھیاروں کو وہ آسمان کا جادو کہتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر طبانیہ کے ساتھ کوئی مقابلے کا سوچے تو آسمان کا جادو انہیں تباہ کردیتا ہے، یہ سب سے خراب مسئلہ ہے اور تمہارے پاس اس کا کوئی حل نہیں ہے۔''

ہمیں بہت سی صورت حال کا اندازہ ہوتا جارہا تھا۔ یہاں ایک بہت ہی بہتر بات ہوئی ہے اور وہ یہ کہ ہمیں طبانیہ کے لباس مل گئے، اور یہ لباس ہم نے اپنی جسامت کے لحاظ سے محفوظ کرلئے۔ تاکہ مناسب موقع پر وہ ہمارے کام آجائیں۔ پھر کافی دنوں تک ہم یہاں رہے، خیر کوئی پریشانی کی بات نہیں تھی۔ آخرکار یہاں قیام کے بعد اور طبانیہ کا نقشہ مرتب کرنے کے بعد ہم لوگ وہاں سے چل پڑے۔ محسن خان اب بہت زیادہ شرارتیں کرنے لگا تھا۔ کئی بار اس نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا تھا کہ اب زندگی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ تھوڑی بہت جو زندگی باقی ہے وہ ان ہی پراسرار وادیوں میں گزر جائے گی۔ یہ وادیاں ہمیں زندہ کبھی نہیں جانے دیں گی۔ لیکن میں اس قدر ناامید نہیں تھا۔ میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے، اگر تو مرگیا، تو تیری لاش تو میں اٹھا کر جدید آبادیوں تک نہیں لے جاسکتا، لیکن ایک وعدہ تجھ سے کرتا ہوں کہ لوگوں کو اکٹھا کرکے کسی مناسب جگہ تیری یادگار ضرور بنادوں گا، اور وہاں خود اپنے ہاتھوں سے پھول چڑھاؤں گا۔''

''خیر یہ بات میں بھی کہتا ہوں تجھ سے اگر واقعی میں مرنے لگا، تو اکیلا نہیں مروں گا، کوئی نہ کوئی ایسی ترکیب ضرور نکال لوں گا، کہ تو بھی میرے ساتھ ہی مرجائے۔''

میں ہنس کر خاموش ہوگیا، واقعی محسن خان کا ساتھ چھوڑنا میرے لئے بھی ممکن نہ تھا۔ ہم اس بستی سے چل پڑے۔ ہمارے گھوڑے ہمارا ساتھ دے رہے تھے۔ طبانیہ کے نقشوں کی ترتیب جیسا کہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں ہو چکی تھی، تقریباً چھ دن اور چھ راتوں کا سفر طے کرکے آخر کار ہم ایک عجیب و غریب جگہ پہنچے، یہ ایسی پہاڑی چٹانیں تھیں، جو آگے جا کر ایک دم ختم ہو جاتی تھیں اور ان کے پیچھے خوفناک گہرائیاں تھیں اور ان عمارتوں کے درمیان انسان ننھے ننھے کھلونوں کی مانند چلتے پھرتے اور عمل کرتے نظر آتے تھے، یہاں رک کر ہم بہت دیر تک اس عجیب و غریب مملکت کو دیکھتے رہے، جس کا نام طبانیہ تھا، ہم یہ فیصلہ نہیں کر پارہے تھے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے حالانکہ راستے میں ہم نے طبانیہ کے لباس پہن لئے تھے اور اپنی رائفلوں اور ایمونیشن کے ساتھ مکمل طور پر طبانیہ بن گئے تھے، لیکن اس کے باوجود یہاں کا مکمل جائزہ لینے کے بعد ہی ہم ان کے درمیان جاسکتے تھے ورنہ کوئی بھی خطرہ ہماری زندگیاں ختم کرسکتا تھا۔

اب اسے تقدیر کی کہانی کہا جائے، یا پھر تدبیر کی کاریگری کہ ہم اب ان لوگوں میں پوری طرح سے کھپ گئے تھے، اور بستی کے کسی بھی شخص نے ہماری طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ہمارا یہاں پہلا دن اور پہلی رات بھی گزر گئی، لیکن کوئی کارروائی وجود میں نہیں آئی، جو مشکلات کا باعث ہوتی جب ہمیں یہ اندازہ ہوگیا کہ ہماری شخصیت یہاں بے داغ ہے، تو ہم نے طبانیہ کی آبادی کا جائزہ لینا شروع کردیا، ہمیں یہاں کے بارے میں مکمل معلومات درکار تھیں، اور سب سے پہلے کوئی ایسا ٹھکانہ دریافت کرنا تھا جو ہمارے قیام گاہ کی جگہ مہیا کردے، بڑی احتیاط کے ساتھ ہم نے اس پوری وادی کا چکر لگایا۔

ہم نے دیکھا کہ یہاں کے رہنے والے ہمارے نقوش ہی رکھتے ہیں، شاید یہ ہی بات تھی جس کی وجہ سے ہماری طرف کسی کی توجہ نہیں گئی تھی۔ اینٹوں کے مکانات میں زندگی گزارنے کا انداز چند ہی لمحوں میں اپنی وضاحت کردیتا تھا، ہم کسی ایسے مکان کی تلاش میں تھے، جو ہمارے لئے بہتری مہیا کرے، پھر محسن خان نے یہاں اپنی ذہانت کا مظاہرہ کیا، ایک بوڑھی عورت شیزا اپنا سامان اٹھائے جارہی تھی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ محسن خان نے جلدی سے آگے بڑھ کر شیزا کو روکا۔ اور اس کا سامان اپنے شانوں پر رکھتے ہوئے بولا۔

''بڑی اماں...... یہ تو بری بات ہے، کہ ہم جیسے جوانوں کا سامنا ہونے کے باوجود تم اپنا سامان خود اٹھائے جارہی ہو۔''

بوڑھی نے ہمیں حیرت سے دیکھا، اور پھر آہستہ سے بولی۔

''کون ہو بیٹا تم؟''

''لو بڑی اماں بیٹا کہنے کے بعد پوچھ رہی ہو، کون ہیں ہم؟''

محسن کی چرب زبانی پر میں مسکرا دیا۔

بوڑھی عورت کے چہرے پر ایسے آثار تھے جیسے وہ رونے والی ہو۔''

محسن نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''اپنا گھر بتاؤ تاکہ ہم تمہارا سامان تمہارے گھر پہنچادیں۔''

''میرے ساتھ چلے آؤ۔''

اور ہم بوڑھی کا سامان لئے ایک چھوٹے سے پکے جھونپڑے میں چلے آئے۔ جس کا دروازہ بند نہیں تھا۔ محسن خان نے کہا۔

''اماں جب بھی کوئی کام ہو ہمیں آواز دے لینا۔''

''سنو بیٹا کہاں جارہے ہو؟''

''بس اماں چلتے ہیں۔''

''بیٹا ایسے نہ جاؤ، میرے ساتھ کچھ وقت گزار لو۔ آج تم نے میرے دل میں دبے ہوئے نجانے کون کون سے دکھ تازہ کردیئے ہیں۔'' محسن خان

جھونپڑی کی زمین پر بیٹھ گیا اور بولا۔

''بڑی اماں، تم دکھی نہ ہو، یقین کرو، جب ہم نے تمہیں سامان اٹھا کر لڑکھڑاتے قدموں سے جاتے ہوئے دیکھا، تو دل نے کہا۔

''لعنت ہے ہماری جوانی پر، جو تمہارے کام نہ آ سکے، اپنے دل سے ہر دکھ نکال دو، جب ہمیں آواز دو گی ہم تمہارے پاس ہوں گے؟

''بیٹا طبانیہ ہو؟''

''ہاں بڑی اماں!''

''تو پھر تھوڑا وقت میرے پاس گزارو، تمہارا گھر کہاں ہے؟''

''نہیں بڑی اماں، ہمارا کوئی گھر نہیں ہے۔''

''ارے واقعی؟ اگر ایسا ہے تو کیا یہ جھونپڑا تمہارے لئے کارآمد نہیں ہوگا؟''

''نہیں اماں جھونپڑا تمہارا ہے۔''

''بڑی اماں، بڑی اماں لئے جا رہے ہو حالانکہ جب میں نے تم سے سامان اٹھانے کے لئے منع کیا تھا، تو تم نے کہا تھا کہ بیٹا کہہ رہی ہو، اور سامان اپنے سر پر رکھوانے سے گریز کر رہی ہو۔''

''کیا کیا ہے میں نے؟''

محسن خان بولا۔

''تو بڑی اماں کہہ کر تم جھونپڑے کو میرا کہہ رہے ہو۔''

''لو بھئی یہ تو بہت برا ہوا۔''

''کیوں، کیا ہوا؟''

''بڑی اماں کو ہماری وجہ سے تکلیف ہوگی۔''

''بیٹا تمہاری وجہ سے مجھے یہ ہی تکلیف ہو سکتی ہے، جو اس وقت ہوئی۔ یعنی یہ کہ میں اتنا بوجھ اٹھانے سے بچ گئی، میرے دو جوان بیٹے ہوں، تو میری زندگی بٹ جائے گی۔''

''مگر بڑی اماں۔''

''اگر مگر کچھ کچھ نہیں، اب تم میرے پاس ہی رہو گے، میرے پاس سب کچھ ہے، کھانے پینے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ بڑی اچھی زمینیں ہیں میری اس سے سبزیاں آتی ہیں۔ لیکن بس تنہا ہوں۔ دنیا میں ایک بیٹا تھا۔ جس کا نام نواز تھا اور بس اس کے بعد نواز دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور میری زندگی میں کچھ نہ رہا۔ اب اگر تقدیر نے مجھے دو بیٹے عطا کر دیئے ہیں تو کم از کم میرے ساتھ یہ سلوک تو نہ کرو۔''

محسن خان نے میری طرف دیکھ کر مجھے آنکھ ماری۔ اور بولا۔

''یہ تو بہت بری بات ہوگی، بڑی اماں آپ سمجھیں گی کہ ہم۔''

''کچھ نہیں سمجھوں گی میں، کچھ نہیں کہوں گی میں، تم بس میرا دل نہ توڑو۔''

''یوں ہماری یہ مشکل بھی حل ہوگئی۔''

اور بوڑھی عورت محسن خان کو نواز کہہ کر مخاطب کرنے لگی۔ وہ ہم دونوں سے بہت متاثر نظر آتی تھی اور اس نے ہم سے اپنے بیٹے کے بارے میں بہت سی باتیں کیں اور اس نے مجھے شالو کہہ کر مخاطب کیا۔

لیکن نام کوئی بھی ہو ہمیں تو اپنا مقصد پورا کرنا تھا۔ بوڑھی کی تھوڑی سی خدمت ہو جاتی، تو وہ الگ منافع کی بات ہے، ظاہر ہے دعائیں بھی مل سکتی تھیں۔ یہ ساری صورتحال خاصی دلچسپ تھی اور ہم یہ جائزہ لینے کی کوشش کر رہے تھے کہ طبانیہ کا سربراہ کون ہے؟ اور کس طرح وہ ان لوگوں کو کنٹرول کرتا تھا؟ ہماری سمجھ میں کافی دن تک یہ بات نہیں آ سکی تھی، اور ہم مسلسل یہ جائزہ لینے کی کوشش میں مصروف تھے۔ اب چونکہ یہاں ہمارا ایک مقام بن گیا تھا۔ اور بوڑھی کے ساتھ رہتے ہوئے کسی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، البتہ بستی کا چکر لگاتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ پوری آبادی میں بھٹیاں لگی ہوئی ہیں اور ان بھٹیوں پر بہترین ہتھیار تیار کئے جا رہے ہیں، یہ ہتھیار لازمی بات تھی اس جنگ کے لئے تیار کئے جا رہے ہیں۔ جو یہ لوگ لڑنے والے تھے، ہم ان لوگوں کی مہارت کا جائزہ لے رہے تھے، اور اس تشویش کا شکار بھی تھے کہ بے چارے آبادیوں والے

کتنی مصیبت میں گرفتار ہوجاتے ہیں اور انہیں زیادہ تر اس مصیبت کا علم نہیں ہے۔ بہرحال اس کے بعد محسن خان نے کہا۔

''کیا خیال ہے؟ طبانیہ کی یہ آبادی تو بڑی سنگین نوعیت کی حامل ہے، ہم کیوں نہ آگے بڑھ کر طبانیہ کا جائزہ لیں؟''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ہم اچھی طرح طبانیہ کو دیکھیں اور اس پر غور کریں کہ یہاں کیا ہورہا ہے؟

''بات بہتر ہے اور تجویز عمدہ میں سمجھتا ہوں، ہمیں اس سے اچھی خاصی معلومات ہوجائیں گی۔''

''لیکن شرط یہ ہے کہ یہ کام بڑی احتیاط اور خفیہ طور پر کرنا چاہئے، اور ایک طرح سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اپنے آپ کو کسی بھی مشکل میں منظر عام پر نہ لایا جائے، کیا خیال ہے تمہارا؟''

''اچھا آئیڈیا ہے؟''

''تو پھر اب کیا کہتے ہو؟''

''میں سمجھتا ہوں، ہمیں چلنا چاہئے۔'' اور پھر ہم دونوں نے تیاریاں کرلیں۔ بڑی اماں سے اجازت مانگی، تو وہ بڑی محبت سے ملیں۔ پھر کہنے لگیں۔

''تم جلدی واپس آنا، جب تم نے مجھے محبت دی ہے تو اس عمر میں مجھ سے یہ محبت چھیننے کی بات نہ کرنا۔''

بہرحال اس کے بعد ہم لوگوں نے مختصر تیاریاں کیں، اور پھر وہاں سے چل پڑے۔ پھر ہم کافی طویل فاصلہ طے کرکے طبانیہ سے دور نکل آئے تھے۔ طبانیہ کی آبادی ہمارے لئے حیرتوں والی تھی۔

ہم اس کے اطراف کا جائزہ لے رہے تھے، بلندیوں پر سے نیچے اترتے ہوئے دور دور تک گلابوں کی بہار چھائی ہوئی تھی۔ بادلوں کے سائے میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے گلابوں کی خوشبو کو دور دور تک پھیلا رہے تھے۔ اور ہم اسے وادی گلاب کہہ سکتے تھے کہ ان علاقوں میں آنے کے بعد طبیعت پر ایک عجیب سا سحر طاری ہوگیا تھا۔ سفر کے پہلے مرحلے میں ہم اس پھولوں کی وادی سے گزرے۔ اس کے بعد ہمارا واسطہ ان گھنے جنگلوں سے پڑا جن کے سائے روشنی کو زمین تک پہنچنے نہیں دیتے تھے، ان کی شاخیں آپس میں الجھی ہوئی تھیں اور ان کے نیچے اندھیرا پھیلا رہتا تھا اور اس جگہ گھوڑوں میں سفر کرنے پر کافی پریشانی ہورہی تھی اور وہ جگہ جگہ رک جاتے تھے، آگے چل کر یہ جنگل اور خوفناک ہوگئے تھے، درختوں کی شاخوں سے لمبے لمبے سانپ لپٹے رہتے، جن سے بچ کر نکلنا دن کی روشنی میں بھی دشوار تھا، رات کو یہ سفر اور بھی خطرناک ہوگیا، لیکن اب چونکہ یہاں آگئے تھے اس لئے واپس بھی نہیں جاسکتے تھے۔ البتہ ان علاقوں میں قیام کا تصور نہیں ہوسکتا تھا۔ کوئی بھی لمحہ موت کا لمحہ بن سکتا تھا۔ البتہ خوش بختی تھی کہ جنگلوں میں درندے نہیں تھے بلکہ خوفناک حشرات الارض تھے۔ بہرحال اس سنسنی خیز وادی کا اختتام اس وقت ہوا، جب سورج بلند ہوگیا، رات کو ہم تھکن سے بری طرح سے چور ہوگئے، یہاں کا سفر بے حد سنسنی خیز ہوگیا تھا۔

جنگل سے باہر تاحد نگاہ ویران پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اونچی نیچی بھورے رنگ کی چٹانیں جگہ جگہ سر جوڑے کھڑی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان کوئی ایسی پگڈنڈی نظر نہیں آتی تھیں کہ جسے دیکھ کر احساس ہو کہ ان راستوں پر بھی انسانی قدم آچکے تھے، یا ان پر سفر ہوتا رہا ہے۔ حشرات الارض یہاں بھی پہاڑوں کے درمیان موجود تھے اور چٹانوں کے درمیان رینگتے پھر رہے تھے، چنانچہ ہم نے ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں آس پاس کوئی چٹان نہیں تھی۔

البتہ فاصلے پر بہت بڑی چٹانیں نظر آرہی تھیں، یہاں پہنچنے کے بعد ہم گھوڑوں سے اترے، پھر ہم نے گھوڑوں کی پشت سے وہ سامان نیچے اتارلیا جسے ہم ساتھ لے کر آئے تھے، گھوڑوں کے پاس چارہ اور پانی رکھنے کے بعد ہم دونوں لمبے لمبے لیٹ گئے اس سفر کی حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس دوران میں نے یا محسن خان نے آپس میں کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔

''اصل میں یہ سب ہماری توقع کے خلاف تھا۔''
پھولوں کی وادی گویا ان وہاں آنے کی دعوت دیتی تھی۔
''جنگل بہت گھنا اور بہت خوفناک تھا۔''
''آخر کار ہم نے اپنا ٹھکانہ ڈھونڈ لیا۔''
ہم اس وادی کو خطرناک کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک سرخ دھوکا تھا اور اس دھوکے کو کھا کر آگے کا سفر جان لیوا ہوسکتا تھا اور اس دوران ہم نے آپس میں کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ بہرحال اب آنکھیں کھلی رکھنا ضروری تھا۔ ورنہ شاید اس جنگل میں داخل ہونے کے بجائے دس بیس میل لمبا راستہ منتخب کرلیا جاتا، تو زیادہ بہتر ہوتا، آگے چل کر یہ خیال تھا کہ جبکہ زیادہ سے زیادہ جنگل میں جانوروں سے مڈبھیڑ ہوسکتی ہے اور بہرحال یہ بات ہمارے لئے زیادہ خطرناک ہوسکتی تھی۔ محسن خان تو بالکل نیم مردہ حالت میں زمین پر پڑا ہوا تھا، میری اپنی حالت بھی بہرحال زیادہ بہتر نہیں تھی۔

چنانچہ میں نے صاف جگہ پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں اور تھوڑی دیر کے بعد میں بے خبر ہوگیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس وقت محسن خان کی کیا کیفیت ہے، لیکن بہرحال تھوڑی دیر تک میں سوتا رہا، پھر آنکھ خود بخود کھل گئی تھی۔ میں نے ایک نگاہ محسن کو دیکھا وہ بے سدھ ہورہا تھا۔ ہم نے ایک دن یا اب تک کچھ کھایا بھی نہیں تھا، یہ جگہ اتنی خطرناک تھی کہ کھانے پینے کا تصور بھی ذہن میں نہیں آسکتا تھا، گھوڑوں نے البتہ کھاپی لیا تھا۔

ایک بار پھر میں نے محسن خان کی طرف دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ جاگ گیا ہوگا تو وہ کچھ کارروائی کی جائے، بہت دیر سے کچھ کھایا نہیں تھا اور جب تھوڑی سی تھکن دور ہوگئی تو بھوک لگ رہی تھی۔ بہرحال محسن خان کے انداز سے یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ بہت زیادہ تھکا ہوا ہے اور نیند میں اس قدر مست ہے کہ کھانے کے بارے میں نہیں سوچے گا۔

بہرحال زیادہ دیر نہیں گزری تھی، تھوڑا بہت کھانا پینا کرکے میں سونے کے لئے لیٹا گیا، اچانک ہی فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں اور میں اچھل کر بیٹھ گیا۔ یہاں بھی مصیبتیں تعاقب کررہی ہیں۔ میں نے دل میں سوچا۔ محسن خان کی بھی یا تو نیند پوری ہوگئی تھی۔ وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے بڑے عجیب انداز میں پوچھا؟
''آگئے؟''
''کون؟''
''پٹاخے والے؟'' وہ مخصوص انداز میں بولا اور مجھے ہنسی آگئی۔
''ہاں! تمہاری شادی کی خوشی میں فائرنگ ہورہی ہے۔''
''نہیں، مجھے زندگی کی خوشیوں سے محروم کردیا گیا ہے۔ ہائے وہ کیا سوچتی ہوگی، اپنے دل میں کہ ایک محبوب ملا، تو ایسا نامکمل، کہ دوسروں کے قبضے میں زندگی گزار رہا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے، مجبوری ہے۔ انسان کبھی کبھی اپنی مرضی سے بھی جی بھی نہیں سکتا، فائرنگ کی آواز اچھی خاصی تیز ہوگئی تھی۔'' اچانک ہی محسن خان چونکا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔
''ارے تم۔''
'''اوور ایکٹنگ کررہے ہو، اچھی نہیں لگ رہی۔''
''ایکٹنگ کہو گے تم اور میں، زندگی کے سب سے بڑے دکھ میں مبتلا ہوں، آہ وہ، ارے باپ رے باپ، یہ گولیاں ہیں ہماری جانب رخ نہ کرلیں۔''
''آؤ دیکھیں۔''
''میری نظر کمزور ہوگئی ہے اور مجھے کچھ نظر نہیں آرہا۔'' محسن خان نے کہا۔ لیکن میں اب اس ہنگامہ آرائی کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور گھوڑے کی پشت پر سوار ہوگیا۔
''ارے، کیا مجھے اب اس بھرے جنگل میں تنہا چھوڑنے کا ارادہ ہے، حالانکہ میں سخت بھوکا ہوں۔''
میں نے محسن خان سے کوئی خاص بات نہیں کہی لیکن محسن خان میرا مطلب سمجھ گیا تھا، چنانچہ کراہتا ہوا اٹھا اور خود بھی گھوڑے پر سوار ہوگیا، ہم تیزی سے اس

پہاڑی سلسلے کی جانب چل پڑے، جدھر سے گولیاں چلنے کی آوازیں آرہی تھیں، ابھی ہم نے آدھا فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ اچانک پہاڑوں کے رخنوں کے بیچ میں سے ایک سر بلند ہوا اور ہم لوگوں کو دیکھنے لگا۔ پھر دونوں جانب سے رائفل کی گولیوں سے ہمارا استقبال کیا، ایک گولی محسن خان کے پاؤں سے نکل گئی تھی۔

میں چونکہ اس سے پہلے اس سر کو دیکھ چکا تھا، اس لئے میں نے اپنا رخ بدل لیا تھا، محسن خان بھی سمجھ کر میری جانب لپکا، ان لوگوں کی تعداد کافی تھی۔ انہوں نے پہاڑی چٹانوں پر سے پتھروں کی آڑ لے کر گولیاں برسانی شروع کردیں۔ اور ہمارے لئے گھوڑوں کی پشتوں پر بیٹھنا مشکل تھا، لیکن اس وقت ہم نہایت مہارت سے شہ سواری کا مظاہرہ کررہے تھے۔ بار بار ہمیں گھوڑوں کی پشتوں پر جھکنا پڑتا اور پھر سیدھے ہوکر ایسی چٹانوں کی آڑ تلاش کرنے لگتے جو فی الحال ان گولیوں سے محفوظ کرلیں۔

خاصا فاصلہ طے ہوگیا، گولیاں چلانے والوں کو یہ بھی احساس ہوگیا تھا کہ ان کی کوششیں ناکام ہوگئی ہیں۔

اتنا فائر کرنے کے بعد تو وہ ہم کو کیا بلکہ ہمارے گھوڑوں کو بھی ہلاک کرسکتے تھے۔ لیکن ہم ان سے بچتے رہے۔ البتہ تھوڑے فاصلے پر اب ہمیں ایک ایسی چٹان نظر آرہی تھی، جہاں ڈھلان تھی تھے، اور ہم یہاں پناہ لے سکتے تھے، یہاں صورت حال کچھ اور نظر آئی، ہم نے دیکھا کہ کوئی زمین پر پڑا ہوا ہے، اور اس کے چاروں طرف بہت سے گھوڑے سوار نظر آرہے ہیں، یہ گھوڑے سوار طبانی ہی تھے، خاص قسم کے لباس میں ملبوس جس شخص کے گرد وہ کھڑے تھے، وہ پتہ نہیں کون تھا۔

یہ بات بھی ذرا تعجب خیز تھی کہ انہوں نے طبانیہ کے لباس میں ہونے کے باوجود ہم پر گولیاں چلائی تھیں۔

بہرحال ان لوگوں نے ہمیں دیکھا اور پھر اچانک ان لوگوں نے ہم پر فائرنگ شروع کردی۔

بڑی عجیب بات تھی اور کیا یہ لوگ طبانی نہیں ہیں۔ تو کیا کسی مختلف گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ ہماری طرف ہونے والی فائرنگ آہستہ آہستہ شدت اختیار کرتی جارہی تھی، اس لئے مجبوری تھی اب ہم نے اپنی بندوقیں اتارلیں، چنانچہ مجھ سے پہلے محسن خان نے گولی چلائی اور انتہائی کامیاب نشانہ لگایا تھا بلند چٹان پر سے ہمارا نشانہ لگانے والا شخص اوندھے منہ نیچے آپڑا۔

اتفاق کی بات یہ تھی کہ جو شخص زمین پر پڑا ہوا تھا، اس کے قریب ہی اوپر سے گرنے والا نیچے آیا تھا، اچانک ہی زمین پر پڑے ہوئے شخص نے اسے جھپٹا مارا اور پھر دو فائر ہوئے اور زخمی شخص جو محسن خان کی گولی سے زخمی ہوا تھا، اچھل کر دور جا گرا۔ یہ فائر یقینی طور پر نیچے کھڑے ہوئے شخص نے کئے تھے۔ دوسرے لوگوں نے اس کی طرف رائفلوں کے رخ کرلئے۔ مجبوری تھی۔

چنانچہ ہم لوگوں نے گولیاں برسانی شروع کردیں، جس کی وجہ سے وہ زمین پر پڑے ہوئے شخص پر فائر نہ کرسکے۔ انہوں نے اس شخص کو ہلاک کرنے کی پوری کوششیں کی تھیں، مگر سات، آٹھ افراد تھے ان میں سے پانچ ہماری گولیوں کا شکار ہوگئے تھے، وہ بہ مشکل تمام گھوڑوں پر سوار ہوسکے تھے پھر انہوں نے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑادیا۔

انہوں نے جس سمت کا رخ کیا تھا، ہم نے اس طرف دیکھ لیا تھا، اب ہم ان کے جانے کے بعد ضروری تھا کہ ہم اس زمین پر پڑے ہوئے شخص کا جائزہ لیں، چنانچہ ہم آگے بڑھے اور اس شخص کے سر پر پہنچ گئے۔ جس نے گولی چلا کر اس شخص کو ختم کردیا تھا لیکن قریب پہنچ کر ہم نے اس شخص کی صورت دیکھی تو ہم حیرت سے چونک پڑے۔

وہ مرد نہیں، عورت تھی۔ اس کا پورا جسم کیچڑ میں لت پت ہورہا تھا۔ چہرے پر بھی چکنی مٹی کی موٹی تہہ چڑھی ہوئی تھی۔ صرف آنکھیں صاف تھیں۔ سر کے بال بھی مٹی میں لتھڑے ہوئے تھے اور یہ مٹی خشک ہوگئی تھی۔ شاید وہ کسی دلدل میں گر پڑی تھی۔ ایسا ہی محسوس ہورہا تھا۔ یا پھر ممکن ہے اسے دلدل میں ڈبو کر باہر نکالا گیا ہو، اس کی ٹانگوں سے بھی مٹی لپٹی ہوئی تھی، لیکن اس مٹی سے

بہتا ہوا خون صاف دیکھا جا سکتا تھا، یقینی طور پر اس کی ٹانگیں زخمی کردی گئی تھیں، میں نے محسن خان سے کہا۔

''محسن خان قرب وجوار میں اور کوئی زخمی تو نہیں ہے۔'' محسن خان نے گردن ہلائی اور اپنے گھوڑے کو چاروں طرف دوڑانے لگا۔ وہ ادھر ادھر گھوڑے کو دوڑانے لگا کہ اچانک ہی زمین پر پڑی ہوئی عورت نے کروٹ بدلی اور اچانک ہی اس نے مجھ پر فائر کردیئے۔ بمشکل اپنے آپ کو اس کے فائر سے بچایا تھا۔ پھر میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''بے وقوف کی بچی ہم تیری مدد کررہے ہیں اور تو ہم پر ہی فائرنگ کررہی۔''

ایک بار پھر مجھے اچھل کر ایک طرف ہٹنا پڑا اور اس کے بعد کوئی چارہ کار نہ رہا کہ میں اس کے ہاتھ سے بندوق چھین لوں۔ چنانچہ میں نے اچھل کر اس کے ہاتھوں پر ٹھوکر ماردی اور بندوق اس کے ہاتھوں سے نکل کر دور جا گری۔ لیکن وہ کافی تنومند تھی۔ لمبے قد اور بھرے بھرے بدن کی مالک تھی، لیکن مٹی میں لتھڑا ہوا چہرہ کافی خوفناک لگ رہا تھا صرف آنکھیں جو مٹی سے محفوظ تھیں۔ ورنہ مٹی میں اس کے تمام خدوخال چھپے ہوئے تھے۔

''اور کوئی زندہ نہیں ہے۔ بے شمار لاشیں پڑی ہوئی ہیں، مگر یہ حرافہ معلوم ہوتی ہے،'' محسن خان نے لڑکی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''اب کیا کیا جائے؟''

''اب تم سے کچھ کہوں گا تو برا مان جاؤ گے۔''

''برا ماننے والی کوئی بات ہوئی تو برا مانوں گا بلکہ تیرے جبڑے توڑ دوں گا۔''

''کیا کہا؟''

''ہاں محسن خان تو یہاں آکر خاصا بگڑ گیا ہے۔''

''یار تو سوچ یہ بھی کوئی زندگی ہے، نجانے ماضی کے کون کون سے دور میں بھٹک رہے ہیں، مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ ہماری داستان ماضی میں ختم ہوجائے گی۔

''اصل میں میں نے ان تمام چیزوں پر کبھی غور نہیں کیا لیکن اب مجھے موقع ملا ہے تو میں ان باتوں پر غور کررہا ہوں۔''

''مانتا ہوں اس بات کو مگر ہم ماضی میں ختم نہیں ہوسکتے۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ ماضی پیچھے ہے اور ہم حال کے لوگ ہیں، ہمارا نقصان جو کچھ بھی ہوگا، حال ہی میں جا کر ہوگا۔''

''اب ماضی، مستقبل، حال میں ان تمام باتوں کو نہیں سمجھتا، اوہو دیکھو غالباً اس کی ٹانگیں بالکل ختم ہوچکی ہیں۔''

محسن خان نے کہا۔

''میں پہلے ہی اسے دیکھ چکا تھا۔ میں محسوس کررہا تھا، کہ لڑکی پر نقاہت طاری ہوچکی ہے۔ اب ہمارے پاس اس طرح کے انتظامات تو تھے نہیں کہ اس کی ٹانگوں کی مرہم پٹی کریں، جو کچھ فوری طور پر ہوسکتا تھا، وہ کردیا، لڑکی نے عجیب سی نگاہوں سے پانی کے اس برتن کی جانب دیکھا جو شاید مرنے والوں میں سے کسی کا تھا اور میں نے فوراً ہی آگے بڑھ کر پانی ایک برتن میں ڈالا تو۔ لڑکی نے بے اختیار دونوں ہاتھ پھیلائے اور میں نے پانی کا برتن اس کے ہاتھ میں دے دیا، اس نے دانتوں سے اس خاص قسم کے چمڑے کی بوتل کا ڈھکن کھولا اور پھر وہ بوتل منہ سے لگالی، سارا پانی پینے کے بعد ایک دم اس پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی، ہم اسے دیکھ رہے تھے، میں نے محسن خان سے کہا۔

''یہاں کیا ہنگامہ آرائی ہوئی ہے؟''

''ان لاشوں میں سے ایک بھی یہ بتانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ویسے میرا خیال ہے یہ بھی مرگئی۔''

''نہیں یہ زندہ ہے۔''

''کیسے پتہ ہے؟''

''غور سے دیکھو۔''

''گویا تم اسے غور سے دیکھ رہے ہو۔''

”اس وقت میں بالکل مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”مرنے والوں کی تعداد پانچ چھ ہے۔“ محسن خان نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ اس کے زخموں پر پٹی باندھ دی جائے۔“

”چلو ٹھیک ہے، اب یہ کام تم سرانجام دو۔“

”بات ہے کہ چونکہ یہ ایک لڑکی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک لڑکی کی زندگی بچانا ہر مرد کا کام ہے چنانچہ یہ کام میں سرانجام دوں گا۔“

پھر محسن خان لڑکی کے بہت قریب ہوا اور ابھی اس نے لڑکی کے کپڑے پھاڑے بھی نہ تھے کہ کہ لڑکی سانپ کی طرح پلٹی اور اس نے پوری قوت سے محسن خان کے سینے پر لات ماری، محسن خان اچھا خاصا طاقتور آدمی تھا، وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا، پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہر لڑکی ہر مرد کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتی ہے کم بخت میں تیری مدد کر رہا ہوں۔“

پھر وہ آگے بڑھا، تو لڑکی وحشت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ اس بار اس نے ایک الٹی قلابازی کھائی اور پھر دھپ سے زمین پر جا گری، بہتا ہوا خون لکیریں بناتا ہوا دور دور تک پھیل گیا تھا۔ میں نے کہا۔

”یہ جنگل کی بلی ہے، تمہارے ہاتھوں پٹیاں نہیں بندھوائے گی۔ اسے یہ پٹیاں دے دو، یہ خود استعمال کر لے۔“

محسن خان نے پٹیوں کا ڈھیر لڑکی کے سامنے لگا دیا اور خود پیچھے ہٹ گیا، تب لڑکی کے چہرے پر سکون کے آثار نظر آنے لگے، اس نے ایک پٹی اٹھائی اور تھوڑی سی پیچھے کھسک کر ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی، پھر اس نے اپنے زخم پر پٹیاں باندھنا شروع کر دی تھیں۔

بہت دیر تک وہ یہ کام کرتی رہی۔ ہر آہٹ پر وہ وحشت زدہ ہرنی کی مانند چونک کر دیکھنے لگتی تھی۔ بہر حال ہم لوگ اس کے بارے میں اندازہ لگانے لگے، لڑکی کے نقوش بتاتے تھے کہ وہ بھی طبانیہ ہے۔ لیکن اب یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

ہم نے ہر اس شخص کو طبانیہ سمجھ لیا تھا جس کے نقوش تھوڑے بہت جاذب نگاہ تھے، یا یہاں کے مقامی باشندوں سے مختلف!“

ہو سکتا ہے، طبانیہ جیسی شکلوں کا کوئی قصبہ آباد ہو ہم بلاوجہ ہر ایک کو طبانیہ سمجھ رہے ہیں۔“

لڑکی نے اپنے زخموں پر پٹیاں لپیٹ لیں، خون ان پٹیوں پر بھی لگ گیا تھا، لیکن اب زیادہ خون بہنے کا امکان نہیں تھا۔ اب وہ خاصی چاق و چوبند نظر آ رہی تھی۔

اس کے چہرے پر اب تھکن اور تکلیف کے آثار نہیں نظر آ رہے تھے۔ میں اور محسن خان اس کی اس عجیب و غریب کیفیت پر حیرت کا شکار تھے۔ لیکن یہ ایک قابل رشک بات تھی کہ اتنے زخم کھانے کے بعد بھی وہ اس وقت کافی پرسکون نظر آ رہی تھی، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ جسمانی طور پر خاصی طاقتور ہے اور پورے ہوش و حواس میں ہے۔ پھر میں نے کہا۔

”اب بتاؤ اس کا کیا کریں۔ یہاں پڑی پڑی تو یہ سڑ جائے گی۔ اور یہ بھی کوئی پتہ نہیں کہ اس کے دشمن کتنے فاصلے پر ہوں۔“

”مگر یہ گونگی اور بہری ہے۔ ابھی تک اس نے اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا۔ ہم کیسے اس سے معلوم کریں۔“

”دونوں ٹانگیں زخمی ہیں اس کی، کیا خیال ہے اسے ساتھ لے چلیں۔“

”لڑکی تو بولنا جانتی ہے۔ اگر بولنا جانتی ہے تو ہماری باتوں کا جواب دے؟“ میں نے کہا۔

”لڑکی نے اپنے چہرے سے کسی تاثر کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ محسن خان کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے اس کے ساتھ ہم صرف احسان کر سکتے ہیں۔“

”وہ کیا؟“

''اس کی کنپٹی پر رکھ کر ایک گولی داغ دو، ورنہ اس کے دشمن اس کے ساتھ نجانے کیا سلوک کریں۔''

میں نے چونک کر محسن خان کو دیکھا تو اس نے مجھے آنکھ ماردی۔تب میں نے کہا۔

''ٹھیک کہتے ہو، اس کی موت، اس کی زندگی سے زیادہ پرسکون ہوگی۔''

محسن خان نے کندھے سے رائفل اتاری، تو لڑکی بے اختیار چیخ پڑی۔

''تمہارا دماغ خراب ہے کیا، میں زندہ ہوں، ہوش وحواس میں ہوں، لگتا ہے تم دونوں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے ہو۔''

محسن خان کے حلق سے ایک قہقہہ نکل گیا۔

''دیکھا تم نے اتنی دیر سے ہم کوشش کررہے تھے، یہ زبان سے ایک لفظ نہیں پھوٹ رہی تھی، یہ ہوتی ہے ترکیب نمبر III ''ایک سو گیارہ'' تو اے بولنے والی لڑکی! اب تو بتا کہ ہم تیرے لئے کیا کریں، تیرے دشمن اگر آگئے تو تیرا حساب کتاب کردیں گے۔''

''یہ اتنا آسان نہیں ہوگا، وہ بہت دیر سے یہ کوشش کررہے تھے، اور اس میں ناکام رہے تھے۔''

''مگر تو......؟''

''دیکھو تم یہاں سے چلے جاؤ، تمہارا بہت بہت شکریہ۔ اسلحہ موجود ہے۔اصل میں میرے پاس اسلحہ ختم ہوگیا تھا، میرا مطلب ہے، گولیاں، ورنہ جب تک میرے پاس گولیاں تھیں، میں نے انہیں قریب نہیں آنے دیا۔وہ تین دن سے میرا تعاقب کررہے ہیں اور تین دن کے بعد اپنی ان کوششوں میں کامیاب ہوگئے ہیں۔''

''چلو تسلیم کرلیا، لیکن اب تمہاری ٹانگیں بے کار ہوچکی ہیں۔ان کے بغیر تم کیا کرسکتی ہو؟''

لڑکی نے ادھر ادھر دیکھا پھر بولی۔

''میرا گھوڑا ابھی مرچکا ہے۔کیا تم یہ دو رائفلیں اٹھا کر مجھے دے سکتے ہو، وہ جو سامنے پڑی ہوئی ہیں۔''

میری نگاہیں ان رائفلوں کی جانب اٹھ گئیں۔ یہ مرنے والوں کی رائفلیں تھیں، جو ہماری گولیوں کا شکار ہوئے تھے۔ میں نے محسن خان کو اشارہ کیا، اور محسن خان نے بڑھ کر وہ رائفلیں اٹھائیں، پھر انہیں لڑکی کے پاس لاکر بولا۔

''اب بولو۔''

لڑکی نے دونوں رائفلیں دونوں پاؤں میں پکڑیں اور اس کے بعد پھر میں نے ایک حیرت ناک منظر دیکھا رائفلوں کو بیسا کی کی طرح بغلوں کے نیچے دبا کر وہ پھرتی سے کھڑی ہوگئی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔اس نے کہا۔

''میں ان کے سہارے چلی جاؤں گی۔ایک بار پھر تمہارا شکریہ۔''

اس نے واقعی رائفلوں کے سہارے کئی قدم آگے بڑھائے۔اور ہم دونوں حیران رہ گئے، بہر حال مجھے فیصلہ کرنا تھا۔ میں نے کہا۔

''سنو۔ ہمارے گھوڑے ہیں۔ ان میں سے تم ایک گھوڑا لے لو، اور جہاں چاہے لے جاؤ، ہم تمہاری زندگی چاہتے ہیں۔''

لڑکی نے میری طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔

''نہیں! میں اپنی مدد خود کروں گی۔تمہارا میں شکریہ ادا کرچکی ہوں۔''

''نہیں کرپاؤ گی، زخموں سے بہہ جانے والا خون آخر کار تمہیں بے ہوش کردے گا۔''

''مگر میں نے کہہ دیا، کہ تم میرے لئے جو کچھ کرچکے ہو، اگر وقت نے اجازت دی تو میں تمہیں اس کا صلہ ادا کروں گی، بس اب تم یہاں سے چلے جاؤ، میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی اور نہ ہی تم مجھے مجبور کرسکو گے۔''

''ہم تمہیں مجبور کرسکتے ہیں، لیکن اب تمہیں مجبور کرنا نہیں چاہتے، کیونکہ ہم تمہارے دوست ہیں، دشمن نہیں۔''

''تم نے مجھے گھوڑا دینے کا وعدہ کیا ہے۔''

''ہاں......!''

''تو لاؤ، مجھے ایک گھوڑا دے دو۔''

''تم اس پر سوار ہو جاؤ گی؟''
''دے کر دیکھو۔''
''محسن خان! یہ بہت زیادہ بہادر بننے کی کوشش کررہی ہے، میرا خیال ہے اسے گھوڑا دے دو۔''
محسن خان نے تفریحاً ایسا کہا تھا۔لڑکی کی جو کیفیت ہم دیکھ چکے تھے وہ صاف بتاتی تھی کہ وہ اپنے بچاؤ کی کوشش ضرور کررہی ہے۔ محسن خان نے گھوڑا لے جا کر اس کے سامنے کھڑا کردیا اور پھر دوسرا حیرت انگیز منظر ہماری نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ وہ رائفلوں کے بل پر اچھلی، اور ایک ماہر سوار کی طرح گھوڑے پر جا بیٹھی ۔ اس نے رائفل بلند کر کے ایک فائر کیا اور اس کے ساتھ ہی گھوڑے کو ایڑ لگادی۔
''ابے، ابے!''
محسن خان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
اس نے اپنی رائفل سیدھی کرلی، لیکن میں نے اس کی رائفل پکڑ کر اونچا کردیا۔
''کیا احمق پن کررہے ہو؟''
''وہ سچ مچ گھوڑا لے گئی۔''
''تو پھر؟''
''تمہاری عقل ختم ہوگئی ہے، ہم کیا کریں؟ محسن خان؟ پہاڑوں پر پانچ گھوڑے بھٹک رہے ہیں، ان مرنے والوں کے گھوڑے، ان میں سے کوئی گھوڑا ہمارے کام آسکتا ہے، ان کا اسلحہ بھی موجود ہے۔''
''اوہ واقعی؟'' محسن خان نے کہا۔
''لو تم میرا گھوڑا پکڑو، میں اپنے لئے گھوڑوں کا بندوبست کرتا ہوں'' پھر میں نے کافی آگے جا کر ایک خوب صورت گھوڑا اپنے قبضے میں کیا تھا، واپس پہنچا تو محسن خان ان لوگوں کا اسلحہ اور کھانے کی اشیاء بھی اکٹھی کرچکا تھا۔ میں نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور اس کے بعد ہم دونوں چل پڑے، محسن خان کے چہرے پر عجیب تاثرات تھے۔ کافی فاصلے تک وہ منہ سے آواز نہ بھی نکال سکا، لیکن پھر یہ خاموشی طویل ترین ہوگئی۔ پھر اس نے کہا۔

''حقیقت یہ ہے کہ اس لڑکی نے ہماری کھوپڑیاں گھما کر رکھ دی ہیں، نجانے کون تھی؟ لیکن مصیبت کا شکار ہوئی تھی، ویسے جو کوئی بھی تھی، حیرت انگیز تھی، دونوں ٹانگیں ناکارہ ہونے کے باوجود یوں لگتا ہے کہ جیسے ان ٹانگوں کا اس کے وجود سے تعلق نہ ہو۔''
''نہ اسے اپنے زخموں کی پرواہ تھی، کمال ہے واقعی کمال ہے۔''
میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔
راستے طے ہوتے رہے، پہاڑ ریتلے میدان گھوڑوں کے قدموں تلے آتے رہے، پھر بہت دور سے ہم نے ایک پہاڑی سلسلہ دیکھا۔ ایک عظیم الشان پہاڑی سلسلہ جس کے درمیان ایک دراڑ بنی ہوئی تھی۔ بالکل ایسا لگتا تھا کہ جیسے پہاڑ کی چوٹی سے لے کر زمین تک دو حصوں میں تقسیم کردیا ہو، اگر یہ پہاڑی انسانی ہاتھوں کی تراش ہے تو ایک ناقابل تصور چیز ہے۔ بہرحال ہم وہاں سے تھوڑا آگے بڑھے، تو ہمیں پتھروں ہی سے بنی ہوئی وہ عمارت نظر آئی جسے عمارت نہیں کہا سکتا تھا۔ ایک عجیب وغریب سی جگہ تھی، ہم رک گئے۔ محسن خان نے کہا۔
''تم نے دیکھا۔''
''ہاں......!''
''اس کا مطلب ہے، انسان یہاں موجود ہوں گے۔''
''امکانات تو ہیں۔''
''مگر جگہ کون سی ہے؟''
''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''
''آؤ، دیکھیں۔''
ہم لوگ بڑی احتیاط سے وہاں پہنچ گئے۔ اور پھر ہم نے پتھروں کی اس عمارت کو غور سے دیکھا، خانقاہ کی سی کیفیت تھی، لیکن ویران خانقاہ میں کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ ہم لوگ عمارت کے دروازے سے اندر داخل ہوگئے۔ یہاں اس قدر سردی تھی بدن پر کپکپاہٹ کا سا احساس ہوا۔ جب کہ باہر کا موسم خاصا شدید تھا۔

عمارت کی ایک حیرت ناک شکل تھی۔ ہم اسے اندر سے دیکھتے رہے اور اس کے بعد ہم باہر نکل آئے۔ محسن خان نے کہا۔

''حقیقت یہ ہے کہ اس عمارت کو دنیا کی پراسرار عمارت کہا جاسکتا ہے۔''

''دنیا کی پراسرار چیزیں تو یہاں اور بھی بہت سی نظر آرہی ہیں، کیا واقعی تم وادی میں کسی چیز کو معمولی چیز کہہ سکتے ہو۔''

''نہیں، یہ بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں۔''

''دیکھو دوست! آج تک میں تمہاری باتیں مانتا چلا آیا ہوں۔ اس وقت تمہیں میری ایک بات ماننا ہوگی۔''

''بولو کیا۔''

''یہاں کم ازکم ایک ہفتہ قیام کریں گے۔ اتنا تھک چکا ہوں کہ زندگی سے بیزار ہوگیا ہوں۔''

''تمہاری مرضی جیسے دل چاہے کرو۔''

''واقعی صورتحال بڑی سنگین ہے، اس وقت اگر ہم نے اپنے جسموں کو سکون نہیں دیا تو ہم خود بیمار پڑجائیں گے۔''

''میں نہیں چاہتا کہ تم بیمار پڑو۔''

''تو پھر قیام کے لئے یہ عمارت جو باقاعدہ ایئرکنڈیشنڈ کی حیثیت رکھتی ہے، ہمارے لئے جنت سے کم نہیں۔''

اور میں مسکرا کر خاموش ہوگیا۔

ان ساری چیزوں کو دیکھنے کے باوجود ایک خیال دل سے نہیں نکلتا تھا۔ وہ یہ کہ یہ سارا سلسلہ جادو کا ہے اور ہم جدید دنیا کے لوگ ہیں۔ اور وہاں سے جادو کے ذریعے اس سحر زدہ زمین تک آئے ہیں۔ اس سلسلے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے بعد ہم کیا کریں گے، بہرحال خانقاہ کے گرد کا ماحول اتنا خوب صورت تھا کہ ہم نے یہاں پر قیام کا فیصلہ کرلیا، درختوں سے پھل توڑ کر کھائے۔

قرب و جوار میں ابھی تک کسی کی **موجودگی کا** کوئی شک وشبہ تک نہیں ہوسکا تھا۔ یہ اندازہ **بھی نہیں** ہورہا تھا کہ آس پاس کوئی آبادی ہے یا نہیں۔ تقریباً **کئی** گھنٹے کے بعد ہم واپس خانقاہ میں پہنچے۔ خانقاہ کی ٹھنڈک ایک عجیب وغریب کیفیت رکھتی تھی۔ ہم جب خانقاہ میں داخل ہوئے، اور ہم نے اس کا بھرپور طریقے سے جائزہ لیا تو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ خانقاہ میں ایک گول سا سوراخ بنا ہوا تھا۔ جو زیادہ بڑا نہیں تھا اور پتھر کی چٹان میں خود بخود پیدا ہوگیا تھا۔ اب اس سوراخ میں مدھم مدھم روشنی تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی سوراخ کے دوسری طرف موجود ہے، لیکن دوسری طرف جانے کا راستہ کس طرف موجود ہے۔ یہ بات حیران کن تھی۔ میں ادھر ادھر دیکھتا رہا۔

محسن خان اس طرف متوجہ تھا۔ پھر اچانک خانقاہ کے دروازے میں یعنی اس طرف سے جس طرف ہم داخل ہوئے تھے، کسی سائے کا احساس ہوا، اور ہم نے پلٹ کر دیکھا، تو ایک لمحے کے لئے پھر رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ سیاہ کفن نما لباس میں ملبوس ایک بدشکل بوڑھی عورت وہاں کھڑی ہوئی ہمیں دیکھ رہی تھی۔

اس کے بدن میں رعشہ تھا، اس کی گردن اس طرح ہل رہی تھی جیسے وہ اسے جان بوجھ کر ہلا رہی ہو، پھر اس کی کھرکھراتی آواز ابھری۔

''دیوتاؤں کے گھر میں تمہاری آمد کیا معنی رکھتی ہے۔ یہاں صدیوں سے عبادت ختم ہوگئی ہے اور اب یہ ایک ویران مسکن ہے۔ یہاں ایسا نہ کرو۔ جاؤ یہاں سے دور چلے جاؤ۔ عورت کی آواز میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ ایک پراسرار کیفیت جو لمحے میں سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ہم دونوں اسے دیکھتے رہے۔ پھر ہم نے کہا۔

''بزرگ خاتون ہم دونوں تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔''

''نہیں...... یہ جگہ عام لوگوں کے لئے نہیں ہے، تم جاؤ یہاں سے...... جوان طبانیہ یہاں سے چلے جاؤ۔ یہاں تمہارا رکنا تمہارے لئے خطرے کا نشان ہوسکتا

ہے۔ رات کی تاریکیوں میں یہاں جو آتے ہیں۔ وہ ٹھیک نہیں ہوتے۔ تمہارے لئے مشکل ہی مشکل ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو ہم مشکلات کو قابو میں کرنا جانتے ہیں۔"

محسن خان نے کہا۔

اور بوڑھی اسے گھورنے لگی۔ پھر بولی۔

"تمہاری مرضی میں نے تمہیں ہوشیار کردیا۔ اب بے کار ہے، ہٹو تھوڑا سا راستہ دو۔ وہ لرزتے قدموں سے اندر آ گئی اور محسن خان اسے غور سے دیکھتا رہا۔ میں نے بوڑھی کو ایک گوشے میں جاتے دیکھا۔ وہ دوزانوں بیٹھ گئی تھی اور پھر اس نے اپنا سر اپنے گھٹنوں میں جھکا لیا تھا۔ اس کے بعد وہ خاموش ہوگئی۔ محسن خان دیر تک اسے دیکھتا رہا، پھر اس نے کہا۔

"ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، میں تم سے بڑی بی! اس سوراخ کے دوسری طرف روشنی کیسی ہے؟"

لیکن بوڑھی نے اس بات پر کوئی جواب نہ دیا تھا۔ محسن خان نے کہا۔

"اس نے ہمارا یہاں آنا پسند نہیں کیا ہے۔ اس لئے تم اسے پریشان کرنے کی کوشش نہ کرو، وہ ہمیں کسی بات کا جواب نہیں دے گی۔"

محسن خان نے بوڑھی سے کئی سوالات کئے، لیکن بوڑھی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

چنانچہ وہ بھی خاموش ہوگیا۔ بوڑھی اس طرح ساکت پڑی تھی۔

خانقاہ میں قیام کرنے کے بجائے ہمیں باہر کا ماحول زیادہ دلکش معلوم ہوا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ یہاں اندر اس عمارت میں سردی بے پناہ تھی جبکہ موسم نہایت خوشگوار تھا۔ محسن خان نے کہا۔

"کیا میرا خیال تو یہ ہے کہ اندر کے بجائے ہم باہر زیادہ پرسکون رہیں گے۔"

میں نے اس سے اتفاق کیا، اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔ محسن خان کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی، باہر آ کر وہ جھیل کے کنارے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے کہا۔

عظیم رائٹر

Clive Barker نے جب اپنی معروف زمانہ کتاب Books of Blood لکھی تو اس کا ایک مسودہ اسٹیفن کنگ کو بھجوایا تاکہ وہ اس پر اپنا مختصر تبصرہ کریں۔ اس تبصرے کو اس کتاب کے سرورق اور پس ورق میں شائع کیا جانا تھا۔ اسٹیفن کنگ اس وقت اپنی شہرت کی بلندیوں پر تھے اور کلائیو بارکر نئے لکھنے والے رائٹر۔ اسٹیفن کنگ نے اپنا مختصر تبصرہ یوں دیا:

"اگر مستقبل میں کسی مصنف کا نام خوفناک ادب کے حوالے سے لیا گیا تو وہ کلائیو بارکر ہی ہوں گے کیونکہ کلائیو بارکر کو خوف کے وہ رموز معلوم ہیں جن سے میں آج تک ناواقف رہا۔"

یہ مختصر تبصرہ شائع کردیا گیا۔ لیکن وقت نے بتایا کہ اسٹیفن کنگ کا نام آج بھی اُسی شہرت کی بلندیوں پر ہے جبکہ کلائیو بارکر کے نام سے ایک دنیا ناواقف ہے۔ ایک عظیم رائٹر نے ثابت کردیا کہ اپنے ساتھ کے کسی رائٹر کی تعریف کرنے سے اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آسکتا کیونکہ اس میدان میں کام ہی بولتا ہے، اپنے منہ میاں مٹھو بننے والا نام نہیں چلتا۔

اقتباس: Books of Blood by Clive Barker, year 1984

(میاں یاور حسین، اسلام آباد)

''میں تمہیں ایک بات بتاؤں؟''
''کیا؟''
''وہ بوڑھی عورت نہیں ہے۔''
''کون؟''
''وہ جس کے پاس سے ہم آرہے ہیں۔''
''خانقاہ کے اندر۔''
''ہاں۔''
''تو پھر کون ہے وہ؟''
''کوئی جوان لڑکی ہے۔''
''کیا بکواس کرر ہے ہو تم۔''
''میں بکواس کرر ہا ہوں۔''
''ہاں۔تمہاری کھوپڑی خراب ہوگئی ہے۔''
''نہیں، تمہاری آنکھیں خراب ہوگئی ہیں۔''
''تم نے اسے غور سے دیکھا ہے۔''
''سوفیصدی۔''
''میں نے غور نہیں کیا، لیکن وہ۔''
''اس نے بوڑھی عورت کا میک اپ کیا ہوا ہے۔''
''زیادہ ماڈرن بننے کی کوشش مت کرو۔''
''میں ماڈرن نہیں بن رہا۔''
''تو پھر یہاں میک اپ کیسے کیا جاسکتا ہے۔''
''یہ میں نہیں جانتا، لیکن اس نے میک اپ کیا ہوا ہے۔''
''میں نہیں مانتا۔''
''مان لو گے۔ جب میں صورتحال بتاؤں گا۔تو مان لو گے۔''
''کیا صورت حال بتاؤ گے۔''
''سنو اگر اب بھی تم پلٹ کر دیکھو تو یہ خانقاہ میں کسی پتھر کے سوراخ سے یا دروازے سے گردن نکال کر وہ ہمیں دیکھ رہی ہوگی۔''
''بہت زیادہ اعتماد کا مظاہرہ کرر ہے ہو۔''
''اچانک پلٹ کر دیکھ لو۔''
''اس نے کہا اور میں نے پلٹ کر دیکھا درحقیقت ایک سایہ سا دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ میں نے حیرت سے محسن خان کو دیکھا اور بولا۔
''محسن خان کیا واقعی؟''
''یار کہہ رہا ہوں، کبھی کبھی محسن خان کی بات بھی مان لیا کرو۔''
''مگر کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے؟''
''ہے۔''
''تو پھر۔''
''اب اس کے لئے ایک اور تجربہ چاہو تو کر سکتے ہو۔''
''کیا؟''
''گھوڑے پر بیٹھو اور یہاں سے نکل چلو۔ اتنا فاصلہ طے کریں گے ہم اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوجائیں گے، گھوڑے کسی جنگل کے درخت سے باندھو، واپس آکر اسے دیکھو، میری بات کی تصدیق ہوجائے گی۔''
''نجانے کیوں مجھے محسن خان کی اس بات میں دلچسپی محسوس ہوئی تھی، میں نے کہا۔
''اگر ایسی بات ہے تو ٹھیک ہے، چلو چلتے ہیں۔ چنانچہ اس منصوبے کے تحت ہم خانقاہ کے دروازے پر آگئے اور اس طرح کی باتیں کرنے لگے جیسے یہاں سے جانے کا منصوبہ بنا رہے ہوں، اس وقت یہ اندازہ تو نہیں ہوسکا تھا کہ وہ ہمیں دیکھ رہی ہے لیکن بہرحال ہم گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے چل پڑے، محسن خان نے مجھے حیران کردیا، لیکن بہرحال وہ احمق نہیں تھا۔ کئی بار اس کا تجربہ ہوچکا تھا۔ ہم نے فاصلہ طے کرلیا۔ پھر میں نے کہا۔
''اب گھوڑے روکو گے، یا نہیں، واپس خانقاہ بھی جانا ہے۔''
''ہاں...... یہ جگہ ٹھیک ہے، یہاں گھوڑے باندھ دو۔''
''اچھا خاصا پیدل مارچ کراؤ گے، چلو اب واپس چلیں۔''
اس نے کہا۔ اور ہم چھپتے چھپاتے وہاں سے

واپس خانقاہ کی طرف چل پڑے۔ ازراہ احتیاط خانقاہ تک گھوڑوں پر سفر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے ہم نے پیدل کا راستہ اختیار کیا تھا۔ بس خواہ مخواہ دیوانگی طاری ہوئی تھی۔ ورنہ اس کی ضرورت تو نہیں تھی۔

''شدت جوش سے ہم بہت دور نکل آئے تھے، واپسی کے سفر میں میں نے دانت پیستے ہوئے محسن خان سے کہا۔

''اس میں کوئی شک نہیں محسن خان کہ تو اس کائنات کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔''

''اونہہ ابھی تم نے مصیبتیں دیکھی ہی کہاں ہیں۔''

محسن خان بولا، اور میری نظروں میں ماضی کی نہ جانے کون کون سی تصویریں گھوم رہی تھیں۔ ماں، باپ، بہنیں جو نہ جانے کہاں ہوں گے، پھر اس کے بعد کے بدلے ہوئے واقعات ان تمام چیزں کا تصور کر کے آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

محسن خان سچ مچ شیطان کا دوسرا عکس تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں شاید آنسوؤں کی نمی دیکھ لی تھی۔

دوسرے لمحے میں آواز ابھری۔

''یار......!''

''ہوں!''

میں نے چونک کر کہا۔

''رو رہے ہو۔''

''ہاں۔''

''کیوں؟''

''اپنی تقدیر پر۔''

''خیریت۔''

''خیریت پوچھ رہا ہے، اب نہ جانے کتنا فاصلہ پیدل طے کرنا پڑے گا۔ ڈ''

میں نے بات بتاتے ہوئے کہا۔

''ڈر رہے ہو۔'' وہ بولا۔

''کیا مطلب......؟''

''مطلب میں نہیں بتاؤں گا، وہ تمہیں ہی بتانا ہوگا۔''

محسن خان نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تیری کیفیت بھی عجیب ہے، محسن خان۔''

''کیوں؟''

''بس جب حماقتوں کے موڈ میں ہوتا ہے تو ایک سے ایک اعلیٰ پائے کی حماقت کرتا ہے۔''

''لیکن اپنی فطرت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟''

''مطلب؟''

''تمہارے اندر ایک خاص خوبی ہے۔ اگر میں کوئی ٹھیک بات کر لیتا ہوں تو تم میری تعریفوں کے پل باندھ دیتے ہو، اور کہیں چھوٹی سی غلطی بھی ہوگئی تو بس محسن خان تم یہ ہو تم وہ ہو۔''

''اول تو یار ہم اس منحوس چکر میں پڑ کر اپنی زندگی کے نجانے کتنے سال کھو بیٹھے ہیں۔ اب تو یوں لگتا ہے جیسے اس وادی میں پیدا ہوئے، اور اس میں مر جائیں گے۔ یقین کر بعض اوقات تو کلیجہ منہ کو آتا ہے اور یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کبھی کبھی زندگی میں ایک چھوٹی سی غلطی کی کتنی بڑی سزا ملتی ہے۔''

''یہ تو آسمانوں کی تاریخ ہے، دوست زمین پر اگر دہرا دی جائے تو تعجب کی کیا بات ہے۔''

''مثلاً؟''

''ایک چھوٹی سی غلطی نے ہی شیطان کو شیطان بنا دیا۔ ورنہ کیا عیش ہوں گے اس کے لیکن بس آ گیا، پہلے ہی جال میں۔''

''مجھے ہنسی آ گئی۔'' میں نے کہا۔

''تو مذہبی باتیں بھی کر سکتا۔''

''خیر ایسا نہ کہو، مذہب سے دور تو نہیں ہوں۔ میں کیا سمجھے۔''

میں خاموش ہو گیا، میرے ذہن میں بڑا تجسس تھا، اور میں بھی یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ واقعی وہ عورت ہے یا نہیں، طویل فاصلہ طے کرتے ہوئے ہم لوگوں کو لطف آ گیا تھا۔ پھر کچھ دیر کے بعد ہم چھپتے چھپاتے خانقاہ پہنچ

گئے، اور بڑی احتیاط کے ساتھ اس پراسرار خانقاہ میں داخل ہوگئے، خانقاہ میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا اور کسی انسان کا پتہ نہیں تھا۔ اب تو ہمیں اور بھی حیرت ہوئی۔ پھر میں نے اور محسن خان نے خانقاہ کا چپہ چپہ چھان مارا، لیکن پراسرار اور ویران خانقاہ میں واقعی کوئی موجود نہیں تھا۔ میں نے دانت پیستے ہوئے محسن خان کو دیکھا، تو وہ دونوں ہاتھ سامنے کرتا ہوا بولا۔

''خدا کی قسم یار اب تو میرے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔''

''لیکن میرے پاس بہت کچھ ہے۔''

میں نے بدستور جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ اور محسن خان ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

''تمہارا خیال ہے، وہ یہاں سے بھاگ گئی۔''

''میرا کوئی خیال نہیں ہے، صرف ایک خیال ہے، جس کی تکمیل مجھے کرنی ہے۔''

''ہاں بولو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم جو کچھ کہو گے، وہ کروں گا، یار بس کیا بتاؤں یہ اپنی دنیا تو تھی ہی شاعروں اور چالبازوں کی دنیا، لیکن ان پراسرار وادیوں میں بھی یہ سب کچھ ہوتا ہے، جن کی تاریخ کا بھی ہمیں کوئی پتہ نہیں ہے، خیر تم کہو میں اپنی ان حماقت کا ایک کفارہ ادا کرسکتا ہوں۔''

''جاؤ، دونوں گھوڑے لے کر آؤ۔''

''ارے باپ رے، مرگیا۔''

محسن خان کراہتا ہوا بولا۔

''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں واپس ان گھوڑوں تک جاؤں اور انہیں لے کر آؤں گا، تو اس خیال کو دل سے نکال دو، میں کبھی ایسا نہیں کروں گا، اگر تم نے اس خانقاہ سے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا تو میں اس کی مخالف سمت اختیار کروں گا۔ اور گھوڑے وہیں چھوڑ دیئے جائیں گے۔''

''نہیں...... ارے بھائی...... نہیں...... نہیں...... میں وقت سے پہلے مرنا نہیں چاہتا، لیکن ایک بات میں بھی کہے دیتا ہوں، تمہاری شرط مان رہا ہوں۔ جاتا ہوں اور گھوڑے لے کر آتا ہوں، لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا۔ اس خانقاہ میں، میں ذرا لمبا قیام کروں گا، میرے اندر اب ان پہاڑوں اور جنگلوں میں بھٹکنے کی ہمت نہیں ہے۔''

''چولہے میں جاؤ، مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

میں نے جواب دیا۔

اور محسن خان منہ بناتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ یہ سزا اس کے لئے بہت بہتر تھی۔ اپنے آپ کو بہت زیادہ ذہین ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اس نے، پھر جب وہ چلا گیا، تو میں نے سوچا کہ بات تو واقعی سنگین ہے، چلو ٹھیک ہے۔ وہ بوڑھی عورت بقول محسن خان کے جوان لڑکی بے شک نہیں تھی، لیکن تھی تو سہی۔ اگر تھی تو کہاں گئی؟''

دفعتاً مجھے اس جھیل کا خیال آیا، جو یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی اور میں نے دل میں سوچا کہ ممکن ہے بوڑھی جھیل کے پاس ہو۔ چنانچہ میں باہر نکل آیا، اور محسن خان کے بارے میں تو مجھے بہت اچھی طرح اندازہ تھا کہ ایک بار پھر اتنا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے دوبارہ فوراً ہی اتنا فاصلہ طے کرنا پڑے گا۔ وہ بہت دیر میں آئے گا۔

یہ الگ بات ہے کہ وہاں سے گھوڑوں پر بیٹھ کر وہ جلدی واپس آجائے۔ لیکن اس دوران میں جھیل کا جائزہ لے سکتا تھا۔

خوب صورت اور حسین جھیل دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ س کے کنارے درختوں سے بھرے ہوئے تھے اور ان کے درختوں پر پھول لگے ہوئے تھے۔ اچانک ہی نجانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس پراسرار جادونگری کا یہ حصہ بھی خاصا پراسرار ہو، ورنہ ان درختوں کے پھلوں کا کیا حصہ ہے۔ بہرحال جھیل کا یہ دلکش منظر بے حد حسین تھا۔ ابھی دور دور تک محسن خان کا کوئی پتہ نہیں تھا۔

چنانچہ کافی دیر تک جھیل کے پاس رہا، اور کچھ پھلوں کو سمیٹ کر میں واپس خانقاہ میں آگیا، اب اتنی بداخلاقی تو نہیں کرسکتا تھا کہ محسن خان کے بغیر پھلوں کو

کھانا شروع کر دیتا۔

پھلوں کو ایک جگہ رکھ کر میں نے سوچا کہ ایک بار پھر ذرا خانقاہ کا جائزہ لے لیا جائے، اور اس بار میں اس کا جائزہ بڑی گہری نگاہوں سے لیتا رہا۔ پھر اچانک ہی میری نگاہ ایک ایسی چیز پر پڑی۔ جسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ یہ دونوں رائفلیں تھیں۔ جو میں نے اس زخمی لڑکی کو دی تھیں اور انہیں بیساکھیاں بنا کر گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر ہوا ہو گئی تھی۔ میں نے سو فیصدی پہچان لیا، یہ وہی رائفلیں تھیں۔

"میرے خدا، میرے خدا۔"

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ وہ لڑکی تھی یا چھلاوا۔ پھر ان رائفلوں کی یہاں موجودگی کیا معنی رکھتی ہے، لاکھ کوشش کے باوجود میں کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

محسن خان واپس آ گیا۔ جس حال میں واپس آیا اسے دیکھ کر مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ جس نے دور ہی سے اسے دیکھ لیا تھا۔ ایک گھوڑے کی پشت پر اوندھا لیٹا ہوا تھا۔ دوسرا گھوڑا اس کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔ رفتار اتنی سست تھی کہ گھوڑے پر بیٹھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اگر انسان تھکا ہوا نہ ہو۔ قریب آنے کے بعد وہ گھوڑے سے نیچے اترا تھا۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"کیا مر گئے؟"

"مرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"کامیابی کتنی دیر میں حاصل ہو جائے گی۔"

"یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔"

"مرنا تو نیچے آ کر چاہتا ہوں۔ پر اترنے کو دل نہیں کر رہا۔"

"ابھی ایک منٹ۔"

میں نے اچانک ہی گھوڑے کے منہ پر ایک تھپڑ دے مارا۔

تھپڑ رسید کرنا تھا کہ گھوڑا دونوں پیروں پر کھڑا ہو گیا، اور محسن خان بڑے آرام سے نیچے آ رہا۔ البتہ گھوڑے نے دولتی ماری تھی اور محسن خان اس سے بچ گیا تھا۔ پھر وہ پھرتی سے کھڑا ہو گیا اور مجھے گھورنے لگا۔

"یہ کیا حرکت؟"

"گھوڑے سے اتارنے کا آسان نسخہ۔"

میں نے جواب دیا اور محسن خان گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا۔

"نہیں مروں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"کہا ناں، نہیں مروں گا۔"

"کیا ارادہ ملتوی کر دیا۔"

"ایسے نہیں مروں گا۔"

"تو پھر کیسے مرو گے؟"

"تم اگر چاہتے ہو کہ میں مر جاؤں تو تم خود سوچو، کہ تم عقل سے پیدل ہو۔"

"مطلب؟"

"یہ وادی ہے۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے۔"

"اور ہم ماضی میں سفر کر رہے ہیں۔"

"کر رہے ہیں۔"

"تو کیا ماضی میں مر جاؤں گا۔" اس نے کہا اور میں چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگا، پھر دفعتاً ہی میرے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔

"یار محسن خان تو بہت چالاک ہے؟"

"اور تم انتہائی احمق۔"

"اچھا بکواس بند کرو، چلو گھوڑے باندھ۔"

"یہ کام بھی میں کروں۔"

"تو اور کیا میں کروں گا۔"

"دیکھو پہلے کام کی تو تم نے مجھے سزا دی تھی۔"

"ہاں تو پھر؟"

"اب وہ سزا پوری کر چکا ہوں۔ یہ آخری کام ہے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"ہوتا ہے۔"

"نہیں ہوتا۔"

''تو پھر ٹھیک ہے، چھوڑ دو کھلے گھوڑے۔'' میں نے کہا اور محسن خان غصیلے انداز میں مجھے گھورنے لگا۔ پھر بولا۔

''خدا کی قسم کھاتا ہوں، گھوڑے نہیں باندھوں گا۔ یہ بھاگ ہی کیوں نہ جائیں۔ میرا کیا ہے، میں راہب حق بن کر اس خانقاہ میں بیٹھ جاؤں گا اور تم مجھے نہیں لے جاسکو گے۔'' اب ذرا کچھ زیادتی سی محسوس ہونے لگی تھی، چنانچہ میں نے گھوڑوں کو باندھا اور ہم دونوں اندر آ گئے، محسن خان نے پھلوں کے انبار دیکھے تو خوش ہو کر ان پر جھپٹا اور ٹھنڈی پر لیٹ کر پھل کھانے لگا، پھر بولا۔

''زندگی میں یہ لطف بھی حاصل ہو گیا، کبھی خواب میں بھی تم نے سوچا تھا، ویسے بات بڑی پر لطف ہے مزہ آ رہا ہے، کیا اس وقت، ویسے ایک بات بتاؤں، میں نے تو اچانک ہی سوچا تھا، بات سمجھ میں آتی ہے اور سچی لگتی ہے۔''

''کون سی بات؟''

''ہم ماضی میں مر نہیں سکتے، ایک نیا تصور، ایک نیا خیال تھا اور میں خود بھی اس بارے میں سوچ رہا تھا، واقعی اگر ہم وادی شاکال گومنی میں سفر کر رہے ہیں تو موت تو ہمی مستقبل میں آئے گی، یعنی اس وقت جب ہم اپنا عمل طے کر رہے ہوں، یہاں تو صرف ایک دیدہ ور کی حیثیت رکھتے ہیں اور تھوڑے سے باعمل بھی ہیں۔ محسن خان پھل کھاتا رہا اور میں سوچتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔

''محسن بھائی! ایک عجیب بات بتاؤں تمہیں؟''

''یہاں ساری باتیں ہی عجیب ہیں اور کوئی عجیب بات ہے تو وہ بھی بتادو۔''

''ایک گوشے میں مجھے وہ بندوقیں مل گئی ہیں۔''

''کون سی بندوقیں؟''

''وہی جو زخمی لڑکی نے لی تھیں۔''

''کیا؟''

محسن خان اچھل کر بیٹھ گیا۔

''ہاں!''

''اوہ! میرے خدایا۔''

''کیوں کیا ہوا؟''

''ایک بات میں بھی تمہیں بتاؤں۔''

''چلو تم بھی بتادو، میں منع نہیں کر رہا۔''

''وہ زخمی لڑکی جو ہمیں ملی تھی ناں۔''

''ہاں۔''

''اس کے داہنے ہاتھ پر ایک تل تھا اور میں سچ بتاؤں اس بوڑھی عورت پر مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ بوڑھی عورت نہیں ہے، وہ اس کے ہاتھوں کو دیکھ کر ہوا تھا۔

''مطلب۔''

''مطلب! یہ ہے کہ اس کے ہاتھ بہت خوب صورت اور نوجوان ہاتھ ہیں، اس نے اپنا پورا روپ بدل لیا تھا، لیکن ہاتھوں پر تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، ار اب مجھے یاد آیا ہے کہ ان ہاتھوں پر ایک تل بھی تھا۔''

''ناممکن ہے۔''

''اب تم جو کچھ بھی کہہ لو، یا کچھ اور کہہ لو لیکن میں اپنی بات سچ کہہ رہا ہوں۔''

''مگر وہ تو زخمی تھی۔''

''کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ زخمی نہ ہو، ویسے تمہیں ایک بات یاد ہے؟''

''کیا ہے؟''

''جب وہ وہاں پڑی ہوئی تھی اور ایسے پڑی ہوئی تھی جیسے مرگئی ہو تو ہم نے گولی مارنے کا فیصلہ کیا تھا۔''

''ہاں۔''

''اور اس کے لئے تیار بھی ہو گئے تھے۔''

''بالکل۔''

''اور وہ اچانک اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔''

''ہاں۔''

''جس طرح وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس سے کیا تم یہ اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ زخمی تھی؟''

''میں نے اتنا غور نہیں کیا؟''

''مگر میں نے غور کیا ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے، وہ زخمی نہیں تھی؟''

''بالکل یہ ہی مطلب ہے میرا۔''

''اور یہ مطلب ہے تمہارا کہ یہ وہی لڑکی تھی؟''

’’سو فیصدی۔‘‘

’’خیر سو فیصدی تو مت کہو غلط آدمی، میں نے تمہارے بغیر پھل نہیں کھائے اور تم مجھے پوچھے بغیر ہی پھل کھائے جا رہے ہو۔‘‘

’’ارے کیا واقعی۔‘‘ محسن خان نے شرمندگی سے کہا۔

’’اور اس کے بعد ہم پھل کھاتے رہے۔‘‘ پیٹ میں کھانا پہنچا تو بدن ڈھلنے لگا، اور ہم خانقاہ کی ٹھنڈی زمین پر لیٹ گئے۔ واقعی یہ زمین اس وقت پرلطف بستر محسوس ہو رہی تھی۔ اور نجانے کب اس پرلطف بستر پر ہمیں نیند آ گئی۔ گہری اور پرسکون نیند پھر ہم سوتے رہے، پھر جاگے تو رات ہو چکی تھی۔ خانقاہ میں اس طرح مکمل اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ایک پراسرار ماحول محسوس ہو رہا تھا۔ طبیعت پر ایک سا بوجھ سوار تھا۔

پھل موجود تھے، پیٹ تو بھرا جا سکتا تھا، اس کے علاوہ جھیل کے قرب و جوار پھیلے ہوئے جنگل میں جانور بھی مل سکتے تھے۔ لیکن رات اتنی ہو گئی تھی کہ اب شکار کا موڈ نہیں تھا۔ اچانک ہی پھر محسن خان نے کہا۔

’’حامد۔‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’چلو جھیل میں نہائیں؟‘‘

’’میرا دل بھی یہی چاہ رہا ہے۔‘‘

’’پسینے اور تھکن نے بدن بوجھل کر دیا ہے۔‘‘

’’نہانے کے بعد طبیعت خوشگوار ہو جائے گی۔‘‘

’’چلو۔‘‘

ہم نے باہر نکل کر گھوڑوں کو دیکھا اور پھر ان کی لگامیں کھول دیں۔ وفادار جانور مالکوں کا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ اس لئے ہمیں اس بات کی امید تھی کہ گھوڑے ہمیں چھوڑ کر بھاگیں گے نہیں بلکہ اپنی خوراک کھا کر واپس یہیں آ جائیں گے۔ گھوڑے ہماری امید کے مطابق تھوڑے سے آگے آگے اور جنگل کی گھاس چرنے لگے، جبکہ ہم دونوں درختوں کے پاس بیٹھ گئے اور وہاں اپنے لباس اتارنے لگے، لیکن ابھی ٹھیک سے لباس اتارنے بھی نہ پائے تھے کہ ہمیں گنگنانے کی آواز آئی۔ یہ کسی لڑکی کے گنگنانے کی آواز تھی۔

ہم دونوں چونک کر ایک دم سنبھل گئے، اور پھر ہم نے چھپ کر جھیل کی طرف دیکھا، ستاروں کی مدھم روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ بے شک چاند نہیں نکلا تھا لیکن ستاروں کی روشنی میں ہم دور دور تک منظر دیکھ سکتے تھے۔ اور ہمیں جھیل میں ایک شعلہ سا لپکتا نظر آیا۔ یہ وہی حسین لڑکی تھی جو اب جھیل میں نہا رہی تھی۔

اس کا راہباؤں والا لباس جھیل کے کنارے رکھا ہوا تھا۔ دفعتاً محسن خان نے کہا۔

’’دیکھا تم نے یہ بڑی شاطر لڑکی ہے۔‘‘

’’کیا خیال ہے۔ ہم بھی اس کی طرح شطرنج کھیلیں۔‘‘

’’کیسے؟‘‘

’’میں اس کے کپڑے اٹھا کر لاتا ہوں۔‘‘

’’نہیں...... محسن خان یہ ایک غیر اخلاقی حرکت ہے۔‘‘

’’اوہ، میرے پیارے بھائی صاحب یہ تم اچانک کیسے ہو گئے؟‘‘

’’ہم ماضی میں سفر کر رہے ہیں، جبکہ ہمارا اخلاق حال میں بلکہ اب تو یہ کہنا چاہئے کہ مستقبل میں خراب ہوا تھا، ماضی میں اس اخلاق کو خراب نہیں ہونا چاہئے۔‘‘

محسن خان نے اس انداز میں کہا کہ مجھے ہنسی آ گئی، پھر میں نے کہا۔

’’بس دیکھتے رہو، کیا ہوتا ہے؟‘‘

’’دیکھ بداخلاقی نہیں۔‘‘ محسن خان نے گھور کر بولا۔

’’اوہ، گدھے! تو وہاں جائے گا! تو اس کا لباس اٹھائے گا، تو کیا وہ تجھے دیکھ نہیں لے گی اور پھر ہمیں تو یہ اندازہ بھی نہیں ہے کہ وہ ہے کیا شے؟‘‘

’’جو کچھ بھی ہے، خدا کی قسم لاجواب ہے۔‘‘

محسن خان نے گنگناتے ہوئے کہا۔ دوسری طرف لڑکی کی گنگناہٹ سنائی دے رہی تھی۔

نجانے کیوں مجھ پر اخلاقیات کا بھوت سوار

ہو گیا تھا اور میں اسے دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔
پھر میں نے اسے مخاطب کیا۔
''محسن خان!''
''بولو؟''
''تیرا اخلاق کچھ زیادہ خراب نہیں ہو گیا؟''
''کیوں؟''
''ہم نے ہر طرح کے جرائم کئے، لیکن ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔''
''اس سے پہلے ہم کسی ایسی کیفیت کا شکار بھی تو نہیں ہوئے۔''
''پھر بھی انسانیت کوئی چیز ہوتی ہے۔''
''تو میں کیا کر رہا ہوں۔''
''آنکھیں بند کرلوں۔''
''بالکل۔''
''یہ ممکن نہیں ہے۔''
''کیوں؟''
''اس لئے کہ اس نے پہلے ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش کی ہے۔''
''وہ اس میں کامیاب نہیں ہو پائے گی۔''
''تو میں اسے ناکام ہی تو کر رہا ہوں۔''
وہ بولا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
''محسن خان تو واقعی بہت بدل گیا ہے۔''
''یار کیا کروں، وہ ایک عجیب عجوبہ تھی۔ وہ بھی چھین گئیں۔ اب کوئی نہ کوئی تو مرکز نگاہ ہو، کیا یہ واقعی پراسرار نہیں ہے۔''
''یہ لڑکی؟''
''ہاں، ویسے تو محسن خان، تمہارا کیا خیال ہے، کہ وہ لڑکی ہو سکتی ہے۔ جسے ہم نے سہارا دے کر گھوڑے پر بٹھایا تھا اور اس کے بعد وہ وہاں سے فرار ہو گئی تھی۔''
''کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ شکل وصورت سے تو وہ نہیں لگتی۔ لیکن بڑی شاطر اور چالاک ہے۔ مجھے تو پہلے ہی اس پر شبہ ہو گیا تھا۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔
پھر جب وہ جھیل سے باہر نکلی تو میں نے محسن خان کو گریبان سے پکڑ کر آگے کھینچ لیا، اب اس سے زیادہ بداخلاقی کی اجازت میں اسے نہیں دے سکتا تھا، چنانچہ ہم دونوں تھوڑی دور ہٹ گئے۔ تاکہ لڑکی لباس پہن لے، یہ فیصلہ ہم نے دل میں کرلیا تھا، کہ لباس پہننے کے بعد جب وہ یہاں سے جانے کی کوشش کرے گی تو ہم اسے مخاطب کریں گے اور اس سے کہیں گے کہ اس نے ہمیں دھوکہ دیا ہے، ہم نے اتنا وقت صرف جتنے وقت میں وہ لباس تبدیل کرے، اس کے بعد جب ہم واپس پلٹے تو وہ وہاں موجود نہیں تھی۔
میں نے اور محسن خان نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ تاحد نظر اس کا پتہ نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسے زمین نگل گئی ہو۔ محسن خان پھٹی پھٹی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔
''باپ رے، اب تو یہ یقین کرنا پڑے گا کہ وہ چھلاوہ ہے اور اسے تلاش کرنا ممکن نہیں ہے،'' میرے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔
''محسن خان یہ بات نہیں ہے۔''
''تو پھر کیا بات ہے؟''
''نہ وہ چھلاوہ ہے، نہ اس کو تلاش کرنا مشکل کا ہے۔''
''مگر کیسے؟''
''آؤ۔''
میں نے کہا۔ اور آگے بڑھ کر جھیل کے اس حصے میں پہنچ گیا۔ جہاں لڑکی کے کپڑے رکھے ہوئے تھے، یہاں میں نے جھک کر زمین کو دیکھا، لیکن یہاں ایسا کوئی نشان نہیں تھا جس سے لڑکی کے بارے میں کچھ پتہ چل سکے۔ محسن خان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔
میں نے جھلا کر کہا۔
''کیوں؟ دانت کیوں پھاڑ رہے ہو؟''
''جناب جاسوسی فرما رہے تھے ناں، آپ کا کیا خیال تھا کہ آپ کے قدموں کے نشانات تلاش کر کے

آگے بڑھ جائیں گے۔“

”ہاں، میرا یہ ہی خیال تھا، میں اس سے انکار نہیں کرتا۔“

”حضور والی وہ بھی کوئی اونچی چیز معلوم ہوتی ہے۔ آیئے ذرا آگے آیئے، نشانات یہاں نہیں ہوسکتے، آگے مل جائیں، پھر ہم دونوں آگے بڑھنے لگے لیکن حقیقت میں مجھے اس وقت بڑی شرمندگی اٹھانا پڑی تھی، جب کوئی ایک نشان نہیں ملا تھا اور میدان صاف نظر آرہا تھا۔ میرے چہرے پر غصے کے تاثرات تھے، میں نے کہا۔

”کم بخت بےوقوف بنا گئی۔“

”ہم اسے اچھی طرح جانتے ہیں اور اب مزید جاننے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے، کیا سمجھے!“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

محسن خان کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

”آؤ۔“

”کہاں؟“

”خانقاہ کی طرف۔“ میں نے محسن خان سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ اس بات کے امکانات میرے ذہن میں تھے کہ لڑکی ہمیں دوبارہ خانقاہ میں ملے گی، چنانچہ ہم تھوری دیر کے بعد خانقاہ میں داخل ہوگئے۔ اس سے پہلے ہم نے خانقاہ کے گوشے گوشے کو چھان مارا تھا لیکن وہ بوڑھی نظر نہیں آئی تھی جس کے بارے میں باہر جا کر محسن خان نے کہا تھا کہ وہ بوڑھی نہیں ہے بلکہ جوان ہے۔ اور اس کا جواب بھی پیش کیا تھا۔ غرض یہ کہ اس بار بھی ہم خانقاہ میں داخل ہوئے، اس بات کا ہم بخوبی اندازہ لگا چکے تھے کہ خانقاہ میں کون سی جگہ ہونے کے لئے ہے ایسا کوئی راستہ نہیں تھا جس سے کوئی باہر نکل سکے، سامنے کا دروازہ بند کیا جائے تو خانقاہ ند ہوجاتی ہے، ہم اندر داخل ہوئے اور پھر خانقاہ کے اندرونی کمرے میں پہنچے تو ہمارے ذہنوں کو شدید جھٹکا سا لگا، وہاں ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ جس کا پیٹ چاک کردیا گیا تھا اور اس سے خون بہہ رہا تھا۔ کافی مقدار میں یہ خون بہہ چکا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے ابھی ابھی کسی نے اسے چھرا مار کر قتل کیا، تھوڑے فاصلے پر ایک خون آلودہ چھرا بھی پڑا ہوا تھا۔ کچھ اور قریب پہنچے تو یہ دیکھ کر ہماری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ یہ وہی لڑکی تھی جو تھوڑی دیر پہلے جھیل میں نہا رہی تھی۔ محسن خان کے ہونٹ سکڑ گئے، اس نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

”یہ بہت برا ہوا۔“

”مگر اسے قتل کس نے کیا؟“

”پتہ نہیں۔“ محسن خان کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔ اس کی نگاہیں لڑکی پر جمی ہوئی تھیں، میں بھی بڑا افسوس کررہا تھا محسن خان نے کہا۔

”کاش یہ ہمیں اپنے بارے میں بتا تو دیتی، تو ہم اس کی مدد کردیتے۔ بھلا ہمیں کیا پڑی تھی کہ اسے کوئی نقصان پہنچاتے۔“

”واقعی بڑا افسوس ہوا۔“ میں نے چونک کر کہا۔

”محسن خان“

”ہاں۔“

”اسے قتل کرنے والا بھی کوئی ہوگا۔“

”تم یقین کرو، میں یہ ہی سوچ رہا ہوں۔“

”تو پھر اب کیا کیا جائے؟“

”کچھ نہیں، میں اس لڑکی کے لئے دکھی ہوں، اب ہم ایسا کرتے ہیں کہ اس لڑکی کو اسی خانقاہ میں جلادیتے ہیں۔“

”کیا؟“ میں نے چونک کر محسن خان سے پوچھا۔

”جلادیتے ہیں اس لڑکی کو۔“

”مطلب کیا ہے؟ بات کچھ سمجھ نہیں آئی۔“

”میں تمہیں سمجھائے دیتا ہوں۔“ محسن خان نے کہا اور اس کے بعد اس نے یہاں ایسی چیزیں جمع شروع کردیں، جو با آسانی جل سکتی تھیں۔ میں اس کی یہ کارروائی دیکھتا رہا، لیکن اس کی یہ حرکت میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہی تھی۔ تھوڑی دیر تک محسن خان ایسی چیزیں جمع کرتا رہا، ان چیزوں کو اس نے لڑکی کے گرد جمع کردیا تھا۔ پھر واقعی اس نے ان چیزوں کو آگ لگادی،

ملے آہستہ آہستہ تمام چیزوں کو اپنی لپیٹ میں لینے لگے۔ محسن خان میرا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آیا تھا۔ پھر وہ خانقاہ سے باہر نکل آیا اور ہم خانقاہ کے دروازے پر بیٹھ گئے، میں نے محسن خان سے کہا۔

''میرا خیال ہے، اب تم اس لڑکی کی جگہ لینے کی کوشش کررہے ہو۔''

محسن خان ہنس پڑا۔ پھر بولا۔

''سمجھا نہیں۔''

''تم بھی اب پراسرار حرکتیں رکر رہے ہو۔''

''یار ایک بات بتاؤں۔''

''ہاں بولو۔''

''تم بے حد طاقتور آدمی ہو۔''

''واقعی دل سے اعتراف کررہا ہوں کہ تمہاری جسمانی قوتوں کا میں بالکل مقابلہ نہیں کرسکتا۔''

''لیکن کیا؟''

''لیکن تمہاری کھوپڑی، میں کچھ نہیں ہے۔''

''آپ تو بہت ذہین آدمی ہیں۔ پہلے تمہیں اپنے آپ سے ذہین سمجھتا تھا، لیکن اب اپنے آپ کو تم سے ذہین سمجھ رہا ہوں۔''

''اس بے وقوفی کی وجہ۔''

''وجہ صرف یہ ہے کہ وہ لڑکی اب بھی زندہ ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''لڑکی اب بھی زندہ ہے۔ مطلب وہی ہے، جو میں کہہ رہا ہوں۔''

''اور وہ لاش؟''

''لڑکی ہی کی ہے، اور یہ لڑکی جانتے ہو کون ہے؟''

''جی نہیں، میں نہیں جانتا۔''

''سو فیصدی، وہی لڑکی ہے جو ہمیں زخمی حالت میں ملی تھی اور شاید اس وقت بھی اسے صرف گھوڑا درکار تھا۔ باقی اس نے ڈرامہ کیا تھا۔''

''محسن خان بہت اونچا اڑنے کی کوشش کررہے ہو۔ جو کچھ ہوگا، ابھی دیکھتے رہنا، وہ اس وقت بھی لاش نہیں تھی، اس کا زخم ایسا ہی تھا۔ جیسے اس وقت ہم اسے اپاہج لڑکی کی شکل میں دیکھا تھا۔ وہ کوئی بہت ہی شاطر ہے۔ ابھی محسن خان یہ جملہ ادا نہ کرنے پایا تھا کہ خانقاہ کے دروازے سے کوئی باہر نکلا۔ دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی تھی اور باہر نکلنے والا ہمارے پاس پہنچ کر رک گیا تھا، پھر اس کی آواز ابھری۔

''رب عظیم تمہیں غارت کرے۔''

''میں نے چونک کر دیکھا۔ وہی لڑکی تھی، واقعی وہی لڑکی تھی جو ہمیں زخمی حالت میں ملی تھی، کمر پر دونوں ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''تم نے خانقاہ کو آگ لگادی، میرا ٹھکانہ جلادیا تم نے۔''

''روحوں کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا، ڈیئر، تم ایک روح ہو۔ ایک بھٹکی ہوئی روح، جو کہیں اور کسی بھی جگہ اپنے آپ کو منتقل کرسکتی ہو۔ تمہیں بھلا ٹھکانے کی کیا ضرورت ہے۔''

''جنگلی ہو، جاہل ہو۔''

''جانتی ہو، ان گالیوں کے جواب میں تمہارے ان گلابی رخساروں پر اتنے تھپڑ لگائے جاسکتے ہیں کہ ان کا رنگ بگڑ جائے۔''

''ہاں، ہاں، مارلو نا، مارنے ہی کے شوقین ہونا۔''

''تو پھر تم نے یہ تمام حرکتیں کیوں کی ہیں۔

''گڈ، گڈ ویری گڈ، اب کیا پروگرام ہے۔ بے وقوف بنانے کی کوئی نئی کوشش۔''

''نہیں...... سنو...... میں تم سے تعاون کرنا چاہتی ہوں، کیا سمجھے، کروگے مجھ سے تعاون؟''

''پتہ نہیں، تم تعاون کسے کہتی ہو۔''

محسن خان بولا۔

لڑکی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''آؤ میرے ساتھ۔''

ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ آگے بڑھ گئے، خانقاہ کے دروازے سے شعلوں کی زبانیں باہر لپک رہی تھیں۔

لڑکی مجھ سے چند قدم آگے چل رہی تھی۔ اور

میں اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ دلکش بدن کی مالک تھی۔ حالانکہ جو لباس اس نے پہن رکھا تھا، وہ ایسا نہیں تھا کہ جس سے اس کا جسم نمایاں ہو، لیکن ہوا کے آوارہ جھونکے جب اس کے لباس کو اس کے جسم سے چپکا دیتے تھے تو اس کے بدن کی لطافتیں نمایاں ہو جاتی تھیں، میں سوچ رہا تھا کہ وہ کوئی بات کرے وہ خاموشی سے آگے بڑھ رہی تھی، پھر اس نے کافی فاصلہ طے کر لیا اور یہ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ جھیل کے مخالف سمت پہنچ گئی، یہاں بری بڑی گھوری چٹانیں بکھری ہوئی تھیں، جن کے اطراف میں سبزہ زار پھیلے ... یہ علاقہ تو بے شک بڑا ہی خوب صورت تھا، ... کر رہا تھا، نہ وہ رکے، پھر اپنے بارے میں بتائے، پھر اچانک پلٹ کر دیکھا، اور کہا۔

"میرا نام لائنا ہے۔ میری بات غور سے سنو! اب ہر سو اندھیرا پھیلتا جا رہا ہے، اور اندھیرے ... یہاں سے کہیں اور نہیں جا سکتے اس لئے مجبوری ہے ہمیں یہیں رات گزارنی ہے، ہمارے چاروں طرف خطرات منڈلا رہے ہیں اور دشمن ہمیں چاروں طرف سے گھیرنے کے منصوبے بنا رہے ہوں گے، اس پہاڑی میں جو چھوٹا سا غار ہے اس میں ہم آرام سے رات گزار سکتے ہیں، میری مان لو، تم دونوں فائدے میں رہو گے۔"

اور ہم دونوں نے لائنا کی بات پر ہاں میں سر ہلا دیا۔

پھر میں نے محسن کو مخاطب کیا۔ "محسن خان باہر جا کر دیکھو گھوڑوں پر تھوڑے کھانے پینے کے سامان پڑے ہوں گے انہیں لے آؤ تاکہ پیٹ کی آگ تو بجھائیں۔"

میری بات سن کر محسن خان جلدی سے باہر نکلا...... چشم زدن میں واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کھانے پینے کا سامان تھا۔ خیر ہم تینوں نے تھوڑا بہت کھایا اور انہیں اپنی جگہ لیٹ گئے۔ اس درمیان لائنا خاموش رہی اور ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے۔

اور پھر وہ دونوں گہری نیند میں کھو گئے۔ لیکن میری آنکھوں سے آج نیند کوسوں دور تھی۔

آج میرا دل بہت بے چین تھا، اپنا گھر اور گھر والے بہت یاد آرہے تھے اور خاص طور سے امی کی یاد نے مجھے اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ "نہ جانے امی اس وقت کہاں ہوں گی؟" میں اور میرا پورا خاندان میرے دادا مامون خان کے گناہوں کی سزا بھگت رہا تھا۔ دشمن روحوں نے ہم خاندان والوں کو ہلکان اور پریشان کر دیا تھا۔ ہم سب کا چین و سکون غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ ہر سونے پر سہاگہ میرے چاچا فرید خان نے اپنی خود غرضی کے لئے اپنا دین دھرم تیاگ دیا تھا۔ اور وہ بھی ... میں ... کا دشمن تھا، اسی وجہ سے انہوں نے میری امی کو نہ جانے کہاں چھپا دیا تھا۔

خیر میں ... سے اٹھا اور غار سے باہر نکلا، ... پر ستارے جھلملا رہے تھے، چاند ... چاندنی جوبن پر تھی۔

غار سے تھوڑے فاصلے پر، ہموار زمین دیکھ کر میں دو ... دونوں ہاتھ اللہ کے حضور اٹھ گئے ... آنسوؤں کی لڑی لگ گئی اور پھر میں سجدے میں گر کر اللہ کے حضور گڑگڑانے لگا۔ "اللہ تو رحمٰن ہے رحیم و کریم ہے، دین و دنیا کا پالن ہار ہے، تو ہی خالق ہے تو ہی مالک ہے، **ان اللہ علی کل شی قدیر**...... **ان اللہ علی کل شی قدیر**، اور میں زار و قطار روتا رہا۔ مجھے اپنے اردگرد کا ہوش نہیں تھا۔ میں گڑگڑا رہا تھا کہ کسی کی شفقت بھری آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"اشرف خان اٹھو، اپنی آنکھیں کھولو۔" آواز بہت ہی شفقت بھری تھی اور میرے بہت قریب سے آرہی تھی، میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور سجدے سے سر اٹھایا تو حیران رہ گیا۔

چاروں طرف دودھیا روشنی پھیلی تھی اور ایک نورانی چہرہ بزرگ میری طرف دیکھ رہے تھے۔

میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور میں یک ٹک بزرگ کو دیکھے جا رہا تھا۔ بزرگ کے دونوں

پر مسکراہٹ رینگی اور گویا ہوئے۔ ''اشرف خان...... اللہ نے تمہاری سن لی، تمہارے آنسوؤں اور گڑگڑاہٹ نے اللہ تعالیٰ کو متوجہ کرلیا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے خاندان والوں کو دشمن روحوں سے نجات دے دی اور یہی نہیں بلکہ جو بھی تمہارے دشمن ہیں وہ کیفر کردار کو پہنچ جائیں گے۔

تمہارے دادا مامون خان اپنے فعل کی سزا بھگت رہے ہیں اور بھگتتے رہیں گے، انہوں نے احکام خداوندی سے انحراف کیا اور گناہوں کے دلدل میں پڑے رہے، خیر ان کا معاملہ الگ ہے۔

کل کا طلوع ہونے والا سورج تمہاری اور تمہارے خاندان والوں کی زندگی میں خوشیاں بکھیر دے گا، تمہیں فکر مند ہونے کی قطعی ضرورت نہیں کرب واذیت اور دکھ کا اندھیرا کل سے چھٹ جائے گا، تمہاری والدہ اور تمام خاندان والے بہ خیر وعافیت سے ہیں اور گناہگاروں کو ہر صورت سزا ملنی ہے، چلو اٹھو اور قدم آگے بڑھاؤ اپنی نئی منزل کی طرف، آئندہ زندگی میں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا، اور دوسروں کے کام آنا، شریعت کے مطابق روز مرہ کے کام نمٹانا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

یہاں تک بول کر بزرگ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے تو میں فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے دونوں ہاتھ تھام کر بوسہ دیا۔ پھر ان کی طرف دیکھتے ہوئے میں گویا ہوا۔ ''محترم بزرگ...... مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ میرا گھر یہاں سے کتنی دور ہے، میں اس وقت کہاں ہوں۔ میں گھر کیسے پہنچ سکتا ہوں؟''

یہ سن کر بزرگ مسکرائے اور بولے۔ ''تم اپنی آنکھیں بند کرلو...... اور میرا ہاتھ پکڑلو...... جب میں کہوں تو اپنی آنکھیں کھولنا۔''

اور میں نے ایسا ہی کیا تو اچانک میرے جسم کو ایک جھٹکا لگا اور محسوس ہوا کہ میں ہواؤں میں اڑ رہا ہوں۔ اور پھر چند لمحے میں میرے قدم زمین پر رک گئے تو بزرگ کی شفقت بھری آواز سنائی دی۔ ''اشرف خان اپنی آنکھیں کھولو۔''

اور میں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو میں اپنی حویلی کے سامنے کھڑا تھا اور اذان فجر ہو رہی تھی، اتنے میں بزرگ گویا ہوئے۔ ''اشرف خان تمہیں نئی زندگی مبارک ہو، دشمن روحیں تم سب سے بہت دور جاچکی ہیں۔ فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اپنی حویلی میں جاؤ...... اللہ حافظ۔'' اور یہ کہتے ہی بزرگ ایک طرف کو چلے گئے۔ جب بزرگ میری آنکھوں سے اوجھل ہوئے تو میں نے حویلی کا دروازہ کھٹکھٹا دیا اور پھر کئی بار دروازہ کھٹکھٹانے سے دروازہ کھل گیا۔

دروازہ کھولنے والی میری امی تھیں...... ان پر نظر پڑتے ہی میں ان کے گلے لگ کر زور وقطار رونے لگا، ان کی آنکھوں سے بھی آنسو گرنے لگے تھے۔ اتنے میں دوسرے افراد بھی ہمارے قریب آگئے تھے اور وہ سب مجھے دیکھ کر ہکا بکا تھے اور سب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

خیر تھوڑی دیر بعد مجھ سمیت سب کے سب پرسکون ہوگئے۔

جہاں میرے آنے کی سب کو خوشی تھی...... وہیں چاچا فرید خان کے انتقال پر خاندان والے غمزدہ تھے، معلوم ہوا کہ آدھی رات کے قریب چاچا فرید خان دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کرگئے تھے۔

اور دن چڑھتے ہی چاچا فرید خان کو دفنا دیا گیا۔

پھر وقت کے ساتھ ساتھ زندگی معمول پر آگئی اور مجھ سمیت سارے خاندان کے افراد خوشیوں کے دن گزار رہے ہیں۔ اب میں شادی شدہ ہوں، میرے دو بیٹے ہیں...... میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہتا ہوں۔

ختم شد

☆......☆......☆

نوٹ: قارئین کرام! اگلے ماہ سے مشہور و معروف رائٹر ایم الیاس کی نئی قسط وار کہانی ''**خونی جزیرہ**'' پڑھنا نہ بھولئے گا۔